مَن یُّرِدِ اللہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّہْہُ فِی الدِّیْن

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری ڈینڈرولوی
خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

حصہ اول

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

مکتبہ حجاز دیوبند

من یرد اللہ بہ خیراً یفقہہ فی الدین

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

جلد اوّل

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)
خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم
شیخ الحدیث و صدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : فقہی ضوابط (تشریحات، تفریعات، تمثیلات)
تالیف : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈرولوی)
خادم الافتاء والحدیث دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور
نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم دیوبند
طباعت : محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۰ء
باہتمام : قاسم احمد پالن پوری
سیٹنگ : حسن احمد پالن پوری فاضل دارالعلوم دیوبند
ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند 08057938505
مطبوعہ : ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

MAKTABA HIJAZ
Urdo Bazar Jama Masjid Deoband
247554 (U.P.) India M.09997866990

گجرات میں ملنے کا پتہ: مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈرولوی)
دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور۔09979993070

فہرست مضامین

مضامین صفحہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از: مفسر جلیل، محدث کبیر، فقیہ النفس حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

(صدر مدرس وشیخ الحدیث ازہر ہند دار العلوم دیوبند)

الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، امابعد: قواعد، اور اصول: تقریباً ہم معنی الفاظ ہیں، اور ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اگرچہ محققین نے ان میں فرق بیان کیا ہے، مگر عرف عام میں اس کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ مصادر فقہیہ اور کتب قواعد کے مطالعہ سے یہی بات ظاہر ہوتی ہے۔

قاعدہ اور ضابطہ: وہ امر کلی ہے جس پر جزئیات منطبق ہوتی ہیں: یا تو جزئیات امر کلی سے متفرع ہوتی ہیں، یا اس کی طرف سمٹ جاتی ہیں، اور دونوں باتیں مفید ہیں۔ جزئیات کو ایک لڑی میں پرو دیا جائے تو ان کا یاد رکھنا آسان ہوتا ہے، اور امر کلی اگر یاد ہو تو جزئیات کو اس کی طرف آسانی سے لوٹایا جا سکتا ہے۔

قواعد وضوابط اور اشباہ ونظائر پر عربی میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، مگر اردو کا دامن ابھی خالی ہے۔ علاوہ ازیں: بہت سے ضوابط کتب فقہ میں منتشر ہیں، ان کا احاطہ ابھی نہیں کیا گیا، فقہ کی تعلیم کے وقت وہ زیر بحث آتے ہیں، اور ان سے مسائل کی تفہیم آسان

ہو جاتی ہے۔

قواعد وضوابط کے دو بڑے فائدے ہیں:

پہلا فائدہ: آدمی جزئیات کے لئے دلائل تلاش کرنے سے مستغنی ہو جاتا ہے کیوں کہ جب اصل کلی دلیل شرعی سے ثابت ہو جاتی ہے تو جزئیات کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں رہتی۔

دوسرا فائدہ: جب کوئی عالم اصول پر حاوی ہو جاتا ہے تو اس کے لئے مسائل کا جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ مجھے ایک واقعہ یاد ہے: جب میں دارالافتاء دارالعلوم دیوبند کا طالب علم تھا تو میں نے خطیب بغدادی رحمۃ اللہ کی تاریخ بغداد کے اس باب کا مطالعہ شروع کیا، جس میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ پر اعتراضات ہیں۔ اس میں ایک روایت ہے کہ شام سے امام صاحب کے پاس ایک آدمی آیا۔ اس نے کہا: میں آپ سے ایک ہزار مسئلے پوچھنے آیا ہوں، امام صاحب نے فرمایا: پوچھو! روایت پوری ہوئی، میرے سمجھ میں نہیں آیا کہ اس میں کیا اعتراض ہوا۔ میں کتاب لے کر حضرت الاستاذ مفتی مہدی حسن شاہ جہاں پوری رحمۃ اللہ کے پاس گیا، اور پوچھا کہ خطیب صاحب اس روایت سے کیا اعتراض کرنا چاہتے ہیں؟ مفتی صاحب نے فرمایا: اعتراض یہ ہے کہ امام صاحب کا ہزار مسئلوں کا جواب دینے کے لئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں! وہ ہر مسئلہ کا جواب اپنے قیاس (رائے) سے دیں گے۔ میں نے کہا: یہ تو بہت بڑا اعتراض ہو، اس کا جواب کیا ہے؟ مفتی صاحب نے فرمایا: جب آدمی کو اصول محفوظ ہو جاتے ہیں تو فروعات کا جواب دینا آسان ہو جاتا ہے۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ امام صاحب ہر مسئلہ کا جواب دے ہی دیں! میں نہیں جانتا: یہ بھی تو ایک جواب ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ سے ایک ہی مجلس میں چالیس مسئلے پوچھے گئے تھے، آپ نے سب کا جواب یہی دیا کہ میں نہیں جانتا!

غرض: جس طرح قواعد وضابطہ اور اشباہ ونظائر سے اردو کا دامن خالی ہے، فقہ میں

منتشر ضوابط کو بھی کسی نے جمع نہیں کیا، کیوں کہ یہ البیلا اور اچھوتا موضوع ہے۔
ہمارے مفتی اسامہ صاحب زید مجدہ کا ذہن اس موضوع کی طرف کیسے متوجہ ہوا اس کی تفصیل "حرف گفتنی" میں ہے، اور چونکہ مفتی صاحب کے سامنے اردو میں کچھ مواد نہیں تھا اس لئے ان کو بہت جاں کاہی کرنی پڑی۔ انہوں نے براہ راست عربی مصادر کا مطالعہ کیا، اور ان سے یہ قیمتی ہیرے چن لائے، میں نے یہ کتاب بالاستیعاب پڑھی ہے، مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی بڑی فروگذاشت نہیں ہوگی۔

یہ کتاب طلبہ کے لئے تو مفید ہے ہی، اساتذہ کے لئے بھی مفید ہے، اگر اساتذہ اس کا مطالعہ کریں تو ان کی فقہ کی تعلیم میں چار چاند لگ جائیں گے، اور ان کے لئے بکھری ہوئی جزئیات کو ایک لڑی میں پرو کر پیش کرنا آسان ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبول کریں اور مفتی صاحب کو اس کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائیں۔ (آمین)

حررہ:

سعید احمد عفا اللہ عنہ پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

۱۲ر ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ
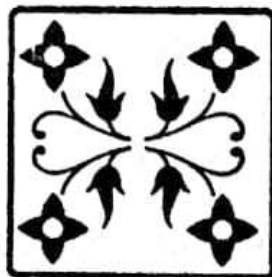
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ گفتنی

خداوند قدوس کا بے پایاں شکر ہے کہ اس نے مجھ بے بضاعت کو یہ توفیق مرحمت فرمائی کہ فقہ اسلامی کے بحر ذخار میں غوطہ زنی کروں اور کچھ قیمتی باتیں تشنگان علوم کے سامنے پیش کروں۔

دراصل اس کتاب کے لکھنے کا پس منظر یہ ہوا کہ مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے رسمی فراغت وتکمیل افتاء کے بعد احقر کو گجرات کے ایک مشہور ادارہ: ”دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور“ میں بفضلہٖ تعالیٰ درس وتدریس کا موقع ملا، ادارہ کے مشفق مہتمم حضرت مولانا موسیٰ صاحب زید مجدہم نے دارالافتاء کی ذمہ داری احقر کے سپرد کی، اس مہتم بالشان کام کو اپنی سعادت سمجھ کر میں نے قبول کرلیا، اگرچہ علمی کم مائیگی اور کام کی نزاکت قبول کرنے کے لئے مانع تھی، مگر یہ بات سامنے تھی کہ جب کوئی کام بغیر کسی طلب کے من جانب اللہ سپرد ہو تو اس میں نصرت خداوندی شامل ہوتی ہے۔ چنانچہ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اس بہانے بحث ومطالعہ اور فقہ اسلامی کے بحر ناپیدا کنار میں غوطہ زنی کا موقع میسر آیا، ذٰلِكَ فَضْلُ اللهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ۔

پھر درس وتدریس میں فقہ حنفی کی مستند کتابیں شرح الوقایہ، ہدایہ وغیرہ پڑھانے کا موقع ملا، چنانچہ طالبان علم فقہ کے احوال وکوائف اور ان کے اذہان کا لحاظ کرکے احقر نے ایک مختصر سا کتابچہ وضو کے باب میں تیار کیا اور محبوبی ومربی حضرت الاستاذ مولانا مفتی

سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی (شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند) کے سامنے پیش کیا، حضرت والا نے دیکھ کر بہت پسند کیا اور حوصلہ افزائی فرمائی اور ضروری رہنمائی کی اب کیا تھا عقابی روح بیدار ہوگئی اور تن بدن میں جان پڑگئی اور کام آگے بڑھتا رہا۔

دوسری طرف کچھ ہی عرصہ بعد ادارہ کی جانب سے ایک ماہنامہ (گجراتی وانگریزی میں) ''صدائے مرکز'' کے نام سے نکلنا شروع ہوا جس میں احقر کی جانب سے فقہ کے مسائل بالترتیب (اور بوقت ضرورت بلاترتیب) ''پُوتْرَ پتھ درشن'' کے عنوان کے تحت ہر ماہ نکلتے رہے (جو تاہنوز جاری ہیں) ان مسائل کو قارئین نے بحمدہ تعالیٰ بہت پسند کیا چنانچہ کئی احباب نے زبانی وتحریری تحسین کی، پس اس طرح کے کئی اسباب ودواعی جمع ہوگئے اور ترتیب مسائل کا کام آگے بڑھتا رہا۔

پھر کچھ عرصہ بعد احقر کے ذہن میں یہ داعیہ پیدا ہوا کہ فقہ کے جزئیات وفروعات کو باب درباب اور فصل درفصل ضوابط کی قیمتی لڑیوں میں پرودیا جائے جس سے فقہ کی منتشر اور بکھری ہوئی جزئیات کا یاد کرنا سہل اور مختصر وقت میں ان پر قابو پانا آسان ہوجائے۔ احقر کے علم میں اس طرح کی اب تک کوئی کتاب مکاتیب علمیہ میں نہیں ہے، عربی میں قواعد الفقہ اگرچہ موجود ہے (اور اس کی افادیت کا انکار نہیں) لیکن اس میں اولاً عبادات سے متعلق قواعد بہت ہی قلیل مقدار میں ہیں، زیادہ تر معاملات سے متعلق قواعد ہیں، پھر وہ قواعد بھی منتہی اور اعلیٰ ذہن رکھنے والوں کے لئے ہیں، کیوں کہ وہ عمومی قواعد ہیں، مثلاً: إنما الأعمال بالنيات؛ اليقين لايزول بالشك وغیرہ...... جن کا تعلق مختلف ابواب فقہیہ سے ہے۔ جبکہ احقر کا منشا یہ ہے کہ ہر باب وفصل کے تحت مخصوص ضوابط (جن میں زیادہ عموم نہ ہو) بالترتیب بیان کئے جائیں، پھر اس کے نیچے اہم تفریعات وتمثیلات ذکر کی جائیں اور جہاں ضابطہ میں تشریح کی ضرورت ہو وہاں تشریح بھی کی جائے، نیز اگر ضابطہ سے کوئی بات مستثنیٰ ہو تو اس کی بھی وضاحت کردی جائے، چنانچہ احقر نے خدا کا نام لے کر اس انداز کا کام شروع کیا اور بحمد اللہ جلد اول کا

کام تمام ہوا، احقر اس میں کتنا کامیاب ہوا ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام کریں گے۔

ضابطہ: لغت میں قاعدہ، قانون اور اصل کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں ضابطہ اس کلی کو کہتے ہیں جو ایک باب کی چند جزئیات پر منطبق ہو۔ جبکہ قاعدہ کا تعلق مختلف ابواب کی جزئیات سے ہوتا ہے۔ علامہ ابن نجیمؒ فرماتے ہیں: **القاعدة تجمع فروعا من ابواب شتى والضابط يجمعها من باب واحد** (الاشباہ والنظائر: ۱۶۲/۱) کتاب میں ضابطہ اپنے اصطلاحی معنی میں ہے، لیکن کہیں بمعنی قاعدہ (بلحاظ لغت وعرف) بھی استعمال کیا گیا ہے۔ لیکن خیال رہے کہ ضابطہ یا قاعدہ سے منطق کا قاعدہ کلیہ مراد نہیں، جس سے کوئی جزئی مستثنیٰ نہیں ہوتی، بلکہ بہت سی جگہ قاعدہ اکثری مراد ہے (کوئی جزئی مستثنیٰ ہوتی ہے تو اس کو بیان کر دیا گیا ہے)

پھر کتاب میں چونکہ مقصود ضوابط کی صورت میں مسائل کا احاطہ کرنا ہے، اس لئے اس میں بہت سے ضوابط مستنبط بھی ہیں، جن میں بالقصد کچھ توسع سے کام لیا گیا ہے چنانچہ ضابطہ بنانے میں یہ پیش نظر رہا ہے کہ بعض جگہ فعل میں عموم کیا گیا ہے (مثلاً ہر وہ کلام جو کلام الناس سے ہو نماز کو فاسد کر دیتا ہے) اور بعض جگہ فاعل میں عموم کیا گیا ہے (مثلاً ہر ایسے شخص کو جس کی مسجد کی حاضری سے لوگوں کو تکلیف ہو جماعت کی نماز میں آنا جائز نہیں) اور کہیں مفعول میں تعمیم کی گئی ہے (مثلاً ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے اور جو کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ مستحب ہے) اور کبھی ضابطہ شرط کے درجہ میں ہوتا ہے، لیکن اس کے تحت چونکہ بہت سی فروعات ہوتی ہیں، اس لئے اس کو ضابطہ کی صورت دی گئی ہے (مثلاً امام اور مقتدی کا مکان (نماز پڑھنے کی جگہ) حقیقتاً یا حکماً ایک ہونا ضروری ہے) اور بعض جگہ مسئلہ کے کئی رخ ہوتے ہیں تو کسی ایک رخ کو متعین کرنے کے لئے بھی ضابطہ کی شکل دی گئی ہے (مثلاً نیت کا اصل مدار دل پر ہے زبان پر نہیں) بلکہ بعض جگہ کوئی عبارت اول نظر میں مسئلہ کی صورت میں دکھائی دیتی ہے، لیکن چونکہ وہ مسئلہ ایک دو

جزئیات پر مشتمل ہوتا ہے اس لئے اس کو ضابطہ میں ڈھالا گیا ہے (مثلاً نماز میں اپنا ستر دوسروں سے چھپانا تو فرض ہے مگر اپنے آپ سے چھپانا فرض نہیں) ایسے وقت میں ضابطہ کے مصدری معنی: "ضبط کرنے والی چیز" پیش نظر رکھے گئے ہے۔ اگر قارئین کرام ان چیزوں کو مدنظر رکھیں گے تو امید ہے ان شاء اللہ کوئی اشکال نہ ہوگا۔

ان سب کے باوجود اپنی علمی تہی دامنی اور کم فہمی کا اعتراف ہے، ممکن ہے کہیں ضوابط میں جھول رہا ہو، کیونکہ یہ کام جس قدر مشکل ودقیق ہے (جیسا کہ اہل فن جانتے ہیں) پھر اس کو انجام دینے والا ایک مبتدی ہے اس لئے کچھ تسامحات کا ہو جانا ممکن ہے لیکن باحوصلہ قارئین سے امید ہے کہ جہاں تک تعبیرات کا حسن، طرز تحریر، ادب وانشاء اور ضوابط کی ساخت وغیرہ کی بات ہے تو یہ کہہ کر چشم پوشی کرلیں گے کہ:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا ❀ غواص کو مطلب ہے گہر سے نہ کہ صدف سے

ہاں! اگر مسائل میں کوئی نقص یا غلطی محسوس فرمائیں، تو احقر کو ضرور آگاہ فرمادیں، آپ کا بے حد مشکور وممنون ہوں گا، تا کہ آئندہ اس کی اصلاح کی جاسکے۔

نیز احقر نے مزید فائدے کی خاطر کتاب میں اہم مسائل کے کچھ شجرات (نقشے) بھی دیئے ہیں (جو کتاب کے اخیر میں ہیں) کیوں کہ جس طرح ضوابط سے مسائل کا سمجھنا کم وقت اور آسانی سے ہو جاتا ہے شجرات ونقشہ جات سے بھی یہ مقصد بہت حد تک حاصل ہوتا ہے اور آخر میں مسائل شجرات کے حوالے بھی نقل کئے ہیں بلکہ کتاب کے ہر اہم مسئلہ کا حوالہ اس کی جگہ پر بیان کیا گیا ہے تا کہ اہل علم کے لئے مراجعت میں سہولت ہو۔

الغرض اس کتاب میں طہارت سے لے کر کتاب النکاح تک ان ضوابط کو جمع کیا گیا ہے جو من کل الوجوہ یا من وجہ عبادات سے تعلق رکھتے ہیں، اس کی تسوید وتبییض اور مسائل کی تحقیق وتنقیح میں بڑی جاں کاہی اور دیدہ ریزی سے کام لیا گیا ہے، کئی مرتبہ مسودہ تیار کر کے بدلا گیا، پیش نظر یہ تھا کہ ایسے طرز پر کتاب لکھی جائے جو محقق ومعتمد

ہونے کے ساتھ مفید بھی ہو اور قارئین کے لئے دلچسپی کا باعث بھی۔ امید ہے کہ یہ کتاب ان شاء اللہ شائقین کے لئے ایک قیمتی سوغات ہوگی۔

اس کتاب کی تیاری میں جن احباب نے تعاون کیا ہے احقران کا تہہ دل سے شکر گذار ہے، جہاں تک مربی و مشفق حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی کی شفقتوں، عنایتوں، علمی وفکری رہنمائیوں، اصول تصنیف کی نشاندہی اور ہر مشکل موقع پر ہمت افزائی کا تعلق ہے وہ بیان سے باہر ہے، اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ یہ تصنیف درحقیقت حضرت والا ہی کی ہے اور میری حیثیت صرف ایک محرر کی ہے، احقران کا رسمی شکریہ ادا کر کے دل میں موجزن بے پناہ جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہتا، حقیقت یہ ہے کہ:

لو أنّنی أوتیتُ کلَّ بلاغةٍ ❁ وأفنیتُ بَحْرَ النُطقِ فی النَظمِ والنثرِ
لما کنتُ بعد الکلِّ إلاّ مقصِّرا ❁ ومُعترفا بالعجز عن واجب الشکرِ

اخیر میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرف قبولیت سے نوازیں اور اس ناکارہ اور اس کے اساتذہ اور اس کے والدین کے لئے ذریعہ آخرت بنائیں (آمین)

ربنا تقبل منا إنك أنت السميع العليم.

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه أجمعین.

بندہ
اسامہ غفرلہٗ
خادم الافتاء والحدیث
دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات
۱۵/ ذی القعدۃ ۱۴۳۱ھ

❁　❁

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کتاب الطھا رات

استنجاء کا بیان

۱- **ضابطہ:** ہر پاک چیز جس میں نجاست صاف کرنے کی صلاحیت ہو اور قیمتی یا محترم نہ ہو اس سے استنجاء بلا کراہت درست ہے (اس کے علاوہ باقی چیزوں سے استنجاء یا تو درست نہیں یا مکروہ ہے)[۱]

تشریح: پس ڈھیلا، ریت، لکڑی، دھجی (پرانا کپڑا) چمڑے وغیرہ سے استنجاء بلا کراہت درست ہے۔

اور ناپاک چیز (مثلاً لید گوبر وغیرہ) سے استنجاء درست نہیں۔

اور پاک چیز جس میں نجاست صاف کرنے کی پوری صلاحیت نہ ہو اس سے استنجاء مکروہ ہے، جیسے ٹھیکری، شیشہ، کوئلہ، اور چکنے پتھر وغیرہ سے استنجاء مکروہ ہے۔

اور جو چیز قیمتی ہو یا شرعاً قابل احترام ہو اس سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے، جیسے قیمتی کپڑا، روئی، ہڈی، گھاس، کاغذ، وغیرہ سے استنجاء مکروہ تحریمی ہے[۲]۔

ملحوظہ: کاغذ سے مراد لکھا ہوا کاغذ ہے، خواہ کسی بھی زبان میں لکھا ہوا ہو، اگر لکھا ہوا نہ ہو مگر قابل تحریر ہو یعنی اس پر لکھا جا سکتا ہو تو بھی یہی حکم ہے، کیوں کہ وہ علم کا ذریعہ

(۱) (مستفاد ھندیہ: ۱/۵۰، شامی: ۱/۵۵۱) (۲) (وکرہ تحریما بعظم ..وشیء محترم الخ (الدر المختار علی ھامش ردالمحتار: ۱/۵۵۲)

ہونے کی وجہ سے قابل احترام ہے البتہ ایسا کاغذ جس پر لکھائی نہ ہوسکے اور وہ خاص استنجاء کے مقصد کے لئے بنایا گیا ہو جیسے ٹوئیلیٹ پیپر تو اس سے استنجاء بلا کراہت درست ہے[١]۔

۲-**ضابطہ**: ہر وہ تدبیر جو پیشاب کے بعد پیشاب کے قطرات کو نکالنے کے لئے کی جائے جس سے نجاست پوری طرح زائل ہونے کا اطمینان ہو جائے واجب ہے[٢]۔

تشریح: اس تدبیر کو فقہا کی اصطلاح میں "استبراء" کہتے ہے، اور وہ لوگوں کی طبیعت کے اختلاف کے باعث مختلف ہوتی ہے، جیسے کھانسنا، چند قدم چلنا، ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر لپیٹنا اور زور دینا، رگوں کو سونتنا (اس طرح کہ خصیے کے نیچے ہاتھ رکھ کر فوطوں کو اوپر کی جانب لے جانا اور عضو تناسل کو حرکت دینا) وغیرہ......

غرض دل کا اطمینان مقصود ہے خواہ کسی طرح سے کرلے اور جب تک اطمینان نہ ہو استبراء واجب ہے۔ اور جب یہ یقین ہو جائے کہ وہ تمام نجاست جو سوراخ میں تھی نکل گئی تو استنجاء ہو گیا[٣]۔

اور یہ استبراء کا وجوب مردوں کے لئے ہے، عورت فارغ ہونے کے بعد تھوڑی دیر توقف کرے پھر استنجاء کرلے[٤]۔

---

(١) وأما الورق الذی لایصلح للکتابة فإنه یجوز به الاستجمار بدون الکراھة۔ (کتاب الفقه:١/٩١)　　(٢) ھندیه:١/٤٩۔

(٣) والصحیح أن طبائع الناس مختلفة فمتی وقع فی قلبه أنه تم استفراغ مافی السبیل یستنجی۔ (ھندیه:١/٤٩، الدر المختار علی ھامش ردالمحتار:١/٥٥٨، مراقی الفلاح:٤٣)

(٤) وفیھا أن المرءة کالرجل إلا فی الاستبراء فإنه لااستبراء علیھا بل کما فرغت تصبر ساعة لطیفة ثم تستنجی۔ (شامی:١/٥٥٨)

۳-ضابطہ: ہر ایسی جگہ پر قضائے حاجت کرنا جس سے انسانوں کو یا دوسرے جانداروں کو تکلیف پہنچے مکروہ ہے[۱]۔

جیسے لوگوں کی یا جانوروں کی بیٹھنے کی جگہ میں یا راستہ میں پیشاب و پاخانہ کرنا مکروہ ہے۔اسی طرح جاری پانی، یا رکے ہوئے پانی، یا تالاب، یا چشمے، یا اس کے علاوہ پانی کی جگہ میں قضائے حاجت کرنا مکروہ ہے (جاری پانی میں مکروہ تنزیہی ہے، رکے ہوئے کثیر پانی میں مکروہ تحریمی ہے اور قلیل پانی میں حرام ہے[۲]۔

اسی طرح چوہے، سانپ اور چیونٹی وغیرہ کے بل میں پیشاب کرنا مکروہ ہے کہ اس سے حشرات الارض کو تکلیف ہوگی اور ممکن ہے خود انسان کو اس کا خمیازہ بھگتنا پڑے کہ بل میں سے کوئی چیز نکل کر اس کو ڈس لے۔

پانی کا بیان

۴-ضابطہ: پرندے کی بیٹ سے ٹنکی اور کنویں کا پانی ناپاک نہ ہوگا، مگر یہ کہ نجاست کا اثر پانی میں ظاہر ہو جائے[۳]۔

۵-ضابطہ: وہ جانور جس میں بہتا ہوا خون ہو اس کا کوئی عضو کٹ کر تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا[۴]۔

---

(۱)(مستفاد حاشیۃ الطحطاوی:۵۳)

(۲)وفی البحر:انہا فی الراکد تحریمۃ وفی الجاری تنزیہۃ(الدر المختار علی ہامش ردالمحتار:۱/۵۵۳)

(۳)ولا نزح فی بول فارۃ فی الاصح .فیض .ولا بخرء حمام و عصفور و کذا سباع طیر فی الاصح لتعذر صونہا عنہ (الدر المختار علی ہامش ردالمحتار :۱/۳۷۹)

(۴)لو وقع ذنب فارۃ ینزح الماء کلہ(شامی:۱/۳۶۶،فصل فی البئر)

جیسے چوہے، یا بڑی چھپکلی (جس میں بہتا خون ہوتا ہے) کی دم کٹ کر ٹنکی میں گر جائے تو پانی ناپاک ہو جائے گا (مگر یہ کہ ٹنکی حوض کی طرح دہ دردہ ہو تو پھر پانی ناپاک نہ ہوگا)

۶- **ضابطہ**: جس چیز کا ناپاک ہونا معلوم نہ ہو اگر وہ تھوڑے پانی میں گر جائے تو پانی ناپاک نہ ہوگا، کیوں کہ چیزوں میں اصل پاک ہونا ہے[۱]۔

۷- **ضابطہ**: خنزیر کے علاوہ ہر جانور کے بال پاک ہیں خواہ جانور زندہ ہو یا مردہ[۲]۔

تفریع: پس بالوں کے پانی میں گرنے سے پانی ناپاک نہ ہوگا اور پاک پانی سے بھیگے ہوئے کتے وغیرہ کے چھو جانے سے نجاست نہ آئے گی۔

البتہ اگر بال اکھاڑا جائے تو اس میں جو سفید چکنائی نظر آتی ہے وہ ناپاک ہے، اگر وہ چکنائی کل ملا کر ناخن کے بقدر ہو جائے تو اس سے ماء قلیل ناپاک ہو جائے گا[۳]۔

۸- **ضابطہ**: پانی خوشبودار ہو جانے سے ماء مطلق سے خارج نہیں ہوتا[۴]۔

پس کیوڑہ، گلاب وغیرہ ملے ہوئے خوشبودار پانی سے وضو غسل جائز ہے۔

۹- **ضابطہ**: حادث کی اضافت قریب کی طرف کی جاتی ہے[۵]۔

جیسے کسی برتن سے لوٹے کے ذریعہ پانی لیا اور لوٹے میں نجاست نظر آئی اور کچھ معلوم نہیں کہ یہ نجاست اسی برتن میں تھی، یا ٹنکی میں سے آئی ہے جس سے اس برتن کو بھرا گیا ہے، یا کنویں میں سے آئی ہے جس سے ٹنکی کو بھرا گیا ہے تو اس صورت میں قریب کی طرف یعنی برتن کی طرف نجاست کو منسوب کریں گے اور اس کا پانی ناپاک ہو

---

(۱)(امداد الفتاوی:۱/۶۰) (۲)(مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۱/۳۵۹)

(۳)أما المنتوف فنجس، بحر. والمراد رؤوسه اللتي فيها الدسومة......إن ما خرج من الجلد مع الشعر إن لم يبلغ مقدار الظفر لايفسد الماء (شامی:۱/۳۵۹)

(۴)(امداد الفتاوی:۱/۶۰) (۵)(الاشباہ والنظائر:۸۴)

گا،ٹنکی یا کنویں کے پانی کو ناپاک نہیں کہیں گے، جب تک اس کا کوئی ثبوت نہ ہو۔

۱۰- **ضابطہ**: جاری پانی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا، جب تک نجاست اس پر غالب نہ آجائے (۱)۔

تفریع: پس بارش کا پانی جو نجاست کے ساتھ بہ کر آئے وہ پانی پاک ہے (بشرطیکہ نجاست کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کوئی وصف پانی میں ظاہر نہ ہو)

۱۱- **ضابطہ**: گھروں میں رہنے والے غیر مأکول اللحم جانور (مثلاً بلی، چوہا، سانپ وغیرہ) کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے (۲)۔

البتہ اس ضابطہ سے کتا اور گدھا مستثنیٰ ہیں، کتے کا جھوٹا پانی قطعاً ناپاک ہے اور گدھے کا جھوٹا پانی مشکوک ہے یعنی اس کے پاک کرنے والا ہونے میں شک ہے (نہ کہ اس کے پاک ہونے میں) (۳)

تفریع: پس اگر یہ گھریلو جانور قلیل پانی میں گر جائیں اور ان کو زندہ نکال لیا جائے تو اس پانی کا حکم وہی ہوگا جو ان کے جھوٹے کا ہے (بشرطیکہ ان کے جسم پر کوئی ظاہری نجاست نہ ہو ورنہ سارا پانی ناپاک ہو جائے گا) (۴)

۱۲- **ضابطہ**: شکاری پرندے یعنی وہ پرندے جو اپنے پنجوں سے شکار کرتے ہیں جیسے شکرہ، باز، شاہین وغیرہ یا جن پرندوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا مثلاً چیل وغیرہ ان کا جھوٹا مکروہ تنزیہی ہے، ان کے علاوہ باقی پرندوں کا جھوٹا بلا کراہت پاک ہے (۵)۔

---

(۱) وإذا ألقي في الماء الجاري شيء نجس كالجيفة والخمر لاينجس مالم يتغير لونه أو طعمه أو ريحه، كذا في منية المصلي (ھندیہ:۱/۱۷)

(۲) وسؤر حشرات البيت كالحية والفأرة والسنور مكروه كراهية تنزيه هو الاصح (ھندیہ:۱/۲۴) (۳) مشكوك في طهوريته لا في طهارته. هذا هو الأصح وهو قول الجمهور (درمختار و شامی:۱/۳۸۷) (۴) (شامی:۱/۳۸۷)

(۵) و(سؤر) سباع الطير......مكروه تنزيهاً (درمختار ۱/۳۸۳-۳۸۴) وكذا سؤر ←

۱۳- **ضابطہ:** ہر درندہ کا جھوٹا ناپاک ہے[1]۔

تفریع: پس ہاتھی کے سونڈھ کا پانی ناپاک ہے۔ اسی طرح بندر نے اگر ٹنکی میں منھ ڈال کر پانی پی لیا تو پورا پانی ناپاک ہوگیا، کیوں کہ ہاتھی و بندر کا شمار درندوں میں ہے۔

وضو کا بیان

۱۴- **ضابطہ:** پیشانی کو عام طور پر بالوں کے اگنے کی معروف جگہ تک دھونا فرض ہے، خواہ وہاں بال اُگے ہوں یا نہ اُگے ہوں[2]۔

تشریح: پس اگر کسی کی پیشانی پر بال اگ آئے ہوں تو ان کا دھونا فرض ہے، وہ حصہ چہرہ میں داخل ہے ـــــ اور اگر کسی کے سر کے آگے کا حصہ گنجا ہو تو اس حصہ کا دھونا فرض نہیں، وہ حصہ سر میں داخل ہے، اس پر مسح کرنا جائز ہے[3]۔

۱۵- **ضابطہ:** اعضائے وضو میں پیدا ہونے والے ہر زائد عضو (مثلاً انگلی، ہاتھ وغیرہ) کا دھونا فرض ہے، خواہ وہ اصل عضو کے ساتھ ملا ہوا ہو یا مستقل ہو اور خواہ وہ قوت اور کسی چیز کے پکڑنے کے اعتبار سے اصل عضو کی طرح ہو یا نہ ہو[4]۔

۱۶- **ضابطہ:** چہرے کی حد میں اگنے والے سب بالوں کا حکم وضو میں ڈاڑھی کی طرح ہے[5]۔

تشریح: پس مونچھوں، ابروٗں اور بچہ ریش کا حکم دھونے میں ڈاڑھی کے مثل ہے،

← مالا یؤکل لحمہ طاھر مکروہ استحساناً (ھندیہ: ۱/۲۴، ومراقی الفلاح، ص: ۳۲)

(۱) (شامی: ۱/۳۸۲) (۲) (مستفاد الدر المختار علی ھامش ردالمحتار: ۱/۲۱۰)

(۳) (ھندیہ: ۱/۴، تاتارخانیہ: ۱/۹۲) (۴) ویجب غسل کل ماکان مرکباً علی أعضاء الوضوء من الإصبع الزائدۃ والکف الزائدۃ (ھندیہ: ۱/۴، تاتارخانیہ: ۱/۹۰)

(۵) (مستفاد شامی: ۱/۲۱۶)

یعنی اگر گنجان ہوں تو صرف ظاہری حصہ کا دھونا کافی ہے، کھال تک پانی پہنچانا ضروری نہیں، اور اگر گنجان نہ ہوں بلکہ نیچے کی کھال نظر آتی ہو تو کھال تک پانی پہنچانا فرض ہے ورنہ وضو نہ ہوگا[۱]۔

۱۷- **ضابطہ**: ماءِ مطلق کا استعمال غسل (دھونا) و مسح دونوں میں ضروری ہے۔[۲]

تفریع: پس اگر کسی نے سر میں خضاب یا مہندی لگائی، پھر اسی حالت میں مسح کیا تو اگر ہاتھ کی تری خضاب یا مہندی کے ساتھ مل کر رنگین ہوگئی اور مطلق پانی کے حکم سے نکل گئی تو مسح جائز نہ ہوگا۔[۳]

۱۸- **ضابطہ**: وضو و غسل میں تقاطر (یعنی اس طرح دھونا کہ کچھ قطرے ٹپک جائیں) شرط ہے۔[۴]

تفریع: پس اگر وضو یا غسل کے بعد معلوم ہوا کہ کوئی حصہ خشک رہ گیا ہے تو اس جگہ فقط تر ہاتھ پھیر لینا کافی نہ ہوگا، بلکہ اس حصہ کا باقاعدہ دھونا ضروری ہے (البتہ نیا وضو لازم نہیں)[۵]

۱۹- **ضابطہ**: وضو کے بعد اعضائے وضو سے کسی بھی جزء کے نکالنے یا اکھاڑنے سے اس جگہ کا دھونا ضروری نہیں۔[۶]

تشریح: پس وضو کے بعد زخم کا چھلکا یا بدن کی کوئی کھال اتار دی؛ یا ناخن تراشے؛

---

(۱) یجب غسل بشرة لم یسترها الشعر کحاجب وشارب وعنفقة فی المختار (درمختار) وفی الشامیة: أما المستور فساقط غسلها للحرج (شامی: ۱/۲۱۶)

(۲) (ہندیہ: ۱/۶) (۳) فاحفظه وإن کان علی رأسها خضاب فمسحت علی الخضاب إذا اختلطت البلة بالخضاب وخرجت عن حکم الماء لایجوز المسح (ہندیہ: ۱/۶، التاتارخانیہ: ۱/۹۲) (۴) (شامی: ۱/۲۰۸)

(۵) وصح نقل بلة عضو إلی عضو آخر فیه بشرط التقاطر...... الخ (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۱/۲۹۵، ہندیہ: ۱/۵) (۶) (الدرالمختار ۱/۲۱۶)

یا بال کاٹے؛ تو اس کے نیچے کی جگہ کا دھونا فرض نہیں (جیسے وضو کے بعد سر کے بال منڈوانے سے دوبارہ مسح ضروری نہیں [1])

۲۰۔ **ضابطہ:** وضو خواہ کسی مقصد کے لئے کیا جائے اس سے نماز درست ہے [2]

تشریح: پس تلاوت کے لئے یا قرآن کو چھونے لئے یا کوئی اور کام کرنے کے لئے وضو کیا تو اس وضو سے نماز جائز ہے۔

۲۱۔ **ضابطہ:** بدن پر لگی ہوئی ہر وہ چیز جو کھال تک پانی پہنچنے میں مانع ہو اس کا چھڑانا وضو و غسل میں ضروری ہے۔ مگر یہ کہ چھڑانے میں حرج ہو یا علاج کے طور پر اس کو لگایا ہو۔ [3]

تفریعات:

(۱) پس مچھلی کی کھال (چھلکا) یا پیاز یا لہسن کا چھلکا یا روٹی یا اس کے مانند کوئی چیز بدن پر لگی ہو تو وضو جائز نہ ہوگا، کیوں کہ اس کے نیچے پانی نہیں پہنچتا، نیز اس سے احتراز ممکن ہے اور اس کے نکالنے میں حرج و مشقت بھی نہیں۔ [4]

(۲) کسی کے ناخن بڑھے ہوئے ہوں جن میں میل یا گوندھا ہوا آٹا جم گیا ہو، یا کوئی شخص مٹی کا کام کرتا ہے، یا کوئی عورت مہندی میں انگلیاں رنگے، یا کوئی شخص چمڑے کو پکا کر صاف کرتا ہو یا چھیلتا ہو یا رنگ ریز ہو اور ان سب کے ناخنوں میں مہندی یا چمڑے یا رنگ کا جرم جما ہے تو ان سب کا وضو جائز ہے، یہی صحیح قول ہے اور اسی پر فتویٰ

(۱) وکذا لو کان علی أعضاء وضوئه قرحة کالدملة وعلیها جلدة رقیقة فتوضأ وأمرّ الماء علیها ثم نزعها لایلزم اعادة غسل علی ماتحتها (الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۲۱۶/۱، تاتارخانیہ:۹۵/۱) (۲) (البحر:۵۲/۱)

(۳) (مستفاد ھندیہ:۴/۱، البحر:۲۹/۱، تاتارخانیہ:۹۵/۱)

(۴) ولو کان جلد سمك أو خبز ممضوغ قد جف فتوضأ ولم یصل الماء إلی ماتحته لم یجز لأن التحرز عنه ممکن (تاتارخانیہ:۹۵/۱)

ہے، کیوں کہ ان چیزوں سے بچنے میں ان کے لئے حرج ومشقت ہے۔ (۱)

(۳) بدن پر مکھی یا پسّو کا پاخانہ (بیٹ) لگ جائے اور وضو میں اس کے نیچے پانی نہ پہنچے تو بوجہ حرج کے مضائقہ نہیں وضو جائز ہے۔ (۲)

(۴) دوا وعلاج کے طور پر کوئی چیز بدن پر لگائی ہو تب بھی یہی حکم ہے، یعنی وضو جائز ہے، چھڑانا ضروری نہیں۔

(۵) اسی طرح کوئی ایسی چیز لگی ہو جس کے اکھاڑنے میں تکلیف ومشقت ہو جیسے الیکشن میں انگلی پر نشان لگایا جاتا ہے تو اس کو نکالنا ضروری نہیں، وہ معاف ہے۔

(۶) مہندی جیسا پتلا رنگ، قلم کا نشان، بدن کا میل، روغن، چربی وغیرہ اس میں بھی مضائقہ نہیں، کیوں کہ یہ چیزیں جرم یعنی تہہ والی نہیں جو پانی کو بدن تک پہنچنے سے روکتی ہوں۔

(۷) اسی سے لپ اسٹک اور ناخن پالش کا حکم بھی واضح ہو گیا کہ اگر وہ تہہ والی ہیں یعنی ان کا جرم اور پرت بنتا ہے تو اس کو لگانے سے وضو وغسل صحیح نہ ہوگا، اور اگر مہندی جیسا رنگ ہے (تہہ نہیں بنتی) تو وضو وغسل صحیح ہے۔

نواقض وضو

۲۲- **ضابطہ**: ہر بہنے والے خون یا پیپ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ

---

(۱) وفي الجامع الصغير: سئل أبو القاسم عن وافر الظفر الذي يبقى في أظفاره الدرن أو الذي يعمل عمل الطين أو المرأة التي صبغت إصبعها بالحناء أو الصرام أو الصباغ، قال: كل ذالك سواء يجزيهم وضوئهم إذ لا يستطاع الامتناع عنه إلا بحرج، والفتوى على الجواز بين المدني والقروي، كذا في الذخيرة (هندیہ: ۱/۴، البحر: ۱/۲۹) (۲) وإن كان على بعض أعضائه خرأ ذباب أو برغوث فتوضأ، و"في الذخيرة" أو اغتسل ولم يصل الماء إلى ماتحته جاز، لأن التحرز عنه غير ممكن (تاتارخانیہ: ۱/۹۵)

بالفعل بہے یا بالقوۃ؛ جسم پر بہے یا اس کے علاوہ پر۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس انجکشن لگانے یا گلوکوز چڑھاتے وقت سوئی میں بہہ پڑنے کی مقدار خون آگیا (جیسا کہ رگ کے انجکشن میں اکثر ایسا ہوتا ہے) تو وضوٹوٹ جائے گا (اگرچہ خون پھر دوا کے ساتھ اندر چلا جائے، کیوں کہ ایک بار نکلنا پایا گیا) اور اگر سوئی میں خون نہیں چڑھا (جیسا کہ گوشت اور کھال میں لگائے جانے والے انجکشن میں ہوتا ہے) تو انجکشن سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

(۲) چھوٹی چیچڑی، مچھر، پسو، وغیرہ نے خون چوسا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ ان کا پیا ہوا خون بہنے کی مقدار نہیں ہوتا۔ اور اگر بڑی چیچڑی اور جونک خون چوس کر پھول جائے تو وضوٹوٹ جائے گا، کیوں کہ وہ خون بہنے کی مقدار ہوتا ہے۔ (۲)

(۳) کسی شخص کا تھوڑا تھوڑا خون نکلتا رہا اور وہ روئی یا کپڑے سے پونچھتا رہا یا مٹی یا دوا سے چھپاتا رہا تو اپنی غالب رائے واجتہاد سے جمع کرے اور دیکھے کہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو خون بہہ جاتا یا نہیں؟ اگر بہہ جاتا تو وضوٹوٹ جائے گا (کیوں کہ یہ بالقوۃ بہنا ہے) اور اگر نہ بہتا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اور یہ جمع کرنے کا حکم ایک ہی مجلس کے ساتھ خاص ہے، متعدد مجالس کا خون جمع نہیں کیا جائے گا (پس متعدد مجلسوں میں تھوڑا تھوڑا خون نکلا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اگرچہ جمع کے بعد وہ بہنے کی مقدار پہنچ جائے (۳))

---

(۱) ینقضه......عین السیلان ولو بالقوة......الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۲۶۲)

(۲) وکذا ینقضه علقة مصت عضواً وامتلئت من الدم، ومثلها القراد إن کان کبیرا، لأنه حینئذ یخرج منه دم مسفوح سائل (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۲۶۸۔ تاتارخانیہ: ۱/۱۲۶)

(۳) وکذا إذا وضع علیه قطنا أو شیئا آخر حتی ینشف ثم وضعه ثانیا وثالثا فانه یجمع جمیع مانشف، فإن کان بحیث لو ترکه سال نقض وإنما یعرف هذا ←

(۴) یہی حکم اس صورت کا ہے کہ زخم پر پٹی باندھی اور اندر اندر خون نکلتا رہا، اگر (ایک ہی مجلس میں) سارا خون بہنے کی مقدار تک پہنچ گیا تو وضوٹو جائے گا، ورنہ نہیں (اس میں زخم والوں کے لئے بڑی وسعت ہے)[۱]

(۵) کسی بیماری کے باعث ناف، کان اور پستان سے پانی بہنے کے بقدر نکلا تو وضو ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ درحقیقت پیپ ہے۔

(۶) مگر دکھتی آنکھ سے پانی نکلا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، یہی صحیح و محقق قول ہے، کیوں کہ آنکھ منھ کی طرح محل رطوبت ہے، عارض کی وجہ سے کثرت سے رطوبت بہے تو اس کو پیپ نہیں کہیں گے، جب تک کہ کوئی علامت نہ پائی جائے۔ ہاں! البتہ اگر اس پانی کے رنگ یا بو میں تغیر آجائے تو پھر اس سے وضوٹوٹ جائے گا، کیوں کہ اب اس کے پیپ ہونے کی علامت پائی گئی (تغیر کے جاننے کا طریقہ یہ ہے سفید ستھرا رومال آنکھ پر رکھا جائے پھر اس پانی کو دیکھا اور سونگھا جائے، اگر اس میں بدبو ہو تو وہ پیپ ہے ورنہ رطوبت)[۲]

← بالاجتهاد وغالب الظن ..قالوا:يجمع إذاكان في مجلس واحد مرة بعد أخرى فلو في مجالس فلا (شامی:۱/۲۶۲، تاتارخانیہ:۱/۱۲۵)

---

(۱)وعليه فما يخرج من الجرح اللذي ينزّ دائماً وليس فيه قوة السيلان ولكنه إذا ترك يتقوّى باجتماعه ويسيل عن محله فاذا نشفه أوربطه بخرقة صار كلما خرج منه شيء تشربته الخرقة ينظر إن كان ماتشربته الخرقة في ذالك المجلس شيأً فشيأً بحيث لوترك واجتمع سال بنفسه نقض وإلا لا،ولايجمع مافي مجلس إلى مجلس آخر،وفي ذالك توسعة لأصحاب القروح......الخ (شامی:۱/۲۶۲)

(۲)ولوكا ن في عينيه رمد اوعمش يسيل منهما الدموع ،قالوا:يؤمر بالوضوء لوقت كل صلوة لاحتمال ان يكون صديداً أو قيحاً اه.وهذا التعليل يقتضى انه أمر استحباب فإن الشك والاحتمال في كونه ناقضاًلايوجب الحكم بالنقض إذ ←

(۷) بستہ خون جو اکثر زکام میں، بلغم میں، یا فضلۂ ناک میں آتا ہے اس سے وضو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ وہ دم سائل کے حکم میں نہیں ہے [۱]۔

۲۳- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو سبیلین (پیشاب پاخانہ کے مقام) سے نکلے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، خواہ عادتاً نکلے یا خلاف عادت۔ [۲]

جیسے پیشاب، پاخانہ، ریح، منی، مذی، ودی اور حیض ونفاس کا خون؛ اسی طرح خلاف عادت نکلنے والی چیزیں، مثلاً کیڑا، خون، کنکری، وغیرہ کے نکلنے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

البتہ اگر پیشاب کے مقام سے ہوا خارج ہو تو صحیح مذہب کے مطابق اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں کہ یہ حقیقت میں ریح نہیں، بلکہ اس عضو کا اختلاج ہے اور اگر ریح تسلیم کرلیا جائے تب بھی وضو نہیں ٹوٹے گا، کیوں یہ ریح نجاست کے مقام سے نہیں گذرتی اور ریح بذات خود نجس اور وضو کو توڑنے والی نہیں، بلکہ نجس مقام سے گذرنے کی وجہ سے وضو کو توڑتی ہے۔

البتہ جو عورت مفضات ہو یعنی جس کے پیشاب وپاخانہ کے مقام کا درمیانی پردہ پھٹ گیا ہو اس کے لئے امام محمد کے نزدیک احتیاطاً وضو واجب ہے، امام ابوحفص نے اسی کو اختیار کیا ہے اور فتح القدیر میں اسی کو ترجیح دی ہے، کیوں کہ غالب طور پر ریح پاخانہ کے مقام ہی سے نکلتی ہے (وہی پھر پھٹن سے آگے کی راہ میں آکر نکلتی ہے) [۳]

← الیقین لایزول بالشک، نعم إذا علم من طریق غلبة الظن بأخبار الاطباء أوبعلامات تغلب علی ظن المبتلی یجب (البحر الرائق: ۱/۱۴۲، فتاوی دار العلوم: ۱/۱۴۳، ۱۴۴، فتاوی رشیدیہ: ۲۸۳، احسن الفتاوی: ۲/۲۱)

(۱) الرجل إذااستنثرفخرج من أنفه علق قدر العدسة لاتنقض الوضوء (هندیه: ۱/۱۱) (۲) (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۸۶)

(۳) ای المفضاة: وهی التی اختلط سبیلها أی مسلك البول و الغائط، فیندب ←

تفریعات:

(۱) بواسیر کے مسّے یا کانچ (پاخانہ کی جگہ کا اندرونی حصہ) باہر نکل آئے اور ہاتھ یا کپڑے وغیرہ کے ذریعہ ان کو اندر داخل کرے تو وضو ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ اس سے ہاتھ یا کپڑے میں کچھ نہ کچھ نجاست لگ کر باہر آئے گی اور یہ باطن سے خارج کی طرف نجاست نکلنا ہے۔ ہاں اگر وہ خود بخود اندر چلے گئے، ہاتھ یا کپڑے کو استعمال نہیں کیا جیسے چھینک آئی اور مسّہ اور کانچ اندر داخل ہو گئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (۱)

(۲) اگر کوئی شخص عورت کی آگے کی یا مرد و زن کی پچھلی شرمگاہ میں انگلی داخل کرے تو وضو ٹوٹ جائے گا، خواہ کپڑا وغیرہ لپیٹ کر داخل کرے یا اس کے بغیر، کیوں کہ انگلی کے ساتھ کچھ نہ کچھ نجاست باہر نکلے گی (علاج کے لئے کبھی ایسا کرنا پڑتا ہے) (۲)

۲۴-ضابطہ: ہر وہ قے جو منھ بھر کر ہو نجس ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ (۳)

جیسے صفرا یا سودا یا بستہ خون یا کھانے یا پانی کی قے جو منھ بھر کر ہو نجس ہے اور اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ خواہ یہ قے خود بخود نکلی ہو یا عمداً (مثلاً منھ میں انگلی وغیرہ ڈال کر) کی ہو اور خواہ منھ میں آنے کے بعد باہر پھینک دی ہو یا حلق میں واپس لوٹا دی ہو سب کا ایک ہی حکم ہے یعنی وضو ٹوٹ جائے گا۔ (۴) البتہ خالص بلغم کی قے ہو تو اس

← لها الوضوء من الريح ،وعن محمد يجب احتياطاً، وبه أخذ أبوحفص ورجحه في الفتح بأن الغالب في الريح كونها من الدبر۔ (شامی:۱/۲۶۳)

(۱) الباسوريّ خرج من دبره فإن عالجه بيده أو بخرقة حتى أدخله تنقض طهارته لأنه يلتزق بيده شيء من النجاسة إلا ان عطس ودخل بنفسه. وذكر الحلوانيّ: ان تيقن خروج الدبر تنقض طهارته......الخ (البحر الرائق:۱/۶۱)

(۲) (الدر المختار على هامش ردالمحتار:۱/۲۸۱) (۳) (الدر المختار على هامش ردالمحتار:۱/۲۶۵) (۴) إن كونه ملء الفم شرط للنقض وإن لم يستقر وليس علمه أو عدم عوده شرط...... الخ (اعلاء السنن:۱/۱۴۳)

سے وضو نہیں ٹوٹے گا، خواہ بلغم سر سے اترے یا معدہ سے نکلے، کیوں کہ بلغم کے چکنا ہونے کی وجہ سے ناپا کی اس میں سرایت نہیں کرتی اور جو اس میں لگتی ہے وہ قلیل ہوتی ہے، جو ناقض وضو نہیں (۱)۔

اور ناپاک ہونے میں بڑے آدمی کی اور چھوٹے بچہ کی قے برابر ہے، خواہ دودھ پیتا بچہ ہو اور دودھ پیتے ہی فوراً نکال دیا ہو (۲)۔

۲۵- **ضابطہ**: ہر ایسی نیند جس میں قوت ماسکہ (خروج ریح کو قابو میں رکھنے والی صلاحیت) زائل ہو جائے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اور جو نیند ایسی نہ ہو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ (۳)

جیسے اگر کوئی شخص کروٹ پر یا چت سویا، یا کسی دیوار یا ستون یا آدمی وغیرہ کے سہارے اس طرح سویا کہ اگر وہ سہارا ہٹا لیا جائے تو سونے والا گر پڑے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ یہ ایسی نیند ہے جس سے قوت ماسکہ زائل ہو جاتی ہے۔

اور اگر اس طرح سویا کہ جس سے قوت ماسکہ زائل نہیں ہوتی، مثلاً دو زانوں بیٹھے ہوئے سویا، یا چار زانوں یعنی چوکڑی مار کر سویا (بشرطیکہ سر ران سے الگ ہو رحیمیہ: ۱/۱۴۳) یا دونوں سرین پر بیٹھ کر دونوں گھٹنے کھڑے کر کے سویا، یا قیام میں سویا، یا رکوع یا سجدے کی حالت میں سویا، تو ان سب صورتوں میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (۴)

لیکن سجدے کی حالت میں وضو نہ ٹوٹنے میں شرط یہ ہے کہ سجدہ مرد کی مسنون ہیئت پر ہو یعنی ران پیٹ سے الگ ہو اور بازو زمین سے لگے ہوئے نہ ہوں۔ اور اگر

---

(۱) لاینقضه قیء من بلغم علی المعتمد اصلاً (الدر المختار) أی سواء کان صاعداً من الجوف او نازلاً من الرأس (شامی: ۱/۲۶۵)

(۲) وهو نجس مغلظ من صبی ساعة ارتضاعه، وهو الصحیح (شامی: ۲/۲۶۵)

(۳) وینقضه حکماً نوم یزیل مسکته ای قوته الماسکة (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۲۷۰) (۴) (هندیه: ۱/۱۲)

عورت کی طرح سجدہ کیا یعنی ران کو پیٹ سے ملا کر اور بازو کو زمین سے لگا کر سویا (جو کہ عورت کے حق میں استر وافضل ہے) تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عورت سجدے میں سوئے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے مرد سوئے تو نہیں ٹوٹتا، کیوں کہ عورت کے سجدہ کی ہیئت مسنونہ الگ ہے اور مرد کی الگ، لیکن اگر دونوں نے اپنی اپنی ہیئت بدل دی تو نقض وضو کا معاملہ بھی برعکس ہو جائے گا۔ [۱]

اگر کوئی شخص بغیر ٹیک لگائے سو رہا تھا کہ اسی حالت میں گر گیا تو اگر گرنے سے قبل یا گرنے کی حالت میں یا گرنے کے فوراً بعد بلا تاخیر بیدار ہو گیا تو وضو نہیں ٹوٹے گا، اور اگر گرنے کے بعد تاخیر سے آنکھ کھلی تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ [۲]

غسل کا بیان

۲۶-**ضابطہ**: جسم کا ہر وہ حصہ جس پر بلا مشقت پانی پہنچانا ممکن ہے اس کا دھونا فرض ہے، اور جہاں حرج و مشقت ہے وہاں فرض نہیں۔ [۳]

تفریعات:

(۱) پس کان، ناف، مونچھ، ابرو، کھال، بال، وغیرہ سب کا دھونا فرض ہے۔ اور آنکھ کے اندرونی حصہ کا دھونا فرض نہیں اگر چہ نابینا ہو [۴]۔

---

(۱) والهيئة المسنونة بان يكون رافعاً بطنه عن فخذيه مجافيا عضديه عن جنبيه ...... وظاهره أن المراد الهيئة المسنونة فى حق الرجل لا المرأة (شامی: ۱/۱۷۱)

(۲) ولونام قاعداً فسقط على وجهه أو جنبه إن انتبه قبل سقوطه أو حالة سقوطه أو سقط نائماً وانتبه من ساعته لاينتقض وإن استقر نائماً ثم انتبه ينتقض (هندیہ: ۱/۱۲، شامی: ۱/۲۷۲) (۳) يجب اى يفرض غسل كل مايمكن من البدن بلا حرج مرة...... و لا يجب غسل مافيه حرج (الدرالمختار على هامش، ردالمحتار: ۱/۲۸۵-۲۸۶) (۴) (شامی: ۱/۲۸۶)

(۲)عورت کے لئے فرج داخل کا دھونا واجب نہیں، اسی پر فتویٰ ہے۔ برخلاف باہر کی فرج کے کہ اس کا دھونا واجب ہے، کیوں کہ وہ منھ کے ظاہر کے مانند ہے اور بلا حرج اس کا دھونا ممکن ہے۔[۱]

(۳) کھوکھلے دانت میں پانی پہچانا فرض نہیں، البتہ پہنچالے تو احتیاط ہے۔[۲]

(۴) اور مصنوعی (بناوٹی) دانت اگر آسانی سے نکل سکتا ہو تو نکال کر کلی کرنا غسل میں ضروری ہے، اور اگر دشوار ہو تو نکالنا ضروری نہیں۔[۳]

(۵) انگوٹھی کے نیچے اور کان کی بالی وغیرہ کو حرکت دے کر سوراخ میں پانی پہنچانا فرض ہے۔ البتہ سوراخ کچھ بند ہو جائے تو لکڑی وغیرہ ڈال کر مشقت سے اندر پانی پہنچانا حرج کی وجہ سے واجب نہیں، صرف ہاتھ میں پانی لے کر اس سوراخ پر مار دینا اور جہاں تک ہو سکے اندر پہنچا دینا کافی ہے۔[۴]

۲۷-**ضابطہ**: وہ منی جو اپنی اصل جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہو اس کے جسم سے باہر نکلنے پر غسل فرض ہو جائے گا، خواہ باہر نکلتے وقت شہوت ہو یا نہ ہو اور خواہ فوراً نکلے یا دیر سے نکلے۔[۵]

تفریع: پس اگر مجامعت کے غسل کے بعد دوبارہ منی بغیر شہوت کے نکلے تو صاحبین کے نزدیک دوبارہ غسل واجب ہوگا، کیوں کہ یہ وہی منی ہے جو مجامعت کے

---

(۱)(الدر المختار علی هامش ردالمحتار:۱/۲۸۵)

(۲)ولو کان سنه مجوفاً فبقی فیه أو بین أسنانه طعام ...... تم غسله علی الأصح، کذافی الزاهدی. والاحتیاط أن یخرج الطعام عن تجویفه ویجری الماء علیه، هکذا فی فتح القدیر (ہندیہ:۱/۳۵)

(۳)الأصل وجوب الغسل إلا أنه سقط لحرج (شامی:۱/۲۸۶)

(۴)(کبیری:۴۲، شامی:۱/۲۸۶)

(۵)وتعتبر الشهوة عند انفصاله عن مکانه لا عند خروجه......الخ (ہندیہ:۱/۱۴)

وقت اپنی اصل جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہوئی ہے اور وہ اب نکلی ہے (لیکن اگر مجامعت کے بعد سویا؛ یا پیشاپ کیا؛ یا چالیس قدم چلا؛ پھر غسل کیا اور غسل کے بعد منی بلا شہوت کے نکلی تو دوبارہ غسل واجب نہیں، کیوں کہ اب یہ نئی منی شمار ہوگی جو بلا شہوت کے اپنی اصل جگہ سے جدا ہوئی ہے، سابقہ منی نہیں ہے)(۱)

البتہ اگر عورت کے غسل کے بعد مرد کی منی اس کی فرج سے نکلے تو اس میں مطلقاً دوبارہ غسل واجب نہیں، کیوں کہ یہ اس کی خود کی منی نہیں ہے (البتہ وضو لازم ہوگا)(۲)

تیمّم کا بیان

۲۸-ضابطہ: تیمم ہر اس چیز پر جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو اور غیر جنس پر تیمم جائز نہیں۔(۳)

اور جنس اور غیر جنس کے پہنچاننے کا ضابطہ یہ ہے کہ:

۲۹-ضابطہ: ہر وہ چیز جو جلانے سے جل کر راکھ ہو جائے یا آگ میں پگھل کر زم ہو جائے تو وہ جنس زمین سے نہیں، پس اس پر تیمم جائز نہیں اور جو چیز جلانے سے نہ جلے اور پگھلانے سے نہ پگھلے وہ جنس زمین سے ہے، اس پر تیمم جائز ہے۔(۴)

جیسے: لکڑی، گھاس، بانس، وغیرہ جلنے والی چیزوں پر اور لوہا، پیتل، کانسی، شیشہ، سونا، چاندی، وغیرہ پگھلنے والی چیزوں پر تیمم جائز نہیں۔

---

(۱) ان المجامع إذا اغتسل قبل ان يبول أو ينام ثم سال منه بقية المنى من غير شهوة يعيد الاغتسال عندهما خلافاً له، فلو خرج بقية المنى بعد البول أو النوم اوالمشى لايجب الغسل اجماعا (البحر الرائق: ۱/۱۰۳)

(۲) إذا اغتسلت بعد ماجامعها زوجها ثم خرج منها منى الزوج فعليها الوضوء دون الغسل (هندية: ۱/۱۴، فتح القدير: ۱/۶۸، تاتارخانية: ۱/۱۵۶) (۳) (هندية: ۱/۲۶)

(۴) (هندية: ۱/۲۶)

اور مٹی، غبار، ریت، گچ، چونا، سرمہ، گیرو، گندھک، فیروزہ، عقیق، زمرد، زبرجد، یاقوت، وغیرہ پتھر کی اقسام؛ اسی طرح پختہ اینٹ اور مٹی کے برتن وغیرہ پر تیمم جائز ہے، خواہ اس پر غبار ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح سیمنٹ کی پختہ دیوار، فرش اور ٹائل پر بھی تیمم جائز ہے۔ (۱)

تفریعات:

(۱) نمک اگر پانی سے بنا ہے تو اس پر بالاجماع تیمم جائز نہیں اور اگر معدنی ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں، فقہا نے دونوں کی تصحیح کی ہے، اور فتویٰ جواز پر ہے (۲)۔

(۲) اور راکھ اگر غیر جنس کی ہو، یعنی لکڑی وغیرہ کی تو اس پر تیمم جائز نہیں اور اگر جنس ارض کی ہو، مثلاً زمین یا پتھر جل جائے تو اصح یہ ہے کہ ایسی راکھ پر تیمم جائز ہے۔ پس معلوم ہوا کہ پتھر کا کوئلہ جو اس زمانہ میں رائج ہے اس پر تیمم جائز ہے، کیوں کہ وہ ایک قسم کا جلا ہوا پتھر ہے (۳)۔

۳۰- **ضابطہ**: غیر جنس پر غبار ہونے کی صورت میں ہاتھوں پر غبار کا اثر ظاہر ہونا ضروری ہے (جنس ارض میں یہ شرط نہیں) (۴)

تفریع: پس ریل کی سیٹ پر اور اس کی دیوار وغیرہ پر تیمم درست نہیں، مگر یہ کہ اس پر اتنا گرد و غبار ہو کہ ہاتھ پر اس کا اثر ظاہر ہو تو درست ہے۔

۳۱- **ضابطہ**: تیمم سے نماز جائز ہونے کے لئے شرط ہے کہ وہ تیمم ایسی عبادت مقصودہ کی نیت سے کیا گیا ہو جو بغیر طہارت کے صحیح نہیں ہوتی۔ (۵)

---

(۱) (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۳۶۰، ھندیہ: ۱/۲۷)

(۲) وأما الملح فإن كان مائيا فلايجوز به اتفاقاً وإن كان جبليا ففيه روايتان وصحح كل منهما ذكره في الخلاصه لكن الفتوىٰ على الجواز (البحر: ۱/۲۵۸)

(۳) ويجوز التيمم بالأرض المحترقة في الأصح (البحر: ۱/۲۵۸)

(۴) (البحر الرائق: ۱/۲۵۸) (۵) وشرط له اى للتيمم في حق جواز الصلاة به ←

تفریعات:

(۱)پس اگر قرآن کو چھونے کی نیت سے تیمم کیا تو اس سے نماز درست نہ ہوگی، کیوں کہ محض قرآن کا چھونا عبادت مقصودہ نہیں، بلکہ وہ تلاوت کے تابع ہے۔

(۲)اسی طرح اگر ذکر و تسبیح کے لئے یا قرآن کی تلاوت کے لئے ؛ یا مسجد میں داخل ہونے کے لئے ؛ یا کسی دینی کتاب کا مطالعہ کرنے کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے بھی نماز درست نہیں، کیوں کہ ان چیزوں کے لئے طہارت شرط نہیں۔

۳۲-**ضابطہ:** اگر وضو کرنے میں نماز فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو ہر اس نماز کے لئے تیمم کرنا جائز ہے جس کا کوئی قائم مقام اور بدل نہ ہو اور جن نمازوں کا کوئی قائم مقام اور بدل ہو ان کے لئے تیمم جائز نہیں۔ (۱)

جیسے نماز جنازہ و عیدین ؛ اسی طرح چاند گرہن اور سورج گرہن کی نماز ؛ ان کے فوت ہونے کا اندیشہ ہو تو تیمم جائز ہے، کیوں کہ ان کا کوئی بدل نہیں۔

اور نماز جمعہ اور پنج وقتہ نمازوں کے فوت ہونے کے خوف سے تیمم جائز نہیں، اگر چہ نماز قضا ہو جائے، کیوں کہ جمعہ کا بدل ظہر اور پنج وقتہ نمازوں کا بدل قضا کی صورت میں موجود ہے۔

۳۳-**ضابطہ:** جلدی میں نماز جنازہ وغیرہ کے لئے تیمم کیا تو اس تیمم سے وقتیہ نماز درست نہیں۔ (۲)

۳۴-**ضابطہ:** تیمم کا حکم مسح علی الخفین سے ماخوذ ہے۔ (۳)

← لیة عبادة...... مقصودة ...... لا تصح ...... بدون الطهارة (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲۱۶/۱)

(۱)والأصل ان كل موضع يفوت فيه الأداء لاإلى خلف فإنه يجوز له التيمم وما يفوت إلى خلف لايجوز له التيمم (هندية: ۳۱/۱)(۲)(نفع المفتي والسائل: ۱۴-شامی: ۲۴۷)(۳)حکم التيمم ماخوذ من حكم المسح على الخفين (قواعد الفقه: ۷۸)

تفریعات:

(۱)پس وقت سے پہلے تیمم جائز ہے،جیسا کہ مسح علی الخفین جائز ہے۔

(۲)اسی طرح ایک تیمم سے کئی نمازیں پڑھنا جائز ہے،جیسا کہ ایک مسح سے (جب تک وہ باقی رہے) متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے۔

(۳)اسی طرح اگر تیمم کرنے والے نے نماز کے دوران پانی دیکھ لیا تو اس کی نماز باطل ہوگئی،جیسا کہ نماز کے دوران مسح کی مدت ختم ہوجانے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔

۳۵-**ضابطہ**: تیمم سے پڑھی ہوئی نماز میں ہر وہ عذر جو بندے کی جانب سے ہو اس کے ختم ہوجانے پر نماز کا اعادہ لازم ہے اور جو عذر ایسا نہ ہو اس میں اعادہ واجب نہیں۔[1]

جیسے قید خانے میں کافر نے پانی سے منع کردیا؛یا دشمن نے خوف دلایا؛یا چلتی ریل میں پانی نہیں تھا[2] وغیرہ..اور تیمم سے نماز پڑھی تو اس عذر کے ختم پر نماز کا اعادہ لازم ہے،کیوں کہ یہ عذر بندے کی جانب سے ہے۔

اور اگر پانی کی دوری،یا بیماری وغیرہ عذر ہو تو اس میں نماز کا اعادہ لازم نہیں،کیوں کہ یہ عذر من جانب اللہ ہے بندے کا اس میں دخل نہیں۔

۳۶-**ضابطہ**: جس عذر کی وجہ سے تیمم جائز ہوا تھا،مثلاً پانی کی دوری،بیماری یا ٹھنڈک وغیرہ؛اس عذر کے ختم ہونے سے تیمم ٹوٹ جاتا ہے،خواہ یہ عذر تھوڑی ہی دیر کے لئے ختم ہوا ہو۔[3]

---

(۱)أن العذر إن كان من قبل الله تعالى لاتجب الاعادة وإن كان من قبل العبد وجبت الاعادة (البحر:۱/۲۴۸،شرح الوقایہ:۱/۹۸)

(۲)(احسن الفتاوی:۱/۵۵)

(۳)ماجازبعذر بطل بزواله ، فلو تيمم لمرض بطل ببرئه أو لبرد بطل بزواله (الدرالمختار:۱/۴۲۵-۴۲۸،حاشیۃ الطحاوی:۱۲۵،مجمع الانہر:۱/۳۸)

خفین پر مسح کا بیان

۳۷- **ضابطہ**: مسح کا محل پاؤں کا اوپر کا حصہ ہے۔ (۱)

تفریع: پس اگر کسی نے پیر کے تلی میں، یا ایڑی پر، یا پنڈلی پر، یا اس کے اطراف میں، یا ٹخنوں پر مسح کیا تو مسح درست نہ ہوگا۔ (۲)

۳۸- **ضابطہ**: مسح میں اعتبار اوپر کے موزوں کا ہے۔ (۳)

تفریع: پس اگر کسی نے خفین کے نیچے عام کپڑے کے موزے پہن رکھے ہوں تو کوئی حرج نہیں، مسح درست ہے۔ (۴)

اور اگر برعکس صورت ہو یعنی کپڑے کے موزے اوپر ہوں اور خفین نیچے ہوں تو مسح جائز نہیں، مگر یہ کہ کپڑے کے موزے اتنے باریک ہوں کہ پانی خفین تک پہنچ جائے تو یہ خف پر مسح شمار ہوگا اور جائز ہوگا۔ (۵)

معذور کا بیان

۳۹- **ضابطہ**: پٹی وغیرہ باندھ کر یا بیٹھ کر نماز پڑھنے کے ذریعہ یا کسی اور طریقہ سے عذر پر قابو پایا جاسکتا ہو تو اس پر قابو پانا ضروری ہے۔ (۶)

---

(۱) ومحله على ظاهر خفيه (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۱/۴۴۸)

(۲) (کبیری: ۹۶)　(۳) (مستفاد الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۱/۴۴۸)

(۴) يعلم منه جواز المسح على خف لبس فوق مخيط من كرباس أو جوخ أو نحوهما مما لايجوز عليه المسح (منحة الخالق: ۱/۳۱۵)

(۵) فلومن كرباس لايجوز ولو فوق الخف إلاأن يصل بلل المسح إلى الخف (شامی: ۱/۴۵۰، البحر الرائق: ۱/۳۱۷) (۶) يجب ردّ عذره أو تقليله بقدر قدرته ولو بصلاته مومياً وبردّه لايبقى ذاعذر (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۱/۵۰۸)

تشریح: پس اگر معذور اس بات پر قادر ہے کہ پٹی باندھ کر یا روئی رکھ کر خون وغیرہ کو روک سکتا ہے یا کم کر سکتا ہے یا بیٹھنے میں خون جاری نہیں ہوتا اور کھڑے ہونے میں جاری ہوتا ہے تو اس کا بند کرنا واجب ہے اور اس بند کرنے پر قادر ہونے کے سبب سے اب وہ صاحب عذر نہیں رہے گا۔ اگر جھکنے سے یا سجدہ کے وقت خون جاری ہوتا ہے ورنہ جاری نہیں ہوتا تو کھڑا ہو کر یا بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے۔

لیکن اگر لیٹنے سے جاری نہیں ہوتا ورنہ جاری ہوتا ہے تو لیٹ کر نماز نہ پڑھے بلکہ کھڑا ہو کر ارکان ادا کرے اگرچہ خون جاری رہے کہ اب وہ معذور ہے، کیوں کہ لیٹ کر نماز پڑھنا انتہائی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے اور حدث کے ساتھ پڑھنا بھی اسی طرح انتہائی ضرورت کی وجہ سے ہوتا ہے، پس دونوں درجہ میں برابر ہو گئے، تو ارکان کی حفاظت کے خاطر حدث کے ساتھ پڑھنے کو ترجیح دی جائے گی۔ (۱)

۴۰- **ضابطہ**: نماز میں معذور کی اقتدا کرنا جائز نہیں، مگر یہ کہ مقتدی کو بھی اسی جیسا عذر ہو تو اس کے لئے اس کی اقتدا درست ہے۔ (۲)

حیض کا بیان

۴۱- **ضابطہ**: حیض کے لئے خون کی کوئی خاص مقدار متعین نہیں۔ (۳)

تشریح: پس مدت حیض میں جو بھی خون آئے خواہ ایک قطرہ ہو یا زیادہ؛ مسلسل آئے یا رک رک کر؛ سب حیض ہیں۔

---

(۱) کما فی الفتح القدیر. وفی تقریرات الرافعی ۳۹/: (بخلاف من لو استلقی ......) لأن الصلوة کما لاتجوز مع الحدث إلا لضرورة ولاتجوز مستلقیاً إلالها فاستویاوترجح الأداء لما فیه من احراز الأرکان،فتح)

(۲) یجوز اقتداء معذور بمثله إذا اتحد عذرهما لا إن اختلف (شامی:۲/۳۲۳، باب الامامة)　　(۳) (حاشیة الطحطاوی:۱۳۹)

۴۲- **ضابطہ**: حیض کے خون کا کوئی مخصوص رنگ نہیں۔ (۱)

تشریح: پس مدت حیض میں (خالص سفیدی کے علاوہ) جس رنگ کا بھی خون آئے سرخ، زرد، سبز، سیاہ، گدلا اور مٹیالا سب حیض ہیں۔

۴۳- **ضابطہ**: عادت کی طرف لوٹنا اس وقت ہے جبکہ خون دس دن سے تجاوز کر جائے، ورنہ نہیں۔ (۲)

تشریح: پس اگر کسی عورت کو عادت کے خلاف زیادہ خون آیا اور وہ خون دس دن سے بھی تجاوز کر گیا تو عادت کی طرف رجوع کریں گے، یعنی اس سے پہلے مہینوں میں جتنے دن خون آتا تھا اتنے دن حیض شمار کریں گے، باقی استحاضہ (پس زمانہ استحاضہ کی نمازیں قضا کرے)

اور اگر خون دس دن سے آگے نہیں بڑھا تو سب دن حیض کے شمار ہوں گے اور سمجھیں گے کہ اس کی عادت بدل گئی، اب پہلی عادت کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۳)

۴۴- **ضابطہ**: پندرہ دن پاکی کے بعد آنے والا خون حیض ہے، خواہ کسی سبب سے آئے۔ (۴)

تفریع: پس اگر کوئی عورت گر گئی یا بوجھ اٹھایا اور خون جاری ہو گیا؛ یا کسی عورت نے دوا کے ذریعے خون جاری کیا؛ تو ان تمام صورتوں میں وہ خون حیض شمار ہوگا (بشرطیکہ پندرہ دن پاکی کے بعد آیا ہو)

۴۵- **ضابطہ**: حیض کی عمر نو سال سے پچپن سال کے درمیان ہے۔ (۵)

تشریح: پس نو سال سے پہلے جو خون آئے وہ حیض نہیں استحاضہ ہے۔ اور پچپن

(۱) (شامی: ۱/۴۷۲) (۲) (شامی: ۱/۴۹۸) (۳) (الدر المختار: ۱/۴۹۸، ملتقی الابحر: ۱/۸۲) (۴) (مستفاد: فتاوی رشیدیہ) (۵) وھو مقدر من تسع سنین إلی الایاس. الایاس مقدر بخمس وخمسین سنة وھو المختار.. وعلیه الفتوی (ھندیہ: ۱/۳۶)

سال کے بعد ایاس (ناامیدی) کا زمانہ ہے اس میں عموماً خون نہیں آتا (لیکن اگر کسی عورت کو پچپن سال کی عمر کے بعد بھی خون آئے تو اس کا رنگ دیکھا جائے، اگر خون کا رنگ قوی یعنی گہرا سرخ یا سیاہ ہے تو وہ حیض ہے اور اگر کوئی دوسرا رنگ ہے تو وہ حیض نہیں، استحاضہ ہے۔ البتہ اگر پچپن سال سے پہلے اس عورت کو اس دوسرے رنگ کے خون کے آنے کی عادت رہی ہو تو اب دوسرے رنگ کا خون بھی حیض شمار ہوگا اور اگر عادت نہ رہی ہو تو استحاضہ ہے)[1]

۴۶- **ضابطہ**: دو حیض کے درمیان پاک رہنے کی کم از کم مدت پندرہ دن ہے[2]

تشریح: پس پندرہ دن سے پہلے اگر خون آجائے تو وہ دوسرا حیض شمار نہ ہوگا (اور طہر کی اکثر مدت کی کوئی انتہاء نہیں، کتنے ہی مہینے خون نہ آئے عورت پاک ہے)

نوٹ: حیض اور اس کے احکام سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

نفاس کا بیان

۴۷- **ضابطہ**: نفاس کے لئے بچہ کا اکثر حصہ پیٹ سے باہر نکل جانا اور خون کا بچہ دانی سے آنا ضروری ہے۔[3]

تشریح: پس نصف حصہ نکلنے سے پہلے جو خون آئے وہ نفاس نہیں بلکہ استحاضہ ہے، اگر ہوش وحواس درست ہوں تو اس وقت بھی نماز پڑھنا لازم ہے، قضا نہ کرے اگرچہ اشارے ہی سے پڑھے، لیکن اگر نماز پڑھنے سے بچے کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو اس وقت نہ پڑھے، بعد میں قضا کرلے۔

---

(۱) فما رأت بعدها لایکون حیضاً فی ظاهر المذهب والمختار أن مارأته إن كان دما قويا كان حيضاً (هندیہ: ۱/۳۶) (۲) (ہدایہ: ۱/۶۶)

(۳) والنفاس ......دم......يخرج من رحم......عقب ولد أو أكثره (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۱/۴۹۶)

تفریعات:

(۱) اگر بچہ کے اعضاء پیٹ سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نکالے گئے تو اگر اکثر اعضاء نکل چکے ہیں تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہے ورنہ استحاضہ ہے۔ (۱)

(۲) حاملہ کا حمل گر جائے یا گرا دیا جائے تو اگر بچے کا کوئی عضو بن چکا ہے (اور اعضاء بننے کے لئے کوئی خاص مدت متعین نہیں عموماً چار ماہ میں اعضاء بن جاتے ہیں) تو اس کے بعد آنے والا خون نفاس ہے، اور اگر اعضاء نہیں بنے تو وہ خون حیض ہے بشرطیکہ شرائط حیض پائے جائیں (یعنی وہ خون تین دن سے کم نہ ہو اور اس سے پہلے پورا طہر یعنی پندرہ دن گذر گئے ہوں) ورنہ (یعنی ان مذکورہ شرائط حیض میں سے کوئی ایک شرط بھی مفقود ہو) تو استحاضہ ہے (۲)۔

(۳) اگر آپریشن کے ذریعے پیٹ چاق کر کے بچہ نکالا گیا تو آپریشن کے بعد اگر خون بچہ دانی سے شرمگاہ کے راستے سے بہا ہے تو نفاس ہے اور اگر شرمگاہ کے راستہ سے نہیں بہا تو اس کا حکم زخم سے بہنے والے خون کی طرح ہے، وہ نفاس نہ سمجھا جائے گا۔ (۳)

۴۸- **ضابطہ**: مدت نفاس میں دو خونوں کے درمیان پاکی کا زمانہ بھی نفاس ہے، خواہ کم ہو یا زیادہ۔ (۴)

---

(۱) (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۴۹۶)

(۲) وسقط مثلث السين أی مسقوط ظهر بعض خلقه كيد أو رجل أو إصبع أو ظفر او شعر، ولا يستبين خلقه إلا بعد مأة وعشرين يوماً ولد حكماً فتصير المرأة به نفساء ...... فإن لم يظهر له شيء فليس بشيء والمرئی حيض ان دام ثلاثاً وتقدمه طهر تام وإلا استحاضة (درمختار) وفی الشامية: أن المشاهد ظهور خلقه قبل هذه المدة ...... الخ (شامی: ۱/۵۰۰)　(۳) فلو ولدته من سرتها إن سال الدم من الرحم فنفساء وإلا فذات جرح (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱/۴۹۶)

(۴) الطهر المتخلل بين الأربعين فی النفاس لايفصل عند أبی حنيفة سواء ←

تشریح: پس چالیس دن میں وقفے وقفے سے خون آئے تو بیچ میں پاکی کا زمانہ بھی نفاس سمجھا جائے گا، اگر چہ طہر (پاکی) پندرہ دن سے بھی زیادہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔

۴۹- **ضابطہ**: جڑوے بچے پیدا ہوں (یعنی دونوں کی ولادت میں چھ مہینے سے کم فاصلہ ہو) تو اول بچے کی ولادت سے ہی نفاس شمار ہوگا۔ (۱)

تفریع: پس اگر دوسرا بچہ چالیس دن کے بعد پیدا ہوا تو اس کے بعد آنے والا خون استحاضہ ہوگا، نفاس نہیں ہوگا (البتہ نہانے کا حکم دوسرے بچے کی ولادت پر بھی ہوگا، یعنی غسل کر کے نماز شروع کرے) (۲)

نوٹ: نفاس سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

نجاست حقیقیہ کا بیان

۵۰- **ضابطہ**: انسان کے بدن سے نکلنے والی ہر ایسی چیز جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے یا غسل واجب ہوتا ہے نجس ہے اور وہ نجاست "غلیظہ" ہے۔ (۳)

جیسے: پاخانہ، پیشاب، منی، مذی، ودی، بہنے والا خون، کچ لہو (پیپ ملا ہوا خون) پیپ، منہ بھر قے (اگر چہ بچہ کی ہو) اور حیض ونفاس واستحاضہ کا خون یہ سب نجاست

← كان خمسة عشر أو أقل أو أكثر ...... وعليه الفتوىٰ (شامی: ۱/۴۸۴)

(۱) ونفاس التوأمين من الأول وهما الولدان اللذان بين ولادتيهما أقل من ستة أشهر (البحر الرائق: ۱/۳۸۱)

(۲) وأفاد المصنف أن ماتراه عقب الثاني إن كان قبل الأربعين فهو نفاس الأول لتمامها واستحاضة بعد تمامهاعند ابي حنيفة وابي يوسف فتغتسل وتصلي كما وضعت الثاني وهو الصحيح (البحر الرائق: ۱/۳۸۱-شامی: ۱/۴۹۹)

(۳) كل مايخرج من بدن الانسان مما يوجب خروجه الوضوء أو الغسل فهو مغلظ كالغائط والبول والمني والمذي ..الخ (هندیہ: ۱/۴۶)

غلیظہ ہیں۔

لیکن اس ضابطہ سے ریح مستثنیٰ ہے، اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے، مگر وہ خود نجس نہیں کپڑا اور بدن اس سے ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ہوا خارج ہونے پر بدن دھونا یعنی استنجاء کرنا بدعت ہے۔ (۱)

۵۱- **ضابطہ**: ہر وہ جانور جو کھایا نہیں جاتا اس کا فضلہ (پیشاب وگوبر) نجاست غلیظہ ہے، اور جو جانور کھایا جاتا ہے اس کا فضلہ نجاست خفیفہ ہے۔ (۲)

تشریح: پس درندے، مثلاً شیر، چیتا، بھیڑیا، بندر، ہاتھی وغیرہ کا پاخانہ و پیشاب؛ اسی طرح بلی و چوہے کا پاخانہ اور پیشاب دونوں نجاست غلیظہ ہیں ـــــ اور گائے، بیل، بھینس، بھیڑ، بکری، اونٹ، مرغابی، بطخ، مرغی، کونج وغیرہ کا گوبر و پیشاب دونوں نجاست خفیفہ ہیں۔

ملحوظہ: ماکول اللحم کا گوبر نجاست خفیفہ صاحبین کے نزدیک ہے، اور بوجہ عموم بلوئ کے یہی اظہر ہے۔ (۳)

۵۲- **ضابطہ**: ہر ایسا پرندہ جو ہوا میں اچھی طرح اُڑ نہیں سکتا (جیسے مرغی، بطخ، مور، وغیرہ) اس کی بیٹھ نجاست غلیظہ ہے۔ اور جو پرندہ ہوا میں اچھی طرح اڑتا ہے: اگر وہ حلال پرندہ ہے (جیسے کبوتر، چڑیا وغیرہ) تو اس کی بیٹھ پاک ہے اور اگر حرام پرندہ ہے (جیسے کوّا، باز، شکرا، چیل، وغیرہ) تو اس کی بیٹھ نجاست

---

(۱) فلایسن من ریح، لأن عینها طاهرة...... فلایسن منه بل هو بدعة، کمافی المجتبی (شامی: ۱/۵۴۵) (۲) (مستفاد ہندیہ: ۱/۴۶، ہدایہ: ۱/۷۵)

(۳) نجاسة مخففة کبول مایؤکل لحمه.. وقید بالبول لأن نجاسة البعر والروث والخثی غلیظة عند ابی حنیفة وقال ابو یوسف ومحمد: خفیفة، قال الشرنبلالی: وهو الأظهر لعموم البلوی بامتلاء الطریق منها (اللباب فی شرح الکتاب: ۱/۶۸، مکتبہ دارالکتاب)

خفیفہ ہے۔[1]

لیکن کوا، چیل وغیرہ کی بیٹ سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا، کیوں کہ اس سے بچنا مشکل ہے۔[2]

۵۳- **ضابطہ**: ذات وماہیت کے تغیر سے ہر ناپاک چیز پاک ہوجاتی ہے، خواہ تغیر ازخود ہوجائے، یا کیا جائے۔[3]

جیسے:

(۱) شراب اگر سرکہ بن جائے یا اس میں نمک وغیرہ ڈال کر سرکہ بنالیا جائے تو وہ سرکہ پاک ہے، اس کا کھانا درست ہے۔[4]

(۲) اسی طرح گدھا نمک کی کان میں گر جائے اور نمک بن جائے تو وہ نمک پاک ہے، کھانا جائز ہے۔[5]

(۳) نیز پاخانہ یا گوبر جلا دیا جائے یا بغیر جلائے وہ مٹی ہوجائے تو وہ راکھ اور مٹی پاک ہے، اس پر نماز جائز ہے۔[6]

(۴) اسی طرح صابن میں نجس تیل یا خنزیر کی چربی ڈالی گئی اور وہ چربی صابن بن گئی تو صابن پاک ہے، استعمال درست ہے۔[7]

ان سب صورتوں میں چیز کی حقیقت وماہیت بدل گئی اور وہ دوسری چیز بن گئی۔

---

(۱) من مغلظة كعذرة آدمي ...... وخرء كل الطير لايذرق في الهواء كبط أهلي ودجاج وأم مايذرق فيه، فإن ماكولا فطاهر، وإلا فمخفف (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۱/۵۲۵، بدائع: ۱/۱۹۷) (۲) ولا نزح بخرء حمام وعصفور وكذا سباع الطير في الأصح (شامی: ۱/۳۷۹، فتح القدیر: ۱/۸۷)

(۳) (مستفاد شامی: ۱/۵۳۴) (۴) (شامی: ۱/۵۳۴) (۵) (شامی: ۱/۵۳۴)

(۶) (شامی: ۱/۵۳۴) (۷) جعل الدهن النجس في الصابون يفتي بطهارته، لأنه تغير (ہندیہ: ۱/۴۵، کبیری: ۱۶۵، شامی ۱/۵۳۴)

۵۴- **ضابطہ**: ہر ایسی چیز جس میں مسامات نہ ہوں اس کو کپڑے وغیرہ سے پونچھنے سے پاک ہوجاتی ہے (دھونا ضروری نہیں)[۱]

جیسے آئینہ، تلوار، چھری، چاقو، شیشے، چینی کے برتن، یا مٹی کے روغن اور لک کیے ہوئے برتن، یا پالش کی ہوئی لکڑی یا چکنا پتھر وغیرہ؛ ان سب کا حکم یہ ہے کہ اگر ان کو کسی کپڑے وغیرہ سے اس طرح پونچھ دیا جائے کہ نجاست کا اثر زائل ہوجائے تو وہ پاک ہوجاتے ہیں، خواہ نجاست مرئیہ ہو یا غیر مرئیہ —— بشرطیکہ وہ چیز چکنی ہو، کھردری نہ ہو، پس اگر کھردری ہو، جیسے زنگ والی ہو یا نقش والی ہو تو پونچھنے سے وہ پاک نہ ہوگی، بلکہ دھونا ضروری ہوگا (پھر اگر اس میں نجاست مرئیہ ہو تو اس قدر دھوئے کہ وہ نجاست دور ہوجائے اور اگر غیر مرئیہ ہو تو تین مرتبہ دھوئے)[۲]

۵۵- **ضابطہ**: پاک جامد چیز کا جب ناپاک چیز کے ساتھ اختلاط ہو تو جب تک نجاست کا اثر پاک چیز میں ظاہر نہ ہو وہ ناپاک نہ ہوگی۔[۳]

تفریعات:

(۱) پس ناپاک خشک بستر پسینہ سے تر ہوجائے تو جب تک بدن پر نجاست کا اثر (رنگ یا بو) ظاہر نہ ہو بدن ناپاک نہ ہوگا۔

(۲) اسی طرح ناپاک زمین پر بھیگے پیر رکھے تو جب تک نجاست کا اثر پیروں میں ظاہر نہ ہو، ناپاکی کا حکم نہ ہوگا۔

۵۶- **ضابطہ**: جس چیز کو غیر مائع سے پاک کیا گیا ہو اس کو پانی وغیرہ لگنے سے نجاست عود نہیں کرتی۔[۴]

---

(۱) ویطهر صیقل لامسامّ له کمرآة ...... بمسح یزول به أثرها مطلقاً به یفتی (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/ ۵۱۱) (۲) ولو خشنا أو منقوشا لایطهر بالمسح (ہندیہ: ۱/ ۴۳) (۳) (مستفاد حاشیة الطحطاوی: ۱۵۸) (۴) هل یعود نجساً ببله بعد فرکه؟ المعتمد لا، وکذا کل ماحکم طهارته بغیر مائع (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/ ۵۱۶)

جیسے خف کو مٹی سے رگڑ کر پاک کیا، یا زمین خشک ہونے سے پاک ہوئی، یا مردار کے چمڑے کو دباغت حکمی دی گئی، یا چکنی اور غیر مسامات والی چیز کو کپڑے وغیرہ سے پونچھ کر صاف کیا گیا وغیرہ ان تمام صورتوں میں پانی (یا کوئی اور سیال چیز) ان کو لگ جائے تو نجاست عود نہیں کرے گی۔ (۱)

البتہ پتھر وغیرہ سے استنجاء کے بعد قلیل پانی میں داخل ہونے سے پانی ناپاک ہوجائے گا (یہ صورت مستثنیٰ ہے) کیوں کہ پتھر وغیرہ سے استنجاء کرنا نجاست کو کم کرتا ہے، بالکلیہ نجاست کو زائل نہیں کرتا۔ (۲)

۵۷- **ضابطہ:** حرج اور عموم بلویٰ کی وجہ سے نجاست کے باب میں توسع برتا جاتا ہے۔ (۳)

جیسے:

(۱) پرندوں کی بیٹ اصلاً ناپاک ہے لیکن اس سے ٹنکی اور کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوتا (جب تک نجاست کا اثر پانی پر غالب نہ آجائے) کیوں کہ اس سے بچنا متعذر ہے۔ (۴)

(۲) چوہے کی مینگنی اور پیشاب ناپاک ہے (اس سے پانی و کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے) لیکن اگر چوہے کی مینگنی گیہوں کے ساتھ پیس کر آٹا ہوگئی یا تیل میں گری تو اس سے آٹا اور تیل (ضرورتاً) ناپاک نہ ہوگا۔ (۵)

---

(۱) (شامی: ۵۱۶/۱) (۲) فالحجر لایطهر محل الاستنجاء من البدن، وإنما هو مقلل فلذا نجس الماء ،بخلاف الدلك ونحوه فإنه مطهر (شامی: ۵۱۶/۱)

(۳) (مستفاد شامی، ہندیہ وغیرہا) (۴) ولا نزح في بول فأرة في الاصح .فيض ولا بخرء حمام و عصفور وكذا سباع طير في الاصح لتعذر صونها عنه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۷۹/۱) (۵) في الخانية: أن بول الهرة والفارة وخرئها نجس في أظهر الروايات يفسد الماء والثوب (شامی: ۵۲۳/۱) بعرة الفارة وقعت في ←

(۳) ناپاک کپڑا دھوتے وقت اگر معمولی چھینٹیں کپڑے و بدن پر پڑ جائیں تو ضرورتاً معاف ہیں (البتہ پانی میں یہ چھینٹیں گریں تو پانی ناپاک ہو جائے گا، کیوں کہ پانی کی طہارت زیادہ مؤکد ہے)(۱)

(۴) بلی درندہ ہے اس کا جھوٹا ناپاک ہونا چاہئے، مگر حرج کی وجہ سے پاک ہے اور صرف کراہت تنزیہی کا حکم ہے۔

(۵) اسی طرح بلی کا پیشاب کپڑوں پر لگ جائے تو معاف ہے اسی پر فتویٰ ہے، کیوں کہ کثرت اختلاط کی وجہ سے اس میں حرج ہے (بخلاف برتن کے کہ اس میں معاف نہیں)(۲)

(۶) دودھ دوہتے وقت بکری کی مینگنی دودھ میں گرگئی تو بوجہ حرج و ضرورت دودھ پاک ہے۔ (البتہ اگر مینگنی دودھ میں ٹوٹ گئی تو دودھ ناپاک ہو گیا)(۳)

(۷) اگر بے وضو یا بے غسل شخص نے یعنی محدث یا جنبی نے کسی مٹکے یا ڈول یا برتن کے پانی میں ہاتھ ڈالا اور مقصد پانی یا اس میں گری ہوئی چیز نکالنا تھا تو اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا، کیوں کہ اس میں ضرورت ہے (البتہ اگر بلا کسی ضرورت یوں ہی ہاتھ

← وقر الحنطة فطحنت والبعرة فيها إذا وقعت في وقر دهن لم يفسد الدقيق والدهن مالم يتغير طعمهما، قال الفقيه ابو الليث وبه نأخذ (ہندیہ:۱/۴۶)

---

(۱) هذا إذا كان الانتضاح على الثياب والأبدان أما إذاانتضح في الماء فإنه ينجسه ولايعفى عنه لأن طهارة الماء آكد من طهارة الأبدان والثياب والمكان (ہندیہ:۱/۴۶)

(۲) وفي الأشباه بول السنور في غير الأواني عفو، وعليه الفتوىٰ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۱/۵۲۴)

(۳) البعر إذا وقع في المحلب فرمي من ساعته لابأس به وإن تفتت البعر في اللبن يصير نجساً لايطهر بعد ذالك (ہندیہ:۱/۴۷)

ڈالا تو اس سے پانی مستعمل ہو جائے گا)[۱]

فائدہ: جاننا چاہئے کہ عموم بلویٰ کا اعتبار صرف نجاست کے باب میں ہے، حلت وحرمت میں اس کا اعتبار نہیں۔[۲]

نوٹ: نجاست حقیقیہ سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔
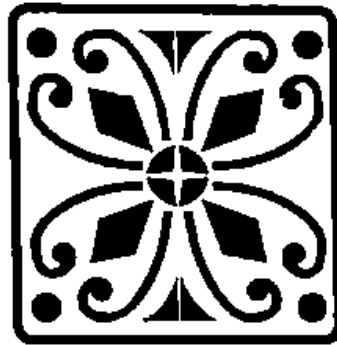
(۱) إذا أدخل المحدث أو الجنب أو الحائض اللتی طهرت یده فی الماء للاغتراف لایصیر مستعملا للضرورة ..وكذا اذا وقع الكوز فی الحب فادخل یده فیه إلی المرفق لإخراج الكوز لایصیر مستعملا،بخلاف ما إذا أدخل یده فی الاناء أو رجله للتبرد فإنه یصیر مستعملا لعدم الضرورة(ہندیہ:۲۲/۱-بدائع:۲۱۳/۱)

(۲)(احسن الفتاویٰ:۵۴۴/۶)

کتاب الصلاۃ

اوقات نماز کا بیان

۵۸- **ضابطہ**: ہمارے دیار: ہندو پاک وغیرہ میں صبح صادق سے طلوع آفتاب کا وقت کم از کم ایک گھنٹہ ۱۸/منٹ اور زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ ۳۵/منٹ ہوتا ہے۔ اور اتنا ہی وقت غروب آفتاب سے غروب شفق ابیض تک رہتا ہے۔(۱)

تشریح: یعنی موسم کے لحاظ سے وقت اس کے درمیان ہی رہتا ہے اس سے باہر نہیں جاتا۔ البتہ کہیں محل وقوع کے فرق کی بنا پر قدرے کم وبیش ہوتا ہے۔

پس گرمیوں میں احتیاطاً ایک گھنٹہ ۴۰/منٹ اور سردیوں میں ایک گھنٹہ ۳۰/منٹ طلوع آفتاب کے رہ جانے پر سحری چھوڑ دینی چاہئے —— اسی طرح عشا کی اذان ونماز میں بھی مذکورہ وقت کا خیال رکھنا چاہئے۔(۲)

۵۹- **ضابطہ**: جن نمازوں کے بعد سنن نہیں ہیں ان کے بعد نوافل وواجب لغیرہ پڑھنا مکروہ ہے۔

تشریح: پس فجر اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد نوافل اور واجب لغیرہ (مثلاً نذر اور طواف کی دو رکعت) پڑھنا مکروہ ہے (ان کے علاوہ باقی نمازیں: جیسے قضا نماز، سجدۂ تلاوت، نماز جنازہ وغیرہ پڑھنے میں کوئی حرج نہیں)(۳)

(۱) (عمدۃ الفقہ: ۲۶/۲) (۲) (عمدۃ الفقہ: ۲۶/۲، ملخصاً) (۳) وکرہ نفل...... ولو کل ما کان واجبا لا لعینہ بل لغیرہ...... کمنذور ورکعتی الطواف...... بعد صلاۃ فجر وعصر...... لا یکرہ قضاء فائتۃ ولو وترا او سجدۃ تلاوۃ وصلاۃ جنازۃ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۶/۲)

نماز کی شرطوں کا بیان

۶۰- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کو نمازی اٹھائے ہوئے ہو اور اس کے اٹھانے کی نسبت بھی نمازی کی طرف ہو تو اس کا پاک ہونا ضروری ہے۔ (۱)

تفریع: پس اگر نمازی نے اتنا چھوٹا بچہ جو خود سنبھلنے کی سکت نہیں رکھتا اٹھا رکھا ہو یا وہ بچہ آ کر (بقدر ایک رکن یعنی تین تسبیح کہنے کی مقدار) نمازی کی گود میں بیٹھ گیا، یا اس سے چمٹ گیا، اس حال میں کہ بچہ کے جسم پر یا کپڑوں میں ایسی نجاست ہو جو مانع نماز ہے (جیسے بچہ کو پیڈ (HAGEEZ) باندھ رکھا ہے اور اس میں اس نے پیشاب یا پاخانہ کر رکھا ہے) تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ نمازی اس نجاست کا حامل ٹھہرے گا۔

لیکن اگر بچہ ایسا ہو کہ خود سنبھل سکتا ہے، نمازی کے تھامنے کا محتاج نہیں تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگر چہ بہت دیر تک ٹھہرا رہے، کیوں کہ اب نجاست لڑکے کی طرف منسوب ہوگی، نمازی اس کا حامل نہیں ٹھہرے گا (مگر یہ کہ خود نمازی ہی نے اس بچہ کو اٹھایا ہو یعنی اپنے فعل سے تھام رکھا ہو) ـــــــ یہی حکم نجس کبوتر وغیرہ کا ہے جبکہ وہ نمازی کے اوپر بیٹھ جائے، یعنی نماز جائز ہو جائے گی، کیوں کہ وہ اپنی قوت و سہارے سے بیٹھتا ہے، نمازی اس کا حامل شمار نہیں ہوتا۔ (۲)

---

(۱) ثم الشرط.. طهارة بدنه ..وثوبه وكذا كل مايتحرك بحركته أو يعد حاملاً له (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۷۴/۲، باب شروط الصلوة) إنما يعتبر المانع مضافاً إلى المصلي. الخ (شامی: ۵۲۱/۱، باب الأنجاس) (۲) لو جلس الصبي أو الحمام المتنجس في حجره جازت صلاته لو الصبي متمسكا بنفسه لأنه هو الحامل، بخلاف غير المتمسك كالرضيع الصغير حيث يصير مضافا إليه (شامی: ۵۲۱/۱، باب الأنجاس، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۷۳/۲ باب شروط الصلاة) ويفسدها اداء ركن حقيقة اتفاقاً أو تمكنه منه بسنة وهو قدر ثلاث تسبيحات مع كشف عورة أو نجاسة مانعة .. عند الثاني وهو المختار في الكل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۶/۲ باب مايفسد الصلاة).

۶۱- **ضابطہ**: نجاست جب تک اپنے معدن میں ہو اس پر نجاست کا حکم نہیں لگتا۔[1]

تفریع: پس اگر نمازی کے جیب میں ایسا انڈا ہے جسکی زردی خون ہوگئی ہے یا انڈے میں مرا ہوا بچہ ہے تو کوئی حرج نہیں نماز ہو جائے گی، کیوں کہ یہ نجاست اپنے معدن میں ہے اور وہ نماز کے لئے مانع نہیں، جیسا کہ خود نمازی کے پیٹ میں نجاست رہتی ہے۔

لیکن اگر پیشاب یا خون کی شیشی جیب میں رکھ کر نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی، اگر چہ اس شیشی کو کتنا ہی بند کرلے، کیوں کہ یہ نجاست اپنے معدن سے نکلی ہوئی ہے، پس اس کو جیب میں رکھنے سے وہ حامل نجاست ٹھہرے گا۔[2]

۶۲- **ضابطہ**: اگر (کپڑے وغیرہ پر) نجاست لگنے کا وقت معلوم نہ ہو تو اس نجاست کو اس کے قریبی وقت کی طرف منسوب کریں گے۔[3]

جیسے اگر نجاست منی ہے تو سونے کے وقت سے نجس شمار کرے اور پاخانہ یا پیشاب ہے تو استنجا کے وقت سے اور نکسیر کا خون ہے یا قے ہے تو آخری نکسیر پھوٹنے یا قے ہونے کے وقت سے نجس شمار کرے۔ اور اگر ایسی نجاست ہے جس کا کوئی قریبی وقت معلوم نہیں (جیسے زخم کا خون وغیرہ) تو دیکھنے کے وقت سے نجس شمار کرے، اور اسی حساب سے نمازوں کا اعادہ کرے۔[4]

۶۳- **ضابطہ**: ناپاک زمین خشک ہونے کے بعد پاک ہوجاتی ہے، لیکن پاک کرنے والی نہیں ہوتی (جیسا کہ ماء مستعمل طاہر ہے مگر مطہر نہیں)[5]

---

(۱) والشیء مادام فی معدنه لایعطی له حکم النجاسة (شامی: ۲/۳۴۷- البحر الرائق: ۱/۴۶۵) (۲) (شامی: ۲/۳۴۷- البحر الرائق: ۱/۴۶۵) (۳) (قواعد الفقه: ۵۸)

(۴) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱/۳۷۸، فصل فی البئر- الاشباہ والنظائر: ۱/۲۰۳)

(۵) تخرج الأرض المتنجسة إذا جفت، فإنها كالماء المستعمل (الدر المختار) ...لأن هذه الأرض طاهرة غير مطهرة (شامی: ۱/۳۹۱)

تفریع: پس ایسی زمین پر نماز پڑھنا جائز ہوگا، لیکن اس پر تیمم جائز نہ ہوگا (کیوں کہ تیمم میں "صعیداطیبا" کی قید ہے پس اس میں کامل طہارت ضروری ہے)

۶۴- **ضابطہ**: نماز میں اپنا ستر دوسروں سے چھپانا تو فرض ہے مگر اپنے آپ سے چھپانا فرض نہیں۔ (۱)

تفریع: پس اگر صرف قمیص پہن کر نماز پڑھی اور وہ قمیص ایسی تھی کہ گریبان میں سے ستر نظر آتا ہے اور اس نے ستر دیکھا بھی، تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی یہی صحیح ہے (لیکن نماز میں قصداً اپنے ستر کی طرف نظر کرنا مکروہ تحریمی ہے)۔ (۲)

۶۵- **ضابطہ**: نیت کا اصل مدار دل پر ہے نہ کہ زبان پر۔ (۳)

تفریع: پس اگر کسی نے ظہر کے بجائے سہواً عصر کہہ دیا تو اگر دل میں ظہر ہی ہے اور زبان سے عصر نکل گیا تو نماز ہوگئی، زبان کی غلطی کا کچھ اعتبار نہیں۔ اور اگر دل میں بھی عصر ہے تو نماز نہیں ہوئی، دوبارہ صحیح نیت کر کے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کرنا لازم ہے۔ (۴)

فائدہ: نیت سے مراد قلب کا استحضار ہے، اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ جب اس سے پوچھا جائے کہ کونسی نماز پڑھتا ہے تو بغیر سوچے فوراً جواب دے، اگر بغیر سوچے جواب نہیں دے سکتا تو نماز جائز نہ ہوگی۔ (۵)

۶۶- **ضابطہ**: نیت کا اعتبار نماز شروع کرنے سے پہلے ہے بعد میں نہیں۔ (۶)

تفریعات:

(۱) پس اگر غلطی سے دوسری نماز شروع کردی تو اب تکبیر تحریمہ کے بعد نیت صحیح

---

(۱)(الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۸۳/۲) (۲)(حاشیۃ الطحطاوی: ۲۱۱) (۳)(الدر المختار علی ہامش ردالمحتار: ۹۰/۲) (۴)فلو قصد الظهر وتلفظ بالعصر سهوا أجزئه (شامی: ۹۱/۲) (۵)وادناه ان يصير بحيث لو سئل عنها أمكنه ان يجيب من غير فكر (شامی: ۹۲/۲، البحر: ۴۸۲/۱) (۶)ولا عبرة بنية متاخرة عنها على المذهب (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۹۴/۲، کبیری: ۲۲۳)

نہیں، بلکہ نئے سرے سے نیت کر کے تکبیر تحریمہ کے ساتھ نماز شروع کرے (ہاتھوں کو اٹھانا ضروری نہیں)

(۲) اسی طرح اگر فرض نماز شروع کی، پھر نماز ہی میں نفل کی نیت کر لی، یا اس کے برعکس کیا تو اس کا اعتبار نہیں، یعنی یہ نیت صحیح نہیں، پہلی ہی نماز جاری رہے گی (البتہ اگر نیت کے ساتھ تکبیر تحریمہ بھی کہی تو پہلی نماز سے نکل گیا اور دوسری نماز شروع ہو گئی۔ اور اگر صرف نیت کی، تکبیر تحریمہ نہیں کہی تو پہلی نماز سے نہیں نکلا، کیوں کہ محض نماز کو توڑنے یا بدلنے کی نیت سے نماز سے نہیں نکلتا جب تک کہ دوسری نماز کی نیت کر کے تکبیر نہ کہے یا نماز کو توڑنے والا کوئی اور عمل نہ پایا جائے)(۱)

۶۷- **ضابطہ**: صحت صلوۃ کے لئے استقبال قبلہ شرط ہے، لیکن اس کی نیت شرط نہیں (یہی راجح ہے)(۲)

تفریع: پس نماز عیدین وغیرہ کی نیت میں اس بات کی جو تاکید کی جاتی ہے کہ منہ میرا قبلہ کی طرف اس کی ضرورت نہیں۔

۶۸- **ضابطہ**: بیت اللہ شریف سے پینتالیس درجہ (ربع قوس) تک انحراف نماز کو فاسد نہیں کرتا۔

(پینتالیس درجہ یا اس سے زیادہ انحراف ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی)(۳)

۶۹- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جو استقبال قبلہ سے عاجز ہو حقیقتاً یا حکماً تو اس کا قبلہ جہت قدرت یا جہت تحری ہے۔(۴)

جیسے: (۱) اگر کوئی مریض اس حالت میں ہو کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اس کے لئے

---

(۱) ولو افتتح الظهر ثم نوى التطوع أو العصر أو الفائتة أو الجنازة وكبر يخرج عن الأول ويشرع في الثاني والنية بدون التكبير ليس بمخرج، كذا في التاتارخانية (ہندیہ: ۱/۶۶، کبیری: ۲۱۸-۲۱۹) (۲) ونية استقبال القبلة ليست بشرط مطلقاً على الراجح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۰۵، کبیری: ۱۹۱) (۳) (احسن الفتاوی: ۲/۳۱۳، تحفۃ الالمعی: ۲/۱۶۷) (۴) استقبال عاجز عنها لمرض أو خوف عدو أو اشتباه ←

ممکن نہ ہو تو جس طرف بھی ممکن ہو نماز پڑھ لے[1] (البتہ اگر کوئی رخ پھیرنے والا موجود ہو تو صاحبین کے نزدیک قبلہ کی طرف رخ کرنا ضروری ہے، بلکہ منیۃ، درر وغیرہ میں اس قول کو بلا کسی اختلاف کے نقل کیا ہے)[2]

(۲) اسی طرح قبلہ رخ ہونے میں دشمن یا درندہ کا خوف ہو یا مال کے چوری ہونے کا اندیشہ ہو خواہ اپنا مال ہو یا امانت کا (بشرطیکہ اس مال کو قبلہ کی طرف منتقل نہ کیا جاسکتا ہو) تو جس طرف امن ہو اس طرف نماز پڑھ لے۔[3]

(۳) اسی طرح اگر سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور نہ معلوم کرنے کی کوئی صورت ہو تو (یہ حکماً عاجز ہوتا ہے) اس وقت حکم یہ ہے کہ تحری (غور وفکر) کرے (یہ تحری کرنا فرض ہے) پھر جس طرف قلب شہادت دے اس طرف نماز پڑھے، پھر نماز کے بعد اگر غلطی معلوم ہو تو مضائقہ نہیں، نماز صحیح ہوگئی، البتہ اگر نماز کے اندر تحری بدل جائے یا کوئی شخص دوسری سمت قبلہ ہونے کی اطلاع دے تو نماز کے اندر ہی اس جانب پھر جانا ضروری ہے، اب سابقہ تحری پر نماز صحیح نہ ہوگی۔[4]

نماز کے ارکان کا بیان

۷۰- ضابطہ: وہ تمام شرطیں جو نماز کے لئے ہیں وہ تحریمہ کے لئے بھی ہیں[5]

← فجهة قدرته أو تحريه قبلة له حكما (شامی:۲/۱۰۸)

(۱) وقبلة العاجز عنها لمرض وإن وجد موجها عند الإمام ...... جهة قدرته ...... لأن الطاعة بحسب الطاقة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۱۱۵) (۲) فليزمه عندهما التوجه إن وجد موجهاً، وبقولهما جزم في المنية والمنح والدرر والفتح بلاحكاية خلاف (شامی:۲/۱۱۳) (۳) أي خوف ذهابه بسرقة أو غيرها إن استقبل، وسواء كان المال ملكاله أو أمانة قليلا أو كثيراً (شامی:۲/۱۱۵) (۴) أو علم به في صلاته أو تحول رأيه ولو في سجود السهو استدار وبنى (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۱۱۶، ہدایہ:۱/۷۹)

(۵) وإنما اشترط لها ما اشترط للصلاة...... (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۱۳۱)

تشریح: پس نجاست سے پاک ہونا؛ وقت کا داخل ہونا؛ قبلہ کی طرف رخ کرنا؛ ستر کا چھپانا؛ وغیرہ۔ جس طرح باقی ارکان نماز میں شرط ہیں، تحریمہ کے لئے بھی شرط ہیں۔

۷۱- **ضابطہ**: ہر وہ نماز جو فرض ہے یا ملحق بہ فرض ہے اس میں قیام فرض ہے (۱)

تشریح: پس پنج وقتہ نمازوں کے علاوہ نماز وتر، نماز نذر، نماز عیدین اور اصح قول کی بنا پر فجر کی دو رکعت سنت میں قیام فرض ہے، بلا عذر بیٹھ کر یہ نمازیں جائز نہیں۔ (۲)

۷۲- **ضابطہ**: رکوع کی ادنی حد یہ ہے کہ اتنا جھکے کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہنچ جائیں (پورا رکوع یہ ہے کہ اس طرح جھکے کہ سر، پیٹھ اور سرین ایک سیدھ میں ہو جائیں) (۳)

تفریعات:

(۱) پس اگر مسبوق نے امام کو رکوع میں پایا اور تکبیر کہہ کر رکوع میں گیا، لیکن اس کے ہاتھ ابھی گھٹنوں تک نہیں پہنچے کہ امام رکوع سے کھڑا ہو گیا تو مسبوق کی یہ رکعت شمار میں نہیں آئے گی۔

(۲) اسی طرح اگر کوئی شخص دعائے قنوت بھول گیا اور رکوع میں جا رہا تھا کہ فوراً یاد آیا اور واپس آ گیا تو اگر اس کے ہاتھ گھٹنے تک پہنچ گئے تھے تو سجدۂ سہو واجب ہو گیا، ورنہ واجب نہیں۔

۷۳- **ضابطہ**: سجدے میں پیشانی کا جمنا اور ٹھہرنا ضروری ہے۔ (۴)

تفریع: پس اگر کسی نے دبنے والے بستر یا نرم گدے یا گھاس وغیرہ پر سجدہ کیا اور اس کا ماتھا پورا نہ جما یعنی اور دباتا تو دب جاتا تو اس کی نماز جائز نہ ہوگی۔ (۵)

(۱) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۳۱-۱۳۲) (۲) ومنها القيام ......في فرض وملحق به كنذر وسنة الفجر في الأصح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۳۱-۱۳۲) (۳) ومنها الركوع بحيث لو مدّ يديه نال ركبتيه (الدر المختار) وأما كماله فبانحناء الصلب حتى يستوي الرأس بالعجز وهو حد الاعتدال فيه شامی: ۲/۱۳۴) (۴) وان يجد حجم الأرض (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۰۶) (۵) ولو سجد على الحشيش أو التبن أو على القطن ←

۷۴- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کا تعلق قول سے ہے (مثلاً قراءت، تشہد، طلاق، یمین وغیرہ) اس میں آہستہ کی حد یہ ہے کہ اتنی آواز سے کہے کہ خود سن سکے، ورنہ اس کا وجود معتبر نہ ہوگا۔(۱)

تفریع: پس اگر کوئی شخص نماز میں اتنی آہستہ آواز سے قرأت کرے کہ اپنی آواز خود بھی سن نہ سکے تو اس کی نماز نہ ہوگی، کیوں کہ اس صورت میں قرأت کا وجود ہی نہ ہوگا، یہ ہندوانیؒ کا قول ہے، بہت سے محققین نے اسے اختیار کیا ہے اور شامی میں اسی کو اصح کہا ہے۔(۲)

فائدہ: ایک قول امام کرخیؒ اور بلخیؒ کا ہے کہ صرف تصحیح حروف کافی ہے، اگر اس کے مطابق بھی عمل کرلیا جائے تب بھی بعض فقہاء کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، البتہ پہلے قول پر عمل کرنا زیادہ بہتر ہے، احتیاط اسی میں ہے۔(۳)

۷۵- **ضابطہ**: ہر اضطراری حالت میں مختصر قراءت کرنا مسنون ہے۔(۴)

جیسے کوئی دشمن وغیرہ کا خوف ہو؛ یا کہیں سفر وغیرہ میں چلنے کی جلدی ہو؛ یا گاڑی چھوٹنے کا اندیشہ ہو؛ تو سنت یہ ہے کہ الحمد کے ساتھ حسب حال جونسی سورت چاہے

← ......إن استقرت جبهته وأنفه ويجد حجمه يجوز وإن لم تستقر لا (ہندیہ: ۷۰/۱)

(۱) وأدنى الجهر إسماع نفسه...... ويجر ذالك في كل مايتعلق بالنطق (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۵۳/۲) (۲) فشرط الهندواني والفضلي لوجودها: خروج صوت يصل إلى أذنه وبه قال الشافعي ...... ولم يشترط الكرخي وأبو بكر البلخي السماع، واكتفيا بتصحيح الحروف. واختار شيخ الإسلام وقاضيخان وصاحب المحيط والحلواني قول الهند واني ...... فقد ظهر بهذا أن أدنى المخافتة إسماع نفسه أو من بقربه من رجل أو رجلين مثلاً، وأعلاها تصحيح الحروف كما هو ملهب الكرخي، ولاتعتبر هنا في الأصح۔ (شامی: ۲۵۲/۲) (۳) فتاوی رحیمیہ: ۲۳۶/۷، امداد الفتاوی: ۲۳۵/۱۔ (۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۶۱/۱۔

پڑھ لے یا قرآن میں سے کم از کم تین چھوٹی آیتوں کے بقدر پڑھ لے۔ اچانک بارش آجائے اور لوگ بھیگنے لگیں؛ یا سخت سردی ہو یا گرمی ہو اور لوگوں کے لئے لمبی قراءت سننا دشوار ہو: یہ سب صورتیں اضطرار میں شامل ہیں۔

۷۶- **ضابطہ**: پہلی رکعت کی سورت اور دوسری رکعت کی سورت کے درمیان ہر اس سورت کو چھوڑنا بلا کراہت جائز ہے جس کے پڑھنے سے دوسری رکعت کا پہلی رکعت سے لمبا ہونا لازم آئے؛ یا وہ (چھوڑی ہوئی) سورت اتنی بڑی ہو کہ جس میں دو رکعت ادا ہو سکے (یعنی چھ آیات والی ہو)[۱]

(پس درمیان میں سورت چھوڑنے کے متعلق جو کراہت منقول ہے وہ اس سے چھوٹی سورت کے چھوڑنے میں ہے)

۷۷- **ضابطہ**: قراءت کے مکروہات کا تعلق فرائض سے ہے نوافل میں یہ مطلقاً جائز ہے۔[۲]

جیسے: (۱) دو رکعت میں ایک سورت پڑھے اور درمیان سے ایک آیت چھوڑ دے تو یہ فرض میں مکروہ ہے، نوافل میں مکروہ نہیں۔

(۲) اسی طرح ایک رکعت میں الگ الگ جگہوں سے دو سورتیں پڑھنا فرائض میں مکروہ ہے،[۳] نوافل میں حرج نہیں۔

---

(۱) اما بسورة طويلة بحيث يلزم منه اطالة الركعة الثانية اطالة كثيرة فلايكره (شامی:۲/۲۶۹) ويكره فصله بسورة بين سورتين قرأهما في ركعتين...... وقال بعضهم: لايكره إذا كانت السورة طويلة كما لو كان بينهما سورتان قصيرتان (مراقی الفلاح) وفي الطحطاوي: هو الأصح كذا في الدرة المنيفة (طحطاوی:۳۵۲)

(۲) ولايكره في النفل شيء من ذالك (الدر المختار:۲/۲۶۹) قوله: ولايكره هذا في النفل يعني القرأة منكوسا والفصل والجمع ......الخ (طحطاوی:۳۵۲) (۳) اما في ركعة فيكره الجمع بين سورتين بينهما سور أو سورة فتح. (شامی:۲/۲۶۹)

(۳) اسی طرح دونوں رکعت میں ایک ہی سورت پڑھنا فرائض میں مکروہ تنزیہی ہے، (۱) نوافل میں کوئی مضائقہ نہیں۔

(۴) نیز ایک ہی سورت کو تقسیم کر کے دو رکعت میں پڑھے تو کوئی حرج نہیں، البتہ دو سورتوں کے آخر یا درمیان سے پڑھنا فرائض میں خلاف اولیٰ ہے، احیاناً ہو تو حرج نہیں، (۲) اور نوافل میں مطلقاً اجازت ہے۔

(۵) اسی طرح قصداً خلاف ترتیب قراءت کرنا یعنی پہلی رکعت میں لایلف اور دوسری میں الم تر پڑھنا فرائض میں مکروہ تحریمی ہے اور نوافل میں بہر صورت کوئی کراہت نہیں۔ (۳)

۷۸- **ضابطہ**: خلاف ترتیب قرآن پڑھنے سے تکرار اھون ہے۔ (۴)

تفریع: پس اگر غلطی سے پہلی رکعت میں سورۂ ناس پڑھ لی تو اب دوسری رکعت میں بھی سورۂ ناس ہی پڑھے۔

۷۹- **ضابطہ**: مکروہ شی کا ارتکاب اگر سہواً ہو جائے تو اس میں کراہت کا حکم نہیں رہتا۔ (۵)

جیسے اگر دوسری رکعت میں سورت شروع کرنے کے بعد یاد آیا کہ ایک چھوٹی سورت

---

(۱) لاباس أن يقرء سورة ويعيدها في الثانية (درمختار) افاد أنه يكره تنزيهاً (شامی: ۲۶۸/۲) (۲) قال في النهر: وينبغي أن يقرء في الركعتين آخر سورة واحدة لا آخر سورتين فإنه مكروه عند الأكثر. لكن في شرح المنية عن الخانية: الصحيح انه لايكره، وينبغي أن يراد بالكراهة المنفية التحريمة (شامی: ۲۶۸/۲، ہندیہ: ۷۸/۱) (۳) افاد أن التنكيس أو الفصل بالقصيرة إنمايكره إذا كان عن قصدٍ فلو سهواً فلا كمافي شرح المنية (شامی: ۲۶۹/۲) (۴) التكرار أهون من القراء ة منكوساً (شامی: ۲۶۸/۲) (۵) إنمايكره إذا كان عن قصدٍ فلوسهواً فلا كمافي شرح المنية (شامی: ۲۶۹/۲، ہندیہ: ۷۹/۱)

کا فاصلہ رہ گیا ہے، یا ترتیب الٹ گئی ہے تو کوئی حرج نہیں، اب اسی طرح پڑھتا رہے، چھوڑ نہ دے (کیوں کہ سہواً ایسا ہوجانے پر کراہت نہیں آتی، پس جب کراہت نہیں آئی تو اب جس کو شروع کیا ہے اس کو چھوڑنا مکروہ ہوگا کہ اس میں اعراض کا وہم ہے)

اسی طرح دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت یا اس سے زیادہ لمبا کرنا مکروہ تنزیہی ہے، لیکن سہواً ہوجائے تو حرج نہیں۔[1]

۸۰-**ضابطہ**: رکعتوں کی چھوٹائی بڑائی کا حساب کلمات اور حروف سے ہوتا ہے۔ آیتوں سے اس وقت ہوتا ہے جبکہ آیتیں برابر ہوں (یعنی چھوٹی بڑی نہ ہوں)[2]

تشریح: پس دوسری رکعت کو پہلی رکعت سے بقدر تین آیت یا اس سے زیادہ لمبا کرنا جو مکروہ تنزیہی ہے اس میں اس ضابطہ کا لحاظ کیا جائے گا۔

فائدہ: یہی وجہ ہے کہ جمعہ کے نماز کی دو سورتیں: "سبح اسم" اور "هل اتك" میں اگرچہ دوسری سورت (باعتبار آیات) بڑی ہے، لیکن دونوں سورتوں میں کلمات کے اعتبار سے زیادہ فرق نہیں، پس کراہت نہ ہوگی (علاوہ ازیں ان سورتوں کا پڑھنا رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے لہٰذا کراہت کی کوئی وجہ نہیں)[3]

قاری کی لغزشیں

۸۱-**ضابطہ**: قراءت میں کلمات وحروف کی ایسی غلطی سے جس سے معنی میں تغیر فاحش ہوجائے نماز فاسد ہوجاتی ہے، خواہ وہ (بدلا ہوا) لفظ قرآن میں ہو یا نہ ہو۔[4]

چند فروعات یہ ہیں:

(۱) کسی حرف یا کلمہ کا اضافہ کیا:

---

(۱) واطالة الثانية على الاولىٰ يكره تنزيهاً (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۶۳)

(۲) إن تقاربت طولاً وقصراً وإلا اعتبر الحروف والكلمات. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۶۳) (۳) واستثنىٰ في البحر ماوردت به السنة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۲۶۳) (۴) شامی: ۲/۳۹۳۔

تو اگر معنی نہیں بدلے، جیسے وَنَہَ عَنِ الْمُنکَرِ کو وَنَھیٰ عَنِ الْمُنکَرِ "ی" کے اضافہ کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنی بدل جائیں، جیسے مَثَانِيَ کو مَثَانِینَ، یا وَزَرَابِيُّ کو وَزَرَابِیْبُ پڑھا؛ یا اَلذَّکَرَ وَالْاُنْثیٰ اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی میں وَاِنَّ سَعْیَکُمْ یعنی واو بڑھادیا، یا وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ میں وَاِنَّكَ واو کے ساتھ پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ (۱)

(۲) کسی حرف یا کلمہ کو چھوڑ دیا:

تو اگر معنی نہیں بدلے، جیسے لَقَدْ جَاءَ هُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنَاتِ میں ت چھوڑ دی تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر معنی بدل گئے، جیسے فَمَالَھُمْ لَایُؤْمِنُوْنَ میں لا کو، یا عَلَی الْکَافِرِیْنَ غَیْرُ یَسِیْرٍ میں غَیْرُ کو چھوڑ دیا، یا خَلَقْنَا بغیر خ کے یا جَعَلْنَا بغیر ج کے پڑھا تو نماز فاسد ہوجائے گی (لیکن اگر ایجاز و ترخیم کے طور پر کوئی حرف حذف کیا اور اس کا جواز عربی میں موجود ہو، مثلاً وَنَادَوْ یَامَالِكُ کے بجائے وَنَادَو یَامَالُ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اگرچہ معنی بدل جائیں) (۲)

(۳) ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدل دیا:

تو اگر معنی نہیں بدلے، جیسے اَلْمُسْلِمِیْنَ کی جگہ اَلْمُسْلِمُوْنَ پڑھا تو نماز فاسد نہ

---

(۱) وإن غیّر المعنی نحو أن یقرأ: وَزَرَابِیْب مبثوثة مکان وَزَرَابِيّ، أو مثانین مکان مثانی، أو اَلذَّکَرَ وَالْاُنْثیٰ و انَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی، وَالْقُرْآنِ الْحَکِیْمِ وَاِنَّكَ، بزیادة الواو تفسد، هکذا فی الخلاصة (ہندیہ:۱/۷۹-۸۰)

(۲) إن کان الحذف علی سبیل الإیجاز و الترخیم فإن وجد شرائطه نحو إن قرأ ونادو یامال لاتفسد صلاته، وإن لم یکن علی وجه الإیجاز و الترخیم فإن کان لایغیر المعنی لاتفسد صلاته نحو أن یقرأ ولقد جاء هم رسلنابالبینات بترك التاء، لا (ہندیہ:۱/۷۹) فإن غیر نحو خلقنا بلا خاء أو جعلنا بلا جیم تفسد عند ابی حنیفة ومحمد رحمهما الله (شامی:۲/۳۹۶)

ہوگی۔ اور اگر معنی بدل گئے تو اگر وہ دونوں حروف ایسے ہوں کہ ان میں بآسانی جدائی ممکن ہو، جیسے طا اور صاد یعنی صالحات کی جگہ طالحات پڑھ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر ایسے حروف ہوں کہ ان میں بآسانی جدائی ممکن نہ ہو جیسے صاد اور سین، یا ضاد اور ظا، یا طا اور ت، تو اکثر مشائخ کے نزدیک اس سے نماز فاسد نہ ہوگی علماء نے اس پر فتویٰ دیا ہے اور قاضی امام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ اگر قصداً بدلے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور بلا قصد (مثلاً اس کی زبان پر بے ساختہ جاری ہو گیا یا وہ ان حروف میں تمیز نہیں کر سکتا تو) نماز فاسد نہ ہوگی، یہ قول بہت مناسب ہے، فتویٰ کے لئے یہی مختار ہے۔ (۱)

(۴) ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ سے بدل دیا:

تو اگر دونوں کلمے معنی میں قریب قریب ہیں، جیسے اَوَّابٌ کی جگہ اَیَابٌ یا عَلِیمٌ کی جگہ حَکِیمٌ پڑھا؛ یا قَوَّامُوْنَ بِا لْقِسْطِ کی جگہ قَیَّامِیْنَ بِالْقِسْطِ پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ اور اگر دونوں کلموں کے معنی میں بہت فرق ہے، جیسے اِنَّا کُنَّا فَاعِلِیْنَ میں فَاعِلِیْنَ کے بجائے غَافِلِیْنَ پڑھ دیا، یا لَفِی جَحِیْمٍ کی جگہ لَفِی جَنَّاتٍ یا اَشْقٰی کی جگہ اَتْقٰی پڑھ دیا تو عام مشائخ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی خواہ وہ بدلا ہوا کلمہ قرآن میں ہو یا نہ ہو، اسی پر فتویٰ ہے۔ (۲)

---

(۱) فإن أمكن الفصل بين الحرفين من غير مشقة...تفسد صلاته عند الكل و إن كان لايمكن الفصل بين الحرفين إلا بمشقة كالظاء مع الضاد والصاد مع السين والطاء مع التاء اختلف المشائخ قال أكثرهم لاتفسد صلاته...... و كثير من المشائخ أفتوابه،قال القاضى الإمام ابو الحسن...... إن تعمد فسدت وإن جرى على لسانه أو كان لايعرف التميز لا تفسد، وهو أعدل الأقاويل والمختار (ہندیہ:۱/۷۹، شامی:۲/۳۹۶)

(۲) وإن كان فى القرآن ولكن لاتقربان فى المعنى نحو إن قرأ وعداً علينا إنا كنا غافلين مكان فاعلين ونحوه ممالواعتقده يكفر تفسد عند عامة مشايخنا وهو الصحيح من مذهب أبى يوسف رحمه الله تعالىٰ هكذا فى الخلاصة (ہندیہ:۱/۸۰)

(۵) ایک آیت کے بدلے دوسری آیت کو پڑھا:

تو اگر معنی میں فساد نہیں آیا (یعنی تغیر فاحش نہیں ہوا) تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ وقف کر کے دوسری آیت کو پڑھا ہو یا وصل کر کے۔ اور اگر معنی میں تغیر فاحش ہوگیا تو اگر وقف کر کے پڑھا ہے، جیسے اِنَّ الَّذِیْنَ آمَنُوْ وَعَمِلُو الصّٰلِحٰتِ پڑھا، پھر وقف کیا پھر اُولٰئِكَ هُمْ شَرُّ الْبَرِيَّه پڑھ دیا تو نماز فاسد نہ ہوگی، اور اگر وقف کئے بغیر ملا کر پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱)

(۶) کسی حرف یا کلمہ کو مکرر پڑھا:

تو اگر معنی نہیں بدلے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اگر معنی بدل گئے، جیسے رَبِّ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، یا مَالِكِ مَالِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ پڑھا تو اگر بے ساختہ زبان سے نکل گیا یا مخرج صحیح کرنے کے لئے مکرر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن اگر قصداً اضافت کی نیت سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جائے گی بلکہ کفر لازم آئے گا (لیکن اگر پوری آیت مکرر پڑھی تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ اس سے معنی نہیں بدلتے)(۲)

۸۲ـ **ضابطہ**: کلمات وحروف کی غلطی کے سوا تشدید، مد، امالہ وغیرہ میں غلطی سے نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ معنی بدل جائیں۔(۳)

---

(۱) لو ذكر آية مكان إن وقف وقفا تاما ثم ابتدء بآية اخرى أو ببعض آية لا تفسد ...... أما إذا لم يقف ووصل إن لم يغير المعنى ...... لا تفسد، أما إذا غير المعنى ...... تفسد عند عامة علمائنا وهو الصحيح هكذا في الخلاصة (ہندیہ: ۸۰/۱-۸۱)

(۲) وإن تغير نحو رب رب العالمين ومالك ومالك يوم الدين قال بعضهم لا تفسد والصحيح أنها تفسد ...... وإنما سبق لسانه إلى ذالك أو قصد مجرد تكرير الكلمة لتصحيح مخارج حروفها ينبغي علم الفساد ...... نعم لو قصد إضافة كل إلى مايليه فلا شك في الفساد بل يكفر (شامی: ۳۹۷/۲) (۳) فلو في اعراب أو تخفيف مشدد وعكسه ...... لم تفسد وإن غير المعنى به يفتى (الدر المختار والشامی: ۳۹۴/۲-۳۹۵، وفی الہندیہ: ۸۱/۱)

فائدہ: البتہ اعراب وحرکات کی غلطی میں تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ: اگر ایسی غلطی کی جس سے معنی بالکل نہیں بدلے یا تغیر فاحش نہیں ہوا تو نماز بالاتفاق فاسد نہ ہوگی اور اگر معنی میں ایسا تغیر ہوگیا کہ جس کو قصداً پڑھنے سے کفر لازم آتا ہے، جیسے وَعَصیٰ آدَمُ رَبَّہٗ میں آدَمُ کی میم کو پیش کے بجائے زبر سے اور رَبَّہٗ کی ب کو زبر کے بجائے پیش سے پڑھا؛ یا اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمَاءُ میں اللّٰہَ کی ہ کو زبر کے بجائے پیش سے، اور العلماءُ کے ء کو پیش کے بجائے زبر سے پڑھا تو متقدمین کے نزدیک اس سے نماز فاسد ہوجائے گی اور متاخرین میں اختلاف ہے، بہت سوں کے نزدیک (جبکہ قصداً نہ پڑھا ہو) نماز فاسد نہیں ہوتی، اس لئے کہ اکثر آدمی اعراب میں تمیز نہیں کرسکتے یہی اشبہ ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، پس متاخرین کے قول میں وسعت ہے، مگر احتیاط متقدمین کے قول میں ہے۔ (۱)

تنبیہ: مذکورہ غلطیوں سے اگرچہ نماز فاسد نہیں ہوتی مگر ان کی اصلاح کرنا واجبات تلاوت میں سے ہے، اگر قدرت کے باوجود اصلاح نہیں کرے گا تو گنہ گار ہوگا۔

نوٹ: قاری کی لغزشوں سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے آخیر میں ہے۔

امامت اور اقتدا کا بیان

۸۳- **ضابطہ:** ہر وہ شخص جو علانیہ بڑا گناہ کرتا ہو اس کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ (۲)

---

(۱) ومنها اللحن في الاعراب ...... وماقاله المتقدمون أحوط لأنه لو تعمد يكون كفرا ومايكون كفرا لايكون من القرآن .وماقاله المتأخرون أوسع لأن الناس لايميزون بين اعراب واعراب كذا في فتاوى قاضي خان،وهو الأشبه كذا في المحيط،وبه يفتي كذا في العتابية، وهكذا في الظهيرية(ہندیہ:۱/۸۱،شامی:۲/۳۹۴)

(۲) کبیری:۴۷۹۔

جیسے شرابی، جواری، زناکار، سودخور، ریاکار، چغل خور، ڈاڑھی منڈانے والا یا ایک مشت سے کم ڈاڑھی رکھنے والے کی امامت مکروہ تحریمی ہے، اس کو امام بنانا جائز نہیں۔
لیکن اگر وہ جبراً امام بن گیا یا مسجد کی منتظمہ نے بنا دیا اور ہٹانے پر قدرت نہ ہو تو کسی دوسری مسجد میں صالح امام تلاش کرے، اگر میسر نہ ہو تو جماعت نہ چھوڑے بلکہ فاسق کے پیچھے ہی نماز پڑھ لے، اب اس کا وبال مسجد کے منتظمین پر ہوگا۔ (۱)

۸۴- **ضابطہ**: ہر ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا جس کے عقائد شرک وکفر کی حد تک پہنچے ہوئے ہوں قطعاً جائز نہیں۔ (۲)

جیسے شیعہ اور قادیانی کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ اسی طرح بدعتی اگر شرکیہ عقائد رکھتا ہو تو اس کے پیچھے بھی نماز درست نہیں ——— البتہ بدعتی شخص اگر موحد ہو (شرکیہ عقائد نہ رکھتا ہو) صرف تیجہ، چالیسواں وغیرہ بدعات کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر صحیح العقیدہ امام میسر نہ ہو تو پھر اسی کے پیچھے نماز پڑھ لے، جماعت نہ چھوڑے، پھر صحیح یہ ہے کہ اس نماز کا اعادہ واجب نہیں۔ امام اگر مودودی (جماعت اسلامی کا) ہو تو بھی یہی حکم ہے (یعنی اگر دوسرا امام میسر نہ ہو تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لے) (۳)

فائدہ: اور اگر امام مسلکاً شافعی، مالکی، حنبلی ہو تو اگر یقین ہو کہ طہارت کے مسائل میں دوسرے مذاہب کی رعایت کرتا ہے تو اس کے پیچھے نماز بلا کراہت جائز ہے اور اگر رعایت نہ کرنے کا یقین ہو تو جائز نہیں اور جس کا حال معلوم نہ ہو اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ (۴)

---

(۱) مستفاد کبیری: ۴۷۹، شامی: ۲/ ۲۹۷-۲۹۸-۳۰۱، ھدایہ: ۱/ ۲۲۔
(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۳۰۱، بدائع: ۱/ ۳۸۶۔
(۳) مستفاد شامی: ۲/ ۱۹۹، احسن الفتاوی: ۳/ ۲۹۰۔
(۴) إن تیقن المراعاۃ لم یکرہ أو عدمھا لم یصح ،إن شك کرہ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۳۰۲، کبیری: ۴۴۴)

اور اگر امام غیر مقلد ہو تو احسن الفتاویٰ میں ہے: آج کل اکثریت غیر مقلدین کی رعایت مذاہب کا خیال نہیں رکھتی، بلکہ عمداً اس کے خلاف کرتی ہے اور اس کو ثواب سمجھتی ہے، اس لئے حتی الامکان غیر مقلدین کی اقتدا نہیں کرنی چاہئے، لیکن بوقت ضرورت ان کے پیچھے نماز پڑھ لے جماعت نہ چھوڑے۔ (۱)

۸۵- **ضابطہ**: مقتدی کا ارکان ادا کرنے میں امام کے مثل یا کم ہونا ضروری ہے۔ (۲)

جیسے اگر امام اور مقتدی دونوں رکوع سجدے سے نماز پڑھتے ہیں یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اشارے سے نماز پڑھتے ہیں تو یہ جائز ہے، کیوں کہ مقتدی ارکان ادا کرنے میں امام کے مثل ہے ـــــ اسی طرح امام رکوع سجدے سے پڑھتا ہو اور مقتدی پیچھے اشارے سے پڑھتا ہو تو جائز ہے کہ یہ امام سے کم ہونے کی مثال ہے ـــــ لیکن اگر امام اشارہ سے نماز پڑھے اور مقتدی رکوع سجدے سے تو یہ جائز نہیں، کیوں کہ مقتدی کا حال امام سے قوی ہے۔

البتہ اگر امام بیٹھ کر رکوع سجدے سے نماز پڑھے اور مقتدی پیچھے کھڑے ہو کر (خواہ وہ کھڑے کھڑے اشارے سے یا رکوع سجدے سے) نماز پڑھے تو یہ خلاف قیاس حدیث سے ثابت ہے اس لئے اقتدا درست ہے، یہ حکم شیخین کے نزدیک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔ البتہ معذور امام بیٹھ کر اشارے سے نماز پڑھے تو اس کے پیچھے کھڑے ہونے والی کی نماز بالاتفاق درست نہیں۔ (۳)

۸۶- **ضابطہ**: شرائط نماز (جیسے ستر چھپانا، نجاست سے پاک ہونا وغیرہ) میں مقتدی کا امام کے مثل یا کم ہونا شرط ہے۔ (۴)

(۱) احسن الفتاویٰ: ۳/۲۸۲۔ (۲) وکونه مثله او دونه فیها ای فی الأرکان (شامی: ۲/۲۸۶) (۳) شامی: ۲/۳۲۴-۳۳۶، بدائع ۳۵۰ تا ۳۵۵ ملخصاً۔

(۴) وکون المؤتم مثل الإمام أو دونه فی الشرائط (شامی: ۲/۲۸۶)

تشریح: پس اگر امام ننگا ہو اور مقتدی کپڑے پہنے ہوئے ہو؛ اسی طرح کوئی اور شرط امام میں مفقود ہو اور مقتدی میں وہ پائی جاتی ہو تو اقتدا درست نہیں۔
البتہ وضو کرنے والے کی نماز تیمم کرنے والے کے پیچھے یا خفین یا پٹی پر مسح کرنے والے کے پیچھے جائز ہے، کیوں کہ یہاں مقتدی وصف میں بڑھا ہوا ہے شرط میں نہیں، فافہم۔ (۱)

۸۷- **ضابطہ**: امام سے آگے بڑھنے میں اعتبار ایڑی کا ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر مقتدی کی ایڑی امام کی ایڑی سے آگے ہوگئی تو اس کی نماز نہ ہوگی ـــــ اور اگر ایڑی برابر ہو تو نماز ہو جائے گی اگرچہ (مقتدی کا قد لمبا ہونے کی وجہ سے) قیام میں پاؤں کی انگلیاں امام کی انگلیوں سے آگے ہو جائیں؛ یا رکوع سجدے میں سر امام کے سر سے آگے ہو جائے؛ یا قعدہ میں گھٹنے امام سے آگے بڑھ جائیں۔ (۳)

۸۸- **ضابطہ**: نماز کی کوئی بھی سنت یا مستحب کو پورا کرنے کی خاطر امام کی اتباع ترک کرنا مکروہ ہے (مگر واجبات میں حکم برعکس ہے) (۴)

جیسے اگر مقتدی کی تسبیحات پوری ہونے سے پہلے امام اٹھ گیا یا درود یا دعا سے پہلے امام نے سلام پھیر دیا تو مقتدی پر امام کی اتباع واجب ہے، امام سے پیچھے رہنا مکروہ ہے۔ (۵)

لیکن اگر مقتدی کا تشہد پورا نہ ہوا ہو تو اس کو پورا کرنا واجب ہے، کیوں کہ تشہد

(۱) شامی: ۳۳۶/۲۔ (۲) ولا عبرة بالراس بل بالقدم...... ومعنى المحاذات بالقدم المحاذات بعقبه (شامی: ۲۸۶/۲) (۳) فلو حاذاه بالقدم ووقع سجوده مقدماً عليه لكون المقتدى أطول من إمامه لايضر...... فلايضر تقدم أصابع المقتدى على الإمام حيث حاذاه بالعقب (شامی: ۳۰۸/۲، تاتارخانیہ: ۶۲۲/۱)

(۴) مستفاد شامی: ۱۹۹/۲، ہندیہ: ۹۰/۱۔ (۵) واعلم أنه ممايبتنى على لزوم المتابعة فى الأركان، أنه لو رفع الإمام رأسه من الركوع أو السجود قبل أن يتم المأموم التسبيحات الثلاث وجب متابعته. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۹/۲)

واجب ہے، پس تشہد پڑھ لے پھر امام کی اتباع کرے، اگر تشہد پورا کرنے میں امام ارکان میں آگے چلا جائے تو مقتدی واجبات وفرائض اس کے پیچھے پیچھے ادا کرتا رہے، نماز درست ہوجائے گی۔ (۱)

استدراک: البتہ اگر مسبوق نے امام کی اقتدا تشہد کے درمیان کی اور اس کا تشہد ابھی پورا نہیں ہوا تھا کہ امام تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا یا چوتھی رکعت تھی اور امام نے سلام پھیر دیا تو اس صورت میں اس کے لئے تشہد پورا کرنا واجب نہیں، البتہ پورا کرے تو بہتر ہے۔ (۲)

۸۹- **ضابطہ:** امام اور مقتدی کا مکان (نماز پڑھنے کی جگہ) حقیقتاً یا حکماً ایک ہونا ضروری ہے (ورنہ اقتدا جائز نہ ہوگی) (۳)

تفریعات:

(۱) پس پیدل نماز پڑھنے والی کی اقتدا سوار کے پیچھے یا سوار کی اقتدا دوسری الگ سواری والے کے پیچھے درست نہیں۔

(۲) اسی طرح اگر امام اور مقتدی کے درمیان اتنا بڑا عام راستہ ہو کہ جس پر بیل گاڑی یا سامان سے لدا ہوا گدھا گذر سکتا ہے یا اونٹ کی گذرگاہ کی برابر چوڑا نالہ ہو تو

---

(۱) بخلاف سلامه او قيامه لثالثة قبل تمام المؤتم التشهد، فانه لايتابعه بل يتمه لوجوبه، ولولم يتم جاز (در مختار) وفى الشامية: ولولم يتم جاز، اى صح مع كراهة التحريمة كما افاده ح. (شامی: ۱۹۹/۲، ہندیہ: ۹۰، مراقی: ۳۰۹) وإن ركع بعد الإمام وسجد بعده جازت صلاته (ہندیہ: ۱۳۱)

(۲) وشمل باطلاقه مالو اقتدى به فى اثناء التشهد الأول، او الأخير، فحين قعد، قام إمامه او سلم. ومقتضاه: انه يتم التشهد ثم يقوم ولم اره صريحاً، ثم رأيته فى الذخيرة ناقلاً عن ابى الليث: المختار عندى ان يتم التشهد وإن لم يفعل اجزاه اه. والله الحمد (شامی: ۲۰۰/۲) (۳) الدر المختار علی ہامش رد المختار: ۲۸۵/۲۔

اس سے پیچھے والی صفوں کی اقتدا درست نہیں، کیوں کہ دونوں کا مکان الگ ہوگیا۔لیکن اگر اس راستے یا نالے کو صفوں سے پر کردیا گیا ہو تو اب اقتدا درست ہے، کیوں کہ اب امام اور مقتدی کا مکان حکماً ایک ہوگیا۔(۱)

(۳) اسی طرح درمیان میں دو صفوں کے بقدر (تقریباً ۸ فٹ) جگہ خالی ہو تو اقتدا درست نہ ہوگی (البتہ مسجد اور عیدگاہ میں یہ فاصلہ مانع نہیں--اگر چہ بلا ضرورت مکروہ تحریمی ہے- کیوں کہ عیدگاہ اور پوری مسجد اوپر سے نیچے تک مکان واحد کے حکم میں ہے)(۲)

(۴) اور مسجد کے صحن میں جو حوض ہوتا ہے اگر وہ ۱۰۰ ہاتھ (تقریباً ۲۲۶ مربع فٹ) یا اس سے بڑا ہو تو اس کے پیچھے سے اقتدا درست نہیں۔البتہ حوض کی کسی ایک جانب سے پیچھے کھڑے ہونے والوں تک صفیں متصل ہوجائیں تو اب اقتدا درست ہے۔ اور اگر حوض اس سے چھوٹا ہو تو اس کے پیچھے سے اقتدا ہر حال میں جائز ہے۔(۳)

۹۰- **ضابطہ**: ارکان ادا کرنے میں امام کی حالت مقتدی پر مشتبہ نہیں ہونی چاہئے (ورنہ اقتدا درست نہ ہوگی)(۴)

تفریعات:

(۱) پس بند دروازے کے پیچھے اگر امام یا مکبر کی آواز پہنچتی ہو تو اقتدا درست ہے

---

(۱)(ویمنع من الاقتداء) صف من النساء......(أو طریق تجری فیه عجلة) آلة یجرھا الثور (أو نھر تجری فیه السفن)...... إلا إذا اتصلت الصفوف فیصح مطلقاً (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۳۳۱ تا ۳۳۳، ہندیہ:۱/۸۷)

(۲)والمانع فی الفلوات قدر مایسع فیه صفین وفی مصلی العید الفاصل لایمنع الاقتداء وإن کان یسع فیه الصفین أو أکثر (ہندیہ:۱/۸۷)والمسجد وإن کبر لایمنع الفاصل..الخ (شامی:۲/۳۳۲)(۳)احسن الفتاویٰ:۳/۳۰۷، وشامی:۲/۳۳۳ ملخصاً۔(۴)الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۲۸۶-۳۳۳۔

اور اگر آواز نہ پہنچتی ہو تو درست نہیں، کیوں کہ امام کی حالت مشتبہ رہے گی۔ لیکن اگر دروازہ جالی والا ہو جس میں سے امام کی نقل وحرکت معلوم ہو سکتی ہو خواہ اس کو دیکھ کر یا دوسرے مقتدی کو دیکھ کر تو پھر اقتدا جائز ہے اگر چہ آواز نہ پہنچے، کیوں کہ اب حالت مشتبہ نہیں ہوگی۔[۱]

(۲) اسی طرح اگر مسجد کی چھت پر نماز پڑھے تو اگر امام کی حالت (یعنی کس رکن میں ہے) وہ مشتبہ نہ ہو تو اقتدا جائز ہے اور اگر مشتبہ ہو یعنی آواز نہ پہنچے یا نقل وحرکت کسی طرح بھی معلوم نہ ہو سکے (نہ امام کو دیکھ کر اور نہ دوسرے مقتدیوں کو دیکھ کر) تو اقتدا جائز نہیں۔[۲]

۹۱- **ضابطہ**: ایسی دو نمازیں جن میں سے ایک کی بناء دوسرے پر منفرد کے حق میں جائز نہیں، مقتدی کے لئے اپنے امام کی نماز پر بناء جائز نہیں۔[۳]

تفریعات:

(۱) پس فرض پڑھنے والے کی اقتدا نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں، کیوں کہ فرض کی بناء نفل کے تحریمہ پر منفرد کے حق میں جائز نہیں۔

(۲) اور کھڑے ہو کر نماز پڑھنے والے کی اقتدا بیٹھ کر پڑھنے والے کے پیچھے جائز ہے، کیوں کہ قائم کی بناء قاعد پر خود منفرد کے حق میں جائز ہے، جیسے منفرد نے پہلی رکعت بیٹھ کر پڑھی، پھر باقی نماز کھڑے ہو کر پڑھی تو (نفل میں بلا عذر بھی اور فرض میں عذر کے ساتھ) جائز ہے۔

---

(۱) والحائل لایمنع الاقتداء إن لم یشتبه حال إمامه بسماع أو رؤیة (درمختار) ینبغي أن تکون الرؤیة کالسماع، لافرق فیهابین أن یری انتقالات الإمام أو احد المقتدی (شامی:۲/۳۳۳)

(۲) منحة الخالق "علی البحر": ۱/۶۳۵۔

(۳) قواعد الفقہ: ۱۰۱۔

جماعت کا بیان

۹۲- **ضابطہ**: جمعہ وعیدین کے علاوہ ہر نماز کی جماعت کے لئے ایک مقتدی بھی کافی ہے، خواہ وہ مقتدی مرد ہو یا عورت؛ آزاد ہو یا غلام؛ بالغ ہو یا نابالغ سمجھ دار بچہ؛ اور خواہ فرشتہ ہو یا جن۔ (۱)

۹۳- **ضابطہ**: جمعہ اور عیدین میں (امام کے علاوہ) کم از کم تین ایسے آدمی ہونے ضروری ہیں جو امامت کے اہل ہوں۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس جمعہ وعیدین میں امام کے پیچھے صرف دو مرد ہوں تو جماعت درست نہ ہوگی۔

(۲) اسی طرح تین آدمی ہوں مگر ان میں کوئی نابالغ بچہ ہو یا عورت ہو یا مجنون ہو تو جماعت صحیح نہ ہوگی۔

(۳) تنہا بچے ہوں یا عورت اور بچے ہوں تب بھی یہی حکم ہے، یعنی جماعت صحیح نہ ہوگی۔

۹۴- **ضابطہ**: نفل نماز میں تداعی (بلاوا) کے ساتھ جماعت مکروہ تحریمی ہے (۳)

فائدہ: اور فقہاء نے لکھا ہے کہ امام کے سوا چار آدمی ہوں تو یہ عملاً تداعی ہے، پس یہ بھی مکروہ ہے۔ (۴)

---

(۱) وأقلها اثنان ،واحد مع الإمام،ولو مميزاً أو ملكاً أو جنياً (درمختار) ولو مميزاً أى لو كان الواحد المقتدى صبيا مميزاً......الخ (شامی:۲/۲۸۹)

(۲) هذا فى غير جمعة......أى فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوى الإمام ومثلها العيد (شامی:۱/۲۸۹) (۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۵۰۰۔

(۴) يكره ذالك على سبيل التداعى بأن يقتدى أربعة بواحد (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۵۰۰،باب الوتر والنوافل)

۹۵-ضابطہ: جس مسجد میں مؤذن، امام اور نمازی معین ہوں وہاں دوسری جماعت اذان واقامت کے ساتھ مکروہ تحریمی ہے اور جو مسجد ایسی نہ ہو اس میں مکروہ نہیں (۱)

تشریح: پس راستے اور اسٹیشن وغیرہ کی مسجد جس میں امام اور مؤذن معین نہ ہوں یا نمازی معین نہ ہوں وہاں تکرار جماعت بالاتفاق مکروہ نہیں، بلکہ افضل ہے، اگر چہ تکرار اذان واقامت کے ساتھ اور ہیئت اولیٰ پر ہو۔ (۲) ـــــــ اور محلّہ کی مسجد جہاں امام اور نمازی معین ہوتے ہیں تکرار جماعت مکروہ ہے۔

فائدہ: البتہ اگر محلّہ کی مسجد میں دوسری جماعت بغیر اذان واقامت کے ہو اور ہیئت بدل دی جائے یعنی امام محراب سے ہٹ کر کھڑا ہو (محراب کی محاذاۃ میں نہ ہو) تو اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس صورت میں کوئی کراہت نہیں، جبکہ طرفین (امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک یہ صورت بھی مکروہ ہے، کیوں کہ جماعت ثانیہ بہر صورت جماعت اولیٰ میں سستی اور کمی کا ذریعہ بنے گی، نیز افتراق وانتشار کا بھی سبب ہے، یہی ظاہر الروایہ ہے۔

البتہ کبھی اتفاقاً مسجد کی حد سے باہر صحن وغیرہ میں جماعت کی جائے تو حرج نہیں، کہ شامی میں امام ابو یوسف کے قول کو صحیح کہا ہے اور تاتارخانیۃ میں ہے کہ ہم اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) شامی: ۲/۶۴-۲۸۸۔ (۲) إلا فی مسجد طریق هو مالیس له إمام ومؤذن راتب فلا یکره التکرار فیه بل الأفضل (شامی: ۲/۶۴ باب الاذان) وفی باب الإمامة ص۲۸۸: والمراد بمسجد المحلة: ماله إمام وجماعة معلومون کما فی الدرر۔

(۲) ولأن التکرار یؤدی إلی تقلیل الجماعة، لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة یتعجلون فتکثر، وإلا تأخروا، بدائع. وحینئذٍ فلو دخل جماعة المسجد بعد ماصلی أهله فیه فإنهم یصلون وحداناً، وهو ظاهر الروایة، ظهیریة...... وعن أبی یوسف إذا لم تکن علی الهیئة الأولی لاتکره، وإلا فتکره وهو ←

۹۶-**ضابطہ**: وہ شخص جس کی مسجد کی حاضری سے لوگوں کو تکلیف ہو اس کے لئے جماعت کی نماز میں آنا جائز نہیں۔ (۱)

جیسے اگر کسی کے منہ یا بغل یا جسم کے کسی حصے سے بدبو آتی ہو جس کی وجہ سے جانبین کے مقتدیوں کو تکلیف ہوتی ہو تو ایسے شخص کی جماعت میں شرکت جائز نہیں، تنہا علاحدہ نماز پڑھے (ہاں البتہ دافع بدبو یعنی عطر وغیرہ سے بدبو دور ہو جاتی ہو اور وہ اس کے استعمال پر قادر بھی ہو تو پھر بدبو دور کر کے جماعت میں شریک ہونا ضروری ہے)

اسی طرح قصائی، مچھیرے وغیرہ کے کپڑوں سے بدبو آتی ہو یا جذامی یا کوڑی سے لوگ نفرت کرتے ہوں تو ان کی بھی جماعت میں شرکت درست نہیں۔ (۲)

مسبوق اور لاحق کا بیان

تمہید: مسبوق وہ ہے: جس کی شروع کی کچھ رکعتیں امام کے ساتھ چھوٹ گئی ہوں۔ اور لاحق وہ ہے: جس نے نماز کا ابتدائی حصہ امام کے ساتھ پایا ہو، لیکن آخر نماز کا کل یا بعض حصہ نیند یا نقض وضو کی وجہ سے امام کے ساتھ فوت ہو گیا۔

۹۷-**ضابطہ**: مسبوق (امام کے سلام کے بعد) اپنی فوت شدہ نماز میں منفرد کا حکم رکھتا ہے۔ اور لاحق مقتدی کا حکم رکھتا ہے۔ (۳)

← الصحيح، وبالعدول عن المحراب تختلف الهيئة، كذا في البزازية اھ. وفي التاتارخانية : عن الولوالجية :وبه نأخذ (شامی:۲/۲۸۸-۲۸۹)

(۱) مستفاد شامی:۲/۴۳۵، مطلب في احكام المسجد۔

(۲) و كذالك ألحق بعضهم بذالك من فيه بخر أو به جرح له رائحة و كذالك القصاب والسماك والمجذوم والأبرص أولى بالإلحاق (شامی:۲/۴۳۵، مطلب في احكام المسجد)

(۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۳۴۵-۳۴۶۔

تفریعات:

(۱) پس امام کے سلام کے بعد مسبوق جب کھڑا ہو تو قراءت کرے گا اور قراءت سے پہلے ثنا اور تعوذ بھی پڑھے گا، اور لاحق قراءت وغیرہ کچھ نہیں پڑھے گا، بلکہ تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہے گا پھر رکوع کرلے گا، کیوں کہ امام کے سلام کے بعد مسبوق اپنی الگ نماز شروع کرتا ہے اور لاحق اب بھی حکماً امام کے پیچھے ہوتا ہے۔[۱]

(۲) اسی طرح امام کے سلام کے بعد اگر مسبوق نے کوئی سہو کیا مثلاً امام کے سلام کے بعد بھول سے خود نے بھی سلام پھیرلیا یا کوئی واجب ترک کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب ہوگا، اور اگر لاحق نے یہ کیا تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، کیوں کہ لاحق مقتدی کے حکم میں ہے اور مقتدی کے سہو سے سجدۂ سہو واجب نہیں ہوتا۔[۲]

(۳) اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر امام قعدۂ اخیرہ کرنے کے بعد کھڑا ہوگیا تو اگر مسبوق بھی اس کی اتباع میں کھڑا ہوگیا تو کھڑے ہوتے ہی اس کی نماز فاسد ہوجائے گی، کیوں کہ وہ اس وقت منفرد کے حکم میں ہے، اتباع مفسد نماز ہے، بخلاف لاحق کے، کہ اس کی نماز فاسد نہ ہوگی۔[۳]

۹۸-**ضابطہ**: مقیم جب مسافر کی اقتدا کرے تو امام کے سلام کے بعد وہ لاحق کے حکم میں ہوتا ہے۔[۴]

تفریع: پس وہ امام کے سلام کے بعد باقی دو رکعت بغیر قراءت کے ادا کرے گا۔ اور ان دو رکعت میں کوئی سہو ہوجائے تو اس پر سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا۔

---

(۱) وحكمه (اى اللاحق) كمؤتم فلايأتى بقراة وسهو......والمسبوق...... وهو منفرد، حتى يثنى ويتعوذ ويقرأ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۴۶/۲، ہندیہ: ۹۰/۱)

(۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۴۵/۲۔

(۳) ولو قام إمامه لخامسة فتابعه إن بعد القعود تفسد (شامی: ۳۵۰/۲)

(۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۶۱۱/۲۔

مفسدات نماز کا بیان

اقوال مفسدۃ:

۹۹-**ضابطہ**: نماز میں ہر ایسا کلام جو کلام الناس سے ہو (یعنی ایسی باتیں جسے لوگ آپس میں کیا کرتے ہیں) نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ کلام قلیل ہو یا کثیر؛ عمداً ہو یا سہواً یا خطاءً؛ سوتے میں ہو یا بیداری میں۔ (۱)

تشریح: پس اگر کلام الناس میں سے ایک حرف بھی ایسا کہا جس کے معنی معلوم ہیں، جیسے عربی میں قِ اور عِ (یہ امر کے صیغے ہیں یعنی قِ بمعنی حفاظت کر اور عِ بمعنی بچا) تو نماز فاسد ہو جائے گی (لیکن ایک ایسا حرف جو بے معنی ہو وہ کلام میں داخل نہیں اس سے نماز فاسد نہ ہوگی اور دو حرف سے بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی خواہ معنی معلوم ہوں یا نہ ہوں) (۲)

تفریعات:

(۱) پس کوئی خبر سن کر جواباً قرآن کی آیت پڑھی جیسے کوئی اچھی خبر سنی اور الحمد للہ کہا یا بری خبر پر انا للہ پڑھا یا تعجب خیز خبر سن کر سبحان اللہ یا اللہ اکبر کہا تو طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ یہ تخاطب یعنی آپس میں بات چیت کرنا ہوا (۳)

(۲) اگر کسی جانور کو نماز میں ہنکایا، مثلاً کتے کو "ہو" کہا یا کسی پرندے کو "ہر" کہا تو بعض کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ یہ بغیر ہجا کی آواز ہے اور بعض فقہا کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ یہ آواز کلام کے قائم مقام ہے، یہی زیادہ

---

(۱) البحر الرائق: ۲/۳۔ (۲) یفسدها التکلم هو النطق بحرفین او حرف مفهم : کع وق امراً (درمختار) ان الحرف الواحد لایسمی کلاماً (شامی: ۲/۳۷۰)

(۳) مراقی الفلاح: ۳۲۶، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۷۹، کبیری: ۳۷۹، البحر: ۲/۱۱۔

مناسب معلوم ہوتا ہے۔ (۱)

(۳) نماز میں بچھو نے ڈس لیا یا کہیں درد ہوا یا اٹھتے بیٹھتے مشقت ہوئی اور یا اللہ نکل گیا یا بسم اللہ کہا تو نماز فاسد ہونے میں اختلاف ہے راجح یہ ہے کہ نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ یہ کلام الناس میں سے نہیں ہے، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۲)

(۴) چھینک آئی اور الحمدللہ کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی، البتہ اگر کسی کی چھینک کا جواب یرحمك الله سے دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی، کیوں کہ جواب دینے میں تخاطب ہوجاتا ہے۔ (۳)

(۵) اللہ کا نام سن کر جل جَلَالُہٗ کہا، یا نبی ﷺ کا نام سن کر دُرود پڑھا، یا امام کی قرأت سن کر صَدَقَ اللّٰہُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ کہا تو نماز فاسد ہوجائے گی خواہ جواباً کہا ہو یا ایسے ہی کہا ہو، کیوں کہ یہ جواب کے لئے متعین ہیں۔ البتہ اگر تعظیم اور ثنا کی نیت سے کہا (جواب کا ارادہ بالکل نہیں کیا) تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۴)

---

(۱) لکن فی الجوهرة :أن الكلام المفسد مايعرف فی متفاهم الناس سواء حصلت به حروف ام لا (شامی:۳۷۰/۲، کبیری:۳۷۷، حاشية الطحطاوی:۳۲۱)

(۲) ولولدغته عقرب فقال بسم الله تفسد صلاته عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالی .وقيل لاتفسد لأنه ليس من كلام الناس وفی النصاب وعليه الفتوی وكذا فی البحر...... مريض صلی فقال عند قيامه أو عند انحطاطه بسم الله لما يلحقه من المشقة والوجع لاتفسد صلاته وعليه الفتوی (ہندیہ:۹۹/۱)

(۳) شامی:۳۷۶/۲، کبیری:۳۸۰۔ (۴) سمع اسم الله تعالی فقال جل جلاله أو النبی صلی الله عليه وسلم فصلی عليه او قراة الامام فقال: صدق الله ورسوله تفسد إن قصد جوابه (درمختار) إن اراد جوابه تفسد وكذا لولم يكن له نية لأن الظاهرأنه أراد به الاجابة..واستفيد انه لو لم يقصد الجواب بل قصد الثناء والتعظيم لاتفسد،لأن نفس تعظيم الله تعالیٰ والصلاة علی نبيه صلی الله عليه وسلم لاينافی الصلاة (شامی:۳۸۰/۲)

(۶) حج کرنے والے نے نماز میں لبیک کہا تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ یہ کلام الناس کے مشابہ ہے۔[1] لیکن اگر ایام تشریق میں تکبیر تشریق (اللہ اکبر الخ) کہے تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ یہ ذکر ہے۔[2]

۱۰۰- **ضابطہ**: نماز میں ہر ایسا کھانسنا جو کسی عذر کی وجہ سے ہو یا صحیح غرض سے ہو نماز کو فاسد نہیں کرتا، اگر چہ حروف پیدا ہو جائیں۔[3]

تشریح: پس مرض کی وجہ سے یا بے اختیاری میں یا کوئی صحیح غرض مثلاً اپنی آواز کو درست کرنے کے لئے، یا کسی کو غلطی پر متنبہ کرنے کے لئے کھانسا تو نماز فاسد نہ ہوگی خواہ حروف پیدا ہو جائیں۔

اور اگر بلا عذر اور بلا کسی غرض کے کھانسا تو اگر حروف تہجی (أح أح وغیرہ) پیدا ہو جائیں تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر حروف پیدا نہ ہوں تو نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن بلا عذر کھانسنا مکروہ ہے۔[4]

۱۰۱- **ضابطہ**: نماز میں ہر ایسا رونا کہ جس سے حروف تہجی ''آہ'' یا ''اوہ'' یا ''اف'' وغیرہ پیدا ہو جائیں تو اگر یہ جنت یا دوزخ کے ذکر سے ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی، ورنہ فاسد ہو جائے گی۔[5]

تفریع: پس اگر کوئی شخص درد یا مصیبت یا غم کی وجہ سے رویا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

---

(۱) ولو لبی الحاجی فی صلاته تفسد (ہندیہ: ۱/۱۰۰، البحر: ۲/۱۳)

(۲) ولو قال فی أيام التشريق الله أكبر لا تفسد (ہندیہ: ۱/۱۰۰، البحر: ۲/۱۳)

(۳) الدر المختار: ۲/۳۷۶۔ (۴) يفسد التنحنح بحرفين بلا عذر.. أو بلا غرض صحيح ؛ فلو لتحسين صوته أو ليهتدی إمامه أو للاعلام أنه فی الصلاة فلا فساد على الصحيح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۷۶) (۵) والبكاء بصوت يحصل به حروف ...... لا لذكر جنة أو نار (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۷۷، البحر: ۲/۳-۶)

لیکن اگر وہ اپنے نفس کو روک نہیں سکا اور درد کی وجہ سے بے اختیار آواز نکل گئی تو پھر نماز فاسد نہ ہوگی، گویا وہ بے اختیار کھانسی اور ڈکار کی مانند ہو گیا۔ (۱)

۱۰۲- **ضابطہ**: نماز میں بلا ضرورت تعلیم و تعلم سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر اپنے امام کے علاوہ دوسرے کو لقمہ دیا تو لقمہ دینے اور لینے والے دونوں کی نماز فاسد ہو جائے گی، اس لئے کہ یہ بلا ضرورت نماز میں تعلیم و تعلم ہے۔

(۲) اسی طرح جو شخص نماز سے باہر ہو اس نے لقمہ دیا اور نمازی نے اس لقمہ کو لے لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (البتہ مقتدی اپنے امام کو لقمہ دے تو نماز فاسد نہیں ہوتی اگرچہ مقدار فرض قرآت کرنے کے بعد لقمہ دیا اور لیا ہو، کیوں کہ اس میں ضرورت ہے، فتویٰ اسی پر ہے) (۳)

(۳) اسی طرح اگر کسی نے نماز میں قرآن کو دیکھ کر قرأت کی تو اگر ایک آیت کے بقدر دیکھ کر پڑھ لیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، خواہ قرآن پاک کو ہاتھ میں اٹھا کر پڑھا، یا نیچے رکھا ہوا تھا یا محراب میں لکھا ہوا تھا اس میں سے پڑھا، فتویٰ اسی پر ہے، کیوں کہ یہ بھی تعلیم و تعلم کی صورت ہے ـــــ البتہ اگر اس کو پہلے سے وہ آیت (اچھی طرح) زبانی یاد تھی اور اس نے قرآن اٹھائے بغیر دیکھ کر پڑھا تو نماز فاسد نہ ہوگی، کیوں کہ جب پہلے سے آیت اس کے ذہن میں تھی تو اب دیکھ کر پڑھنے سے تعلیم حاصل کرنا نہیں ہوا اور قرآن نہ اٹھانے سے عمل کثیر بھی نہیں ہوا۔ (۴)

---

(۱) إلا لمريض لايملك نفسه عن أنين وتاوه ، لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۳۷۷، البحر: ۲/ ۳- ۴)

(۲) مستفاد حاشیۃ الطحطاوی: ۳۳۴ـ (۳) ہندیہ: ۱/ ۹۹، البحر: ۲/ ۱۰ـ

(۴) او قرائته من مصحف اى ما فيه قرآن مطلقاً لأنه تعلم إلا إذا كان حافظاً لما قراه وقرأ بلا حمل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/ ۳۸۳- ۳۸۴)

۱۰۳-**ضابطہ**: ہر وہ لفظ جو قرآن میں سے ہو اور بے اختیار زبان سے نکل جائے تو اگر اس کے تکیۂ کلام میں سے ہو جیسے ''نعم'' وغیرہ تو اس سے نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر تکیۂ کلام نہ ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۱)

فائدہ: کیوں کہ اگر تکیہ کلام میں سے ہو تو وہ اس کا کلام شمار ہوگا اور اگر تکیہ کلام میں سے نہ ہو تو وہ قرآن کا لفظ سمجھا جائے گا ـــــــ لیکن اگر وہ لفظ قرآن میں نہ ہو تو بہر صورت نماز فاسد ہو جائے گی، یعنی خواہ تکیۂ کلام ہو یا نہ ہو۔

۱۰۴-**ضابطہ**: وسوسہ کو دور کرنے کے لئے لاحول الخ پڑھا تو اگر وسوسہ دنیوی امور سے ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اگر آخرت سے متعلق ہو تو نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۲)

۱۰۵-**ضابطہ**: نماز میں ہر ایسی دعا مانگنا جو نہ قرآن وحدیث میں آئی ہے اور نہ اس کا مانگنا بندوں سے محال ہے نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ (۳)

جیسے کھانا، مال، بیوی، وغیرہ...... کی دعا مانگی تو نماز فاسد ہو جائے گی، کیوں کہ عادتاً اس کا مانگنا بندوں سے محال نہیں اور نہ یہ قرآن وحدیث میں منقول دعاؤں میں سے ہے۔ (۴)

اور جو دعا قرآن وحدیث میں منقول ہے یا اس کا مانگنا بندوں سے محال ہے، جیسے رزق، مغفرت، عافیت وغیرہ تو اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (۵)

---

(۱) ولو جرى على لسانه "نعم" أو "آرى" إن كان يعتادها في كلامه تفسد لأنه من كلامه وإلا لا لأنه من قرآن (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۲)

(۲) ولو حوقل لدفع الوسوسة: إن لأمور الدنيا تفسد لا لأمور الآخرة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۳۸۱، البحر: ۲/۷) (۳) وإن لم يكن في القرآن أو في المأثور ولا يستحيل سؤاله تفسد، وإن كان يستحيل سؤاله لا تفسد (البحر الرائق: ۲/۵، الدر المختار والشامی: ۲/۲۳۸-۳۷۷) (۴) مثل قوله أللهم اطعمني واقض ديني أو زوجني فإنه يفسد (ھندیہ: ۱/۱۰۰) (۵) مثل العافية والمغفرة والرزق...... لا تفسد (ھندیہ: ۱/۱۰۰)

اعمال مفسدہ:

۱۰۶-**ضابطہ**: ہر ایسا عمل کثیر جو نہ نماز کے اعمال میں سے ہو اور نہ اس کی اصلاح میں سے؛ نماز کو فاسد کر دیتا ہے، خواہ وہ عمل اختیار سے کرے یا بلا اختیار۔ (۱)

تشریح: نماز کے اعمال اور اصلاح میں سے نہ ہونے کی قید اس لئے ہے کہ جو عمل نماز کے اعمال میں سے ہو جیسے رکوع یا سجدے پر اضافہ کر لیا، یا نماز کی اصلاح کے لئے ہو جیسے حدث سبقت کرنے پر چلنا اور وضو کرنا تو یہ اگر چہ عمل کثیر ہے، لیکن نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ (ان کے علاوہ باقی ہر عمل کثیر نماز کو فاسد کر دیتا ہے) (۲)

پھر عمل کثیر اور قلیل کے درمیان حد فاصل میں فقہاء کا اختلاف ہے، اس سلسلے میں پانچ اقوال مشہور ہیں:

اول: ایسا عمل جس کے فاعل کو دور سے دیکھنے والا یہ یقین کرے یا اس کو غالب گمان گذرے کہ یہ شخص نماز میں نہیں ہے وہ کثیر ہے۔ اور جس عمل سے نماز میں نہ ہونے کا غالب گمان نہ ہو بلکہ شبہ ہو تو وہ قلیل ہے۔ (۳)

دوم: جو کام عادتاً دو ہاتھ سے کیا جاتا ہو، جیسے عمامہ باندھنا، کرتا پہننا، پاجامہ پہننا وغیرہ وہ کثیر ہے، خواہ ایک ہی ہاتھ سے کرے۔ اور جو کام عادتاً ایک ہاتھ سے کیا جاتا ہو جیسے ازار بند کھولنا، ٹوپی پہننا یا اتارنا (یا موبائل کا بٹن بند کرنا) وغیرہ وہ قلیل ہے اگر چہ دو ہاتھ سے کیا جائے۔ (۴)

سوم: تین حرکات متواترہ ہوں، یعنی ان کے درمیان بقدر تین تسبیح کے وقفہ نہ ہو تو

(۱) ویفسدها کل عمل کثیر لیس من اعمالها ولا إصلاحها (درمختار: ۳۸۴/۲) ولا یشترط فیما یفسد الصلوٰۃ الاختیار (کبیری: ۳۸۲) (۲) شامی: ۳۸۴/۲-۳۸۵۔

(۳) وإن شك أنه فیها أم لا؟ فقلیل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۵/۲)

(۴) الثانی: أن ما یعمل عادۃ بالیدین کثیر وإن عمل بواحدۃ. (شامی: ۳۸۵/۲)

وہ کثیر ہے، ورنہ قلیل ہے۔[۱]

چہارم: ایسا عمل جس کے لئے فاعل عادتاً علاحدہ مجلس کرتا ہو وہ کثیر ہے، جیسے بچہ کو دودھ پلانا وغیرہ۔[۲]

پنجم: خود نمازی کی رائے پر موقوف ہے، یعنی نمازی جس کو کثیر سمجھے وہ کثیر ہے اور جس کو قلیل سمجھے وہ قلیل ہے۔[۳]

یہ آخری قول امام ابوحنیفہؒ کے مذاق کے موافق ہے، کیوں کہ امام صاحب اکثر مسائل میں مبتلی بہ کی رائے پر حکم کا مدار رکھتے ہیں۔

اب ان ہی اصول پر متفرع ہونے والی کچھ جزئیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) اگر کسی نے نماز میں دھکا دیا جس سے متواتر تین قدم ہٹ گیا یا اپنے سجدہ کی جگہ سے ہٹ گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی،[۴] کیوں کہ عمل کثیر اختیار سے ہو یا بلا اختیار نماز فاسد کرنے میں دونوں برابر ہیں۔[۵] (لیکن اگر نماز میں اٹھتے بیٹھتے دونوں پاؤں کپڑے میں الجھ گئے اور اس کی وجہ سے آگے پیچھے ہو گیا تو بوجہ عذر اور کثیر الوقوع ہونے کے نماز فاسد نہ ہوگی۔[۶]

(۲) سانپ، بچھو کو نماز میں مارا تو اگر تین قدم نہیں چلنا پڑا اور نہ تین ضربوں کی حاجت ہوئی تو نماز فاسد نہ ہوگی، ورنہ عمل کثیر کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی، مگر

(۱) الثالث: الحركات الثلاثة المتوالية كثير، وإلا فقليل (شامی: ۲/۳۸۵)

(۲) الرابع: مايكون مقصودا للفاعل بأن يفرد له مجلسا على حدة الخ (شامی: ۲/۳۸۵) (۳) التفويض إلى رأي المصلي، فإن استكثره فكثير، وإلا فقليل (شامی: ۲/۳۸۵) (۴) فإن من دفع أو جذبته الدابة حتى ازاله عن موضوع سجوده تفسد (الدر والشامی: ۲/۳۹۰) (۵) وهل يشترط في المفسد الاختيار؟ في الخانية: نعم، وقال الحلبي: لا (درمختار) الظاهر اعتماده للتفريع عليه (شامی: ۳۹۰)

(۶) محمودیہ: ۶/۲۰۸۔

سانپ، بچھو کو نماز میں بھی مار دینا چاہئے اگرچہ نماز فاسد ہوجائے اس لئے کہ حدیث شریف میں وارد ہے: اُقْتُلُوا الأَسْوَدَیْنِ فِی الصَّلوٰةِ الْحَیَّةَ وَالْعَقْرَبَ۔ (۱)

(۳) ایک رکن میں (یعنی تین بار سبحان اللہ کہنے کے بقدر وقت میں) تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر کھجلایا تو نماز فاسد ہوجائے گی اور اگر ہر بار ہاتھ نہیں اٹھایا، بلکہ ایک بار اٹھا کر چند مرتبہ حرکت دی تو یہ ایک ہی بار کھجلانا ہوا، اس سے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن بلاضرورت ایک بار بھی کھجلانا مکروہ ہے۔ (۲)

(۴) عورت نماز پڑھ رہی تھی کہ شوہر نے شہوت سے یا بلاشہوت بوسہ دیا، یا شہوت کے ساتھ چھودیا تو عورت کی نماز فاسد ہوجائے گی، بخلاف اگر عورت نے مرد کے ساتھ یہ حرکت کی تو مرد کی نماز فاسد نہ ہوگی جب تک کہ مرد کو اس عمل سے خواہش نہ ہوجائے، اس لئے کہ جماع کا فاعل مرد ہے نہ کہ عورت۔ (۳)

۱۰۷- **ضابطہ**: نماز میں (منھ سے باہر کی) کوئی چیز کھانے پینے سے

---

(۱) لایکرہ قتل حیة أو عقرب...... ولو بعمل کثیر علی الأظهر لکن صححه الحلبی الفساد (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴۲۱/۲) (۲) إذا حك ثلاثا فی رکن واحد تفسد صلاته، هذا إذا رفع یده فی کل مرة أما إذا لم یرفع فی کل مرة فلا تفسد ولو کان الحك مرة واحدة یکره، کذا فی الخلاصة (ہندیہ: ۱۰۴/۱، تاتارخانیہ: ۵۸۹/۱)
اور یہاں رکن واحد سے بقدر تین تسبیح کا وقت مراد ہے، وہ اس عبارت سے اخذ کیا گیا ہے:
ویفسدها أداء رکن حقیقة اتفاقا أو تمکنه منه بسنة، وهو قدر ثلاث تسبیحات مع کشف عورة.. الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۶/۲)
(۳) أو مسها بشهوة أو قبلها بدونها فسدت، لا لو قبلته ولم یشتهها (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۹۰/۲) یعنی أن الزوج هو الفاعل للجماع فالتیانه بدواعیه فی معناه ...... بخلاف المرأة فإنها لیست فاعلة للجماع فلا یکون إتیانه دواعیه منها فی معناه مالم یشتهه الزوج (شامی: ۳۹۰/۲)

نماز مطلقاً فاسد ہو جاتی ہے، خواہ وہ چیز قلیل ہو یا کثیر اور خواہ کھانا پینا سہواً ہو یا عمداً؛ خطاءً ہو یا قصداً۔(۱)

تشریح: پس تل کے برابر بھی باہر سے کوئی چیز اٹھا کر کھالی یا باہر ہونٹ پر کوئی چیز تھی اور سانس کے ذریعہ اس کو اندر کھینچ لیا اور وہ چیز حلق میں چلی گئی تو نماز فاسد ہو جائے گی (خواہ ایسا اس نے بے خبری میں کیا ہو)

تفریع: منہ کھلا ہوا تھا اور بارش کا قطرہ حلق میں چلا گیا تو نماز فاسد ہو جائے گی (لیکن اگر مکھی چلی گئی تو نماز فاسد نہ ہوگی جیسا کہ روزہ فاسد نہیں ہوتا، کیوں کہ مکھی سے بچنا مشکل ہے، مؤلف)(۲)

۱۰۸- **ضابطہ**: ہر وہ مفسد صلاۃ فعل جس کو نمازی بالارادہ کرے اس میں رکن کے بقدر کی مہلت نہیں۔(۳)

جیسے:

(۱) اگر کسی نے نماز میں قصداً اپنے فعل سے چوتھائی عضو کے بقدر ستر کھول دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی، اگرچہ فوراً ڈھانپ لیا ہو، کیوں کہ قصداً کسی فعل کے کرنے میں رکن کی مقدار کی رعایت نہیں۔

(۲) اسی طرح قصداً ناپاک زمین پر کھڑا ہو گیا؛ یا نماز میں کوئی ناپاک چیز اٹھالی؛ یا امام سے آگے چلا گیا وغیرہ۔ سب کا یہی حکم ہے یعنی نماز فوراً فاسد ہو جائے گی۔(۴)

نوٹ: مفسدات صلوۃ سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

---

(۱) وأكله وشربه مطلقاً ولو سمسمة ناسيا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۸۲/۲)

(۲) ولو سمسمة ناسيا ومثله ماوقع في فيه قطرة مطر فابتلعها كما في البحر (شامی: ۳۸۳/۲) (۳) فلو به (أي بصنعه) فسدت في الحال عندهم، قنية، قال ح: أي وان كان أقل من اداء ركن. (شامی: ۸۲/۲)

(۴) (شامی: ۸۲/۲)

مکروہات نماز کا بیان

۱۰۹- **ضابطہ**: ہر وہ کام جو نمازی کے لئے مفید و ضروری ہو بغیر عمل کثیر کے اس کے کرنے میں مضائقہ نہیں، ورنہ مکروہ ہوگا۔ (۱)

جیسے پیشانی سے پسینہ پونچھنا، یا سجدے سے اٹھتے وقت دائیں بائیں کپڑا جھاڑنا تاکہ لپٹ نہ جائے اس میں کوئی حرج نہیں، حضور پاک ﷺ سے اس طرح کرنا ثابت ہے۔ (۲)

البتہ سجدہ میں جاتے وقت کپڑا اسمیٹنا مکروہ ہے، خواہ عادت کے طور پر ہو یا کپڑے کو مٹی سے بچانے کے لئے ہو، کیوں کہ یہ فعل نمازی کی نماز کے لئے نہ مفید ہے اور نہ اس کی ضرورت ہے، بلکہ از قبیل نزاکت و تکلف ہے۔ (۳)

۱۱۰- **ضابطہ**: ہر وہ نماز جو کراہت تحریمی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ واجب ہے اور جو کراہت تنزیہی کے ساتھ ادا کی جائے اس کا اعادہ مستحب ہے۔ (۴)

۱۱۱- **ضابطہ**: ہر اس صفت یا فعل کے ہوتے ہوئے نماز پڑھنا جو نماز کے

---

(۱) شامی: ۲/۴۰۶۔ (۲) (وعبثه) هو فعل بغرض غیر صحیح .قال فی النهایة: وحاصله أن کل عمل هو مفید للمصلی فلا بأس به، أصله ماروی أن النبی صلی الله علیه وسلم عرق فی صلاته فسلت العرق عن جبینه ،أی مسحه لأنه کان یؤذیه فکان مفیداً، وفی زمن الصیف کان إذا قام من السجود نفض ثوبه یمنة ویسرة لأنه کان مفیداً کی لاتبقی صورة،فأما مالیس بمفید فهو العبث (شامی: ۲/۴۰۶)

(۳) وکره کفه ای رفعه ولو لتراب کمشمر کم أو ذیل (الدر المختار) وحرر الخیر الرملی مایفید أن الکراهة فیه تحریمة (شامی: ۲/۴۰۶)

(۴) والحق أن التفصیل بین کون تلك الکراهة کراهة تحریمة فتجب الاعادة أو تنزیهة فمستحب (شامی: ۲/۱۴۷-۴۰۴)

خشوع وخضوع میں مخل ہے مکروہ ہے۔ [1]

جیسے کسی کے چہرے کے سامنے؛ یا سوئے ہوئے شخص کے سامنے (جبکہ اس کی وجہ سے نماز میں دھیان ہٹنے کا خطرہ ہو) یا نجاست کے سامنے؛ یا قبر کے سامنے؛ نماز پڑھنا مکروہ ہے۔

نیز پیشاب و پاخانہ کے شدید تقاضہ کے وقت یا سخت بھوک لگی ہو اور کھانا تیار ہو تو اس حال میں بھی نماز مکروہ تحریمی ہے اگر چہ جماعت فوت ہو جائے۔

البتہ اگر وقت تنگ ہو اور فرض یا واجب نماز قضا ہونے کا اندیشہ ہو تو مکروہ نہیں بلکہ اولیٰ ہے کہ اسی حالت میں نماز ادا کرے، کیوں کہ کراہت کے ساتھ نماز ادا کرنا قضا کرنے سے بہتر ہے۔ [2]

اسی طرح لوگوں کی گذرگاہوں پر بغیر سترہ کے نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے کیوں کہ اس سے نماز میں خلل آتا ہے۔ [3]

نفل نماز کا بیان

۱۱۲- **ضابطہ**: نفل کا ہر شفعہ (دو رکعت) مستقل نماز ہے۔ [4]

تفریعات:

(۱) پس نفل کی تیسری رکعت میں تعوذ، تسمیہ اور ثنا پڑھنا مستحب ہے۔ [5]

(۲) اور نفل کی ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت ملانا واجب ہے (اگر کسی

---

(۱) مستفاد حاشیۃ الطحطاوی: ۳۵۶-۳۵۸، البحر: ۵۵/۲۔ (۲) وکذا الریح وإن مضی علیها أجزئه وقد أساء، ولو ضاق الوقت بحیث لو اشتغل بالوضوء یفوته یصلی لأن الأداء مع الکراهة أولی من القضاء (ہندیہ: ۱۰۷/۱، شامی: ۴۰۸/۲- کبیری: ۳۱۷)

(۳) طحطاوی: ۳۵۶۔ (۴) قواعد الفقہ: ۱۰۰۔ (۵) وقالوا: یستحب الاستفتاح فی الثالثة والتعوذ.. الخ (شامی ۱۵۰/۲)

رکعت میں سورت نہیں ملائی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا)[1]

(۳) اگر کسی نے چار رکعت نفل کی نیت کی اور دو رکعت پر سلام پھیر دیا یا اس کے برعکس کیا یعنی دو رکعت کی نیت کی اور چار رکعت پڑھ لی تو کوئی مضائقہ نہیں، کیوں کہ ہر شفعہ مستقل نماز ہے، نمازی جب دوسرے شفعہ کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو سابق تحریمہ پر بنا کرنے والا ہوتا ہے، گویا دوسرا نیا تحریمہ کہتا ہے۔

(۴) اگر کسی ایک شفعہ میں فساد آ گیا (خواہ وہ شفعہ اول ہو یا ثانی) تو صرف اسی شفعہ کی قضا واجب ہوگی، دوسرے شفعہ کی قضا واجب نہ ہوگی۔[2]

نمازی کے آگے سے گذرنے کا اور سترہ کا بیان

۱۱۳- **ضابطہ**: سترہ کی لمبائی کم از کم ایک ہاتھ (دو بالشت) اور چوڑائی بقدر ایک انگلی ہونی چاہئے۔[3]

تفریع: پس بعض مساجد میں (بطور سترہ) جو لکڑے کا تختہ وغیرہ رکھتے ہیں جس کی اونچائی، ایک ہاتھ سے بھی کم ہوتی ہے، وہ صحیح نہیں، اس کے پیچھے کوئی نماز پڑھ رہا ہو تو سامنے سے گذرنا جائز نہیں۔

۱۱۴- **ضابطہ**:: سترہ کا اعتبار صرف قیام کی حالت میں ہے۔[4]

تفریع: پس اگر کوئی رسی وغیرہ چھت سے لٹکی ہوئی ہو اور قیام کے وقت سترہ رہتی ہو اور رکوع، سجدے میں کمر پر آ جاتی ہو تو کوئی حرج نہیں، ایسے سترہ کے پرے سے گزرنا جائز ہے۔[5]

---

(۱) مراقی الفلاح: ۲۴۸۔ (۲) شامی: ۱۵۰/۲۔ (۳) ہدایہ: ۱۳۸/۱، ھندیہ: ۱۰۴/۱۔

(۴) ولو ستارة ترتفع إذا سجد وتعود إذا قام (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴۰۰/۲)

(۵) ولو ستارة ترتفع أی تزول بحركة راسه ... وصورته: أن تكون الستارة من ثوب او نحوه معلقة فی سقف مثلاً ثم يصلی قريباً منه، فإذا سجد تقع علی ←

۱۱۵- **ضابطہ**: نمازی کے آگے سے گذرنا مکروہ ہے، ہٹنا مکروہ نہیں۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس نمازی کے آگے بیٹھا ہوا شخص اٹھ کر جا سکتا ہے، کیوں کہ یہ ہٹنا ہے، گذرنا نہیں ہے جو ممنوع ہے۔

(۲) اسی پر یہ مسئلہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر دو شخص نمازی کے آگے سے گذرنا چاہیں تو ان میں سے ایک شخص نمازی کے سامنے پیٹھ کر کے کھڑا ہو جائے اور دوسرا شخص اس کی آڑ سے گذر جائے، پھر پہلا شخص اسی طرح کرے اور دونوں اس طرح گذر جائیں تو یہ جائز ہے۔ (۲)

(۳) اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آج کل لوگوں میں جو یہ عمل مروج ہے کہ نمازی کے بغل میں بیٹھا ہوا شخص اپنا ہاتھ رکھ لیتا ہے اور سامنے سے گذرنے والا گذر جاتا ہے، پھر وہ اپنا ہاتھ ہٹا لیتا ہے تو اس طرح کرنے میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے۔

قضا نمازوں کا بیان

تمہید: جاننا چاہئے کہ قضا اور وقتیہ نمازوں میں اور خود قضا نمازوں میں ترتیب واجب ہیں۔ پس اگر کسی وجہ سے نماز قضا ہو جائے تو پہلے قضا نماز پڑھے، پھر وقتیہ نماز ادا کرے۔ اسی طرح خود آپس میں قضا نمازوں میں بھی جو سب سے پہلے قضا ہوئی ہے اس کو پہلے پڑھے، پھر اس کے بعد بعد والی، پھر اس کے بعد بعد والی، اسی ترتیب سے قضا کرے۔ اگر ترتیب کا لحاظ نہیں کرے گا تو نمازیں درست نہ ہوں گی، پھر سے

← ظهره ويكون سجوده خارجا عنها، وإذا قام أو قعد سبلت على الأرض وسترته (شامی: ۲/۴۰۰)

(۱) امداد الفتاوی: ۱/۲۹۷۔ (۲) ولو مر اثنان يقوم أحدهما أمامه ويمر الآخر ويفعل الآخر، هكذا يمران (شامی: ۲/۴۰۱) (۳)

بالترتیب پڑھنی ہوں گی۔[۱]

البتہ بعض صورتوں میں یہ ترتیب ساقط ہوجاتی ہے، اس کو مندرجہ ذیل ضوابط وتشریحات میں ملاحظہ کیجئے۔

۱۱۶- **ضابطہ:** وقت کی تنگی سے وقتیہ اور قضا میں ترتیب ساقط ہوجاتی ہے۔[۲]

تشریح: پس اگر وقت اتنا تنگ ہوگیا ہو کہ قضا نماز پڑھنے میں وقتیہ نماز فوت ہوجاتی ہو، مثلاً کسی کے ذمہ فجر اور ظہر باقی ہے اور اب عصر کا وقت اتنا تنگ رہ گیا ہے کہ قضا نماز پڑھنے میں عصر کا وقت (اصل وقت نہ کہ مستحب وقت یہی معتمد ہے)[۳] نکل جائے گا تو پہلے عصر پڑھ لے۔

اور اگر اتنا وقت ہو کہ عصر کے ساتھ صرف فجر پڑھ سکتا ہے، ظہر نہیں پڑھ سکتا تو واجب ہوگا کہ پہلے فجر پڑھے، پھر عصر ادا کرے، یعنی وقتیہ سے پہلے جس قدر قضا نماز کی گنجائش ہو پہلے اس کو ادا کرے، پھر وقتیہ کو پڑھے، حتی کہ کسی کی عشا کی نماز مع وتر کے قضا ہوگئی اور فجر میں اتنا وقت رہ گیا ہے کہ صرف پانچ رکعتوں کو پڑھ سکتا ہے تو اس پر واجب ہوگا کہ پہلے وتر پڑھے، پھر فجر کی دو رکعت فرض پڑھے (فجر کی سنتیں اس صورت میں ترک کر دے) پھر سورج طلوع ہونے کے بعد عشا کی قضا کرے (اور بعد طلوع، فجر کی سنتیں پڑھ لے تو بہتر ہے واجب نہیں)[۴]

---

(۱) مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی:۲۴۱، الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۲/۵۲۳۔

(۲) ہدایہ:۱/۱۵۴۔ (۳) فالذي ينبغي اعتماده ما عليه أكثر المشايخ من أن المعتبر أصل الوقت عند علمائنا الثلاثة (شامی:۲/۵۲۳) (۴) وإن كانت المتروكة أكثر من واحدة والوقت يسع فيه بعضها مع الوقتية لا تجوز الوقتية مالم يقضي ذالك البعض حتى لو تذكر في وقت الفجر أنه لم يصلي العشاء والوتر وبقي من الوقت مالا يسع فيه إلا خمس ركعات على قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى يقضي الوتر ثم يصلي الفجر ثم يقضي العشاء بعد طلوع الشمس (ہندیہ:۲/۱۲۲، البحر الرائق:۲/۱۴۵)

فائدہ: جمعہ کے فوت ہونے کا اندیشہ مسقط ترتیب نہیں ہے، پس صاحب ترتیب پہلے قضا پڑھے پھر جمعہ مل جائے تو بہتر ہے ورنہ ظہر پڑھے۔ [1]

۱۱۷- **ضابطہ**: قضا نماز کو بھول جانا ترتیب کو ساقط کر دیتا ہے۔ [2]

تشریح: پس اگر قضا نماز یاد نہ رہے اور پہلے وقتیہ پڑھ لی تو ترتیب ساقط ہو جائے گی، یعنی وہ وقتیہ نماز صحیح ہو جائے گی، اس کو دوہرانے کی ضرورت نہیں۔

ہاں نماز میں یاد آجائے کہ قضا باقی ہے تو یہ وقتیہ نماز فاسد ہو جائے گی، پہلے قضا نماز پڑھنا ضروری ہے۔ [3]

فائدہ: ظاہر الروایت میں جہل مسقط ترتیب نہیں، لیکن ایک روایت میں امام صاحب سے بواسطہ حسن بن زیاد اس کے خلاف بھی مروی ہے یعنی جہل مسقط ہے (یعنی جس کو یہ مسئلہ معلوم نہ ہو کہ قضا میں ترتیب ضروری ہے، اس پر ترتیب فرض نہیں) اسی کو بہت سے مشائخ نے اختیار کیا ہے، جیسا کہ تمرتاشی میں ہے۔ [4]

۱۱۸- **ضابطہ**: قضا نمازیں جب پانچ سے زیادہ ہو جائیں تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے مطلقاً یعنی خواہ وہ سب قضا نمازیں نئی ہوں یا پرانی؛ متفرق ہوں یا متصل۔ [5]

فائدہ (۱): وتر اور عشا دونوں مل کر ایک نماز ہیں، کیوں کہ اگر چہ وتر کی قضا واجب

---

(۱) ولو أن مصلی الجمعة تذکر أن علیه الفجر فإن کان بحیث لو قطعها واشتغل بالفجر تفوته الجمعة ولایفوته الوقت فعند أبی حنیفة وأبی یوسف رحمهما الله یقطع الجمعة ویصلی الفجر ثم یصلی الظهر (ہندیہ: ۱۲۲/۲)

(۲) ہدایہ: ۱۵۴/۱۔ (۳) البحر الرائق: ۱۴۶/۲-۱۴۷، ہندیہ: ۱۲۲/۱، شامی: ۵۳۰/۲۔

(۴) ولا یعتبر الجهل وعبارة النقایة فرض الترتیب ولو جاهلا به اه. قال شارحها العلامة القهستانی: عند أئمتنا الثلاثة —وعن الحسن عنه أنه إذالم یعلم به لم یجب علیه وبه أخذ الأکثرون کما فی التمرتاشی (حاشیۃ الطحاوی: ۴۴۳)

(۵) ہدایہ: ۱۵۴/۱۔

ہے لیکن دونوں کا وقت ایک ہے، پس وتر کو مستقل علاحدہ نماز شمار نہیں کریں گے۔[1]

فائدہ (۲): پھر جب قضا کرتے کرتے پانچ نمازیں رہ جائیں تو کیا ترتیب لوٹ آئے گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے اصح قول کے بموجب ترتیب عود نہیں کرے گی، پس وہ اب بھی جس طرح چاہے پڑھ سکتا ہے، یہی معتمد اور مفتی بہ قول ہے۔[2]

۱۱۹- **ضابطہ**: آہستہ یا بلند آواز سے قرأت کرنے میں قضا نماز ادا کے مانند ہے، خواہ دن میں قضا کرے یا رات میں۔[3]

تشریح: پس اگر قضا نماز جماعت کے ساتھ پڑھی جائے تو جہری نماز جہراً اور سری نماز سراً پڑھنا واجب ہوگا، خواہ رات میں ہو یا دن میں۔ اور اگر تنہا ادا کرے تو سری نماز سراً ہی پڑھے اور جہری نماز میں اختیار ہے جہراً پڑھے یا سراً مگر جہراً پڑھنا افضل ہے، جیسا کہ ادا کا حکم ہے۔

سجدۂ سہو کا بیان

۱۲۰- **ضابطہ**: ایک رکن کی ادائیگی کے بعد دوسرے رکن میں تاخیر نہ

(۱) غیر الوتر فانه لایعد مسقطا فی کثرة الفوائت......الخ (مراقی الفلاح علی ہامش الطحاوی: ۴۴۳) (۲) الترتیب إذا سقط بکثرة الفوائت ثم قضا بعض الفوائت وبقیت الفوائت أقل من ستة الأصح أنه لایعود......قال الشیخ الإمام الزاهد أبو حفص الکبیر وعلیه الفتوی (ہندیہ: ۲/۲۳، کتاب الفقه علی المذاهب الاربعة: ۲/ ۴۴۷) (۳) ان القضاء کالأداء......الخ (شامی: ۲/۲۵۲)

(۴) ومتی قضی الفوائت إن قضاها بجماعة فإن کانت صلاة یجهر فیها یجهر فیها الإمام بالقراءة، وإن قضاها وحده یتخیر بین الجهر والمخافتة والجهر أفضل کما فی الوقت ویخافت فیما یخافت فیه حتما وکذا الإمام (ہندیہ: ۱/۱۲۱، شامی: ۲/۲۵۱، منحة الخالق: ۱/۵۲۶)

کرنا واجب ہے، سہواً اس کے خلاف کرنے سے سجدۂ سہو واجب ہوتا ہے۔[۱]

تفریعات:

(۱) پس اگر تین سجدے کر لئے؛ یا دو رکوع کر لئے تو سجدۂ واجب ہوگا۔

(۲) اسی طرح سورۂ فاتحہ کے بعد دیر تک خاموش رہا پھر سورت ملائی تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۳) قعدہ اولی میں تشہد کے بعد تین مرتبہ سبحان اللہ کے بقدر بیٹھا رہا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

(۴) فرض نماز میں التحیات سے اوپر اللّٰھم صلّ علیٰ محمد تک پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب ہوگا۔

کیوں کہ ان تمام صورتوں میں دوسرے رکن میں بلاضرورت تاخیر ہوگئی۔

استدراک: لیکن نفل نماز کے قعدۂ اولیٰ میں التحیات سے اوپر درود شریف پڑھ لیا تو سجدۂ سہو واجب نہ ہوگا، بلکہ یہاں درود پڑھنا مستحب ہے، کیوں کہ نفل کا ہر شفعہ (دو رکعت) مستقل نماز ہے۔

نماز میں شک کا بیان

۱۲۱- **ضابطہ**: شک کا اعتبار نماز میں ہے نماز کے بعد شک کا اعتبار نہیں۔[۲]

تشریح: پس اگر نماز سے فراغت کے بعد شک ہوا کہ تین رکعت پڑھی یا چار! تو اس کا اعتبار نہیں نماز ہوگئی۔

اسی طرح نماز کے بعد شک ہوا کہ حدث ہوا ہے؛ یا کپڑے پر نجاست لگی ہے؛ یا مسح نہیں کیا؛ وغیرہ. تو بھی یہی حکم ہے (یعنی نماز ہوگئی)

(۱) الدر والشامی: ۱۵۱/۲۔ (۲) تقدم أن الشك خارج الصلوة لایعتبر (شامی: ۵۶۳/۲، حاشیة الطحطاوی: ۴۴۷) (۳)

فائدہ: اگر نماز کے بعد کسی معتبر شخص نے خبر دی کہ تین رکعت پڑھی ہے تو اگر نمازی کو یقینی طور پر چار رکعت پڑھنا یاد ہے تو نماز کا لوٹانا واجب نہیں (اس کی بات کا اعتبار نہ کرے) اور اگر شک ہے تو نماز کا لوٹانا واجب ہے، کیوں کہ مخبر کی خبر سے ایک جانب کو ترجیح حاصل ہوگئی۔ (۱)

نوٹ: سجدۂ سہو سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

سجدۂ تلاوت کا بیان

۱۲۲- **ضابطہ**: آیت سجدہ سننے سے سجدۂ تلاوت اس وقت واجب ہوتا ہے جب کہ تلاوت صحیح ہو (جس کے لئے تمیز ضروری ہے) ورنہ واجب نہیں۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی پاگل آدمی، یا سوئے ہوئے شخص، یا پرندہ، یا ٹیپ ریکارڈ سے آیت سجدہ سنی تو سجدۂ تلاوت واجب نہیں، کیوں کہ ان پڑھنے والوں میں تمیز نہیں۔ (۳)

لیکن اگر ریڈیو یا ٹی وی سے سنے تو احتیاطاً سجدۂ تلاوت واجب ہوگا، کیوں کہ ہوسکتا ہے وہ ریکارڈ یا ٹیپ کی ہوئی آواز نہ ہو، بلکہ خود اسی وقت قاری پڑھتا ہو یعنی ٹیلی کاسٹ کی صورت ہو) (۴)

اور اگر حائضہ یا نابالغ سے آیت سجدہ سنے تو سجدۂ تلاوت واجب ہے، کیوں کہ ان میں تمیز موجود ہے (اگر چہ خود حائضہ اور نابالغ پر سجدہ واجب نہ ہوگا، کیوں کہ وہ نماز کے

---

(۱) أخبره عدل بأنه ماصلى أربعا وشك في صدقه وكذبه أعاد احتياطاً. ولو اختلف الامام والقوم فلو الإمام على يقين لم يعد وإلا أعاد بقولهم (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۵۶۳، ہندیہ: ۱/۱۳۱) (۲) السبب سماع تلاوة صحيحة وصحتها بالتمیز (شامی: ۲/۵۸۱)

(۳) ذكر شيخ الاسلام أنه لايجب بالسماع من مجنون أو نائم أو طائر.. واستحسنه في الحلية (شامی: ۲/۵۸۱) (۴) محمودیہ: ۷/۲۷۲۔

مکلف نہیں)(۱)

۱۲۳- **ضابطہ**: سجدۂ تلاوت کے وجوب کا مدار پڑھنے یا سننے پر ہے، جس کا تعلق صوت سے ہے۔(۲)

تفریع: پس آیت سجدہ لکھنے؛ یا اس کی طرف نظر کرنے ؛یا دل میں پڑھنے سے سجدۂ تلاوت واجب نہ ہوگا۔(۳)

۱۲۴- **ضابطہ**: مجلس متعدد چیزوں کو جمع یعنی ایک کر دیتی ہے جبکہ سبب ایک ہو(۴)

تفریع: پس اگر کسی ایک آیت سجدہ کو ایک ہی مجلس میں متعدد بار پڑھا یا سنا تو ایک ہی سجدہ کافی ہوگا، خواہ اخیر میں سجدہ کرے یا پہلی دفعہ پڑھ کر سجدہ کرے یا درمیان میں کرے سب جائز ہے۔(۵)

اور اگر مجلس بدل جائے یا ایک ہی مجلس میں مختلف آیات سجدہ کی تلاوت کی جائیں تو پھر ہر ایک لئے الگ لگ سجدہ کرنا ہوگا، ایک سجدہ کافی نہ ہوگا۔(۶)

۱۲۵- **ضابطہ**:: سجدے کی آیت خواہ کسی بھی زبان میں پڑھے اس سے سجدۂ

---

(۱)فلاتجب علی کافر وصبی ومجنون وحائض ونفساء :قرؤوا أو سمعوا لأنهم لیسوا أهلا لها وتجب بتلاوتهم یعنی المذکورین (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۵۸۱،ھندیہ:۱/۱۳۲) (۲)مستفاد ھندیہ،تاتارخانیہ۔

(۳) ولا تجب السجدة بکتابة القرآن کذا فی فتاوی قاضی خان ..إذا قرأ آیة السجدة بالهجاء لم تجب السجدة کذا فی السراج (ھندیہ:۱/۱۳۳،تاتارخانیہ:۱/ ۷۷۳) (۴)مستفاد الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۲/۵۹۰،ھدایہ:۱/۱۶۴۔

(۵)کمن کررها أی الآیة الواحدة فی مجلس واحد حیث تکفیه سجدة واحده سواء کانت فی ابتداء التلاوة أو اثنائها أو بعدها للتداخل ..الخ(مراقی الفلاح: ۴۹۴،ھندیہ:۱/۱۳۴،الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۲/۵۹۱)

(۶)(ھندیہ:۱/۱۳۴)

تلاوت واجب ہو جاتا ہے۔ [۱]

تشریح: پس اردو یا فارسی وغیرہ میں سجدہ کی آیت کا ترجمہ پڑھا تو سجدہ واجب ہو جائے گا، خواہ وہ ترجمہ سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ [۲]

یہ حکم جب ہے کہ لفظ بلفظ ترجمہ کیا ہو، اگر لفظی ترجمہ کی بجائے تفسیر کی تو بولنے والے اور سننے والے کسی پر بھی سجدہ واجب نہیں۔ [۳]

نماز میں سجدۂ تلاوت

۱۲۶- **ضابطہ:** نماز میں سجدۂ تلاوت کا واجب ہونا صرف قیام میں تلاوت کے ساتھ خاص ہے۔ [۴]

تفریع: پس اگر کوئی شخص رکوع یا سجدہ یا قعدہ میں سجدے کی آیت تلاوت کرے تو سجدہ واجب نہ ہوگا، کیوں کہ ان ارکان میں قرأت ممنوع ہے۔ [۵]

۱۲۷- **ضابطہ:** سجدۂ تلاوت کے حق میں پوری نماز مجلس واحد کے حکم میں ہے [۶]

تفریعات:

(۱) پس نماز میں ایک ہی آیت سجدہ بار بار تلاوت کرتا رہا تو اخیر میں ایک ہی سجدہ کافی ہے۔

(۲) اسی طرح نماز میں آیت سجدہ تلاوت کی اور سجدہ کرلیا، پھر اسی رکعت میں وہی آیت پھر سے پڑھی تو دوبارہ سجدہ واجب نہ ہوگا، بلکہ دوسری تیسری یا چوتھی رکعت میں

(۱) ہندیہ: ۱/۱۳۳۔ (۲) ولو تلاھا باالفارسیة اتفاقاً فھم أو لم یفھم لکونھا قرآناً من وجه (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۴۸۰) (۳) احسن الفتاویٰ: ۴/۶۲۔

(۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۵۷۸۔ (۵) ولا تجب علی من تلا فی رکوعه أو سجوده أو تشهده للحجر فیها عن القرأة. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۵۷۸)

(۶) مستفاد ہندیہ: ۱/۱۳۵۔

پڑھے تب بھی سجدہ واجب نہ ہوگا، یہی صحیح ہے، کیوں کہ پوری نماز مجلس واحد کے حکم میں ہے۔(۱)

۱۲۸- **ضابطہ**: ہر صورت میں آیت سجدہ سننے سے سجدہ نماز سے باہر واجب ہوتا ہے، خواہ نماز میں سنے یا نماز سے باہر؛ نمازی سے سنے یا غیر نمازی سے (مگر اپنے امام سے سنے تو یہ صورت مستثنیٰ ہے)(۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر نمازی نے منفرد سے؛ یا اپنے امام کے علاوہ دوسرے امام سے؛ یا اپنے امام کے مقتدی سے؛ یا دوسرے امام کے مقتدی سے؛ یا خارج نماز کسی شخص سے آیت سجدہ سنی تو ان تمام صورتوں میں نماز سے فراغت کے بعد سجدہ کرے، اگر نماز ہی میں کرلیا تو کافی نہ ہوگا (تاہم نماز فاسد نہ ہوگی)(۳)

(۲) اسی طرح خارج نماز آدمی نے اپنے ہم مثل سے، یا کسی بھی نمازی سے آیت سجدہ سنی تو نماز سے باہر اس پر سجدہ لازم ہوگا (البتہ اگر نماز سے باہر امام سے آیت سجدہ سنی پھر وہ اسی رکعت میں امام کے ساتھ شریک ہوگیا تو سجدہ لازم نہیں، بلکہ اگر امام کے

(۱) المصلی إذا قرأ آیة السجدة فی الأولی ثم أعادها فی الرکعة الثانیة و الثالثة وسجد للأولی لیس علیه أن یسجدها وهو الأصح ، کذا فی الخلاصة (ہندیہ: ۱/۱۳۵)(۲) مستفاد شامی: ۲/۵۸۸، البحر: ۲/۲۱۳۔

(۳) ولو سمع المصلی السجدة من غیره لم یسجد فیها لأنها غیر صلاتیة، بل یسجد بعدها (الدر المختار) (ولو سمع المصلی) أی سواء کان إماما أو مؤتما أو منفردا و قوله: "من غیره "أی ممن لیس معه فی الصلاة سواء کان إماما غیر إمامه أو مؤتما بذالك الإمام أو منفرداً أو غیر مصل اصلاً (شامی: ۲/۵۸۸) ولو سمعها المصلی من غیره سجد بعد الصلاة ولو سجد فیها أعادها لا الصلاة (کنز الدقائق " مع البحر: ۲/۲۱۳)

ساتھ سجدہ مل جائے تو کر لے ورنہ وہ اسی رکعت میں شامل ہونے کی وجہ سے حکماً سجدہ کرنے والا شمار ہوگا، اب اس پر نہ نماز میں سجدہ ہے اور نہ نماز کے باہر، لیکن اگر بعد والی رکعت میں شریک ہوا تو نماز سے باہر سجدہ لازم ہوگا جیسا کہ اوپر بیان ہوا) (۱)

۱۲۹- **ضابطہ**: ہر وہ سجدۂ تلاوت جو نماز میں واجب ہوا، اگر نماز میں ادا نہیں کیا تو وہ ساقط ہو جاتا ہے، یعنی نماز سے باہر اس کی قضا درست نہیں۔ (۲)

سفر شرعی اور مسافر کی نماز کا بیان

۱۳۰- **ضابطہ**: مسافت سفر میں اس راستہ کا اعتبار ہوتا ہے جس پر مسافر سفر کرتا ہے۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی مقام تک پہنچنے کے لئے دو راستے ہوں، ایک راستے سے مسافر ہوتا ہو اور دوسرے راستے سے نہ ہوتا ہو تو جس راستے سے سفر کرے گا اسی کا اعتبار ہوگا، اگر لمبے راستہ سے گیا تو مسافر ہوگا ورنہ نہیں۔ (۴)

(۲) اسی طرح اگر کوئی شخص ارادۂ سفر سے اپنی بستی کے اردگرد دیہاتوں میں اتنے چکر لگائے کہ اس کی مجموعی مسافت ۴۸ میل ہو جائے تو مسافر ہو جائے گا اور اس پر قصر

---

(۱) ولو سمع آية السجدة من إمام فلم يأتم به أصلا أو ائتم به في ركعة أخرى غير التي تلى الآية فيها وسجد لها الإمام، يسجد السامع سجودا خارج الصلاة ...... وإن ائتم السامع قبل سجود إمامه لها سجد معه ...... فإن اقتدى السامع به ......بعد سجودها وكان اقتدائه في ركعتها صار السامع مدركا لها حكما...... فلا يسجد أصلا (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی:۲۹۳، البحر الرائق:۲/۲۱۵)

(۲) وكل سجدة وجبت في الصلوٰة ولم تؤدی فيها سقطت (شامی:۲/۵۸۵)

(۳) مستفاد ہندیہ:۱/۱۳۸۔ (۴) ولو لموضع طريقان أحدهما مدة السفر والآخر أقل قصر في الأول لا الثاني (الدر المختار علی ہامش رد المختار:۲/۶۰۳)

لازم ہوگا۔[1]

فائدہ: ۴۸؍میل موجودہ زمانے کے حساب سے ۷۷؍کلومیٹر ۲۴۸؍میٹر ۵۱؍سینٹی میٹر ۲؍ملی میٹر کا ہوتا ہے[2] اس سے کم مسافت کے ارادہ سے سفر کیا تو قصر جائز نہیں، اگرچہ بلا ارادہ آگے بڑھتے بڑھتے پوری دنیا کا سفر کرلے۔[3]

۱۳۱- **ضابطہ:** جس جانب سے سفر کررہا ہو اسی طرف سے آبادی سے نکلنے کا اعتبار ہے۔[4]

تشریح: پس اگر دوسری طرف راستے سے دور کوئی محلّہ بڑھا ہوا ہو تو اس کا اعتبار نہیں۔

البتہ اگر دونوں جانب اسی قسم کی آبادی ہو تو قصر کے لئے ان کی محاذات سے نکلنا ضروری ہوگا۔[5]

۱۳۲- **ضابطہ:** اگر دو آبادیاں آپس میں ملی ہوئی ہوں تو اس میں عرف کا اعتبار ہوگا۔[6]

تشریح: یعنی اگر عرف میں دونوں الگ الگ ہوں، حکومت اور کارپوریشن (یعنی میونسپلٹی اور نگر پالیکا) نے دونوں کے حدود الگ الگ مقرر کئے ہوں تو وہ دونوں مستقل آبادیاں (یعنی دو شہر) شمار ہوں گی (جیسے دہلی اور غازی آباد) پس شرعی مسافر کے اطلاق کے لئے اپنی آبادی کے حدود سے نکل جانا کافی ہے۔

اور اگر عرفاً ایک ہوں تو وہ دونوں مل کر ایک ہی آبادی شمار ہوں گی، قصر کے لئے

---

(۱) فتاویٰ دار العلوم: ۴/۴۷۵۔ (۲) الأوزان المحمودة۔ (۳) البحر الرائق: ۲/۲۲۶۔

(۴) من خرج من عمارة موضع اقامته من جانب خروجه وإن لم يجاوز من الجانب الآخر. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۶۰۰)

(۵) فلو كان العمران من الجانبين فلابد من مجاوزته (شامی: ۲/۶۰۰، کبیری: ۴۶۲)

(۶) رحیمیہ: ۶/۳۶۳۔)

دونوں آبادیوں سے باہر نکلنا ضروری ہوگا۔

۱۴۳- **ضابطہ**: جب سفر سے واپس لوٹے تو اپنی اس آبادی کے حدود میں داخل ہونے سے مقیم ہوگا جہاں سے نکلنے سے مسافر ہوا تھا۔ (۱)

۱۴۴- **ضابطہ**: اصل یہ ہے کہ چیز باطل ہوتی ہے اپنی مثل سے یا اپنی مافوق چیز سے، یا اپنی ضد سے۔ کم درجہ والی چیز سے باطل نہیں ہوتی۔ (۲)

تشریح: مثل سے باطل ہونا: جیسے وطن اصلی باطل ہوتا ہے وطن اصلی سے؛ وطن اقامت باطل ہوتا ہے وطن اقامت سے؛ اور وطن سکنی (جہاں پندرہ دن سے کم اقامت کی نیت ہو) باطل ہوتا ہے وطن سکنی سے۔

مافوق سے باطل ہونا: جیسے وطن اقامت باطل ہوتا ہے وطن اصلی سے اور وطن سکنی باطل ہوتا ہے وطن اصلی اور وطن اقامت سے۔

ضد سے باطل ہونا: جیسے وطن اقامت اور وطن سکنی باطل ہوتے ہیں سفر شرعی سے۔

کم درجہ والی چیز سے باطل نہ ہونا: جیسے وطن اصلی باطل نہیں ہوتا وطن اقامت، وطن سکنی اور سفر کرنے سے؛ اور جیسے وطن اقامت باطل نہیں ہوتا وطن سکنی سے۔

تفریعات:

(۱) اگر محض نیت کی اور سفر شرعی شروع نہیں کیا تو وطن اقامت باطل نہیں ہوا، پس مسافر نہ ہوگا۔

(۲) سفر کیا لیکن سفر شرعی نہیں کیا بلکہ وطن اقامت کے گرد و نواح میں گیا تب بھی مقیم رہا، مسافر نہ ہوگا۔ (۳)

فائدہ: اگر کوئی شخص اپنی بیوی بچے اور سامان لے کر مستقل رہائش کی نیت سے دوسری جگہ منتقل ہو جائے تو یہ دوسری جگہ اس کی وطن اصلی بن گئی اور پہلی جگہ کی وطنیت

---

(۱) ہندیہ: ۱/۱۳۹۔ (۲) درمختار و شامی: ۲/۶۱۵۔

(۳) شامی: ۲/۶۱۵۔

ختم ہوگئی، اگرچہ پہلی جگہ میں اس کا سامان اور جائداد ہو۔ (۱)

لیکن اگر پہلی جگہ بھی بلحاظ موسم آتا جاتا رہے اور وہاں رہنے کا قصد ہو تو دونوں جگہیں وطن اصلی ہوں گی، پس کسی کے وطن اصلی متعدد ہوسکتے ہیں۔ (۲)

۱۳۵- **ضابطہ**: وطن اقامت کے لئے سفر شرعی کی مسافت طے کرنا ضروری نہیں۔ (۳)

تشریح: پس اگر گھر سے سفر شرعی (۴۸ میل) کے قصد سے نکلا، لیکن راستہ ہی میں کسی جگہ وطن اقامت بنالیا تو درست ہے، اس کے لئے ۴۸ میل طے کرنا ضروری نہیں۔ (۴)

اسی طرح ایک جگہ وطن اقامت تھا اب اس کی جگہ دوسرا وطن اقامت بنانا چاہتا ہے تو دونوں کے درمیان ۴۸ میل کا فاصلہ ضروری نہیں۔ (۵)

۱۳۶- **ضابطہ**: وطن اقامت کی تعیین ضروری ہے، ورنہ اقامت صحیح نہ ہوگی (۶)

تفریع: پس اگر کوئی شخص دو شہروں کو ملا کر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے (گوان کے درمیان معمولی فاصلہ ہو جیسے مکہ اور منیٰ) تو اس طرح دونوں میں سے کوئی بھی شہر وطن اقامت نہ ہوگا) اور آدمی مسافر ہی رہے گا۔

لیکن اگر پندرہ دن کی نیت اس طرح کی کہ ایک جگہ میں راتیں رہنے کا ارادہ ہے

---

(۱) يبطل بمثله إذا لم يبق له بالأول أهل – أي وإن بقي له فيه عقار (درمختار وشامی: ۶۱۶/۲) (۲) ولهم دور وعقار في القرى البعيدة منها، يصيفون بها بأهلهم ومتاعهم فلابد من حفظها أنهما وطنان له، لايبطل أحدهما بالآخر (البحر الرائق: ۲۳۹/۲)

(۳) مستفاد ہندیہ: ۱۴۲/۱۔ (۴) وإن لم يتقدمه السفر ولم يكن بينه وبين أهله ثلاثة أيام كذا في السراج، وهو ظاهر الرواية. (ہندیہ: ۱۴۲/۱، کبیری: ۴۶۹)

(۵) سواء كان بينهما مسيرة سفر أولا (شامی: ۶۱۴/۲، ہندیہ: ۱۴۲/۱)

(۶) مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۲۲۶۔

اور دوسری جگہ میں دن گذارنے کا تو وہ مقیم ہوجائے گا، نمازیں پوری پڑھے، کیوں کہ اعتبار راتوں کا ہے۔[1]

۱۳۷- **ضابطہ**:: اقامت کے لئے ایک ساتھ پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت ضروری ہے۔[2]

تشریح: پس اگر کوئی مسافر کسی جگہ اس ارادہ سے ٹھہرا کہ کل پرسوں جب کام پورا ہوجائے گا چلا جاؤں گا، جب وہ دن گذر گئے، پھر یہی نیت کی اس طرح سے پندرہ دن بلکہ سال بھر بھی ہوجائے تو قصر کرتا رہے۔

۱۳۸- **ضابطہ**: نیت اقامت میں متبوع کی نیت کا اعتبار ہے، تابع کی نیت کا نہیں۔(۳)

تشریح: پس جو شخص سفر میں کسی اور کے تابع ہو، جیسے بیوی اپنے شوہر کی؛ غلام اپنے مولیٰ کا؛ فوجی اپنے سپہ سالار کا؛ شاگرد اپنے استاذ کا اور ڈرائیور اس شخص کا جس نے اس کی گاڑی اجرت پر لی ہے تو ظاہر الروایت کے بموجب ان کی نیت اقامت کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ وہ جن کے تابع ہیں اس کی نیت کا اعتبار ہوگا۔ اگر وہ متبوع پندرہ دن کی اقامت کی نیت کرلے تو یہ سب ماتحت لوگ بھی مقیم ہوجائیں گے، ورنہ نہیں۔[4]

۱۳۹- **ضابطہ**: سفر شروع کرتے وقت نماز کا اہل ہونا ضروری ہے (ورنہ قصر جائز نہیں)[5]

تفریع: پس اگر عورت نے حیض کی حالت میں سفر شروع کیا تو وہ مسافر نہ ہوگی، راستے میں پاک ہوجائے تو نماز پوری پڑھے، کیوں کہ حائضہ نماز کی اہل نہیں ہے، پس

(۱) وکذا تصح إذا عین المبیت بواحدۃ من البلدتین لأن الاقامۃ تضاف لمحل المبیت (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۲۲۶) (۲) البحر: ۲/۲۳۱۔

(۳) البحر: ۲/۲۴۱، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۶۱۶۔ (۴) البحر: ۲/۲۴۱۔

(۵) مستفاد شامی: ۲/۶۱۹۔

اس حالت میں سفر شروع کرنے کی نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۱)

ہاں البتہ جہاں پاک ہوئی ہے وہاں سے ۴۸ میل کا سفر اور باقی ہو تو پھر مسافر ہوگی، نماز قصر کرے، اسی طرح گھر سے پاک نکلی تھی اور راستے میں حیض آ گیا تو بھی مسافر ہے۔

۱۴۰- **ضابطہ**: فرض کی تبدیلی میں آخری وقت کا اعتبار ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر نماز نہیں پڑھی تھی اور آخری وقت میں مسافر ہو گیا تو قصر کرے ــــــ یا مسافر تھا اور مقیم ہو گیا تو نماز پوری پڑھے۔ (۳)

۱۴۱- **ضابطہ**: سفر کی قضا قصر کے ساتھ اور حضر کی قضا اتمام کے ساتھ پڑھی جائے گی، خواہ سفر میں پڑھے یا حضر میں۔ (۴)

جمعہ کی نماز کا بیان

۱۴۲- **ضابطہ**: دیہاتی جب شہر میں داخل ہو تو وہ بھی حکماً شہری بن جاتا ہے، جبکہ پورا دن ٹھہرنے کی نیت ہو، ورنہ نہیں۔ (۵)

تفریع: پس دیہات کا رہنے والا آدمی جب جمعہ کے دن شہر میں داخل ہو تو اگر پورا دن شہر میں ٹھہرنے کی نیت ہو تو اس پر جمعہ فرض ہو جائے گا ــــــ لیکن اگر یہ نیت ہو کہ اسی دن جمعہ سے پہلے یا کچھ بعد چلا جائے گا تو اس پر جمعہ واجب نہیں، یہی مختار ہے (لیکن اگر جمعہ پڑھ لے تو اجر پائے گا اور ظہر ذمہ سے اتر

(۱) طهرت الحائض وبقي لمقصدها يومان تتم في الصحيح (درمختار) قال ط: وكأنه لسقوط الصلاة عنها فيما مضى لم يعتبر حكم السفر فيه فلما تأهلت للأداء اعتبر من وقته. (شامی: ۲/۶۱۹، کبیری: ۴۶۶)

(۲) والمعتبر في تغيير الفرض آخر الوقت (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۶۱۳، شامی: ۲/۶۱۸) (۳) کبیری: ۴۶۸۔ (۴) البحر: ۲/۲۴۱۔ (۵) ھندیہ: ۱/۱۴۵۔

جائے گی)[۱]

فائدہ: البتہ اگر کوئی شرعی مسافر جمعہ کے روز شہر میں آئے تو اس پر جمعہ فرض نہیں، خواہ اس روز ٹھہرنے کی نیت بھی کرلے (بشرطیکہ پندرہ روز اقامت کی نیت نہ ہو ورنہ جمعہ فرض ہوجائے گا)[۲]

۱۴۳- **ضابطہ**: شہر میں رہنے والے وہ لوگ جن پر جمعہ فرض نہیں ان پر اس دن ظہر کی نماز تنہا پڑھنا لازم ہے، جماعت سے پڑھنا مکروہ تحریمی ہے (خواہ جمعہ سے پہلے ہو یا بعد میں)[۳]

تشریح: پس معذور، مریض، اپاہج، غلام، نابینا، مسافر، عورت ان سب کو چاہئے کہ جمعہ کے دن ظہر میں جماعت نہ کریں، خواہ جمعہ سے پہلے یا بعد میں، اس لئے کہ جماعت کرنے سے جمعہ کی نماز کم ہوجائے گی، غیر معذور بھی معذوروں کو دیکھ کر ظہر میں شریک ہوجائیں گے۔

خطبۂ جمعہ وعیدین:

۱۴۴- **ضابطہ**: خطبہ میں ضروری ہے کہ خطیب کے علاوہ کم از کم ایک آدمی ایسا موجود ہو جس میں امامت کی اہلیت ہو۔[۴]

---

(۱) القروی إذا دخل المصر ونوی أن یمکث یوم الجمعة لزمته الجمعة لأنه صار کواحد من أهل المصر فی حق هذا الیوم وإن نوی أن یخرج فی یومه ذالك قبل دخول الوقت أو بعد الدخول لاجمعة علیه ولوصلی مع ذالك کان ماجوراً (ہندیہ: ۱/۱۴۵، شامی: ۳/۴۰)

(۲) کما لا تلزم لوقدم مسافر یومها علی عزم أن لایخرج یومها (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۳/۴۰) (۳) ویکره للمعذورین والمسجونین اداء الظهر بجماعة فی المصر یوم الجمعة سواء کان قبل الفراغ من الجمعة او بعده ...... الخ (کبیری: ۴۸۵) (۴) مستفاد ہندیہ: ۱/۱۴۶۔

تفریع: پس اگر امام نے تنہا خطبہ پڑھا؛ یا عورتوں، یا بچوں، یا مجنونوں کے سامنے پڑھا تو صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔ (۱)

فائدہ: اور اس ایک آدمی کا موجود ہونا ہی کافی ہے، ضروری نہیں کہ وہ خطبہ سنے بھی پس اگر وہ بہرا ہو یا سو رہا ہو یا دور ہو کہ آواز نہ پہنچتی ہو تب بھی خطبہ جائز و درست ہے۔ (۲)

۱۴۵- **ضابطہ**: عربی کی علاوہ کسی بھی زبان میں خطبہ دینا مکروہ تحریمی ہے (۳)

تشریح: پس اردو، فارسی وغیرہ غیر عربی زبانوں میں خطبہ دینا خلاف توارث وتعامل ہونے کی بنا پر مکروہ تحریمی ہے، عربی میں خطبہ دینا واجب ہے۔ (یہ حکم جب ہے کہ خطبہ میں ذکر اللہ کا تحقق بھی ہو جائے ورنہ خطبہ صحیح نہ ہوگا، جس کی وجہ سے نماز درست نہ ہوگی)

۱۴۶- **ضابطہ**: دونوں خطبوں کی مجموعی مقدار "طوال مفصل" کی کسی سورت کے برابر ہونی چاہئے، اس سے زیادہ لمبا خطبہ مکروہ ہے۔ (۴) (جیسا کہ تشہد کی مقدار سے خطبہ کم کرنا امام صاحبؒ کے نزدیک مکروہ ہے)

فائدہ: حدیث میں ہے: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کی نماز کا لمبا ہونا اور اس کے خطبے کا مختصر ہونا اس کے سمجھدار ہونے کی علامت ہے۔ (۵)

۱۴۷- **ضابطہ**: جو چیز نماز میں حرام وممنوع ہے جمعہ وعیدین کے خطبہ میں بھی حرام وممنوع ہے۔

---

(۱) وفي الرواية الثانية عنهم يشترط حضور واحد في الصحيح (مراقي الفلاح: ۵۱۰) خطب وحده أو بحضرة النساء الصحيح أنه لايجوز (ہندیہ: ۱/۱۴۶)

(۲) ولايشترط سماع جماعة (مراقی) ولو خطب والقوم نيام أو صم جاز...... الخ (ہندیہ: ۱/۱۴۶) (۳) عمدۃ الرعایۃ: ۱/۳۴۲۔ (۴) والرابع عشر: تخفيف الخطبتين بقدر سورة من طوال المفصل ويكره التطويل (ہندیہ: ۱/۱۴۷)

(۵) (مسلم شریف: حدیث: ۱۹۵۹، صحیح ابن خزیمۃ: حدیث ۱۷۸۱)

جیسے:

(۱) خطبہ میں کھانا پینا، بات کرنا، سلام یا چھینک کا جواب دینا سب منع اور حرام ہے، یہاں تک کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی جائز نہیں (البتہ اگر اشارے سے نہی عن المنکر کرے تو مضائقہ نہیں) (۱)

(۲) اسی طرح خطبہ میں نبی پاک ﷺ کا اسم مبارک سن کر درود شریف پڑھنا مکروہ ہے (البتہ دل میں پڑھ لے تو بہتر ہے، تاکہ خطبہ سننا اور درود پڑھنا دونوں باتوں پر عمل ہو جائے) (۲)

(۳) چھینک کے وقت الحمدللہ اور خطیب کے دعائیہ کلمات پر آمین بھی نہ کہے (البتہ دل میں کہہ لینا بہتر ہے) (۳)

(۴) خطیب کے لئے بھی خطبہ میں کلام کرنا مکروہ ہے، جب منبر پر چڑھے تو لوگوں کو سلام نہ کرے، مگر کسی کو نیکی کا حکم کرے یا برے کام سے روکے تو جائز ہے (جیسا کہ حضرت عمرؓ کا حضرت عثمان سے کلام کرنا ثابت ہے)

(۵) خطیب اگر خطبہ میں غلطی کرے تو لقمہ بھی نہیں دینا چاہئے کیوں کہ خطبہ میں ہر قسم کا تکلم منع ہے اور خطیب کے لئے کوئی متعین مضمون پڑھنا ضروری نہیں، اگر کسی مضمون میں رک گیا تو کچھ اور پڑھ سکتا ہے، پس لقمہ دینے کی حاجت بھی نہ رہی (۵)

---

(۱) نحو أن رأى منكرا فنهاه بيده أو أخبر بخبر فاشار برأسه فالصحيح أنه لا بأس به (ہندیہ: ۱/۱۴۷) (۲) ولا يصلي على النبي صلى الله عليه وسلم، وقالا: يصلي السامع في نفسه.....الخ (البحر: ۲/۲۵۹، مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۵۱۹)

(۳) البحر: ۲/۲۵۹، مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۵۱۹۔

(۴) ولا يسلم الخطيب على القوم اذا استوى على المنبر (مراقی الفلاح علی ہامش الطحطاوی: ۵۲۰) ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة الا أن يكون امرا بمعروف (ہندیہ: ۱/۱۴۷) (۵) احسن الفتاوی: ۴/۱۵۱۔

(البتہ قرآن کی آیت پڑھنے میں غلطی کرے تو لقمہ دینا ضروری ہے، جیسے نماز میں)

۱۴۸- **ضابطہ**: جب خطیب خطبہ کے لئے نکلے تو کسی قسم کی نماز جائز نہیں (۱)

تشریح: پس نماز قضا، واجب، سنت، حتی کہ سجدۂ تلاوت بھی اس وقت جائز نہیں۔

(ہاں مگر جس کے ذمہ قضا نماز ہو اور وہ صاحب ترتیب ہو تو قضا نماز مکروہ نہیں، بلکہ پڑھنا واجب ہے، کیوں کہ بغیر اس کے نماز جمعہ درست نہ ہوگی) (۲)

اور اگر کوئی نماز شروع کی اور خطیب نکلا تو اگر وہ نفل نماز ہے تو (جلدی سے) دو رکعتوں پر سلام پھیر لے، اور اگر تیسری رکعت شروع کر چکا ہو تو (مختصرا) چاروں رکعات پوری کرلے۔ البتہ جمعہ کی سنتوں میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ ان میں دو رکعت پر سلام نہ پھیرے بلکہ مختصر قراءت کر کے جلدی سے چار رکعت مکمل کرلے، کیوں کہ وہ حکما واجب نماز کی طرح ہے۔ (۳)

---

(۱) (فلا صلاۃ) سواء کانت قضاء فائتة أو صلاۃ جنازۃ..الخ (حاشیة الطحطاوی: ۵۱۸) (۲) إلا تذکر فائتة ولو وترا وھو صاحب ترتیب فلا یکرہ الشروع فیھا حینئذ بل یجب لضرورۃ صحة الجمعة (حاشیة الطحطاوی: ۵۱۸)

(۳) وأفاد أنه لایکرہ الشروع قبل الخروج فیتم ماشرع فیه ولو خطب الإمام من غیر کراھة مطلقا إلا إذا کان فی نفل فإنه یتم شفعا ثم یقطع ولو کان خروجه بعد القیام للثالثة أتم أیضاً..واختلف فی سنة الجمعة ..والصحیح أنه یتمھا لأنه کصلاۃ واحدۃ واجبة (حاشیة الطحطاوی: ۵۱۸)

کتاب الجنائز

مرض وفات، غسل، کفن، دفن

۱۴۹- **ضابطہ**: مریض (مرض وفات میں) جب تک دنیوی بات نہ کرے اس کے کلمہ پڑھنے کا حکم باقی رہتا ہے۔[۱]

تفریع: پس جب جانکنی کے وقت مریض نے ایک بار کلمہ پڑھ لیا تو اب تلقین کرنے والے کو خاموش ہوجانا چاہئے، کیوں کہ تلقین سے مقصد یہ ہے کہ آخری بات جو مریض کے منھ سے نکلے وہ کلمہ ہو، دم نکلنے تک کلمہ جاری رہنا ضروری نہیں۔ پس اگر کلمہ پڑھنے کے بعد وہ کوئی دینی بات بولے، یا ذکر کرے تو حرج نہیں۔

ہاں اگر دنیوی بات بولے مثلاً کھانے پینے کو کہے، یا استنجاء کے لئے کہے، یا کسی کی خیر خبر پوچھے تو دوبارہ تلقین کی جائے۔

فائدہ: تلقین بالاجماع مستحب ہے، اور تلقین یہ ہے کہ میت کے پاس کلمہ شہادت یا کلمہ طیبہ اتنی بلند آواز سے پڑھا جائے کہ مریض سنے اور پڑھے جب وہ سنے گا تو پڑھے گا، لیکن خود مریض سے پڑھنے کو نہ کہا جائے، کیوں کہ وہ وقت بڑا نازک اور سخت ہوتا ہے مبادا وہ انکار کردے یا جھڑک دے۔[۲]

۱۵۰- **ضابطہ**: میت کو جب تک غسل دینا ممکن ہو غسل دینا ضروری ہے

(۱) وإذا قالها مرة كفاه ولا يكرر عليه مالم يتكلم (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۷۸)

(۲) من غير أمره بها لئلا يضجر (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۸۰)

(بلا غسل نماز جنازہ جائز نہیں) اور اگر ممکن نہ ہو تو غسل معاف ہے۔ [1]

تفریعات:

(۱) پس اگر میت کو قبر میں اتار دیا گیا ہے تو جب تک مٹی نہ ڈالی ہو نکال کر غسل دینا لازم ہے۔ (اور اگر مٹی ڈال کر قبر بند کر دی تو اب نکالا نہ جائے، کیوں کہ اس میں حرج ومشقت ہے، اب اس کی قبر پر نماز پڑھ لی جائے، اگر چہ دفن سے پہلے نماز پڑھ لی گئی ہو، کیوں کہ اس وقت بوجہ امکان غسل کے وہ نماز جائز نہیں ہوئی تھی، یہ استحسان ہے اور یہی راجح واولیٰ ہے) [2]

(۲) اگر مردہ بہت زیادہ زخمی ہو یا اس قدر پھول اور سڑ گیا ہو کہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے، یا ہاتھ لگانے سے کھال اترنے کا خطرہ ہے تو باقاعدہ غسل ضروری نہیں (بلکہ بغیر ہاتھ لگائے اس پر صرف پانی بہالینا کافی ہے اور یہ پانی بہانا واجب ہے، بشرطیکہ بہانا ممکن ہو) [3]

۱۵۱- **ضابطہ**: بلا نماز دفن کرنے میں قبر پر نماز اس وقت تک جائز ہے جب تک کہ لاش قبر میں پھٹ نہ گئی ہو۔ [4]

تشریح: پس اگر لاش پھٹ جانے کا گمان غالب ہو تو اب قبر پر نماز جائز نہیں ـــــ اور لاش پھٹنے کی مدت کی کوئی تحدید نہیں، جگہ، وقت اور میت کے اعتبار سے یہ مدت مختلف ہوتی ہے، یعنی گرمی سردی، زمین کی نمی خشکی اور میت کے موٹے وپتلے

---

(۱) وطهارته مادام الغسل ممكنا (هندية: ۱/۱۶۲) (۲) مالم يهل عليه التراب أما لو دفن بلا غسل ولم يهل عليه التراب فإنه يخرج ويغسل ويصلى عليه...... استحسانا، لأن تلك الصلوة لم يعتد بها لترك الطهارة مع الامكان، والآن زال الامكان وسقطت فريضة الغسل (شامی: ۳/۱۰۳)

(۳) وفي الفتاوى العتابية: ولو كان الميت متفسخا يتعذر مسه كفى صب الماء عليه (تاتارخانیہ: ۲/۱۳۶) (۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۱۲۵۔

ہونے کی وجہ سے یہ مدت مختلف ہوتی ہے، اس لئے اس کی کوئی تعیین کرنا درست نہیں بلکہ مذکورہ چیزوں کو سامنے رکھ کر غالب گمان پر عمل کیا جائے یہی اصح ہے (اگر چہ بعض نے تین دن اور بعض نے دس دن اور بعض نے ایک ماہ مدت مقرر کی ہے)(۱)

فائدہ: دفن سے پہلے بھی (زیادہ دیر ہونے کی وجہ سے) اگر لاش بالکل گل سڑ گئی ہو تو اس پر نماز نہ پڑھی جائے۔(۲)

۱۵۲- **ضابطہ:** غسل میت کے لئے غسل دینے والے کا مسلمان ہونا ضروری نہیں۔(۳)

تفریع: پس ہسپتال میں نرس، یا ڈاکٹر، وغیرہ کا دیا ہوا غسل (جبکہ وہ صحیح معنی میں غسل ہو) کافی ہے، اگر چہ وہ نرس یا ڈاکٹر غیر مسلم ہو (البتہ گھر پر لاکر باقاعدہ مسنون طریقہ پر دوبارہ نہلانا بہتر ہے)

۱۵۳- **ضابطہ:** میت کے غسل میں زندوں کا فعل ضروری ہے۔(۴)

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی میت بارش میں بھیگ گئی تو یہ غسل کافی نہ ہوگا۔(۵)

(۲) اسی طرح اگر کوئی آدمی ڈوب کر مر جائے تو اس کو پانی سے نکالنے کے بعد غسل دینا فرض ہے، اس کا پانی میں رہنا غسل کے لئے کافی نہیں (ہاں البتہ اس کو پانی سے نکالتے وقت غسل کی نیت سے حرکت دیدی تو غسل ہوگیا، کیوں کہ اب یہ زندہ کی

---

(۱) وإن دفن وأهيل عليه التراب بغير الصلاة أو بها بلا غسل أو ممن لاولاية له صلى على قبره استحسانا مالم يغلب على الظن تفسخه من غير تقدير هو الأصح الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۱۲۵) (۲) ولايصلى بعد التفسخ لأن الصلوة شرعت على بدن الميت فاذا تفسخ لم يبق بدنه قائماً (البحر الرائق: ۲/۳۲۰)

(۳) ولذا صح تغسيل الذمية زوجها المسلم (شامی: ۳/۹۳)

(۴) ليسقط الفرض عنا بفعلنا (شامی: ۳/۹۳) (۵) شامی: ۳/۹۲۔

طرف سے فعل پایا گیا، پس اب دوبارہ نہلانا ضروری نہیں مگر ایک بار حرکت دینے سے غسل مسنون ادا نہ ہوگا، سنت کا مطالبہ باقی رہے گا، البتہ تین بار حرکت دیدے تو غسل مسنون بھی ادا ہو جائے گا)[1]

۱۵۴- ضابطہ: میت کے کفن پر کسی بھی قسم کا دینی کلمہ لکھنا جائز نہیں۔

تشریح: پس کفن پر قرآن کریم، حدیث شریف، کلمہ شہادت، تسبیح، وغیرہ لکھنا بوجہ بے ادبی کے جائز نہیں (کیوں کہ میت کے گل سڑنے پر ان کلمات کی بے حرمتی ہوگی) اور درمختار میں جو کچھ اس سلسلہ میں لکھا ہے علامہ شامیؒ نے اس کی تردید کی ہے، ابن الصلاح سے بھی عدم جواز کا فتوی نقل کیا ہے۔

ہاں اگر لکھنا ہو تو محض انگلی سے بغیر روشنائی کے میت کے پیشانی پر کچھ لکھ دیا جائے تو گنجائش ہے، کہ اس طرح بے ادبی نہیں ہوگی، تاہم یہ لکھنا بھی دلیل سے ثابت نہیں۔ غور کا مقام ہے: اگر لکھنا دلیل سے ثابت ہوتا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ تعالی سے ضرور منقول ہوتا۔[2]

۱۵۵- ضابطہ: جنازہ کو کندھوں پر لے جانا واجب ہے (مگر یہ کہ مجبوری ہو)[3]

تشریح: پس جنازہ کو گاڑی یا پہیے والے تابوت یا کسی سواری پر لے جانا جائز نہیں، خواہ بچہ کا جنازہ ہو[4] مگر یہ کہ انتہائی مجبوری ہو مثلاً قبرستان کئی میل دور ہو یا راستہ تنگ ہو وغیرہ تو پھر گاڑی پر لے جانے میں حرج نہیں۔

لیکن اگر میت دودھ پیتا بچہ یا اس سے کچھ بڑا ہو اور ایک شخص اپنے دونوں ہاتھوں

---

(۱) لو وجد فی الماء فلابد من غسله ثلاثا، لأنا امرنا بالغسل فيحركه فی الماء بنية الغسل ثلاثا،فتح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۹۲)

(۲) مستفاد: محمودیہ: ۸/۵۳۹ شامی: ۳/۱۵۸، احسن الفتاوی: ۱/۳۵۱۔

(۳) مستفاد هندیہ: ۱/۱۶۳، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۱۳۵۔

(۴) ولذا كره حمله على ظهر ودابة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۱۳۵)

پر اٹھا کر لے جائے تو مضائقہ نہیں، پھر اس سے دوسرا آدمی لے لے اس طرح بدلتے ہوئے جائیں۔ (۱)

۱۵۶- **ضابطہ**: جنازہ پر ہر قسم کی زیب وزینت مکروہ ہے۔

تشریح: پس جنازہ پر پھول، یا پھول کی چادر ڈالنا جائز نہیں، حضور ﷺ اور تابعین سے اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ (۲)

اسی طرح سرخ، زرد، وغیرہ شوخ چادر ڈالنا بھی درست نہیں، یعنی مکروہ ہے (سفید چادر استعمال کرنا مستحب ہے) البتہ عورت کے جنازہ پر رنگین چادر ڈالنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن اس کے لئے بھی سفید چادر ہی بہتر ہے۔ (۳)

۱۵۷- **ضابطہ**: مسلمان کی کسی غیر مسلم کے جنازہ میں شرکت جائز نہیں۔ (۴)

تشریح: پس ہندو، یہودی، عیسائی، قادیانی، شیعہ غالی، سکھ، پارسی، وغیرہ کے جنازہ کو کاندھا دینا، اور کفن دفن اور ان کے رسومات میں شریک ہونا مسلمان کے لئے جائز نہیں —— البتہ ان کے جنازہ کے ساتھ چند قدم چلنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ تعلق ہو یا کوئی مصلحت ہو، ورنہ یہ بھی درست نہیں —— البتہ غیر مسلم اس کا قریبی رشتہ دار ہو تو بدرجہ مجبوری کفن دفن میں شریک ہوسکتا ہے، بلاضرورت مناسب نہیں۔ (۵)

فائدہ: اور اہل اسلام میں سے باطل مذاہب والے، جیسے بدعتی، غیر مقلد، جماعت اسلامی، شیعہ غیر غالی (یعنی جن کی تکفیر نہیں کی گئی) کے جنازہ کو کاندھا دینا، کفن دفن میں شریک ہونا اور ان کی نماز جنازہ پڑھنا سب جائز ہے، کیوں کہ ان جماعتوں کا اہل سنت سے اختلاف بنیادی اصول وعقائد میں نہیں ہے، یعنی اس حد تک نہیں ہے جس

---

(۱) ان الصبی الرضیع أو الفطیم أو فوق ذالك قلیلا إذا مات فلا باس بأن یحمله رجل واحد علی یدیه الخ (ہندیہ: ۱/۱۶۲) (۲) من احدث فی امرنا هذا مالیس منه فهو رد (مشکوٰۃ: ۱/۲۷-امداد الاحکام ۱/۹۲) (۳) مستفاد: فتاوی دارالعلوم وحاشیتہ: ۵/۲۸۴- (۴) فتاوی: دارالعلوم- (۵) فتاوی: دارالعلوم ۵/۲۵۳-

سے تکفیر کی جائے، پس یہ لوگ فاسق تو ہیں مگر کافر نہیں۔ اور آپ ﷺ کا ارشاد ہے: صلو علی کل بر وفاجر (ہر نیک وبد کی نماز جنازہ پڑھو)[1]
البتہ اہل حق میں جو مقتدا ہیں وہ ایسے باطل مذہب والوں کے جنازہ میں بلا ضرورت شرکت نہ کریں، تاکہ ان کی حاضری سے عوام کو ان کے مذہب کی سچائی کے متعلق غلط فہمی نہ ہو جائے، اسی وجہ سے حدیث میں بدعتی کی تکریم سے منع کیا گیا ہے (مؤلف)

نماز جنازہ کا بیان

۱۵۸- **ضابطہ**: نماز جنازہ میں جماعت لازم نہیں۔[2]
تفریع: پس تنہا شخص کی نماز خواہ پڑھنے والا مرد ہو یا عورت سب کی طرف سے فرضیت ادا کرنے کے لئے کافی ہے۔

۱۵۹- **ضابطہ**: نماز جنازہ ہر اس مسلمان میت کی پڑھیں گے جس نے دنیا میں آکر کچھ نہ کچھ زندگی پائی ہے۔[3]

تفریعات:

(۱) پس نومولود بچہ میں زندگی کی کوئی علامت مثلاً رونا، حرکت کرنا، آنکھ جھپکنا، وغیرہ پائی گئی ہو تو (اس کو باقاعدہ غسل وکفن دے کر) نماز جنازہ پڑھیں گے۔

(۲) اور جو بچہ مرا ہوا پیدا ہوا، یعنی ماں کے پیٹ سے اس کا اکثر حصہ نکل جانے کے بعد زندگی کا کوئی اثر نہیں پایا گیا (اکثر حصہ نکلنے سے پہلے زندگی کا کوئی اعتبار نہیں) تو اس کی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے (البتہ غسل، کفن ودفن سب کرنا ضروری ہے، لیکن اس کو غسل مسنون اور کفن مسنون دینا ضروری نہیں بلکہ یونہی پانی ڈال کر نہلا کر ایک کپڑے میں لپیٹ کر دفن کر دیا جائے)

(۳) ناتمام بچہ یعنی جس بچہ کی خلقت تام نہ ہوئی ہو لیکن کچھ اعضاء مثلاً انگلی وغیرہ

(۱) مستفاد: فتاوی دار العلوم: ۵/۲۹۰-۳۵۳۔ (۲) ہندیہ: ۱/۱۶۲۔ (۳) ہندیہ: ۱/۱۶۳۔

بن گئے ہوں اس کا بھی یہی حکم ہے، یعنی نماز جنازہ نہیں پڑھیں گے۔

۱۶۰- **ضابطہ**:: نماز جنازہ میں ولایت کی ترتیب وہی ہے جو نکاح اور وراثت کے عصبات میں ہے، البتہ اتنا فرق ہے کہ یہاں بیٹے کے بجائے باپ کو تقدم حاصل ہے۔ (۱)

تشریح: پس ترتیب یوں ہوگی: سب سے پہلے باپ کو ولایت حاصل ہے، اس کے بعد دادا کو، پھر پردادا کو اوپر تک، پھر بیٹے کو، پھر پوتے کو نیچے تک، اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو میت کا سگا بھائی مستحق ہے، پھر باپ شریک بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے، یہ لوگ نہ ہوں تو میت کا سگا چچا، پھر سوتیلا چچا یعنی باپ کا سوتیلا بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے، اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میت کے باپ کا چچا ولی ہوگا، پھر اس کی اولاد، اگر یہ بھی نہ ہو تو دادا کا چچا، پھر اس کی اولاد مستحق ہے، اور یہ حضرات نہ ہوں تو میت کا نانا، پھر ماموں کو حق حاصل ہے لیکن عورت، نابالغ بچے اور مجنون کو ولایت حاصل نہیں۔ (۲)

اور اگر دو ولی درجہ میں برابر ہوں مثلاً دو بیٹے ہوں یا دو بھائی ہوں تو ان میں جو عمر میں بڑا ہو اس کو حق حاصل ہوگا۔ (۳)

فائدہ: ولایت کا فائدہ یہ ہے کہ اگر ولی کی اجازت کے بغیر نماز پڑھ لی گئی تو ولی اعادہ کر سکتا ہے، اگر چہ میت نے کسی کیلئے وصیت کی ہو، اس لئے کہ نماز جنازہ پڑھانے اور غسل دینے کی وصیت باطل ہے یعنی اس کا نافذ کرنا ضروری نہیں، وصیت سے ولی کا حق باطل نہیں ہوتا —— البتہ کسی نیک آدمی کو نماز پڑھانے کی وصیت کی ہو اور وہ

(۱) ثم الولی بترتیب عصوبة الانکاح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۲۰/۳) والاولیاء علی ترتیب العصبات الأقرب فالأقرب، إلا الأب فإنه یقدم علی الابن (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳) (۲) ولا حق للنساء فی الصلاة علی المیت ولا للصغار (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳)

(۳) فإن تساوی ولیان فی درجة فأکبرهم سنا أولی (ہندیہ: ۱/ ۱۶۳)

موجود ہو تو بہتر ہے کہ ولی کی اجازت سے وہ نماز پڑھائے اور اگر وہ موجود نہ ہو تو اس کے انتظار میں (غیر معمولی) تاخیر کرنا صحیح نہیں۔ (۱)

۱۶۱- **ضابطہ**: نماز جنازہ کا کوئی وقت متعین نہیں، جب بھی جنازہ تیار ہو جائے وہی جنازہ پڑھنے کا وقت ہے۔

تشریح: پس خواہ اوقات مکروہہ: طلوع، غروب اور زوال کے وقت میں جنازہ تیار ہوا تو وہی اس کا وقت ہے، اس میں نماز جائز ہے ——— البتہ اگر اوقات مکروہہ سے پہلے جنازہ تیار ہو گیا ہو، لیکن تاخیر کی گئی اور مکروہ وقت آ گیا تو اب اس وقت میں نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، اس کے بعد ادا کریں۔

اور اگر فرض نماز کے وقت جنازہ تیار ہوا تو پہلے فرض پڑھیں پھر نماز جنازہ اور اس کے بعد سنتیں ادا کریں، یہی اصل ہے، لیکن اگر فرض کے بعد سنت مؤکدہ پڑھ لیں (جو فرض کے تابع ہیں) پھر جنازہ پڑھیں تب بھی کوئی حرج نہیں۔ (۳)

۱۶۲- **ضابطہ**: نماز کی صحت کے لئے میت کا اکثر جسم امام کے سامنے زمین پر موجود ہونا ضروری ہے۔ (۴)

تفریعات:

(۱) پس اگر ایکسیڈنٹ وغیرہ میں میت کا اکثر جسم نہیں ملا، بلکہ نصف بدن یا اس سے کم ملا تو اس پر نماز نہیں پڑھیں گے، اور اگر نصف سے زائد ملا، اگر چہ بغیر سر کے ہو تو

(۱) والفتوى على بطلان الوصية بغسله والصلاة عليه (الدر المختار) لو أوصى بان يصلى عليه غير من له حق التقدم أو بان يغسله فلان لايلزم تنفيذ وصيته، ولا يبطل حق الولي بذالك (شامی: ۱۲۲/۳) (۲) ہندیہ: ۱/۵۳، البحر الرائق: ۲/۳۴۴۔

(۳) محمودیہ: ۸/ ٥٦٤ —وفي البحر: أن الفتوى على تاخير صلاة الجنازة عن سنة الجمعة وهي سنة، فعلى هذا تؤخر عن المغرب لانها آكد۔

(۴) ہندیہ: ۱/۱۶۴۔

پھر نماز لازم ہے۔[1]

(۲) میت کو امام نے اپنے سامنے نہیں رکھا بلکہ پیچھے رکھا تو اس طرح نماز جائز نہیں۔[2]

(۳) اسی طرح اگر میت بالکل غائب ہو تو یہ غائبانہ نماز (احناف کے یہاں) جائز نہیں (اور حضور ﷺ نے حضرت اصحمہؓ (نجاشی بادشاہ) کی نماز جنازہ جو غائبانہ پڑھائی ہے، وہ آپ کی خصوصیت ہے، اللہ تبارک وتعالی نے تمام پردے ہٹا کر جنازہ آپؐ کے سامنے کر دیا تھا)[3]

(۴) میت (جنازہ) زمین پر نہ ہو، بلکہ لوگوں کے ہاتھوں میں یا جانور یا گاڑی پر ہو تو اس صورت میں بھی نماز صحیح نہیں۔

البتہ اگر زمین پر رکھنے میں عذر ہو مثلاً زمین پر کیچڑ وغیرہ ہو تو گاڑی یا تخت وغیرہ پر جنازہ رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔[4]

۱۶۳- **ضابطہ**: نماز جنازہ میں امام کا مقام (کھڑے رہنے کی جگہ) میت کے سینہ کے سامنے ہونی چاہئے، خواہ میت مذکر ہو یا مؤنث؛ بالغ ہو یا نابالغ۔[5]

تشریح: کیوں کہ سینہ دل کا مقام ہے، جس میں نور ایمان ہے، پس اس میں ایمان کی برکت سے شفاعت کی طرف اشارہ ہے۔ لیکن اگر امام میت کے جسم کے کسی اور

---

(۱) وجد رأس آدمي أو أحدشقيه لايغسل ولايصلي عليه بل يدفن إلا أن يوجد أكثر من نصفه ولو بلارأس (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۹۲)

(۲) فلا تصح على...... موضوع خلفه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۱۰۵)

(۳) وصلاة النبي صلى الله عليه وسلم على النجاشي لغوية أو خصوصية (درمختار) لأنه رفع سريره حتى رآه عليه السلام بحضرته (شامی:۳/۱۰۵)

(۴) على نحو دابة اي كمحمول على أيد الناس، فلا تجوز في المختار إلا من عذر (شامی:۳/۱۰۵) (۵) البحر:۲/۳۲۷۔

حصہ کے سامنے کھڑا ہو جائے تب بھی نماز جائز ہے۔[1]

۱۶۴- **ضابطہ**: مسجد شرعی میں نماز جنازہ پڑھنا مطلقا مکروہ ہے۔[2]

تشریح: یعنی خواہ تنہا میت مسجد میں ہو اور سب نمازی باہر ہوں یا بعض نمازی یا کل نمازی میت کے ساتھ مسجد میں ہوں یا میت مسجد سے باہر ہو اور نمازی کل یا بعض مسجد کے اندر ہوں سب صورتیں مکروہ ہیں ـــــــ پھر اس کراہت میں اختلاف ہے، بعض نے مکروہ تنزیہی کہا ہے اور اس کو راجح قرار دیا ہے اور بعض نے مکروہ تحریمی کہا ہے اور یہی ارجح ہے۔

البتہ اعذار کی صورت میں مثلاً بارش ہو رہی ہو یا کرفیو لگا ہوا ہو اور باہر جمع ہونے کی اجازت نہ ہو تو مسجد میں نماز جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ اسی طرح حرمین شریفین میں بھی عذر ہے کہ وہاں لاکھوں نمازی ہوتے ہیں، اگر دوسری جگہ جنازہ پڑھا جائے گا تو لوگوں کے لئے حرم میں فرض پڑھ کر جنازہ پڑھنے کے لئے دوسری جگہ جانا مشکل ہوگا، اس لئے حرمین میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

اور عیدہ گاہ اصح قول کے مطابق مسجد کے حکم میں نہیں، پس عیدگاہ میں جنازہ پڑھ سکتے ہیں، کوئی حرج نہیں۔[3]

۱۶۵- **ضابطہ**: ہر مسلمان کی نماز جنازہ پڑھی جائے، خواہ کتنا ہی بڑا گنہگار ہو[4]

تشریح: پس زانی، شرابی، حتی کے والدین کے قاتل اور خودکشی کرنے والے کی بھی

---

(۱) یقوم من الرجل والمرأة بحذاء الصدر لأنه موضع القلب وفيه نور الايمان فيكون القيام عنده إشارة إلى الشفاعة لايمانه، وهذا ظاهر الرواية وهو بيان الاستحباب حتى لو وقف في غيره أجزئه (البحر: ۲/۳۲۷ ـ ہندیہ: ۱/۱۶۴)

(۲) ہندیہ: ۱/۱۶۵ ـ (۳) المتخذ لصلاة الجنازة والعيد الأصح أنه ليس له حكم المسجد هكذا في البحر (ہندیہ: ۱/۳۸) (۴) صلوا على كل بر وفاجر...... (فقہ اکبر: ۹۱)

نماز جنازہ پڑھی جائے، یہی مفتی بہ قول ہے۔

البتہ والدین کا قاتل اسلامی قاعدہ کے مطابق قصاصاً قتل کیا جائے تو اس پر نماز جنازہ نہ پڑھی جائے۔اسی طرح جو شخص امام المسلمین کے خلاف ناحق بغاوت کرے اور اس قصور میں مارا جائے یا مسلمانوں پر ڈاکہ زنی ولوٹ مار کرے اور مقابلہ میں مارا جائے تو اس کی بھی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے، یہ تہدیداً ہے، تاکہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ (۱)

۱۲۶- **ضابطہ**: خنثیٰ (ہیجڑے) میں مرد کی علامت زیادہ ہے یا عورت کی، اسی اعتبار سے حکم ہوگا۔ (۲)

تشریح: پس اگر مرد کی علامت زیادہ ہو، مثلاً: ڈاڑھی نکل آئی یا مرد کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتا ہو یا اس سے عورت کو حمل ٹھہر گیا تو وہ مرد کے حکم میں ہے، مرد اس کو نہلائیں گے؛ کفن مرد کا پہنائیں گے اور نماز جنازہ میں بالغ مرد والی دعا پڑھیں گے ـــــ اور اگر عورت کی علامات زیادہ ہوں، مثلاً حاملہ ہوگئی یا پستان ظاہر ہو گئے یا حیض آنے لگا یا عورت کی پیشاب گاہ سے پیشاب کرتی ہے تو اس کو عورت شمار کریں گے اور مذکورہ چیزوں میں عورت کے احکام جاری ہوں گے۔

اور اگر خنثیٰ مشکل ہو یعنی اس کا مؤنث ومذکر ہونا معلوم نہ ہو سکے اور کسی جانب ترجیح دینا ممکن نہ ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ بہت چھوٹا ہو تو اس کو عورت بھی غسل دے سکتی ہے اور مرد بھی۔ اور اگر بڑا ہو یعنی حد شہوت کو پہنچ گیا ہو تو اس کو نہ عورت غسل دے اور نہ مرد، ایسی صورت میں اگر کوئی محرم عورت یا مرد ہو تو کھلے ہاتھ اور اجنبی مرد یا عورت ہو تو ہاتھ پر کپڑا لپیٹ کر (بجائے غسل کے) اس کو تیمم کرا دے اور نماز میں اس پر بالغ

---

(۱) (لايصلى على قاتل أحد أبويه) الظاهر أن المراد أنه لايصلى عليه إذا قتله الإمام قصاصاً، أما لو مات حتف أنفه يصلى عليه كما في البغاة ونحوهم شامی: ۳/۱۰۹)

(۲) شامی: ۳/۹۴۔

میت والی دعا پڑھی جائے، البتہ نابالغ خنثیٰ مشکل میں اختیار ہے چاہے نابالغ لڑکے والی دعا پڑھیں یا نابالغ لڑکی والی، لیکن بہتر یہ ہے کہ بالغ میت والی دعا پڑھ لی جائے۔ (۱)

۱۶۷- **ضابطہ**: نامعلوم میت میں اگر اسلام کی کوئی علامت یا قرینہ ہو تو مسلمان سمجھیں، ورنہ نہیں۔ (۲)

تشریح: اگر کوئی مردہ ملا اور معلوم نہیں کہ وہ مسلمان ہے یا کافر تو اگر اس پر کوئی علامت مسلمان ہونے کی ہے، مثلاً ختنہ ہونا، اسلامی لباس ہونا وغیرہ تو اس کو مسلمان سمجھیں گے، اور غسل دیں گے، اور اس پر نماز جنازہ پڑھیں گے۔

اور اگر کوئی بھی علامت نہ ہو (نہ اسلام کی نہ کفر کی) لیکن وہ دار الاسلام میں (یا مسلمانوں کے علاقہ میں) پایا جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے، اور بغیر کسی علامت کے دار الحرب (یا غیر مسلموں کے علاقہ) میں ملا تو اس کو نہ غسل دیں گے اور نہ نماز پڑھیں گے۔ (۳)

۱۶۸- **ضابطہ**: مسلم اور غیر مسلم اموات کے جمع ہونے کی صورت میں جب پہچان کی کوئی صورت نہ ہو تو اکثر کا اعتبار کریں گے۔ (۴)

تشریح: یعنی اگر ان میں اکثر مسلمان ہوں تو سب کو غسل وکفن دیں گے اور سب پر نماز پڑھیں گے (لیکن نیت مسلمانوں کی کریں گے) اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کریں گے ــــــ اور اگر اکثر کافر ہوں تو نماز کسی کی نہیں پڑھیں گے، لیکن غسل وکفن سب کو دیں گے، اور سب کو کفار کے قبرستان (یا علاحدہ کسی جگہ) میں دفن کریں گے، غسل کی وجہ یہ ہے کہ مسلم کا غسل واجب ہے اور کافر کا فی الجملہ جائز ہے، پس واجب کو حاصل کرنے کے لئے فی الجملہ جائز کا ارتکاب کریں گے ــــــ اور اموات

---

(۱) مستفاد: شامی: ۹۴/۳- احسن الفتاوی: ۲۲۱/۴۔ (۲) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۳/۳۔ (۳) لولم یدرأ مسلم أم کافر ولاعلامة فإن فی دارنا غسل وصلی علیه وإلالا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۳/۳) (۴) بدائع: ۳۱/۲۔

برابر ہونے کی صورت میں احتیاطا پہلی صورت پر عمل کریں گے۔

لیکن نماز کے متعلق بعض فقہا کا کہنا ہے کہ نماز ہر صورت میں یعنی خواہ مسلمان زیادہ ہوں یا کم پڑھ لینی چاہئے کیوں کہ جب مسلمانوں کی نیت سے نماز پڑھی جائے گی تو کفار پر نماز پڑھنا شمار نہ ہوگا، پس یہاں نیت سے امتیاز کیا جاسکتا ہے، برخلاف دفن وغیرہ کے، کہ اس میں اکثر کا اعتبار کریں گے اور نماز میں اس کی ضرورت نہیں، یہی قول اوجہ ہے۔[1]

۱۶۹- **ضابطہ:** ہر ایسی چیز جو تعمیر کی مضبوطی، یا زینت وراحت کے لئے استعمال کی جاتی ہے، اس کو بلا ضرورت قبر میں رکھنا مکروہ ہے۔[2]

جیسے قبر میں پکی اینٹیں، اور لوہے وغیرہ کی پلیٹیں بچھانا مکروہ ہے (کچی اینٹیں اور بانس استعمال کرنے چاہئیں) کیوں کہ یہ چیزیں عمارت کے استحکام کے لئے ہوتی ہیں اور میت کو اس کی ضرورت نہیں، کیوں کہ قبر بوسیدگی کا گھر ہے۔

اسی طرح میت کے نیچے قبر میں گدا، چٹائی، چادر وغیرہ کوئی چیز بچھانا؛ یا قبر پر پھول وغیرہ ڈالنا جائز نہیں، اس لئے کہ یہ چیزیں زینت یا راحت کے قبیل سے ہیں اور میت

---

(۱) ولو اجتمع المسلمون والكفار ينظر إن كان بالمسلمين علامة يمكن الفصل بها يفصل... إن كان المسلمون أكثر غسلوا وكفنوا ودفنوا في مقابر المسلمين وصلى عليهم، وينوى بالدعاء المسلمون، وإن كان الكفار أكثر يغسلوا ولايصلى عليهم كذا ذكر القدوري. وجهه :أن غسل المسلم واجب وغسل الكافر جائز في الجملة فيؤتى بالجائز في الجملة لتحصيل الواجب. وأما إذا كانوا على السواء فلايشكل أنهم يغسلون لما ذكرنا......الخ (بدائع:۳۱/۲) فينبغي الصلاة عليهم في الأحوال الثلاث كما قالت به الأئمة الثلاثة وهو أوجه قضاء لحق المسلمين بلا ارتكاب منهي عنه (شامی:۹۴/۳)

(۲) مراقی علی ہامش الطحطاوی:۶۱۰، المیدانی علی ھامش الجوھرۃ:۱۴۰/۱۔

زنیت وغیرہ سے مستغنی ہے۔[۱]

البتہ ضرورت کے وقت ان میں سے کوئی چیز قبر میں رکھی جائے تو جائز ہے، مثلاً میت کے اوپر لکڑی وغیرہ کا تختہ اس لئے رکھا کہ وہاں کوئی درندہ آ کر قبر کھود لیتا ہے تو اس سے حفاظت رہے گی تو کچھ کراہت نہیں ـــــ اسی طرح اگر زمین نرم اور کمزور ہو تو پکی اینٹوں اور لکڑی کی تختوں سے لحد کو بند کرنے میں بھی حرج نہیں، جیسا کہ ایسی زمین میں تابوت (صندوق) کا استعمال (بوجہ ضرورت) مکروہ نہیں ـــــ اسی طرح اگر بارش کی وجہ سے مٹی گیلی ہو یا نیچے سے پانی نکل رہا ہو تو اس وقت چٹائی وغیرہ بچھانے میں بھی مضائقہ نہیں۔[۲]

(۱)ویکرہ القاء الحصیر فی القبر......وکرہ وضع الآجر...... والخشب ...... لأن الکراھة لکونھما للإحکام والزینة ...... وماقیل :أنه لمس النار فلیس بصحیح (مراقی علی ہامش الطحطاوی:۶۱۰)لأنھما لإحکام البناء وھو لایلیق بالمیت لأن القبر موضع البلا.(المیدانی علی ھامش الجوھرة:۱۴۰/۱)

(۲) وقال الإمام التمرتاشی: ھذا إذاکان حول المیت فلوفوقه لایکرہ لأنه یکون عصمة من السبع، وقال مشائخ بخاری: لایکرہ الآجر فی بلدتنا للحاجة إلیه لضعف الأراضی (شامی :۱۴۲/۳، حاشیۃ الطحطاوی: ۶۱۰) ولاباس باخذ تابوت ولو من حجر أو حدید له عند الحاجة کرخاوة الأرض (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۱۴۰/۳)

کتاب الزکوٰۃ

دین اور مال ضمار:

۱۷۰- ضابطہ: ہر وہ دین (قرض) جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو، وہ وجوب زکوٰۃ میں مانع نہیں۔ (۱)

جیسے نذریں، کفارات، صدقۂ فطر، گذشتہ کی زکوۃ، حج وغیرہ ذمہ میں باقی ہوں تو یہ وجوب زکوٰۃ کے لئے مانع نہیں، پس ان دیون کو مال میں سے وضع نہیں کریں گے، یعنی اگر صاحب نصاب ہو تو پورے مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

۱۷۱- ضابطہ: ہر وہ دین جو کسی مال کا بدل نہیں اگر وہ تاخیر سے وصول ہو تو اس میں قبل القبض گذشتہ کی زکوۃ واجب نہیں۔ (۲)

جیسے نکاح کا مہر، خلع کا بدل، وصیت اور میراث کے ذریعہ حاصل ہونے والا مال اگر تاخیر سے وصول ہو تو گذرے ہوئے ایام کی زکوٰۃ واجب نہیں، یہی مفتی بہ ہے، کیوں کہ یہ اموال کسی مال کے بدل میں نہیں ہیں، پس یہ دین ضعیف ہیں۔ (۳)

---

(۱) وكل دين لامطالبة من جهة العباد كديون الله تعالى من النذور والكفارات وصدقة الفطر ووجوب الحج لايمنع (ہندیہ:۱/۱۷۳) (۲) البحر:۲/۳۶۳۔

(۳) ضعيف وهو كل دين ملكه بغير فعله لابدلا عن شيء نحو الميراث أو بفعله لابدلا عن شيء كا لوصية أو بفعله بدلا عما ليس بما ل كالمهر وبدل الخلع والصلح عن دم العمد .. لازكاة فيه حتى يقبض نصابا ويحول عليه الحول (ہندیہ: ۱/۱۷۵، البحر:۲/۳۶۳)

نصاب کی کمی بیشی:

۱۷۲- **ضابطہ**: درمیان سال میں نصاب کی کمی بیشی سے (اصل زکوۃ کے وجوب وعدم وجوب میں) کوئی فرق نہیں آتا۔ (۱)

تشریح: یعنی اگر درمیان سال میں نصاب کم ہوگیا اور آخر سال میں پورا ہوگیا تو کوئی فرق نہیں آئے گا زکوۃ واجب رہے گی (شرط یہ ہے کہ پورا نصاب بالکلیہ ختم نہ ہوا ہو، ورنہ زکوۃ واجب نہیں) ــــــ اسی طرح اگر درمیان سال میں مال کا اضافہ ہوا تو اصل مال کے ساتھ اس پر بھی زکوۃ واجب ہوگی (اور اس اضافہ شدہ مال میں سال کا گزرنا ضروری نہیں)

زکوۃ کس مال میں واجب ہے؟

۱۷۳- **ضابطہ**: صنعتی آلات میں جو آلات کام کرنے کے بعد بعینہ باقی رہتے ہیں یا بالکلیہ ختم ہوجاتے ہیں ان میں زکوۃ نہیں اور جن آلات کا صرف اثر باقی رہتا ہے ان میں زکوۃ واجب ہے۔ (۲)

جیسے مشینیں، بڑھئی کا بسولہ، سوہان (ریتی) وغیرہ..ان میں زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ یہ چیزیں کام کے بعد بعینہ باقی رہتی ہیں۔ اسی طرح دھوبی کے لئے صابن اور اشنان (نہ کہ دکان دار کے لئے) اس میں بھی زکوۃ نہ آئے گی، کیوں کہ یہ چیز استعمال ہوجانے کے بعد بالکلیہ ختم ہوجاتی ہے، حتی کہ کپڑوں میں اس کا اثر بھی باقی نہیں رہتا۔

اور رنگریز کے پاس رنگ جو محفوظ رہتا ہے اس میں زکوۃ واجب ہوگی، کیوں کہ یہ ایسا آلہ ہے جو استعمال کے بعد نہ تو بعینہ باقی رہتا ہے اور نہ بالکل معدوم ہوتا ہے، بلکہ صرف اس کا اثر (رنگنے کے بعد کپڑوں میں) باقی رہتا ہے، پس اس میں زکوۃ واجب ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ رنگنے میں ''اجرت'' عین (رنگ) کی لی جاتی ہے، گویا یہ رنگ

(۱) ہندیہ: ۱/۱۷۵۔ (۲) شامی: ۳/۱۸۳۔

تجارت کا ہوگیا، بخلاف پہلی دوصورتوں کے، کہ ان میں ''اجرت'' صرف عمل (یعنی محنت) کی لی جاتی ہے، کیوں کہ بڑھئی تو اپنا سامان: بسولہ وغیرہ اپنے پاس رکھ لیتا ہے، اجرت صرف محنت کی لیتا ہے، اسی طرح دھوبی بھی مالک سے اجرت اپنے عمل کی لیتا ہے (اور جو صابن وہ استعمال کرتا ہے وہ تو معدوم ہوجاتا ہے) پس ان دونوں کے یہ آلات تجارت کے نہیں۔ (اسی پر تمام صنعتی آلات کو قیاس کرنا چاہئے)(۱)

۱۷۴- **ضابطہ**: ایک ہی جنس کی مختلف اشیاء کو تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا، مختلف الاجناس کو نہیں۔ (۲)

تشریح: اس ضابطہ کی تفصیل یہ ہے کہ قابل زکوٰۃ اموال کی کل چار اجناس ہیں: (۱) سونا چاندی، کرنسی، اموال تجارت (یہ سب ایک جنس ہیں) —— (۲) اونٹ —— (۳) بھیڑ، بکری (یہ دونون ایک جنس ہیں) —— (۴) گائے، بھینس (یہ دونوں ایک جنس ہیں) ان چاروں اجناس کا نصاب علاحدہ علاحدہ اور مستقل ہے ایک کو دوسرے کے ساتھ تکمیل نصاب کے لئے نہیں ملایا جائے گا۔ البتہ ایک ہی جنس کی مختلف اشیاء کو (جیسے سونا، چاندی، کرنسی اور اموال تجارت کو ایک دوسرے کے ساتھ یا بھیڑ کو بکری کے ساتھ یا گائے کو بھینس کے ساتھ) تکمیل نصاب کے لئے ملایا جائے گا۔ (۳)

---

(۱) وكذالك آلات المحترفين،أى سواء كانت مما لاتستهلك عينه فى الانتفاع كالقدوم والمبرد أو تستهلك،لكن هذا منه مالايبقى أثرعينه كصابون وجرض الغسال ومنه مايبقى كعصفر وزعفران لصباغ ودهن وعفص لدباغ فلازكاة فى الأولين،لأن مايأخذه من الاجرة بمقابلة العمل،وفى الأخير الزكاة إذا حال عليه الحول لأن الماخوذ بمقابلة العين كما فى الفتح (شامى: ۱۸۳/۳) وضابطه أن مايبقى أثره فى العين فهو مال التجارة ،ومالا يبقى أثره فيها فليس منه كصابون الغسال. (البحر: ۳۶۸/۲) (۲) ھندیہ: ۱۷۵/۱۔

(۳) مستفاد تحفۃ الالمعی: ۵۱۷/۲-۵۱۸۔

تفریع: پس اگر کسی کے پاس مثلاً دو تولہ سونا، دس تولہ چاندی اور کچھ مال تجارت اور کچھ نقد روپے ہیں اور مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو اس پر زکوۃ واجب ہوگی۔[۱]

۱۷۵- **ضابطہ**: سونے چاندی میں زکوۃ مطلقاً واجب ہے۔[۲]

تشریح: سونا چاندی خواہ زیورات کی شکل میں ہوں؛ یا برتن کی صورت میں؛ یا اس کے علاوہ کوئی اور ہیئت میں؛ اور خواہ ان کو استعمال کرے یا نہ کرے؛ اور خواہ اس میں تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو؛ زکوۃ ہر صورت میں واجب ہوگی۔

۱۷۶- **ضابطہ**: سونے، چاندی، کرنسی اور سائمہ جانوروں کے علاوہ ہر مال واسباب میں زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس میں تجارت کی نیت ہو، ورنہ واجب نہیں ہوتی، خواہ وہ مال کتنا ہی ہو۔[۳]

جیسے اگر کسی کے پاس پہننے کے لئے کپڑے ہیں (اگر چہ پانچ سو جوڑے ہوں) یا گھر میں مختلف قسم کا گھریلو سامان ہے (جن میں سے بعض کی تو خاص ضرورت بھی نہیں) یا کئی مکانات ہیں، یا زمینیں ہیں، یا فیکٹری ہے، اور ان سب میں تجارت کی نیت نہیں (یعنی بیچنے کے لئے ان چیزوں کو نہیں خریدا) یا اس کے پاس بہت سی گاڑیاں ہیں جو کرایہ پر دے رکھی ہیں اور کچھ گاڑیاں خود ذاتی استعمال کے لئے ہیں تو ان تمام میں زکوۃ نہیں آئے گی۔

لیکن اگر خریدتے وقت تجارت کی نیت ہو، جیسے کسی نے مکان، زمین، یا گاڑی اس نیت سے خریدی کہ اس میں اصلاح ومرمت کر کے یا کچھ مدت کے بعد جب قیمتیں بڑھ جائیں گی بیچ دوں گا اور نفع کماؤں گا تو اس پر سال کے اخیر میں زکوۃ واجب ہوگی، دوسرے مال کے ساتھ اس کی بھی زکوۃ ادا کرے۔

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۳۴/۳۔ (۲) فتجب زکاتهما کیف کانا (المیدانی علی هامش الجوهرة: ۱۵۸/۱) (۳) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۳/۳۔

زکوٰۃ کی ادائیگی

۱۷۷- **ضابطہ**: زکوٰۃ کی ادائیگی کی ہر وہ صورت جس میں مال کی تملیک نہ ہو (یعنی فقیر کو مالک نہ بنایا جائے) اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ [۱]

جیسے:

(۱) کسی فقیر کو اپنے پاس بٹھا کر زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلایا؛ یا اپنی سواری میں سوار کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی (لیکن اگر کھانا فقیر کے قبضے میں دے دیا کہ وہ اس کا جو چاہے کرے، یا کپڑا پہنایا اور اس کو اس کا مالک بنا دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی) [۲]

(۲) زکوٰۃ کسی عمارت میں مثلاً مسجد، مدرسہ یا شفاخانہ کی تعمیر میں یا رفاہی کاموں میں خرچ کی تو وہ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ اس میں تملیک نہیں ہوتی (لیکن اگر وہ زکوٰۃ کسی فقیر کو دیدی جائے اور وہ فقیر اپنی طرف سے مسجد یا مدرسہ کی تعمیر کرائے تو درست ہے) [۳]

(۳) چھوٹا ناسمجھ بچہ یا مجنون کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ ان کا قبضہ صحیح نہیں، پس تملیک نہیں پائی گئی، لیکن اگر ان کی طرف سے ان کا وصی یا ماں باپ یا وہ شخص جو ان کی کفالت کرتا ہو (خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی) قبضہ کرے تو اب قبضہ صحیح ہوگا اور زکوٰۃ ادا ہو جائے گی (البتہ سمجھ دار بچہ یا کم عقل (نیم پاگل) فقیر کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیوں کہ ان کا قبضہ صحیح ہے) [۴]

---

(۱) قواعد الفقہ: ۸۵۔ (۲) بدائع: ۱۸۹/۲۔ (۳) یہ ایک حیلہ ہے اور حیلہ اس وقت حیلہ ہوتا ہے جب فقیر کو واقعی مالک بنایا جائے، ورنہ وہ حیلہ نہیں محض ڈھونگ ہے اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ سعید احمد وحيلة التكفين بها التصدق على الفقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما، وكذا في تعمير المسجد (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۱/۳)

(۴) ولم يشترط البلوغ والعقل لأنهما ليس بشرط لأن تمليك الصبي صحيح لكن إن لم يكن عاقلا فإنه يقبض عنه وصيه أو أبوه أو من يعوله قريبا أو ←

استدراک: لیکن اگر فقیر کے قرض کو زکوٰۃ کی نیت سے معاف کردیا تو باوجودیکہ اس میں مال کی تملیک ہے مگر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیوں کہ یہ تملیک بوقت قبضہ نہیں (اس مسئلہ کی ایک جائز صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ اس فقیر کو دے، پھر وہی رقم قرض میں اس سے وصول کرلے تو جائز ہے)(۱)

نوٹ: عبادات مالیہ سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

صدقۃ الفطر کا بیان

۱۷۸- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جس پر زکوٰۃ واجب ہے اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے، مگر اس کا برعکس نہیں۔(۲)

تشریح: پس جس کے پاس حاجت سے زائد (بقدر نصاب) مال واسباب یا زمین ومکان وغیرہ ہیں، لیکن وہ تجارت کے لئے نہیں ہیں تو اس پر صدقۃ الفطر تو واجب ہوگا، مگر زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ زکوۃ میں مال نامی کی شرط ہے، صدقۃ الفطر اور قربانی میں یہ شرط نہیں، اس میں "مال غیر نامی" کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔

۱۷۹- **ضابطہ**: جو مصرف زکوۃ کا ہے وہی صدقۃ الفطر کا ہے۔(۳)

← أجنبيا أو الملتقط وإن كان عاقلا فالقبض من ذكر وكذا بنفسه......والدفع إلى المعتوه يجزئ. وحكم المجنون المطبق معلوم من حكم الصبي الذي لا يعقل (البحر:۲/۳۵۳)

---

(۱) رجل له خمسة دراهم على فقير فتصدق بها عليه و نوى به زكاة المائتين اللتي عنده لايجوز، والحيلة في الجواز أن يتصدق عينه بخمسة دراهم عينا ونوى به زكاة المائتين ثم يأخذها منه قضاء عن دينه فيجوز له ذالك (تاتارخانیہ:۲/۲۶۵)

(۲) مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۳۱۳-۳۱۴۔

(۳) وصدقة الفطر كالزكاة في المصارف (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۳۲۵)

استدراک: البتہ ذمی کافر کو صدقۃ الفطر دینے میں اختلاف ہے، طرفین (امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ) کے نزدیک جائز ہے، لیکن مکروہ ہے اور مسلمان فقیر کو دینا اولیٰ ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز نہیں، فتوی امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے۔ (۱)

۱۸۰-**ضابطہ:** صدقۃ الفطر کی ادائیگی میں بھی نیت اور تملیک ضروری ہے جیسا کہ زکوۃ میں ہے (محض اباحت کافی نہیں) (۲)

(۱) إلا فی جواز الدفع إلی الذمی فی الخانیة :جاز ویکره، وعند الشافعی واحدی الروائتین عن أبی یوسف : لایجوز تاتارخانیة، وقدم عن الحاوی أن الفتوی علی قول أبی یوسف (شامی:۳/۳۲۵)

(۲) واشتراط التملیك فلا تكفي الاباحة (شامی:۳/۳۲۵، البحر:۲/۴۳۹)

ع سریرہ حتی رآہ علیه السلام بحضرته (شامی:۳/۱۰۵)

کتاب الصوم

۱۸۱- **ضابطہ**: عورت کے لئے وہ روزہ جس کے وجوب یا ثبوت میں خود اس کا دخل ہو، شوہر کی اجازت کے بغیر رکھنا جائز نہیں۔ (۱)

جیسے نفل روزہ، قسم کا روزہ، نذر کا روزہ شوہر کی اجازت کے بغیر جائز نہیں، یعنی ان روزوں کے لئے شوہر کو منع کرنے کا حق ہے، کیوں کہ عورت کے ساتھ اس کا حق متعلق ہے۔ پس اگر رکھ لیا ہے تو خاوند کے حق کی وجہ سے افطار کرنا جائز ہے، پھر بعد میں اس کی اجازت پر یا اس سے جدائی پر قضا واجب ہے۔ (۲)

مگر رمضان کا ادا یا قضا روزہ اجازت پر موقوف نہیں، کیوں کہ یہ شریعت کی جانب سے ہیں، عورت کا اس میں کوئی دخل نہیں۔

مفسداتِ صوم کا بیان

۱۸۲- **ضابطہ**: کوئی چیز پیٹ یا دماغ میں منفذ اصلی (اصلی سوراخ) سے پہنچے تو روزہ فاسد ہو جاتا ہے، مسامات کی راہ سے پہنچنے میں روزہ فاسد نہیں ہوتا۔ (۳)

(۱) للزوج أن يمنع زوجته عن كل ما كان الايجاب من جهتها كالتطوع والنذر واليمين دون ما كان من جهته تعالى كقضاء رمضان ...... الخ (شامی: ۳/۴۱۵)

(۲) والظاهر أن لها الافطار بعد الشروع رفعا للمعصية فهو عذر (شامی: ۳/۴۱۵)

(۳) (تحفۃ الألمعی: ۳/۱۰۰) ومايد خل من مسام البدن من الدهن لايفطر (هندية: ۱/۲۰۳)

تفریعات:

(۱) پس اگر آنکھ میں دوا ڈالی، یا سرمہ لگایا تو روزہ فاسد نہ ہوگا اگرچہ اس سرمہ یا دوا کا اثر تھوک یا ناک میں محسوس ہو، کیوں کہ یہاں نہ منھ کی طرف سوراخ ہے اور نہ دماغ کی طرف اور جو اثر حلق میں محسوس ہوتا ہے وہ مسامات سے پہنچتا ہے۔ (۱)

(۲) اسی طرح انجکشن سے روزہ فاسد نہ ہوگا خواہ انجکشن رگ میں لگایا جائے یا گوشت میں، کیوں کہ وہ دوا معدہ تک نہیں پہنچتی اور اگر پہنچے بھی تو وہ منفذ اصلی سے نہیں پہنچتی، اس لئے فساد کی کوئی وجہ نہیں۔ (۲)

(۳) لیکن اگر کان یا ناک میں دوا ڈالی یا تیل ڈالا؛ یا ناک میں پانی ڈال کر کھینچا اور حلق تک پہنچ گیا؛ یا حقنہ لگایا (یعنی پاخانہ کے راستہ سے دوا چڑھائی)؛ یا عورت نے پیشاب کی جگہ میں دوا رکھی یا تیل ڈالا تو ان تمام صورتوں میں روزہ فاسد ہو جائے گا، کیوں کہ یہ چیزیں منفذ اصلی سے پیٹ میں گئی ہیں (کیوں کہ ناک، کان، پاخانہ کی جگہ اور عورت کی شرمگاہ (نہ کہ مرد کی) دماغ یا پیٹ کے لئے منفذ اصلی ہیں) (۳)

استدراک: لیکن اگر کان میں پانی خود بخود چلا گیا تو وہ مفسد نہیں، کیوں کہ اس میں حرج ہے (ہاں قصداً پانی ڈالا تو روزہ فاسد ہو جائے گا اور دوا سے تو بہر صورت فاسد ہو جائے گا) (۴)

---

(۱) أو اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه (درمختار) وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح (شامی: ۳/۳۶۶) (۲) نظام الفتاویٰ: ۱۳۳، احسن الفتاویٰ: ۴/۴۳۲، ۱، امداد الفتاویٰ: ۲/۱۴۵۔ (۳) لايفسد صوم من أقطر الماء أم الدهن في مخرج بوله، ولو وصل إلى المثانة؛ أما لوأقطرت في قبلها فسدت بالا تفاق (شرح التنویر: ۲/۴۶۱، حاشیة الطحطاوی: ۲/۶۷)

(۴) والحاصل الاتفاق على الفطر بصب الدهن وعلى عدمه بدخول الماء، واختلف التصحيح في ادخاله (شامی ۳/۳۶۷، بحر الرائق: ۲/۴۸۷)

فائدہ: بواسیر کے مسّوں پر دوا لگائی تو روزہ فاسد نہ ہوگا، اس لئے کہ وہ مسے موضع حقنہ تک نہیں پہنچتے۔

البتہ کانچ (سیدھی آنت) کو (پانی وغیرہ سے) تر کر کے چڑھایا جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا، کیوں کہ وہ موضع حقنہ تک پہنچ جاتی ہے (پس اگر کسی روزے دار کو استنجا میں کانچ نکلے تو اسے چاہئے کہ کپڑے وغیرہ سے جب تک پونچھ نہ ڈالے کھڑا نہ ہو، ورنہ گیلی کانچ اندر جانے سے روزہ فاسد ہو جائے گا)[۱]

۱۸۳- **ضابطہ**: کسی چیز کا محض اثر پیٹ یا دماغ میں جانے سے روزہ فاسد نہیں ہوتا جب تک کہ اس کے اجزاء نہ پہنچیں۔[۲]

تشریح: پس عطر، لوبان، ویکس بام اور ہومیو پیتھک کی بعض دوائیں (جو محض سونگھنے کے لئے ہوتی ہیں اور ان میں اتنی حدت اور تیزی ہوتی ہے کہ اس کا اثر دماغ تک پہنچ جاتا ہے) وغیرہ کے سونگھنے سے روزہ فاسد نہ ہوگا۔[۳]

اور سانس کے مریض جو پمپ استعمال کرتے ہیں اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، کیوں کہ اس میں دوا کے اجزاء جاتے ہیں، جیسا کہ بیڑی، سگریٹ پینے سے اسی طرح اگر بتی اور لوبان وغیرہ کا دھواں قصداً سونگھنے سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یعنی روزہ یاد ہوتے ہوئے جان بوجھ کر اس دھویں کو منہ میں لے اور نگل جائے تو روزہ فاسد ہو جائے گا۔[۴]

۱۸۴- **ضابطہ**: جن چیزوں سے بچنے میں حرج ہے ان سے روزہ نہیں ٹوٹتا[۵]

(۱) مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۴/۴۴۰، امداد الفتاویٰ: ۲/۱۵۰ حاشیہ۔

(۲) مستفاد شامی: ۳/۳۶۷۔ (۳) وفی القهستانی: طعم الأدوية وريح العطر إذا وجد في حلقه لم يفطر كما في المحيط (شامی: ۳/۳۶۷، محمودیہ: ۱۰/۱۵۵)

(۴) لو تبخر بخور فآواه إلى نفسه واشتمه ذاكرا لصومه افطر لامكان التحرز عنه (شامی: ۳/۳۶۶) (۵) ولو دخل حلقه غبار الطاحونة أو طعم الأدوية أو غبار الهرس ...... لم يفطره (ہندیہ: ۱/۲۰۳)

جیسے مکھی، غبار، دھواں، آنسوں یا پسینے کے ایک دو قطریں اور کارخانہ میں کام کرنے والے کے لئے مصالحہ ودوائیں وغیرہ کے بلا قصد حلق میں داخل ہونے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، کیوں کہ ان سے بچنا مشکل ہے۔

لیکن اگر بارش کا قطرہ حلق میں چلا گیا یا کلی کرتے وقت پانی حلق میں چلا گیا یا آنسوں و پسینے کے قطرے اتنی زیادہ مقدار میں تھے کہ سارے منہ میں اس کی نمکیت کا احساس ہونے لگا اور پھر جمع کر کے ان سب کو نگل گیا تو اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، خواہ قصداً ہو یا بلا قصد کیوں کہ ان سے بچنا ممکن ہے۔ (۱)

۱۸۵- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جس کا رمضان میں روزہ نہ ہو لیکن روزہ کی اہلیت موجود ہو (اور فی الحال کوئی عذر بھی نہ ہو) اس کو رمضان کے احترام میں روزہ داروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا ضروری ہے۔ (۲)

جیسے مسافر جب اپنے گھر آ گیا یا کسی جگہ دن میں اقامت کی نیت کر لی؛ یا مریض دن میں تندرست ہو گیا؛ یا وہ شخص جس کا روزہ ٹوٹ گیا یا قصداً توڑ دیا؛ یا نابالغ دن میں بالغ ہوا؛ یا کافر مسلمان ہوا؛ یا حیض یا نفاس والی عورت دن میں پاک ہو گئی؛ یا جس شخص نے تیس شعبان کو کھا پی لیا پھر ظاہر ہوا کہ آج رمضان ہے؛ ان تمام لوگوں پر روزے داروں کے ساتھ مشابہت یعنی غروب تک کھانے پینے وغیرہ سے رکا رہنا واجب ہے۔ (۳)

---

(۱) لو وصل لحلقه دموعه ..أو مطر أو ثلج فسد صومه لتيسير طبق الفم وفتحه أحيانا مع الاحتراز عن الدخول وإن ابتلعه متعمدا لزمته الكفارة (بحر الرائق: ۲/ ۴۷۶، فتح القدیر: ۲/ ۳۲۷) الدموع إذا دخلت فم الصائم إن كان قليلا كالقطرة والقطرتين أو نحوهما لايفسد صومه وإن كان كثيرا حتى وجد ملوحته في جميع فمه واجتمع شيء كثير فابتلعه يفسد صومه وكذا عرق الوجه (ہندیہ: ۱/ ۲۰۳)

(۲) اللباب فی شرح الکتاب: ۱۶۱-۱۶۲۔ (۳) اللباب فی شرح الکتاب: ۱۶۱-۱۶۲۔

فائدہ: لیکن وہ عورت جس کو حیض یا نفاس جاری ہوا اس کے لئے (بوجہ اہلیت نہ ہونے کے) مشابہت لازم نہیں، بلکہ ایسی عورت کے لئے تو مشابہت اختیار کرنا حرام ہے، اس لئے کہ اس پر روزہ حرام ہے اور تشبہ بالحرام بھی حرام ہے (مشابہت اس عورت کے لئے ہے جو حیض یا نفاس میں تھی اور رمضان میں دن میں پاک ہوئی، تو باقی پورا دن روزے داروں کی طرح گذارے) ـــــ اس مسئلے میں بہت سی عورتیں غفلت میں ہیں، کہ حیض کی حالت میں کھانا پینا گناہ سمجھتی ہیں، اور نہ کھانے کو ثواب؛ حالاں کہ اس خیال سے کھانے پینے سے باز رہنا حرام ہے۔ ہاں البتہ روزہ داروں کے سامنے کھانا پینا مناسب نہیں۔ (۱)

نوٹ: مفسدات صوم سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔
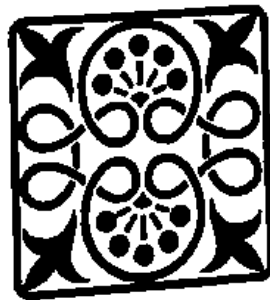
(۱) اما فی حالۃ تحقق الحیض والنفاس فیحرم الامساك لأن الصوم منهما حرام والتشبه بالحرام حرام...... ولکن لا یاکلون جهراً بل سراً (حاشیۃ الطحطاوی: ٦٧٨)

کتاب الحج

وجوب حج کا بیان

۱۸۶- **ضابطہ**: حج کی فرضیت میں علاقے کے حجاج کی درخواست دینے کا وقت معتبر ہے۔(۱)

تفریع: پس اگر کسی کے پاس زاد و راحلہ موجود تھا لیکن حج کی درخواست کا وقت آنے سے پہلے وہ ہلاک ہوگیا یا کسی ضرورت میں استعمال کرلیا تو اس پر حج فرض نہیں ہوا۔(۲)

۱۸۷- **ضابطہ**: سونے چاندی اور روپے پیسے میں (نفقہ کے سوا) ضرورت کا اعتبار نہیں۔(۳)

تفریع: پس اگر کسی نے اپنی اولاد کی شادی کے لئے؛ یا گھر بنانے کے لئے؛ یا کسی اور ضرورت کے لئے رقم جمع کر رکھی ہو تو اگر (حج کے موسم میں) اتنی رقم جمع ہو کہ حج کر سکے (یا اس قدر سونا، چاندی ہو) تو اس پر حج فرض ہوگیا۔(۴)

---

(۱) والعبرة لوجوبها......وقت خروج أهل بلدها (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/ ۴۶۶) (۲) رحیمیہ: ۳/ ۱۱۸۔ (۳) مستفاد شامی: ۳/ ۴۶۱، ھندیہ: ۱/ ۲۱۷۔

(۴) وإن لم يكن له مسكن ولاشيء من ذالك وعنده دارهم تبلغ به الحج أو تبلغ ثمن مسكن وخادم وطعام وقوت وجب عليه الحج وإن جعلها في غيره أثم، لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده كما صرح به في اللباب. أما قبله فيشتري ←

۱۸۸- **ضابطہ**: ہر آزاد بالغ شخص جو ایام حج میں مکہ میں ہو (اگر اس نے حج نہیں کیا) تو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے۔ [۱]

تفریع: پس اگر کسی نے فقر (غربت) کی حالت میں حج کیا پھر مالدار ہو گیا تو اس پر اب دوبارہ حج فرض نہیں، کیوں کہ اس کا پہلا حج فرض ہی تھا۔ [۲]

برخلاف نابالغ کے کیوں کہ وہ غیر مکلف ہے اور برخلاف غلام کے کیوں کہ وہ آقا کی خدمت میں مشغول ہوتا ہے، پس ان دونوں پر حج فرض نہیں، اور اگر نابالغی میں یا غلامی کے زمانہ میں حج کرلیا تو وہ فرض کی طرف سے کافی نہ ہوگا، بلکہ بلوغ اور آزادی کے بعد اگر استطاعت ہو تو ان پر دوبارہ حج لازم ہوگا۔ [۳]

احرام کا بیان

۱۸۹- **ضابطہ**: آفاقی کے لئے میقات سے احرام باندھنا ہر حال میں ضروری ہے، خواہ کسی غرض سے حرم میں جانا ہو۔ [۴]

تشریح: یعنی خواہ حج کا قصد ہو یا عمرہ کا؛ تجارت کی نیت ہو یا سیر و تفریح کی، میقات سے احرام باندھنا بہر صورت لازم ہے۔

البتہ امام شافعیؒ کے نزدیک اگر حج یا عمرہ کے علاوہ کوئی اور غرض ہو تو احرام باندھنا ضروری نہیں ـــــ کاروباری اور ٹیکسی چلانے والوں کیلئے امام شافعیؒ کے مسلک پر عمل کی گنجائش ہے۔ مگر عام لوگوں کے لئے جن کو یہ مجبوری نہیں اپنے مسلک پر عمل کرنا

بہ ماشاء لأنہ قبل الوجوب (شامی:۳/۴۶۱، ہندیہ:۱/۲۱۷)

(۱) فتح القدیر:۲/۴۲۵۔ (۲) ہندیہ:۱/۲۱۷۔

(۳) ایما عبد حج عشر حجج ثم أعتق فعلیہ حجۃ الاسلام ، وایما صبی حج عشر حجج ثم بلغ فعلیہ حجۃ الاسلام (ہدایہ علی ہامش فتح القدیر:۲/۴۲۵)

(۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۳/۴۸۲۔

لازم ہے۔ (۱)

۱۹۰-**ضابطہ**: ہر ذکر سے احرام شروع ہو جاتا ہے۔ (۲)

تشریح: پس احرام باندھنے کی نیت سے سبحان اللہ، الحمد للہ وغیرہ کہا تو احرام شروع ہو گیا (اس میں اس شخص کے لئے وسعت ہے جو تلبیہ نہیں سیکھ سکا) —— البتہ تلبیہ یاد ہو تو اس کو پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔

ممنوعات احرام اور ان کے ارتکاب کا حکم

۱۹۱-**ضابطہ**: احرام میں جنایات کے ارتکاب سے جزاء مطلقاً لازم آتی ہے، یعنی خواہ جان کر ارتکاب کرے یا بھول کر؛ مسئلہ جانتا ہو یا نہ جانتا ہو؛ سوتے میں کرے یا جاگتے میں؛ خود کرے یا دوسرے کے ذریعہ کرائے؛ جزا ہر صورت میں لازم آئے گی۔ (۳)

فائدہ: ایسی جنایات جن سے جزا لازم آتی ہیں کل سات ہیں: (۱) سلا ہوا کپڑا پہننا —— (۲) سر اور چہرے کا ڈھانکنا —— (۳) خوشبو استعمال کرنا —— (۴) بدن کے بال دور کرنا —— (۵) ناخن تراشنا —— (۶) جماع یا دواعی جماع کرنا —— (۷) وحشی جانور کا شکار کرنا۔

۱۹۲-**ضابطہ**: ہر وہ کپڑا جو بدن کی ساخت پر سیا گیا ہو یا بنا گیا ہو محرم اس کو نہیں پہن سکتا۔ (۴)

جیسے قمیص، جبہ، شلوار، پاجامہ، پتلون، بنیان، چڈی، نیکر، جانگیہ وغیرہ ان کا پہننا محرم کے لئے جائز نہیں۔

اور جو کپڑا بدن کی ساخت پر نہیں سیا گیا، جیسے لنگی (کہ وہ بدن کی ساخت پر نہیں سی

---

(۱) تحفۃ الالمعی: ۳/۲۲۷-۲۲۸۔ (۲) ہندیہ: ۱/۲۲۲۔ (۳) ثم لا فرق فی وجوب الجزاء بین ما إذا جنی عامداً أو خاطئاً، مبتدئاً أو عائداً، ذاکراً أو ناسیاً، عالماً أو جاهلاً، طائعاً أو مکرهاً، نائماً أو منتبهاً (شامی: ۳/۵۷۲) (۴) شامی: ۳/۴۹۹۔

جاتی بلکہ اس کے دو کنارے ملا کر سی دیتے ہیں) تو محرم اس کو پہن سکتا ہے۔[1]

۱۹۳- **ضابطہ**: جن اعضاء کا ڈھانکنا ممنوع ہے ان میں ہر وہ ڈھانکنا ناجائز ہے جو (لوگوں کے نزدیک) بحیثیت لباس کے ہو، اور جو ایسا نہ ہو وہ جائز ہے۔[2]

تفریعات:

(۱) پس احرام میں چھتری وغیرہ سے سایہ حاصل کرے یا منہ پر ہاتھ رکھے تو کوئی حرج نہیں جائز ہے۔[3]

(۲) اسی طرح سوتے وقت پیروں اور ہاتھوں کو چادر سے ڈھانکے تو حرج نہیں، اس لئے کہ یہ ڈھانکنا بحیثیت لباس کے نہیں ہے، کیوں کہ پیروں میں بحیثیت لباس موزے پہنے جاتے ہیں نہ کہ چادر وغیرہ۔ (برخلاف سر اور چہرہ کے، کہ عادت ان کو چادر سے ڈھانکنے کی ہے، پس ان میں اجازت نہیں)[4]

۱۹۴- **ضابطہ**: جو بال جو عادتاً کاٹے جاتے ہیں ان کو احرام میں کاٹنے سے دم واجب ہوتا ہے۔ اور جو بال عادتاً نہیں کاٹے جاتے ان میں صدقہ واجب ہوتا ہے۔[5]

جیسے سر، گردن، بغل اور زیر ناف کے بال (چوتھائی عضو سے زائد) کاٹنے یا اکھاڑنے میں دم واجب ہوگا۔

اور سینہ، پنڈلی، پیٹھ، ہاتھ وغیرہ کے بالوں کے کاٹنے میں صدقہ واجب ہوگا (اگر چہ پورے عضو کے بال کاٹ لے)[6]

---

(۱) امداد الفتاوی: ۱۶۴/۲، تحفۃ الالمعی: ۲۲۹/۳۔ (۲) لو حمل المحرم على رأسه شيئا يلبسه الناس يكون لابسا وإن كان لايلبسه الناس كالاجانة ونحوها فلا (شامی: ۴۹۸/۳) (۳) ولا بأس بأن يستظل بالبيت والمحمل (ہندیہ: ۲۲۴/۱)

(۴) معلم الحجاج: ۲۷۷۔ (۵) ثم الأصل بعد هذا أنه متى حلق عضوا مقصودا بالحلق من بدنه قبل أوان التحلل فعليه دم، وإن حلق ماليس بمقصود فعليه صدقة (تاتارخانیہ: ۵۰۱/۲، شامی: ۵۸۰/۳) (۶) ومما ليس بمقصود: حلق ←

فائدہ: اگر دو تین بال کاٹے تو ہر بال کے بدلہ میں ایک لپ گیہوں صدقہ کرنا کافی ہے۔[۱]

۱۹۵- **ضابطہ**: جو جانور پیدائشی لوگوں سے مانوس نہ ہو اور تنہائی اختیار کرتا ہو وہ وحشی ہے (خواہ اس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو) اور جو جانور ایسا نہ ہو وہ وحشی نہیں۔[۲]

تشریح: پس ہرن، ہاتھی، بندر، شیر، بھیڑیا، خرگوش، کبوتر، بطخ، طوطا وغیرہ سب وحشی ہیں (اگر چہ ان کو کسی طرح مانوس کرلیا ہو) پس یہ شکار میں داخل ہیں، احرام کی حالت میں یا حرم میں ان کا شکار کرنے سے یا رہنمائی کرنے سے جزا لازم ہوگی۔[۳]
اور بکری، اونٹ، گائے، بھینس، مرغا، کتا، بلی وغیرہ یہ جانور وحشی نہیں ہیں، ان کو مارنے سے کوئی جزا لازم نہ ہوگی (اسی طرح دریائی جانور کے شکار میں بھی کوئی حرج نہیں، خواہ ماکول ہو یا غیر ماکول ہو اور اگر چہ حدود حرم کے اندر ہو)[۴]
فائدہ (۱): سات موذی جانور شکار ہونے سے مستثنیٰ ہیں، کیوں کہ شارع علیہ السلام نے حل وحرم اور احرام وغیر احرام میں ان کو مارنے کی اجازت دی ہے۔ وہ جانور

← شعر الصدر والساق ، ومما ليس بمقصود :حلق الرأس والابطين ...... الخ
(تاتارخانیہ:۲/۱/۵۰۱، شامی:۳/۵۸۰)

(۱) وإن نتف من رأسه أو أنفه أو لحيته ثلاث شعرات ففي كل شعر كف من طعام(غنیۃ الناسک:۲۵۶) (۲)وحقيقة الصيد حيوان ممتنع متوحش بأصل الخلقة ......الخ (البحر الرائق:۳/۴۶) (۳) البحر الرائق:۳/۴۶۔ (۴)فلايحرم على المحرم ذبح الإبل والبقر والغنم لأنها ليست بصيد لعدم الامتناع وعدم التوحش من الناس......أما صيد البحر فيحل اصطياده للحلال والمحرم جميعا ماكولا أو غير ماكول......الخ (بدائع الصنائع:۲/۴۲۷)وخرج الكلب و لو وحشيا لأنه أهلي في الأصل،وكذا السنور الأهلي ......الخ (شامی:۳/۵۹۷)

یہ ہیں: کوا، چیل، بھیڑیا، سانپ، بچھو، چوہا اور کٹ کھنا کتا۔

پھر فقہاء کرام نے ان سات جانوروں پر قیاس کر کے حشرات الارض (جو موذی جانوروں میں سے ہیں) کا بھی یہی حکم بیان کیا ہے جیسے کن کھجورا، ایذا پہنچانے والی چیونٹی، مچھر، پسو، کھٹمل، مکھی، بھڑ، گرگٹ، چھپکلی، کیکڑا وغیرہ، پس ان جانوروں کو حرم واحرام میں مارنے سے کوئی جزا اور گناہ لازم نہ ہوگا، کیوں کہ یہ جانور اکثر ایذا پہنچانے میں ابتدا کرتے ہیں، پس وہ سانپ بچھو کے حکم میں ہیں۔ (۱)

البتہ جوں کا مارنا جائز نہیں اگر چہ وہ ایذا پہنچاتی ہے، کیوں کہ وہ بدن سے پیدا ہونے والا کیڑا ہے۔ اور اس میں اصول یہ ہے کہ جو کیڑے بدن سے پیدا ہوں ان کو مارنا جائز نہیں (کیوں کہ یہ میل کچیل سے پیدا ہوتے ہیں اور محرم کے لئے بالوں کی طرح میل کچیل دور کرنا بھی ممنوع ہے) اور جو کیڑے بدن سے پیدا نہ ہوں اور موذی ہوں جیسے کھٹمل وغیرہ ان کو مارنا جائز ہے ـــــ پس اگر کسی نے جوں کو مارا تو ایک مشت گیہوں یا روٹی کا ٹکڑا وغیرہ جو چاہے صدقہ کر دے، البتہ اگر تین سے زیادہ جوئیں ماریں (اور زیادہ خواہ کتنی ہی ہوں) تو ایک صدقہ دینا واجب ہوگا۔ لیکن اگر محرم نے زمین پر پڑی ہوئی جوں کو (بشرطیکہ خود اس نے نہ ڈالی ہو) یا اپنے بدن یا کپڑے کے علاوہ کسی اور کے بدن یا کپڑے سے جوں کو مار دیا تو اس پر کچھ واجب نہیں۔ (۲)

---

(۱) وليس في قتل البعوض والبراغيث والقراد والفراش والذباب والوزغ والزنبور والخنافس والسلحفاة والقنفذ والصرصر وجميع هوام الأرض شيء من الجزاء، لأنها ليست بصيود ولا متلود من البدن (اللباب في شرح الكتاب: ۱/۱۸۸، شامی: ۳/۶۰۷) (۲) ومن قتل قملة تصدق بماشاء مثل كف من طعام وهذا إذا أخذ القملة من بدنه أو رأسه أو ثوبه أما إذا أخذها من الأرض فقتلها فلا شيء فيه سواء قتل القملة أو ألقاها على الأرض وان قتل قملتين أو ثلاثا تصدق بكف من طعام وفي الزيادة على ذالك نصف صاع من حنطة (ہندیہ: ۱/۲۵۲) حتى ←

نوٹ: جنایات کے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

رمی کا بیان

۱۹۶- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو زمین کی جنس سے ہے اس سے رمی جائز ہے اور جو غیر جنس سے ہے اس سے رمی جائز نہیں۔ (۱)

جیسے مٹی کی ڈلی، گارے کی گولی، پتھر، چونا، ہڑتال، سرمہ، وغیرہ سے رمی جائز ہے (لیکن افضل یہ ہے کہ کنکری سے رمی کرے اور وہ بھی مٹر کے دانہ کے برابر ہو۔ بڑے پتھر اور نوک والی کنکریوں سے رمی کرنا مکروہ ہے، کیوں کہ کسی کو لگ جائے تو زخمی ہونے کا خطرہ ہے)

اور جو چیز زمین کے جنس سے نہ ہو، جیسے سونا، چاندی، پیتل، تانبا، لوہا، پلاسٹک، لکڑی وغیرہ تو اس سے بالکل رمی جائز نہیں۔ پس بعض لوگ جو کنکری کی جگہ چپل، جوتا مارتے ہیں ان کی رمی صحیح نہیں ہوتی، کیوں کہ چپل وغیرہ جنس زمین سے نہیں ہیں۔

۱۹۷- **ضابطہ**: ہر کنکری مستقل مارنی ضروری ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی نے ایک ساتھ سات کنکریاں ماردیں تو ایک ہی کنکری شمار ہوگی (ایک ایک کنکری کر کے سات دفعہ مارنا ضروری ہے)

۱۹۸- **ضابطہ**: وہ جمرہ جس کے بعد دوسرے جمرہ کی رمی ہے وہاں ٹھہرنا اور دعا میں مشغول ہونا مستحب ہے اور جس جمرہ کے بعد رمی نہیں ہے وہاں ٹھہرنا صحیح نہیں۔ (۳)

← لو قتل ماعلی الأرض من القمل فإنه لاشيء عليه ، أو قتلها من بدن غيره فكذالك (البحر:۳/۶۱)

---

(۱) البحر:۳/۶۰۳۔ (۲) سبع رميات بسبع حصيات (شامی:۳/۵۳۱)

(۳) ووقف......بعد تمام كل رمي بعده رمي فقط،فلايقف بعد الثالثة ولابعد رمي يوم النحر، لأنه ليس بعده رمي (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۳/۵۴۱)

تشریح: پس یوم النحر (۱۰ ذی الحجہ) کو رمی کے بعد بالکل نہ ٹھہرے، اس لئے کہ اس دن صرف جمرۂ عقبہ کی رمی ہے، اس کے بعد کسی اور جمرہ کی رمی نہیں ہے ــــــ اور ۱۱/۱۲ ذی الحجہ کو جمرۂ اولیٰ اور جمرۂ وسطیٰ کی رمی کے بعد ایک طرف ہو کر کچھ ٹھہر جائے اور ان دونوں جمروں پر قبلہ رو ہو کر دعا کرے۔ اور جمرۂ عقبہ (اخریٰ) پر نہ ٹھہرے، کیوں کہ اس کے بعد کسی اور جمرہ کی رمی نہیں۔

۱۹۹- **ضابطہ**: رمی خود پھینکنے والے کے فعل سے ہونا ضروری ہے۔[1]

تفریع: پس اگر کنکری ماری اور وہ کسی شخص کے کپڑوں میں جا کر الجھ گئی، پھر اس کے حرکت کرنے سے جمرہ کے قریب جا کر گری تو یہ رمی صحیح نہ ہوگی، کیوں کہ جمرہ کے قریب جا کر گرنا دوسرے کے فعل سے ہوا نہ کہ خود پھینکنے والے کے فعل سے۔[2]

۲۰۰- **ضابطہ**: جس شخص کو رمی پر (حقیقتاً) قدرت نہیں اس کی طرف سے نیابت جائز ہے۔[3]

جیسے اپاہج، اندھے، ہاتھ کٹے شخص کی طرف سے کوئی دوسرا آدمی اس کی اجازت سے نائب بن کر رمی کرے تو جائز ہے (لیکن اگر تندرست عورت بھیڑ کی وجہ سے رمی نہ کر سکے تو اس کی طرف سے نیابت جائز نہیں، اس کو چاہئے رات میں رمی کرے، بلکہ عورتوں کے لئے رات میں رمی کرنا افضل ہے)[4]

حج کی قربانی:

۲۰۱- **ضابطہ**: جس جانور کی قربانی عیدالاضحیٰ میں جائز نہیں حج میں بھی جائز

(۱) مستفاد الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۵۳۱۔ (۲) ولو وقعت علی ظهر رجل أو جمل إن وقعت بنفسها بقرب الجمرة جاز، وإلا لا (الدر المختار) ای وإن لم تقع من علی ظهره بنفسها، بل بتحرك الرجل أو الجمل (شامی: ۳/۵۳۱)
(۳) غنیۃ الناسک: ۱۸۸۔ (۴) غنیۃ الناسک: ۱۸۸۔

نہیں۔ [۱]

تشریح: پس ہرن وغیرہ وحشی جانوروں کی قربانی حج میں جائز نہیں۔

اسی طرح حج کی قربانی کا جانور ان تمام عیوب سے پاک ہونا ضروری ہے، جو عید الاضحیٰ کی قربانی میں شرط ہے (ان عیوب کی تفصیل قربانی کے بیان میں آرہی ہے)

طواف کا بیان

۲۰۲- **ضابطہ**: رمل اور اضطباع ہر اس طواف میں مسنون ہے جس کے بعد سعی ہے۔ اور جس طواف کے بعد سعی نہیں اس میں رمل واضطباع مسنون نہیں۔ [۲]

فائدہ: رمل یہ ہے کہ سینہ تان کر کندھے ہلاتے ہوئے ذرا تیز قدموں سے چلے جیسے پہلوان جب اکھاڑے میں اترتا ہے تو چلتا ہے۔ رمل شروع کے تین چکروں میں مسنون ہے، باقی چار چکروں میں رمل مسنون نہیں، بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ [۳]
—— اگر پہلے چکر میں رمل چھوڑ دیا تو اس کے بعد صرف دو چکر میں رمل کرے اور پہلے دو میں چھوڑ دیا تو اس کے بعد صرف ایک چکر میں کرے، اگر تینوں میں چھوڑ دیا تو اب بالکل رمل نہ کرے، کیوں کہ چھٹے ہوئے رمل کی قضا نہیں۔ [۴] —— اور رمل صرف مرد کریں، عورتوں کے لئے رمل نہیں۔ [۵]

اور اضطباع کے معنی ہیں: دائیں بغل کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈالنا۔ یہ رمل میں سہولت کے لئے ہے، مگر اضطباع آپ ﷺ نے آخر تک باقی رکھا

---

(۱) یجزئ فی ذالك مایجزئ فی الأضحیة (اللباب علی هامش الجوهرة: ۱/۲۳۳)

(۲) ہندیہ: ۱/۲۲۶، شامی: ۳/۵۱۰۔ (۳) لأن ترك الرمل فی الأربعة سنة.. وینبغی ان یکره تنزیهاً لمخالفة السنة (شامی: ۳/۵۱۱) (۴) ولو مشی شوطاً ثم تذکر لایرمل إلا فی شوطین وإن لم یذکر فی الثلاثة لایرمل بعد ذالك (شامی: ۳/۵۱۱)

(۵) النتف فی الفتاویٰ: ۱۳۲۔

تھا اس لئے اضطباع ساتوں چکروں میں مسنون ہے —— لیکن خیال رہے کہ اضطباع صرف طواف میں ہے، طواف کے علاوہ عام حالت میں مسنون نہیں، پس بعض لوگ جو ہر حال میں حتی کہ نماز میں بھی اضطباع کئے رہتے ہیں وہ غلط ہے۔ (۱)

۲۰۳۔ **ضابطہ**: جس طرح نماز میں ستر کا چھپانا واجب ہے طواف میں بھی واجب ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی نے اعضائے ستر میں سے کسی عضو کے چوتھائی یا زائد کھلے ہوئے ہونے کی حالت میں طواف کیا تو دم واجب ہوگا۔ (۳)

---

(۱) وفی شرح اللباب :واعلم أن الاضطباع سنة فی جمیع أشواط الطواف کما صرح به ابن الضیاء، فإذا فرغ من الطواف ترکه حتی إذا صلی رکعتی الطواف مضطبعا یکره لکشفه منکبیه (شامی:۳/ ۵۰۷)

(۲) بدائع الصنائع:۲/ ۳۳۴۔

(۳) حتی لو طاف مکشوف العورة قدر مالاتجوز به الصلاة جاز ولکن یجب علیه الدم (بدائع الصنائع:۲/ ۳۳۴)

قربانی کا بیان

۲۰۴- **ضابطہ**: جس شخص پر زکوۃ واجب ہوتی ہے اس پر قربانی بھی واجب ہوتی ہے، مگر اس کا برعکس نہیں۔

تشریح: پس جس کی ملک میں (قرض نکال کر) ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہو یا اس قیمت کے بقدر مال تجارت ہو تو اس پر زکوۃ بھی واجب ہوگی اور قربانی (وصدقۃ الفطر) بھی، کیوں کہ یہ نصاب نامی ہے اور نصاب نامی سے زکوۃ بھی واجب ہو جاتی ہے اور قربانی بھی ــــــ اور اگر نصاب غیر نامی ہو، مثلاً ضرورت سے زائد مکان یا زمین ہو یا کپڑے ہوں یا گھریلو سامان ہو اور اس میں تجارت کی نیت نہ ہو تو اس پر قربانی واجب ہوگی، زکوۃ واجب نہ ہوگی، کیوں کہ قربانی اور صدقۃ الفطر میں مال غیر نامی کو بھی شمار کیا جاتا ہے اور زکوۃ میں صرف مال نامی کا اعتبار کیا جاتا ہے (قربانی وصدقۃ الفطر میں مال پر سال گذرنا ضروری نہیں)

فائدہ: سونا، چاندی اور کرنسی مطلقاً مال نامی ہیں اور ان کے علاوہ مال واسباب میں اگر تجارت کی نیت ہے تو وہ مال نامی ہے، ورنہ غیر نامی۔

۲۰۵- **ضابطہ**: قربانی کے وجوب وسقوط میں اعتبار آخری وقت کا ہے۔[۲]

تفریع: پس قربانی کے آخر وقت میں غریب آدمی غنی ہوگیا؛ یا مسافر مقیم ہوا؛ یا نابالغ بالغ ہوا؛ یا کافر مسلمان ہوا (اور وہ سب غنی ہیں) توان پر قربانی واجب ہو جائے گی۔

---

(۱) مستفاد ھندیہ: ۲۹۲/۵ - (۲) والمعتبر وجود هذه الشرائط آخر الوقت وإن لم تكن في أوله (شامی: ۴۵۲/۹)

اور آخر وقت میں غنی (جس نے ابھی قربانی نہیں کی) فقیر ہو گیا؛ یا مر گیا؛ یا مرتد ہو گیا (نعوذ باللہ)؛ یا سفر کر لیا تو اس سے وجوب ساقط ہو جائے گا۔[۱]

۲۰۶- **ضابطہ**: فقیر کا قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے جانور خریدنا عرفاً منت ہے، بخلاف مالدار کے۔[۲]

تفریعات:

(۱) پس اگر فقیر (جس پر قربانی واجب نہیں) نے کوئی جانور قربانی کے دنوں میں قربانی کی نیت سے خریدا تو اس پر اس جانور کی قربانی واجب ہو گئی، اب اس کے لئے اس جانور کا بدلنا جائز نہیں، اگرچہ اس میں عیب پیدا ہو جائے۔

اور مالدار نے اگر کوئی جانور خریدا تو وہ منت کے حکم میں نہیں، پس وہ اس جانور کو بدلنا چاہے تو بدل سکتا ہے، بلکہ اگر اس میں عیب پیدا ہو جائے تو اس پر دوسرے جانور کی قربانی ضروری ہے (اور فقیر اسی جانور کو ذبح کر لے)[۳]

(۲) اگر جانور مر گیا یا گم ہو گیا یا چوری ہو گیا تو مالدار پر دوسرے جانور کی قربانی واجب ہے اور فقیر پر واجب نہیں، پھر اگر دوسرا جانور خریدا اور اتفاق سے پہلا جانور بھی مل گیا تو مالدار پر دونوں میں سے کسی ایک کی قربانی واجب ہے (اور دونوں کا ذبح کرنا مستحب ہے) اور فقیر پر دونوں کی قربانی واجب ہے، کیوں کہ اس نے دونوں ہی جانور

---

(۱) والمعتبر آخر وقتها للفقير وضده والولادة والموت، فلو كان غنيا فى أول الأيام فقيرا فى آخرها لاتجب عليه، وإن ولد فى اليوم الآخر تجب عليه، وإن مات فيه لاتجب عليه (الدر والشامی: ۹/۴۶۲، بدائع: ۴/۲۰۰)

(۲) لأن شراءه لها يجرى مجرى الايجاب وهو النذر بالتضحية عرفا كما فى البدائع (شامی: ۹/۴۶۵) (۳) ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع فعليه إقامة غيرها مقامها إن كان غنياً وإن كان فقيراً أجزئه ذالك......لعدم وجوبها عليه بخلاف الغنى (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۴۷۱)

قربانی کی نیت سے خریدے ہیں، اس لئے یہ اس کے حق میں بمنزلہ منت کے ہیں۔ [۱]

(۳) اسی طرح اگر فقیر نے کوئی بڑا جانور اپنے لئے خریدا اور خریدتے وقت شرکت کی نیت نہیں تھی تو وہ جانور اسی کے لئے متعین ہو گیا، اب اس میں کسی اور کو شریک نہیں کر سکتا، برخلاف مالدار کے۔ [۲]

ملحوظہ: فقیر کا جانور خریدنا منت کے حکم میں اس وقت ہوتا ہے جب اس کو ایام اضحیہ میں خریدا ہو، اگر ایام اضحیہ سے پہلے خریدا ہو تو اسکے لئے یہ حکم نہیں۔ عزیز الفتاویٰ میں ہے: اگر فقیر ایام النحر میں قربانی کی نیت سے کوئی جانور خریدے تو وہ متعین ہو جاتا ہے قربانی کے لئے، لیکن اگر ایام النحر میں نہ خریدا بلکہ ایام النحر سے قبل خریدا تو دونوں (امیر و غریب) کو بدلنا جائز ہے۔ [۳]

استدراک: اگر فقیر کی ملکیت میں پہلے سے کوئی جانور تھا اور وہ اس میں قربانی کی نیت کرے یا جانور خریدتے وقت قربانی کی نیت نہیں کی پھر بعد میں نیت کی تو وہ منت کے حکم میں نہ ہوگا، کیوں کہ اعتبار خریدتے وقت نیت کا ہے۔ [۴] (البتہ اگر صراحتاً زبان سے منت مان لے تو پھر یہ شرعاً منت ہو جائے گی، اب اس جانور کی قربانی واجب ہوگی، نیز اس کا گوشت بھی کھانا جائز نہیں ہوگا، سارا گوشت غرباء کو دینا ضروری ہوگا) [۵]

۲۰۷- **ضابطہ**: جانور میں ہر ایسا عیب جس سے کسی قسم کی منفعت یا ظاہری

---

(۱) شامی: ۹/ ۴۶۷، بدائع: ۴/ ۱۹۹۔ (۲) اما الفقیر فلا یجوز ان یشرک فیھا لأنہ اوجبھا علی نفسہ بالشراء للأضحیۃ فعینت للوجوب (شامی: ۹/ ۴۵۹)

(۳) عزیز الفتاویٰ: ۵/ ۶۵، بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ: ۱/ ۲۸، کراچی۔

(۴) فلو کانت فی ملکہ فنوی ان یضحی بھا أو اشتراھا ولم ینو الأضحیۃ وقت الشراء ثم نوی بعد ذالک لایجب لأن النیۃ لم تقارن الشراء فلاتعتبر (شامی: ۹/ ۴۶۵، خانیہ: ۳/ ۳۴۶)

(۵) ولایاکل الناذر منھا، ای نذراً علی حقیقتہ (شامی: ۹/ ۴۶۴)

جمال بالکل ختم ہوجائے قربانی کے لئے مانع ہے۔اور جو عیب ایسا نہ ہو اس میں حرج نہیں۔[۱]

تفریعات:

(۱) پس جو جانور اندھا یا کانا ہو، یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی سے زائد روشنی چلی گئی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۲]

(۲) جانور کا ایک کان ایک تہائی یا زائد کٹ گیا ہو؛ یا دم (پونچھ) ایک تہائی یا زائد کٹ گئی ہو تو اس کی قربانی درست نہیں۔(البتہ دم یا کان پیدائشی چھوٹے ہوں تو کوئی حرج نہیں، اسی طرح کان میں سوراخ ہو یا کان لمبائی میں چیرا گیا ہو تو بھی مضائقہ نہیں)[۳]

(۳) اگر زبان اتنی کٹ گئی ہو کہ گھاس نہ کھا سکتا ہو تو قربانی جائز نہیں۔[۴]

(۴) جانور کے پیدائشی دانت نہ ہوں یا اکثر دانت گر گئے ہوں تو قربانی جائز نہیں۔[۵] (البتہ اگر دانت نہ ہونے کے باوجود گھاس کھا سکتا ہو تو اس کی قربانی درست ہے یہی صحیح قول ہے)[۶]

(۵) جانور کا سینگ جڑ سے ٹوٹ گیا اور اس کا اثر دماغ تک پہنچ گیا تو قربانی جائز نہیں۔(البتہ اگر پیدائشی سینگ نہ ہوں یا سینگ جڑ سے نہیں ٹوٹا، بیچ میں سے ٹوٹ گیا یا صرف کھول اتر گیا تو اس کی قربانی جائز ہے)[۷]

(۶) جانور اتنا لنگڑا ہو کہ صرف تین پاؤں سے چلتا ہو، چوتھا پاؤں زمین پر رکھتا ہی نہ ہو یا چوتھا پاؤں رکھتا تو ہو مگر اس سے چل نہ سکتا ہو تو قربانی جائز نہیں۔(لیکن اگر چلتے

---

(۱) كل عيب يزيل المنفعة على الكمال أو الجمال على الكمال يمنع الأضحية ومالايكون بهذه الصفة لايمنع (ہندیہ:۲۹۹/۵) (۲) ہندیہ:۲۹۷/۵۔

(۳) ہندیہ:۲۹۷/۵۔ (۴) شامی:۴۷۰/۹۔ (۵) خانیہ:۳۴۶/۳۔

(۶) وأما الهتماء وهي اللتى لاأسنان لها فإن كانت ترعى وتعتلف جازت وإلا فلا، وهو الصحيح (ہند۲۹۸/۵) (۷) ہندیہ:۲۹۷/۵۔

وقت اس لنگڑے پاؤں کا سہارا لے کر چلتا ہو اگرچہ لنگڑا کر چلتا ہو تو پھر اس کی قربانی درست ہے)[۱]

(۷) جانور اتنا پاگل یا بیمار ہو کہ پاگل پن اور بیماری کی وجہ سے کھا پی نہ سکتا ہو تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۲]

(۸) اتنا کمزور اور مریل ہو کہ ہڈیوں میں گودا نہ رہا ہو (جس کی علامت یہ ہے کہ پیروں پر کھڑا نہ ہو سکے) تو اس کی قربانی جائز نہیں۔ (اور اگر اتنا کمزور نہ ہو بلکہ چلتا پھرتا ہو مگر دبلا پتلا ہو تو کوئی حرج نہیں اس کی قربانی جائز ہے)[۳]

(۹) دو تھن والے جانور میں ایک تھن اور چار تھن والے جانور میں دو تھن سوکھ گئے ہوں (یعنی کسی بیماری کی وجہ سے ان میں دودھ نہ اترتا ہو) یا کٹ گئے ہوں یا اتنے زخمی ہوں کہ بچہ کو دودھ نہ پلا سکے تو اس کی قربانی جائز نہیں۔[۴]

(۱۰) خنثیٰ یعنی جانور میں پیدائشی مذکر و مؤنث دونوں کی علامت ہو، یا کوئی علامت نہ ہو تو قربانی جائز نہیں۔[۵]

ملحوظہ: یہ سب عیوب خواہ خریدنے سے پہلے ہوں یا خریدنے کے بعد پیدا ہوئے ہوں دونوں کا حکم یکساں ہے، البتہ ذبح کرتے وقت جانور کے تڑپنے یا کودنے سے کوئی عیب پیدا ہو جائے تو کوئی حرج نہیں ایسا عیب معاف ہے۔[۶]

ان کے علاوہ باقی عیوب میں حرج نہیں، جیسے:

(۱۱) جانور خارش زدہ، مگر فربہ ہو تو اس کی قربانی جائز ہے۔[۷]

---

(۱) شامی: ۹/۴۶۸۔ (۲) شامی: ۹/۴۶۹۔ (۳) بدائع الصنائع: ۴/۲۱۴۔

(۴) ھندیہ: ۵/۲۹۸، خلاصۃ الفتاوی: ۴/۳۲۱۔ (۵) ھندیہ: ۵/۲۹۹۔

(۶) ولا یضر تعیبھا من اضطرابھا عند الذبح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۴۷۱)

(۷) ویضحی .. الجرباء السمینۃ فلو مھزولۃ لم یجز (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۴۶۵)

(۱۲) زیادہ عمر ہو جانے کی وجہ سے بچہ پیدا کرنے کے لائق نہ رہا ہو، اس کی قربانی جائز ہے۔[1]

(۱۳) داغ دیا ہوا ہو تو کوئی حرج نہیں، قربانی جائز ہے۔[2]

(۱۴) جانور ایک فوطہ والا ہو تو کوئی بات نہیں، قربانی درست ہے۔[3]

(۱۵) جانور رسولی والا ہو تو مضائقہ نہیں، قربانی صحیح ہے۔[4] (رسولی: گلٹی اور بڑی گرہ کو کہتے ہیں جو مواد سے ہو جاتی ہے یہ علۃً اوپری حصہ میں پشت اور گردن کے بیچ میں ہوتی ہے، فیروز اللغات)

(۱۶) کتیا، خنزیر یا عورت کے دودھ سے جس جانور نے پرورش پائی ہو اس کی قربانی جائز ہے (کیوں کہ بڑا ہونے تک چارہ وغیرہ کھانے سے اس دودھ کا اثر ختم ہو جاتا ہے)[5]

(۱۷) جانور نجاست کھانے والا ہو مگر چند روز باندھ کر اس کو چارہ کھلایا گیا ہو، تو اس کی قربانی جائز ہے۔ بزازیہ میں ہے کہ اس کی مدت اونٹ میں ایک مہینہ؛ گائے، بھینس میں ۲۰ روز اور بکرے مینڈھے میں ۱۰ روز ہے، مگر علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں: اصح یہ ہے کہ وقت کی کوئی تحدید نہیں جب بھی جانور کے گوشت سے بدبو ختم ہو جائے ذبح کرنا جائز ہے۔[6]

---

(۱) ویجوز المجبوب ــــ والعاجزة عن الولادة لكبر سنها (هندیہ: ۵/۲۹۷)

(۲) ویجوز ــــ اللتی بها کی (ہندیہ: ۵/۲۹۷) (۳) (بدلیل جواز الخصی. کما فی المحمودیہ) (۴) رحیمیہ: ۳/۱۸۲۔ (۵) حلت کما حل أكل جدی غذی بلبن خنزیر (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/۳۹۱، کتاب الحظر)

(۶) وفی البزازیة: أن ذالك شرط فی التی لاتاكل إلا الجیف ولكنه جعل التقدیر فی الابل بشهر وفی البقر بعشرین وفی الشاة بعشرة، وقال السرخسی: الأصح عدم التقدیر حتی تزول الرائحة المنتنة (شامی: ۹/۳۹۱، کتاب الحظر)

اور جو جانور نجاست کے ساتھ چارہ وغیرہ بھی کھاتا ہو اور نجاست کھانے سے اس کا گوشت بدبودار نہ ہوا ہو اس کو فوراً ذبح کرنا جائز ہے، باندھنا ضروری نہیں۔[۱]

(۱۸) جو جانور بت یا مزار کے نام پر چھوڑا گیا ہو مگر اس کے مالک (چھوڑنے والے) سے خرید لیا گیا ہو تو اس کی قربانی جائز ہے (مالک سے خریدنا اس لئے کہ ایسا جانور مالک کی ملک ہی میں رہتا ہے)[۲]

(۱۹) جس جانور کے بال کاٹ لئے گئے ہوں یا بال جل گئے ہوں اس کی قربانی جائز ہے۔[۳]

(۲۰) زمین جوتنے یا رسی باندھنے یا مارنے سے جسم پر نشان یا زخم پڑ گیا ہو تو اس کی بھی قربانی جائز ہے۔[۴]

مگر مستحب یہ ہے کہ جانور خوبصورت، فربہ اور پیدائشی اعتبار سے مکمل ہو کہ یہ قربان گاہ الٰہی پر اپنی چاہت اور محبت کی قربانی ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ جانور میں ذرا بھی عیب نہ ہو، ہر اعتبار سے کامل و مکمل ہو۔[۵]

۲۰۸- **ضابطہ**: بڑے جانور میں شرکت کے لئے ہر شریک کی عبادت کی نیت ضروری ہے۔[۶]

تشریح: پس تمام شرکا کے لئے ضروری ہے کہ قربانی؛ یا عقیقہ؛ یا دم تمتع؛ وغیرہ کی

---

(۱) ولو اکل النجاسة وغیره بحیث لم ینتن حلت (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/ ۴۹۱)　(۲) معارف القرآن: ۱/ ۴۲۳، سورۂ بقرہ، تحت الآیة وما اهل به لغیر الله۔

(۳) وکذا المجزوزة وهی اللتی جز صوفها الخ (ہندیہ: ۵/ ۲۹۷)

(۴) عزیز الفتاویٰ: ۳/ ۵۴۰۔ (۵) قال القهستانی: واعلم ان الکل لایخلو عن عیب، والمستحب ان یکون سلیما عن العیوب الظاهر، فما جوزهاهنا جوز مع الکراهة (شامی: ۹/ ۴۶۸) (۶) وإن کان شریك الستة نصرانیا أو مرید اللحم لم یجز عن واحد منهم لأن الاراقة لاتتجزأ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹/ ۴۷۲)

نیت سے شریک ہوں، اگر ایک شریک کی بھی نیت گوشت کی ہوگی تو سب کی قربانی درست نہ ہوگی۔

۲۰۹- **ضابطہ**: بوقت خرید جانور کے جسم پر جو چیزیں ہوتی ہیں ان کا صدقہ کرنا مستحب ہے۔ (۱)

تشریح: پس رسی، قلادۃ، بالی وغیرہ جو جانور کے بدن پر ہوں (ذبح کے بعد) ان سب کا صدقہ کردینا مستحب ہے، خود بھی استعمال کرسکتا ہے۔ البتہ اگر فروخت کردے تو اس کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہے۔ جیسا کہ گوشت اور چرم کا حکم ہے۔ (۲)

اور جانور خریدنے کے بعد جو اپنی رسی وغیرہ استعمال کی ہے اس کے لئے صدقہ کا حکم نہیں۔ (۳)

(۱) ویتصدق بجلدها و كذابجلالها وقلائدها، فإنه يستحب (شامی: ۹/۴۷۴)

(۲) ولو باع الجلد أو اللحم بالدراهم أو بما لاينتفع به إلا بعد استهلاكه تصدق بثمنه، لأن القربة انتقلت إلى بدله وقوله عليه السلام من باع جلد اضحيته فلا أضحيةله يفيد كراهة البيع ...... ولايعطى اجر الجزار من الأضحية لقوله عليه السلام لعلى رضى الله عنه تصدق بجلالها وخطامها ولاتعط الجزار منها شيئا والنهى عنه نهى عن البيع أيضاً، لأنه فى معنى البيع. (ہدایہ: ۴/۴۵۰)

(۳) محمودیہ: ۱۷/۴۸۸۔

کتاب النکاح

ایجاب وقبول کا بیان

۲۱۰- **ضابطہ**: جو لفظ جو فی الحال کامل ملکیت پر دلالت کرتا ہے (جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء، قرض وغیرہ) اس سے نکاح کرنا درست ہے (جبکہ اس سے نکاح مراد لینے کی نیت یا کوئی قرینہ ہو اور گواہ بھی یہ مقصد کسی طرح سمجھتے ہوں) (۱)

تشریح: پس جس طرح نکاح اور تزویج وغیرہ صریح الفاظ سے نکاح ہو جاتا ہے، اسی طرح وہ الفاظ جو لفظ نکاح کے ہم معنی تو نہیں مگر ان سے کنایۃً نکاح کا مفہوم سمجھا جاتا ہے تو ان سے بھی نکاح ہو جائے گا، جبکہ وہ لفظ ایسا ہو جس سے فی الحال کامل ملکیت مراد لی جاتی ہو، جیسے ہبہ، صدقہ، تملیک، بیع، شراء، قرض وغیرہ مثلاً عورت یوں کہے: ''میں نے اپنی ذات تجھے ہبہ کی'' یا ''صدقہ کیا'' یا ''تجھے اپنی ذات کا مالک بنایا'' یا جیسے مرد کہے: ''میں نے تجھ کو اتنے روپیہ کے عوض خرید لیا'' یا عورت کہے: ''میں نے اپنی ذات تیرے ہاتھ فروخت کی'' یا ''قرض دی'' تو قبول پائے جانے پر ان تمام صورتوں میں اصح اور مختار قول کے مطابق نکاح ہو جاتا ہے بشرطیکہ متکلم نے اس لفظ سے نکاح ہی مراد لیا ہو اور کوئی قرینہ بھی اس امر پر دلالت کرتا ہو، مثلاً مہر کا ذکر کیا لوگوں کو

---

(۱) (وإنما يصح بلفظ تزويج ونكاح) ...... (وما) عداهما ...... كل لفظ (وضع لتمليك عين) كاملة ...... (في الحال) ...... بشرط النية أو قرينة وفهم الشهود المقصود (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۷۸ تا ۸۳)

جمع کرنا، گواہ بنانا اور خطبۂ نکاح پڑھنا وغیرہ۔ اور اگر کوئی قرینہ نہ ہو تو قبول کرنے والے نے اپنی مراد کو واضح کیا ہو۔ نیز گواہوں نے بھی سمجھ لیا ہو کہ اس لفظ سے نکاح مراد لیا ہے، خواہ بتلانے سے سمجھا ہو یا کسی قرینہ سے خود ہی سمجھ لیا ہو۔

اور وہ الفاظ جن سے کامل ملکیت مراد نہیں ہوتی ان سے نکاح درست نہیں، جیسے رہن، عاریت، تحلیل، اباحت، اجارہ وغیرہ۔ اسی طرح وہ لفظ جس سے کامل ملکیت تو مراد ہوتی ہے، لیکن فی الحال مراد نہیں ہوتی اس سے بھی نکاح جائز نہیں، جیسے وصیت کا لفظ یعنی عورت کا باپ کہے: ''میں وصیت کرتا ہوں کہ تو میری بیٹی کا مالک ہے'' اور مرد قبول بھی کرلے تو اس سے نکاح نہ ہوگا اس لئے کہ وصیت میں اگرچہ کامل ملکیت ہوتی ہے، مگر فی الحال نہیں ہوتی، بلکہ وصی کے مرنے کے بعد ہوتی ہے۔

۲۱۱- **ضابطہ**: ایجاب وقبول ہر زبان میں درست ہے اور ان کے معنی جاننا ضروری نہیں۔ (۱)

تشریح: پس عربی، فارسی، اردو وغیرہ کسی بھی زبان میں ایجاب وقبول کرلے تو نکاح ہو جائے گا، اگرچہ اس کے معنی معلوم نہ ہوں، صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس لفظ سے نکاح ہو رہا ہے۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی کو گواہوں کی موجودگی میں سکھایا جائے کہ کہہ ''زَوَّجْتُ نَفْسِي مِنْكَ'' اور عورت کو سکھایا جائے کہ کہہ ''قَبِلْتُ'' و نکاح ہو جائے گا، اگرچہ مرد اور عورت یہ نہ جانتے ہوں کہ ان الفاظ کے کیا معنی ہیں۔ ہاں اتنا ضرور جانتے ہوں کہ یہ ایجاب یا قبول کا کلمہ ہے، اگر یہ بھی نہ جانتے ہوں تو پھر نکاح نہ ہوگا۔ (۳)

---

(۱) شامی: ۹۲/۴۔ (۲) ووفق الرحمتي بحمل القول بالاشتراط على عدم اشتراط فهم معاني الألفاظ بعد فهم أن المراد عقد النكاح (شامی: ۹۲/۴)

(۳) وفي تقريرات الرافعي ۱۸۱: لكن في البزازية: تلفظت المرأة بالعربية زوجت نفسي من فلان ولاتعرف ذالك وقال فلان قبلت والشهود يعلمون أو ←

۲۱۲-**ضابطہ**: ایجاب وقبول لفظاً معتبر ہے نہ کہ فعلاً۔[۱]

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی مرد کہے: "میں نے اتنے روپیہ کے عوض تم سے نکاح کیا" جواب میں عورت کچھ نہ کہے، صرف مہر پر قبضہ کرلے تو اس طرح نکاح منعقد نہ ہوگا۔

(۲) اسی طرح ہندوؤں کی طرح مرد وعورت نے سات پھیرے لئے اور مرد نے عورت کو منگل شتر پہنایا (جیسا کہ بعض جگہوں میں نام نہاد مسلمان بھی ایسا کرتے ہیں) اور زبان سے ایجاب قبول نہیں کیا تو نکاح نہ ہوگا۔

۲۱۳-**ضابطہ**: دونوں گواہوں کا ایک ساتھ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے۔[۲]

تفریع: پس اگر گواہوں نے صرف ایجاب کا لفظ سنا اور قبول کا لفظ نہیں سنا؛ یا ایک نے صرف ایجاب کا لفظ سنا اور دوسرے نے صرف قبول کا؛ یا دونوں گواہوں نے متفرقاً (علاحدہ علاحدہ) ایجاب وقبول کو سنا، یعنی پہلے ایک نے سنا پھر دوسرے نے تو ان تمام صورتوں میں نکاح نہ ہوگا۔

استدراک: لیکن اگر کوئی شخص گونگا ہو تو ظاہر ہے کہ گواہ اس کا کلام نہیں سن سکتے، پس یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ گونگا شخص لکھنا جانتا ہو تو اس کے لئے ایجاب یا قبول کو لکھنا ضروری ہے (یعنی گواہوں کے سامنے نکاح کی مجلس میں لکھ کر پیش کرے) اور اگر لکھنا نہ جانتا ہو تو ایسے اشارہ سے جو مقصود پر دلالت کرنے والا ہو ایجاب یا قبول کرے تو کافی ہے، نکاح صحیح ہوجائے گا۔[۳]

← لایعلمون صح النکاح ، قال فی النصاب وعلیه الفتویٰ۔

(۱) فلاینعقد بقبول بالفعل (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۴۷، ہندیہ: ۱/۲۷۰)

(۲) سامعین قولهما معاً (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۹۱، البحر ۳/۱۵۶)

(۳) فإن کان الأخرس لایکتب وکان له اشارة تعرف فی طلاقه ونکاحه...... فهو جائز الخ. فقد رتب جواز الاشارة علی عجزه عن الکتابة فیفید أنه إن ←

۲۱۴-ضابطہ: ایجاب کی عبارت تام ہونے سے پہلے قبول صحیح نہیں۔ (۱)

تفریع: پس اگر نکاح پڑھانے والے نے کہا "میں نے فلاں بنت فلاں کا نکاح تجھ سے کیا" اور لفظ "کیا" کہنے سے قبل ہی مرد نے کہا "میں نے قبول کیا" تو یہ قبول صحیح نہ ہوگا (کیوں کہ جب تک آخری لفظ نہ بولا جائے کلام میں استثناء وغیرہ کے ذریعہ تغیر کا احتمال باقی رہتا ہے)

۲۱۵-ضابطہ: نکاح کے وقت دولہا ودولہن کی تعیین ضروری ہے، نام لینا ضروری نہیں۔ (۲)

تفریعات:

(۱) اگر مجلس نکاح میں دولہا ودولہن موجود ہوں تو ایجاب وقبول کے وقت ان کا نام لینا ضروری نہیں، اشارہ کر لینا کافی ہے جیسے نکاح خواں کہے: "میں نے تمہارا نکاح ان کے ساتھ کر دیا"۔

(۲) اگر دولہا ودولہن موجود نہ ہوں مگر گواہوں اور عاقد کے سامنے نام لئے بغیر ہی متعین ہوں، مثلاً کسی شخص کی ایک ہی لڑکی ہے اس نے کسی مرد سے کہا "میں نے تمہارا نکاح اپنی لڑکی سے کر دیا" مرد نے کہا "میں نے قبول کیا" تو نکاح ہو گیا، جبکہ وہ مرد اور گواہ جانتے ہوں کہ اس کی ایک ہی لڑکی ہے۔ یا دو لڑکیاں ہوں مگر ان میں سے ایک شادی شدہ اور دوسری غیر شادی شدہ ہو (اور اس بات کو مرد وگواہ جانتے ہوں) تو غیر شادی شدہ سے نکاح متعین ہو جائے گا، اگرچہ اس کا نام نہ لیا ہو۔ (۳)

← كان يحسن الكتابة لاتجوز اشارته (شامی:۲/۵۸۴)

(۱) فلو قبل الآخر قبله لم يصح لتوقف أول الكلام على آخره لو فيه مايغير أوله (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۷۵) (۲) مستفاد: شامی:۴/۹۰۔

(۳) إذا كان للمزوج ابنة واحدة وللقابل ابن واحد فقال زوجت ابنتی من ابنك يجوز النكاح (البحر) وفي البزازية: رجل له ابنتان مزوجة وغير مزوجة ←

لیکن اگر دولہا یا دولہن مجلس نکاح میں موجود نہ ہوں اور نہ گواہ وعاقد کے سامنے متعین ہوں تو پھر اس کا اور اس کے باپ کا نام لینا ضروری ہے، تا کہ تعیین ہو جائے۔

فائدہ: اگر کسی عورت کے دو نام ہوں تو ان میں سے جو مشہور نام ہو وہی لیا جائے، بہتر ہے کہ دونوں نام لئے جائیں۔ (۱)

۲۱۶- **ضابطہ**: اگر اشارہ اور تسمیہ جمع ہوں تو اشارہ کا اعتبار ہوگا۔ (۲)

تفریع: پس ایجاب وقبول کے وقت اگر عورت یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہو جائے تو اگر مجلس نکاح میں عورت موجود ہو اور اس کی طرف اشارہ کر کے نکاح کیا گیا ہو تو نکاح صحیح ہو جائے گا (کیوں کہ یہاں اشارہ اور تسمیہ دونوں جمع ہیں، پس اشارہ کا اعتبار ہوگا)

اور اگر عورت مجلس نکاح میں موجود نہ ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ اشارہ نہ ہونے کی وجہ سے تسمیہ متعین ہو گیا اور تسمیہ غلط ہے۔ (۳)

۲۱۷- **ضابطہ**: ایجاب وقبول کے وقت عاقدین کی مجلس کا متحد ہونا ضروری ہے (۴)

تفریعات:

(۱) پس ٹیلیفون پر ایجاب وقبول سے نکاح صحیح نہ ہوگا، کیوں کہ ٹیلیفون میں عاقدین کی مجلس ایک نہیں ہوتی ـــــ ہاں اگر ٹیلیفون پر اگر کسی کو وکیل بنایا اور وکیل

← وقال عند الشهود زوجت بنتي منك لم يسم اسم البنت وقال الخاطب قبلت صح والصرف إلى الفارغة (منحة الخالق على البحر: ۱۵۰/۳)

(۱) ولو كان للمرأة اسمان تزوج بما عرفت به، وفي الظهيرية: والأصح عندي أن يجمع بين الإسمين (البحر الرائق: ۱۵۰/۳) (۲) ہدایہ۔

(۳) غلط وكيلها بالنكاح في اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط في اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة وأشار إليها فيصح (الدر المختار على ہامش رد المحتار: ۹۶/۴) (۴) بدائع: ۴۹۰/۲، البحر: ۱۴۸/۳۔

نے ایجاب یا قبول کیا تو نکاح درست ہے، جیسے لڑکے یا لڑکی نے کسی کو ٹیلیفون کیا اور کہا کہ "میرا نکاح فلاں سے کردو" یا ان کے ولی مثلاً باپ نے کہا کہ "میرے لڑکے یا لڑکی کا نکاح فلاں سے کردو" تو اب اگر وکیل نے دو شرعی گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرالیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

اس کی تفصیلی صورت یہ ہے کہ: ایک شخص مثلاً خالد برطانیہ میں رہتا ہے، وہ ہندوستان میں ایک لڑکی مثلاً زینب سے نکاح کرنا چاہتا ہے، پس خالد یا اس کا ولی ہندوستان میں ٹیلیفون کر کے کسی کو قبول کرنے کا وکیل بنادے، پھر جب نکاح پڑھانے والا (گواہوں کی موجودگی میں) کہے میں نے زینب بنت فلاں کا نکاح خالد بن فلاں کے ساتھ (جو برطانیہ میں رہتا ہے) کردیا تو اسی مجلس میں خالد کا وکیل کہے: "میں نے اس نکاح کو خالد کیلئے قبول کیا" تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ (۱)

(۴) اگر چلتے چلتے ایجاب وقبول کیا تو نکاح صحیح نہ ہوگا، خواہ پیدل چلے یا جانور پر سوار ہوکر، کیوں کہ اس صورت میں ایجاب وقبول کی مجلس ایک نہیں ہوگی۔

البتہ کشتی کی سواری میں فقہاء نے ایجاب وقبول کو درست قرار دیا ہے اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ کشتی مکان واحد کی طرح ہے اور عاقدین کو اس کے ٹھہرانے کا اختیار نہیں۔ (۲)

یہی علت ریل اور ہوائی جہاز میں بھی پائی جاتی ہے، پس ریل اور ہوائی جہاز میں نکاح درست ہوگا۔

۲۱۸- **ضابطہ**: ایجاب وقبول کے درمیان کوئی بھی ایسا فعل پایا جائے جو اعراض پر دلالت کرتا ہو تو نکاح صحیح نہ ہوگا۔ (۳)

---

(۱) فتاوی محمودیہ: ۱۰/۶۸۰۔ (۲) فلو عقدا وهما يمشيان ويسيران على الدابة لايجوز، وإن كانا على سفينة سائرة جاز (البحر الرائق: ۳/۱۴۸)

(۳) شامی: ۴/۷۶۔

جیسے کھانا، پینا، باتوں میں مشغول ہو جانا مجلس سے کھڑا ہو جانا وغیرہ، اگر ایجاب و قبول کے دوران (یعنی ایجاب کے بعد، قبول سے پہلے) قبول کرنے والے کی طرف سے یہ باتیں پائی گئیں تو نکاح نہ ہوگا، کیوں کہ ان چیزوں سے مجلس بدل جاتی ہے، جبکہ ایجاب وقبول کی مجلس ایک ہونی ضروری ہے۔ (۱)

۲۱۹- **ضابطہ**: ایجاب وقبول میں ظاہری الفاظ کا اعتبار ہے، رضامندی شرط نہیں۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی کو ڈرا دھمکا کر زبردستی ایجاب یا قبول کروایا تو نکاح ہو گیا، جیسے کسی مرد یا عورت سے کہا کہ تم مجھ سے، یا فلاں سے نکاح کرلو ورنہ جان سے مار ڈالوں گا، اس نے ڈر کے مارے قبول کرلیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔

(۲) اسی طرح ہنسی مذاق میں بھی ایجاب وقبول صحیح ہو جاتا ہے، جیسے مرد نے (دو گواہوں کی موجودگی میں) عورت سے مذاقاً کہا: "میں نے تم سے نکاح کرلیا" عورت نے بھی ہنسی میں کہا: "میں قبول کرتی ہوں" تو نکاح منعقد ہو جائے گا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "ثَلَاثٌ جِدُّ هُنَّ جِدٌّ وَهَزْ لُهُنَّ جِدٌّ النِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ": تین چیزیں ایسی ہیں جن میں سنجیدگی سنجیدگی ہے اور ہنسی مذاق بھی سنجیدگی ہے، وہ: نکاح، طلاق اور رجعت ہیں۔ (۳)

---

(۱) فلو اوجب أحدهما فقام الآخر أو اشتغل بعمل آخر بطل الإيجاب، لأن شرط الارتباط اتحاد الزمان فجعل المجلس جامعا تيسيراً (شامی: ۷۶/۴)

(۲) إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح (شامی: ۸۶/۴)

(۳) فیض القدیر: ۲۷۸/۶، رقم الحدیث: ۳۴۵۱۔

نکاح کی شرطوں کا بیان

۲۲۰۔ **ضابطہ**: نکاح میں کسی قسم کی تعلیق صحیح نہیں۔[۱]

تشریح: پس اگر نکاح کو کسی وقت یا جگہ یا فعل پر یا کسی (دوسرے شخص) کی رضا مندی اور اجازت پر معلق کیا تو نکاح درست نہ ہوگا، مثلاً کسی نے کہا کہ جب فلاں وقت آجائے تیرے ساتھ نکاح منظور ہے یا فلاں جگہ میں منظور ہے یا میرا فلاں کام ہوجائے تو قبول ہے یا میرے والد اگر راضی ہوجائیں یا اجازت دیدیں تو نکاح قبول ہے ان سب صورتوں میں نکاح صحیح نہ ہوگا،[۲] کیوں کہ ان صورتوں میں ایجاب وقبول سے انعقاد نکاح فوراً معلوم نہیں ہوتا، جبکہ شرط یہ ہے کہ زوجین کی طرف سے جب (اصالۃً یا وکالۃً) ایجاب وقبول پایا جائے تو فوراً بلا تاخیر اسی مجلس میں نکاح منعقد ہوجانا چاہئے۔

استدراک: لیکن اگر زمانہ ماضی کے کسی امر پر نکاح کو معلق کیا تو صحیح ہے، کیوں کہ ماضی متعین اور معلوم الحال ہے، جیسے زید نے اپنے لڑکے کا پیغام خالد کی لڑکی کو دیا، خالد نے کہا میں نے اپنی اس لڑکی کا نکاح فلاں سے کردیا ہے، زید نے اس کی تکذیب کی یعنی اس نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، خالد نے کہا اگر میں نے اپنی لڑکی کا نکاح فلاں سے نہ کیا ہو تو تمہارے لڑکے سے کردیا، لڑکے کے باپ (زید) نے کہا مجھے منظور ہے یعنی قبول کرلیا اور حقیقت میں اس لڑکی کا نکاح کہیں نہیں ہوا تھا تو زید کے لڑکے سے نکاح ہوجائے گا۔[۳]

---

(۱) ان النکاح المعلق بالشرط لایصح (شامی:۴/۱۵۱، ہندیہ:۱/۲۷۳)

(۲) کتزوجتك إن رضی أبی لم ینعقد النکاح لتعلیقه بالخطر...... ولا یصح إضافته إلی المستقبل کتزوجتك غداً او بعد غد لم یصح (الدر المختار:۴/۱۵۱، ہندیہ:۱/۲۷۳) (۳) إلا ان یعلقه بشرط ماض کائن لامحالة فیکون تحقیقاً فینعقد فی الحال، کان خطب بنتاً لإبنه فقال أبوها زوجتها قبلك من فلان فکذبه ←

اسی طرح کسی کی رضامندی یا اجازت پر نکاح کو معلق کرنے سے نکاح نہیں ہوتا، لیکن جس کی رضامندی پر نکاح معلق کیا ہے وہ مجلس نکاح میں موجود ہو اور راضی ہو جائے تو استحساناً نکاح صحیح ہو جائے گا، جیسے کہا: اگر میرے والد راضی ہوں تو نکاح قبول ہے اور اس کے والد مجلس نکاح میں موجود تھے اور انہوں نے رضامندی ظاہر کر دی تو استحساناً نکاح ہو جائے گا اور اگر موجود نہ ہوں تو نکاح نہ ہوگا اگرچہ وہ راضی ہو جائیں۔ (۱)

۲۳۱- **ضابطہ**: نکاح میں شرط باطل خود باطل ہو جاتی ہے اور عقد صحیح ہو جاتا ہے۔ (۲)

جیسے مرد نے کہا: میں نے قبول کیا اس شرط پر کہ مجھ پر نفقہ کی ذمہ داری نہیں ہوگی یا ایک متعین مقدار سے نفقہ دوں گا یا ہم دونوں ایک دوسرے کے وارث نہیں ہوں گے؛ یا عورت نے کہا: میں نے نکاح کیا اس شرط پر کہ تو میری موجودگی میں کسی اور عورت سے نکاح نہیں کرے گا یا موجودہ بیوی کو طلاق ہے وغیرہ تو ایسی شرط کا کوئی اعتبار نہیں وہ شرط کالعدم ہے۔ پس شوہر پر اس کی استطاعت کے مطابق نفقہ دینا لازم ہوگا، اور میاں بیوی ایک دوسرے کے وارث ہوں گے، اور میاں دوسری عورت سے نکاح کر سکتا ہے اور موجودہ بیوی کو طلاق نہیں ہوگی۔ (۳)

← فقال :إن لم آكن زوجتها لفلان فقد زوجتها لإبنك فقبل،ثم علم كذبه انعقد لتعليقه بموجود (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۱۵۱)

(۱) وكذا إذا وجد المعلق عليه في المجلس (الدرالمختار) في الخانية :ذكر بعد ذالك مسألة التعليق برضا فلان، فقال :إن كان فلان حاضراً في المجلس ورضي جاز استحساناً ،وإلافلا وإن رضي (شامی:۴/۱۵۲)(۲)ولكن لايبطل النكاح بالشرط الفاسد وإنما يبطل الشرط دونه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۱۵۲)(۳)رجل تزوج امرأة على أن ينفق عليها في كل شهر ماة دينار قال أبوحنيفة رحمه الله تعالیٰ: النكاح جائز ولها نفقة مثلها بالمعروف –رجل تزوج امرأة على ألف درهم على أن لاترثه ولايرثها جاز النكاح ويتوارثان (فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ:۱/۳۳۱)

اسی طرح اگر عاقدین میں سے کسی نے کہا کہ میں نکاح قبول کرتا ہوں اس شرط پر کہ اس نکاح کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے پر میرے والد کو اختیار ہوگا تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور اس کے والد کو کچھ اختیار نہیں ملے گا۔[۱]

اسی طرح اگر مرد نے کہا: میں نے اس عورت سے نکاح کیا اس شرط پر کہ اسے طلاق ہے یا اس شرط پر کہ طلاق کا امر اس کے اختیار میں ہے یعنی وہ جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے تو نکاح صحیح ہو جائے گا اور شرط باطل ہو جائے گی، یعنی عورت پر طلاق واقع نہیں ہوگی اور نہ اس کے لئے اختیار ہوگا، امام محمدؒ نے الجامع الصغیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔ لیکن فقیہ ابو اللیثؒ فرماتے ہیں یہ حکم اس صورت میں ہے جب شرط لگانا مرد کی طرف سے ہو یعنی مرد نے شرط لگائی ہو اور اگر شرط عورت کی جانب سے ہو، جیسے عورت نے کہا: میں نے نکاح کیا اس شرط پر کہ مجھے طلاق ہے یا طلاق کا امر میرے اختیار میں ہے، مرد نے کہا: میں نے قبول کیا تو نکاح ہو جائے گا اور عورت پر طلاق پڑ جائے گی اور اس کو طلاق کا اختیار ہوگا جب چاہے اپنے اوپر طلاق واقع کر سکتی ہے، اس اختیار کو مرد واپس نہیں لے سکتا۔[۲]

---

(۱) وفی فتاویٰ ابی اللیث تزوج امرأة علی أن أباه بالخیار صح النکاح ولاخیار (ہندیہ: ۲۷۳/۱) (۲) رجل تزوج امرأة علی انہا طالق أو علی أن أمرها فی الطلاق بیدها ذکر محمد رحمه الله تعالیٰ فی الجامع أنه یجوز النکاح والطلاق باطل ولایکون الأمر بیدها وقال الفقیه أبو اللیث رحمه الله تعالیٰ هذا إذا بدأ الزوج فقال تزوجتك علی أنك طالق وإن ابتدأت المرأة فقالت زوجت نفسی منك علی انی طالق أوعلی ان یکون الأمر بیدی اطلق نفسی کلما شئت فقال الزوج قبلت جاز النکاح ویقع الطلاق ویکون الأمر بیدها ..ولو قال العبد لمولاه إذا تزوجتها فامرها بیدك ابداً ثم تزوجها یکون الأمر بید المولیٰ ولایمکن اخراجه ابداً کذا فی فتاویٰ قاضی خاں (ہندیہ: ۲۷۳/۱، فتاویٰ قاضی خاں علی ہامش الہندیہ: ۳۲۹/۱)

ملحوظہ: یہ آخری مسئلہ ان عورتوں کے لئے غنیمت ہے جو محض حلالہ کے لئے نکاح کرنا چاہتی ہوں اور خطرہ ہو کہ زوج ثانی نکاح کے بعد طلاق نہیں دے گا۔

تنبیہ: نکاح وطلاق میں تعلیق کے اعتبار سے دو مسئلے الگ الگ ہیں:

۱- مرد عورت سے کہے: "میں نے تجھ سے نکاح کیا اس شرط پر کہ میری موجودہ بیوی کو طلاق ہے" تو نکاح ہوجائے گا اور طلاق نہیں پڑے گی، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، اس لئے کہ اس صورت میں طلاق کو شرط قرار دیا ہے اور نکاح مشروط ہے اور یہ شرط مرد کی طرف سے پائی نہیں گئی ہے اس لئے طلاق واقع نہیں ہوگی، رہا نکاح تو وہ شرط باطل کے ساتھ ہوجاتا ہے، اس لئے نکاح ہوجائے گا۔

۲- مرد کہے: "اگر میں تجھ سے نکاح کروں تو میری موجودہ بیوی کو طلاق" تو نکاح بھی ہوجائے گا اور طلاق بھی پڑ جائے گی، اس لئے کہ یہ تعلیق ہے پس نکاح پائے جانے پر طلاق واقع ہوجائے گی۔ (پس ان دونوں مسئلوں کا فرق اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے)[1]

۲۲۲- **ضابطہ**: نکاح میں خیار رویت اور خیار عیب کی گنجائش نہیں۔[2]

تفریع: پس اگر مرد یا عورت میں سے کسی نے کہا کہ میں نے نکاح قبول کیا مگر شرط یہ ہے کہ عورت میں کوئی عیب یا نقص (مثلاً اندھا ہونا، بہرہ ہونا، یا بدصورت ہونا، یا پردۂ بکارت ٹوٹ ہوا ہونا وغیرہ) بالکل نہ ہو؛ تو نکاح درست ہوجائے گا، پھر اگر کوئی عیب یا نقص پایا جائے تو اسے کوئی اختیار نہیں ملے گا۔

البتہ اگر شوہر مقطوع الذکر یا نامرد یا خصی ہو یعنی جماع پر قدرت نہ رکھتا ہو تو عورت کو اختیار ملے گا کہ اگر وہ چاہے تو قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرا سکتی ہے، ان کے

---

(۱) فلو قال المرأۃ اللتی أتزوجھا طالق تطلق بتزوجھا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۵۹۴)

(۲) ولا یثبت فی النکاح خیار الرؤیۃ والعیب (ہندیہ: ۱/۲۷۳)

علاوہ باقی صورتوں میں اختیار نہ ہوگا۔[1]

نکاح میں گواہی کا بیان

۲۲۳- **ضابطہ**: ہر وہ مسلمان جو اپنی ذات پر ولایت رکھتا ہے نکاح میں گواہ بن سکتا ہے اور جو ایسا نہیں اس کا گواہ بننا صحیح نہیں۔

تفریع: پس نابالغ، مجنون، غلام، مکاتب اور کافر کا نکاح میں گواہ بننا صحیح نہیں ــــــ اور عورت اور فاسق آدمی کا حتی کہ محدود فی القذف کا گواہ بننا صحیح ہے، کیوں کہ ان کو اپنی ذات پر ولایت حاصل ہے۔

تنبیہ: جاننا چاہئے کہ گواہی کے تعلق سے نکاح میں دو باتیں ہیں: انعقاد نکاح اور اثبات نکاح۔ انعقاد کا حکم اوپر مذکور ہوا کہ کس کو گواہ بنانا درست ہے اور کس کو نہیں، رہا اثبات کا حکم تو وہ نکاح کے انکار کے وقت ہے یعنی جب مرد یا عورت میں سے کوئی نکاح کا انکار کرے یا کوئی اور شخص انکار کرے تو اس وقت قاضی کی عدالت میں گواہی صرف ان ہی لوگوں کی قبول ہوگی جن کی گواہی باقی احکامات میں قبول ہوتی ہے، پس اندھوں کی گواہی، عاقدین کے رشتے داروں کی گواہی، فاسقوں اور محدود فی القذف کی گواہی معتبر نہ ہوگی، اگر چہ ان تمام کی گواہی انعقاد نکاح میں معتبر ہے۔ بدائع میں ہے کہ انعقاد نکاح میں اندھے، فاسق وغیرہ کی گواہی اس لئے معتبر ہے کہ وہاں مقصد زنا کی تہمت کو دور کرنا اور نکاح کی تشہیر کرنا ہے (نہ کہ جحود و انکار کے وقت عقد نکاح کی حفاظت کرنا) اور یہ مقصد ان مذکورہ لوگوں کے حاضر ہونے سے حاصل ہو جاتا ہے، اگر چہ باقی احکام میں ان کی گواہی قبول نہیں کی جاتی۔[3]

---

(۱) إلا إذا كان العيب هو الجب والخصا والعنة فإن المرأة بالخيار وهذا عند أبي حنيفة وأبي يوسف رحمه الله تعالىٰ (ہندیہ: ۱/۲۷۳)

(۲) والأصل ان كل من صلح ان يكون ولياً فيه بولاية نفسه صلح ان يكون شاهداً فيه (شامی: ۴/۹۴) (۳) البحر الرائق: ۳/۱۵۸۔

ولایت نکاح کا بیان

۲۲۴- **ضابطہ:** نکاح میں ولایت کی ترتیب وہی ہے جو ترکہ میں عصبات کی ہے۔(۱)

تشریح: پس ترتیب اس طرح ہوگی: سب سے پہلے بیٹے کو ولایت حاصل ہے، پھر پوتے کو پھر پرپوتے کو نیچے تک۔ اس کے بعد باپ کو ولایت حاصل ہے، پھر دادا کو پھر پردادا کو اوپر تک۔ اگر ان میں سے کوئی نہ ہو تو میت کا سگا بھائی مستحق ہے، پھر باپ شریک بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے۔ یہ لوگ نہ ہوں تو میت کا سگا چچا، پھر سوتیلا چچا یعنی باپ کا سوتیلا بھائی، پھر ان کی اولاد اسی ترتیب سے۔ اگر ان میں سے بھی کوئی نہ ہو تو میت کے باپ کا چچا ولی ہوگا، پھر اس کی اولاد۔ اگر یہ بھی نہ ہوں تو دادا کا چچا، پھر اس کی اولاد مستحق ہے۔ یہ حضرات بھی نہ ہوں تو پھر ماں ولیہ ہوگی، اس کے بعد دادی، پھر نانی، پھر حقیقی بہن، پھر علاتی بہن، پھر اخیافی (یعنی صرف ماں شریک) بھائی بہن، پھر ان کی اولاد، پھر ذوات الارحام میں سے پھوپیاں پھر ماموں، پھر خالہ وغیرہ۔(۲)

اگر مذکورہ بالا رشتہ داروں میں سے کوئی موجود نہ ہو تو اخیر میں امیر وخلیفہ کو ولایت حاصل ہوگی یا اس قاضی کو جسے ولایت نکاح سپرد کی گئی ہے، پھر نائب قاضی کو جسے قاضی نے اختیار دیا ہے۔(۳)

فائدہ: ولایت کی مذکورہ ترتیب کا مطلب یہ ہے کہ اگر ولی قریب موجود نہ ہو تو بعد کے ولی کی طرف ولایت منتقل ہو جائے گی۔ اور اگر ولی قریب کی موجودگی میں کسی اور

---

(۱) والولی العصبة المراد بنفسه ..علی ترتیب الإرث والحجب(شرح الوقایہ: ۲۴/۲) وترتیب العصبات فی ولایة النکاح کالترتیب فی الإرث(ہدایہ:۳۱۶/۲)

(۲) شرح الوقایہ:۲۴/۲، اللباب فی شرح الکتاب:۱۲۷/۲۔

(۳) ثم السلطان ثم القاضی ومن نصبه القاضی ، کذا فی المحیط (ہندیہ:۲۸۴/۱)

ولی نے نکاح کر دیا تو وہ نکاح ولی قریب کی اجازت پر موقوف رہے گا۔ (۱)

۲۲۵- **ضابطہ**: ولایت اجبار کا مدار صغر پر ہے اور وہ صرف باپ دادا کو حاصل ہوتی ہے۔ (۲)

تشریح: پس بالغ پر کسی کو ولایت اجبار حاصل نہیں، اگر چہ بالغہ باکرہ ہو ــــــ اور نابالغ پر صرف باپ داد کو ولایت اجبار حاصل ہے، اولاً باپ کو حاصل ہے پھر دادا کو ان کے علاوہ کسی کو یہ ولایت حاصل نہیں۔

فائدہ: ولایت اجبار کا مطلب یہ ہے کہ صغیر وصغیرہ راضی ہوں یا نہ ہوں ہر صورت میں باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ہو جائے گا، اور بلوغ کے بعد ان کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار حاصل نہ ہوگا۔

اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور نے نکاح کرایا، یا باپ دادا نے از خود نکاح نہیں کرایا بلکہ بذریعہ وکیل کرایا تو اس صورت میں صغیر اور صغیرہ کو بلوغ کے بعد اختیار حاصل ہوگا، یعنی اگر منظور ہو تو نکاح باقی رکھیں ورنہ قاضی کے ذریعہ فسخ کرا دیں۔ (۳)

حرمت رضاعت کا بیان

۲۲۶- **ضابطہ**: رضاعت سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔ (۴)

---

(۱) وللولي الأبعد التزويج بغيبة الأقرب فلو زوج الأبعد حال قيام الأقرب توقف على إجازته (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۹۹/۴)

(۲) فإن زوجهما الأب أو الجد فلاخيار لهما بعد بلوغهما، وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ (اللباب: ۱۴۶/۲)

(۳) المزوج بنفسه، احترز عما إذا وكل وكيلا بتزويجها (شامی: ۱۷۱/۴)

(۴) ہندیہ: ۳۴۳/۱، الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴۰۲/۴۔

وہ رشتے یہ ہیں:

۱-رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول یعنی رضاعی دادا، دادی نانا، نانی اوپر تک۔

۲-رضاعی اولاد اور ان کے فروع نیچے تک۔

۳-رضاعی بہن اور اس کی اولاد نیچے تک۔

۴-رضاعی پھوپی اور خالہ (مگر ان کی اولاد حلال ہے جیسا کہ نسب میں ہے)

۵-رضاعی باپ کی بیوی۔

۶-رضاعی بیٹے کی بیوی۔

مگر یہ رشتے مستثنیٰ ہیں:

۱-رضاعی بھائی کی حقیقی بہن؛ حقیقی بھائی کی رضاعی بہن؛ اور رضاعی بھائی کی دوسری ماں سے رضاعی بہن؛ ان تینوں سے نکاح جائز ہے۔ [۱]

۲-رضاعی بھائی و بہن کی حقیقی ماں؛ حقیقی بھائی و بہن کی رضاعی ماں؛ اور رضاعی بھائی بہن کی دوسری رضاعی ماں؛ ان تینوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ [۲]

۳-رضاعی بیٹے کی حقیقی بہن؛ حقیقی بیٹے کی رضاعی بہن؛ اور رضاعی بیٹے کی دوسری

---

(۱)(وتحل اخت اخيه رضاعاً)يصح اتصاله بالمضاف كان يكون له اخ نسبى له اخت رضاعية وبالمضاف إليه كان يكون لأخيه رضاعاًاخت نسبياً وبهما، وهوظاهر (درمختار)وهوظاهر كان يكون له اخ رضاعى رضع مع بنت من امرأة اخرى (شامی:۴/۴۱۰)

(۲)(وام اخت) صادق بان يكون كل منهما من الرضاع كان يكون لك اخت من الرضاع لها ام اخرى من الرضاع ارضعتها وحدها ،وبان تكون الأخت فقط من الرضاع لها ام نسبية، وبان تكون الأم فقط من الرضاع كان تكون لك اخت نسبية لها ام رضاعية بخلاف النسبية لأنها إما أمك او حليلة ابيك...... (وام اخ) الكلام فيه ككلام فى ام الأخت .(شامی:۴/۴۰۵)

ماں سے رضاعی بہن: ان تینوں سے بھی نکاح جائز ہے۔[۱]

۴۔ حقیقی پوتے کی رضاعی ماں؛ رضاعی پوتے کی حقیقی ماں؛ اور رضاعی پوتے کی دوسری رضاعی ماں: ان تینوں سے بھی نکاح جائز ہے۔[۲]

نوٹ: حقیقی بیٹے کی رضاعی ماں اور رضاعی بیٹے کی حقیقی ماں سے بھی نکاح جائز ہے، مگر چونکہ بیٹے کی ماں سے نکاح نسب میں بھی جائز ہے اس لئے مستثنیات میں اس کو ذکر نہیں کیا جاتا۔[۳]

۵۔ رضاعی چچا کی ماں؛ رضاعی ماموں کی ماں؛ رضاعی پھوپی اور رضاعی خالہ کی ماں: ان چاروں سے بھی نکاح جائز ہے۔[۴]

پس نسبی رشتوں میں یہ سب محرمات میں سے ہیں، مگر رضاعت میں ان سے نکاح جائز ہیں، کیوں کہ ان میں علت حرمت نہیں پائی جاتی۔

نوٹ: یہ سب رشتے مرد کی جانب سے بیان کئے گئے ہیں، عورت کی جانب سے بھی اسی طرح سمجھ لینا چاہئے۔

۲۲۷۔ **ضابطہ**: حرمت کا تعلق مدت رضاعت (ڈھائی سال) میں دودھ پینے سے ہے، اس کے بعد نہیں۔[۵]

تشریح: پس اگر کسی نے مدت رضاعت جو کہ مفتی بہ قول کے مطابق ڈھائی سال

---

(۱) وقس عليه أخت ابنه وبنته...... الخ (الدرالمختار: ۴/۴۰۸)

(۲) وتقدم أن كل صورة من هذه السبع تتفرع إلى ثلاث صور : فولد ولدك إذا كان نسبياً وله أم من الرضاع تحل لك ،بخلاف أمه من النسب لأنها حليلة ابنك وإن كان رضاعيا بأن رضع من زوجة ابنك ولهذا الرضيع أم نسبية أو رضاعية أخرى تحل لك (شامی: ۴/۴۰۵) (۳) واحترز بجدة الولد عن أم الولد لأنها حلال من النسب وكذا من الرضاع (شامی: ۴/۴۰۵) (۴) وأم خال وعمة...... الخ (درمختار) فيه الصور الثلاث...... الخ (شامی: ۴/۴۰۶) (۵) بدائع الصنائع: ۳/۴۰۴۔

ہے کے بعد کسی عورت کا دودھ پیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی (مگر مدت رضاعت کے بعد دودھ پلانا جائز نہیں)[1]

تفریع: اگر شوہر بیوی کا دودھ پی لے تو نکاح نہیں ٹوٹے گا، البتہ شوہر کو عورت کا دودھ پینا حرام ہے۔[2]

ایک نادر صورت: اگر شوہر ڈھائی سال سے کم عمر کا بچہ ہو، اور وہ اپنی بیوی کا دودھ پی لے جو اس کے سابق شوہر سے بچہ جننے کی وجہ سے اترا ہے تو حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی اور نکاح ٹوٹ جائے گا۔[3]

۲۲۸- **ضابطہ**: حرمت کے لئے دودھ کا اپنی اصلی حالت پر ہونا ضروری ہے[4]

تفریعات:

(۱) پس اگر دودھ کی دہی یا پنیر بنادی، پھر کھلایا تو حرمت ثابت نہ ہوگی، کیوں کہ ان چیزوں پر دودھ کا اطلاق نہیں ہوتا۔[5]

(۲) اسی طرح اگر دودھ کو روٹی یا ستو وغیرہ میں ملا کر کھلایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرمت ثابت نہ ہوگی خواہ دودھ غالب ہو یا مغلوب، کیوں کہ سیال چیز جب جامد کے ساتھ مل جاتی ہے تو مشروبیت سے خارج ہو جاتی ہے۔[6]

---

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۹۳/۴۔ (۲) ولم یبح الإرضاع بعد مدته......حرام علی الصحیح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳۹۷/۴)

(۳) مص رجل ثدی زوجته لم تحرم (درمختار) قید به احترازاً عما إذا کان الزوج صغیراً فی مدة الرضاع فإنها تحرم علیه (شامی: ۴۲۱/۴)

(۴) مستفاد شامی: ۴۱۳/۴، بدائع: ۴۰۸/۳۔ (۵) فی البحر: ولو جعل اللبن مخیضاً أو رائباًاو شیرازاً او جبناً او اقطاراً او مصلاً فتناوله الصبی لاتثبت به الحرمة، لأن اسم الرضاع لایقع علیه (شامی: ۴۱۳/۴)

(۶) وإن کانت النار لم تمسه فإن کان الطعام غالباً لم تثبت الحرمة به ←

۲۲۹-**ضابطہ**: منہ اور ناک کے علاوہ کسی اور راستہ سے پیٹ میں دودھ جائے تو اس کا اعتبار نہیں (حرمت ثابت نہ ہوگی)

جیسے اگر دودھ کان میں ٹپکایا؛ یا عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالا؛ یا حقنہ کیا یعنی پاخانہ کے راستہ سے معدہ تک پہنچایا؛ یا انجکشن کے ذریعہ معدہ یا دماغ میں پہنچایا تو ان تمام صورتوں میں حرمت رضاعت ثابت نہ ہوگی۔(۱)

حرمت مصاہرت کا بیان

۲۳۰-**ضابطہ**: حرمت مصاہرت نکاح صحیح سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ نکاح فاسد و باطل سے۔(۲)

تشریح: یعنی نکاح صحیح میں (نکاح ہوتے ہی) حرمت ثابت ہو جاتی ہے (اگرچہ بغیر وطی اور خلوت کے فوراً طلاق دیدے) اور نکاح فاسد و باطل (یعنی وہ نکاح جس میں رکن نہ ہو یا شرط فاسد ہو) سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، پس ایسے نکاح سے مرد پر عورت کی ماں وغیرہ حرام نہ ہوں گی، اسی طرح عورت کے لئے بھی مرد کے اصول وفروع حرام نہ ہوں گے۔

البتہ نکاح فاسد و باطل کے بعد وطی پائی جائے یا دواعی وطی (مس بالشہوت یا نظر

← أيضا وإن كان اللبن غالباً فكذالك عند ابى حنيفةؒ لأنه إذا خلط المائع بالجامد صار المائع تبعاً فخرج من ان يكون مشروباً (ہندیہ: ۱/۳۴۴، اللباب علی ہامش الجوہرۃ: ۲/۳۶)

(۱) ويثبت به......وإن قل إن علم وصوله لجوفه من فمه او أنفه لاغير...... ولا الإحتقان والإقطار فى الأذن وإحليل وجائفة وآمة......الخ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۳۹۹-۴۱۳- ہندیہ: ۱/۳۴۴)

(۲) وتثبت بالحرمة المصاهرة بالنكاح الصحيح دون الفاسد (ہندیہ: ۱/۲۷۴)

بالشہوت) کا ارتکاب کیا جائے تو پھر اس وطی یا دواعی وطی سے حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی، جیسا کہ زنا ودواعی زنا سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔ (۱)

۲۳۱- ضابطہ: حرمت مصاہرت کے ثبوت میں رضامندی اور اختیار شرط نہیں (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی نے غلط فہمی میں بیوی کی بجائے جوان بیٹی کو شہوت کے ساتھ چھولیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی اور اس کی بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی۔

(۲) مرد نے عورت کو جماع کے لئے بیدار کرنا چاہا اور ہاتھ خطا کرگیا اور قریب میں لیٹی ہوئی اس کی بیٹی پر شہوت کے ساتھ (اس کے کھلے بدن پر) اس کا ہاتھ پڑ گیا تو حرمت مصاہرت ثابت ہوکر میاں بیوی ایک دوسرے پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائیں گے۔ (۳)

(۳) کسی شخص کا زبردستی ڈرا دھمکا کر نکاح کروایا گیا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہوجائے گی۔ (زنا ودواعی زنا کا بھی یہی حکم ہے)

۲۳۲- ضابطہ: حرمت مصاہرت میں اختلاف کے وقت شوہر کا قول معتبر ہے۔ (۴)

جیسے اگر خسر اور بہو دونوں نے زنا کرنے کا اقرار کیا اور شوہر انکار کرتا ہے؛ یا صرف عورت کہتی ہے کہ میرے خسر نے میرے ساتھ ناجائز کام کیا، لیکن شوہر اسے تسلیم نہیں کرتا؛ یا تنہا باپ کہتا ہے کہ میں نے تیری بیوی کے ساتھ ایسا ایسا کیا اور شوہر اس بات سے اختلاف کرتا ہے؛ یا کسی اجنبی آدمی نے ایسی کوئی گواہی دی اور شوہر اسے صحیح

(۱) فلو تزوجها نكاحاً فاسداً لاتحرم عليه أمها بمجرد العقد بل بالوطء (ہندیہ :۱/۴/۲۷۴) (۲) مستفاد شامی: ۴/۱۱۲، ہندیہ: ۱/۲۷۴۔ (۳) (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/ ۱۰۷) (۴) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴/۱۱۴۔

نہیں مان رہا، بلکہ اس کو کوئی سازش سمجھتا ہے؛ تو ان تمام صورتوں میں شوہر کا قول معتبر ہوگا اور بیوی اس پر حرام نہ ہوگی۔ (۱)

ہاں اگر شوہر بھی تسلیم کرلے، یا اس کے غالب گمان میں اس فعل کے واقع ہونے کی سچائی واضح ہوجائے، یا دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی گواہی دیں، تو پھر ان صورتوں میں عورت شوہر پر ہمیشہ کے لئے حرام ہوجائے گی۔(۲)

نوٹ: محرمات سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

طلاق کا بیان

۲۳۳- **ضابطہ**: غیر مدخولہ کے لئے ہر طلاق بائن ہوتی ہے خواہ صریح لفظ سے ہو یا کنایہ سے۔ (۳)

تشریح: کیوں کہ غیر مدخولہ کے لئے عدت نہیں، وہ طلاق دیتے ہی بائنہ ہوجاتی ہے خواہ کوئی سی طلاق ہو۔

فائدہ: اگر غیر مدخولہ کو تین طلاقیں ایک ساتھ دیدیں، یعنی کہا: ''تجھے تین طلاق'' تو یہ طلاق بائن غلیظہ ہوگی، اور تین سے کم میں بائن خفیفہ ہوگی ـــــــ اور اگر غیر مدخولہ کو الگ الگ لفظوں میں تین طلاقیں دیں، یعنی کہا: طلاق، طلاق، طلاق تو صرف ایک طلاق واقع ہوگی، کیوں کہ اس پر عدت نہیں جس کی وجہ سے وہ پہلی طلاق ہی سے

---

(۱) بأن یصدقها ویقع فی أکبر رأیه صدقها، وعلی ذا ینبغی أن یقال فی مسه إیاها لاتحرم علی ابیه وابنه إلا أن یصدقها أو یغلب علی ظنه صدقها (البحر الرائق: ۱۷۷/۳) (۲) ونصابها للزنا أربعة رجالٍ.. ولوعلق عتقه بالزنا وقع برجلین ولاحد......ولغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالاأوغیره کنکاح وطلاق ووکالة......رجلان......أو رجل وامرأتان (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۹۱/۱۱ تا ۹۸)

(۳) مستفاد ھدایہ: ۳۷۱/۲۔

نکاح سے نکل گئی اور محل طلاق نہیں رہی اس لئے دوسری اور تیسری طلاق لغو ہو جائے گی۔ برخلاف مدخولہ کے کہ اس پر عدت ہے اور عدت من وجہ نکاح کے حکم میں ہے، اس لئے اس پر (یکے بعد دیگرے) تینوں طلاقیں واقع ہو جائیں گی۔ [۱]

۲۳۴- **ضابطہ**: طلاق میں نیت کا اعتبار نہیں، نسبت کا اعتبار ہے۔ [۲]

تفریعات:

(۱) پس اگر طلاق دینے میں نسبت کسی اور طرف کی، بیوی کی طرف نہیں کی؛ یا (بغیر اشارہ کیے ہوئے) بیوی کا نام بدل کر طلاق دی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ [۳]

(۲) اسی طرح طلبہ (یا بیوی) کو مسائل طلاق پڑھاتے ہوئے کہا: ایک آدمی کہتا ہے: ''میری بیوی کو طلاق'' تو طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ کہنے والی کی بیوی کی طرف نسبت نہیں ہے۔ [۴]

(۳) لیکن اگر بیوی کو مذاقاً طلاق دی، یا کسی نے زبردستی اس سے طلاق کہلوائی، یا شوہر اپنی بیوی کو یہ کہنے جا رہا تھا کہ تو حیض والی ہے اور غلطی سے نکل گیا: ''تو طلاق والی ہے'' یا کوئی ذکر کرنا چاہ رہا تھا کہ اس کی زبان سے انت طالق (تو طلاق والی ہے) نکل گیا تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس لئے کہ یہاں اگرچہ طلاق کی نیت نہیں ہے، مگر بیوی کی طرف نسبت موجود ہے اور اعتبار نسبت

---

(۱) وإذا طلق الرجل امرأته قبل الدخول بها ثلاثاً وقعن عليها...... فإن فرق الطلاق كان يقول لها: أنت طالق ،طالق، طالق بانت بالأولى ولم تقع الثانية، لأن كل واحدة إيقاع على حدة وليس لها عدة، فإذا بانت بالأول صادفها الثاني وهي أجنبية (اللباب في شر الكتاب: ۱۷۶/۲)

(۲) صريح لايحتاج إلى النية (شامی: ۴۴۸/۴) لايقع اصلاً مالم يقصد زوجته (شامی: ۴۶۱/۴، البحر: ۵۱/۳) (۳) لو حلف لدائنيه بطلاق امرأته فلانة واسمها غيره لاتطلق (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵۲۲/۴) (۴) شامی: ۴۶۱/۴، البحر: ۵۱/۳۔

کا ہے، نیت کا نہیں۔[۱]

ملحوظہ: مگر یاد رہے کہ سبقت لسانی (خطا) کی صورت میں طلاق کا فیصلہ صرف قضاءً ہوگا، دیانۃً نہیں (پس جب یہ مسئلہ مفتی کے پاس آئے تو وہ عدم طلاق کا فتویٰ دے گا، جبکہ قاضی وقوع طلاق کا فیصلہ کرے گا)[۲] اس کے برخلاف مذاقاً و اکراہاً طلاق دینے سے قضاءً و دیانۃً دونوں طرح سے طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ مذاق اور اکراہ میں آدمی طلاق کا تلفظ اپنے اختیار و ارادے سے کرتا ہے، اگر چہ اس کے حکم پر راضی نہیں ہوتا، جبکہ خطاء میں طلاق کا تلفظ آدمی اپنے اختیار و ارادے سے نہیں کرتا۔[۳]

تنبیہ: اگر کسی نے بیوی کی طرف اشارہ کئے بغیر اور نام لئے بغیر صرف یہ کہا: طالق (طلاق والی ہے) یا یہ کہا: طلقتُ (میں نے طلاق دی) تو اس سے طلاق واقع ہوجائے گی، اس لئے کہ اگر چہ اس میں صراحتاً بیوی کی طرف نسبت نہیں ہے، مگر معنی (حکماً) نسبت ہے، اور وہ اس طرح کہ آدمی عادتاً اپنی بیوی ہی کو طلاق دیتا ہے، غیر کو نہیں دیتا، پس یہاں بیوی کی طرف نسبت حکماً مراد لی جائے گی۔ البتہ اگر شوہر انکار

---

(۱) يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حراً أو عبداً طائعاً أو مكرهاً...... وطلاق اللاعب والهازل به واقع، وكذالك لو أراد أن يتكلم بكلام فسبق لسانه باطلاق فالطلاق واقع (ہندیہ: ۳۵۳/۱) بأن أراد أن يقول سبحان الله فجرى على لسانه أنت طالق تطلق، لأنه صريح لايحتاج إلى النية (شامی: ۴۴۸/۴)

(۲) مگر غیر اسلامی ملک میں مفتی بھی وقوع طلاق کا فتویٰ لکھے گا، کیونکہ وہاں قاضی نہیں ہوتا، اس لئے عورت کے لئے چارہ جوئی کا موقع نہیں ہے، پس مفتی قاضی کی قائم مقامی کرے گا ۱۲ سعید احمد پالن پوری

(۳) فا فترقا. عمالو سبق لسانه......فإنه يقع قضاءً فقط ......وأما الهازل فيقع طلاقه قضاء وديانة، لأنه قصد السبب عالماً بأنه سبب فرتب الشرع حكمه عليه أراده......الخ (شامی: ۴۶۲/۴)

کرے اور کہے: میں نے اپنی بیوی کی طلاق مراد نہیں لی اور نہ میں نے اس کو طلاق دی ہے تو دیانۃً طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (۱)

۲۲۵- **ضابطہ**: محض نیت کرنے سے یا دل دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، جب تک کہ زبان سے تلفظ نہ کرے۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے رہا تھا اور دو دفعہ کہہ چکا تھا، مگر تیسری دفعہ جب اس نے طلاق کا لفظ کہنا چاہا تو ایک شخص نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور وہ تیسری طلاق نہیں کہہ سکا تو اس صورت میں دو طلاق واقع ہوں گی اور تیسری کا تلفظ نہیں ہوا اس وجہ سے وہ واقع نہ ہوگی، رہا دل میں کہنا یا نیت کرنا تو اس کا اعتبار نہیں۔

(۲) اسی طرح کسی شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑا ہوا اور طلاق کی نیت سے اس نے بیوی کو تین کنکریاں دیدیں اور زبان سے کچھ نہیں کہا تو طلاق واقع نہ ہوگی۔

۲۲۶- **ضابطہ**: طلاق میں اعتبار ظاہری الفاظ کا ہے، رضامندی کا نہیں۔ (۳)

تفریع: پس اگر کسی کے ڈرانے دھمکانے یا کچھ دباؤ میں آکر طلاق دیدی؛ یا مذاق میں بیوی کو طلاق دیدی؛ یا غلط فہمی میں طلاق دی (مثلاً کسی ایک بیوی کو طلاق دینی تھی اور غلطی سے دوسری کو طلاق دیدی) تو ان تمام صورتوں میں طلاق واقع

---

(۱) فی البحر: لوقال امرأة طالق أو قال طلقت امرأة ثلاثاً وقال لم أعن امرأتی یصدق اه ویفهم منه أنه لم یقل ذالك تطلق امرأته ، لأن العادة أن من له امرأة إنما یحلف بطلاقها لابطلاق غیرها فقوله إنی حلفت بالطلاق ینصرف إلیها مالم یرد غیرها لأنه یحتمله کلامه ..الخ (شامی: ۴/۴۵۸)

(۲) لأن الطلاق أو العتق لایتعلق بالنیة بالقول، حتی لو نوی طلاقها أو عتقه لایصح بدون لفظ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲/۱۲۱، کتاب الصلاۃ)

(۳) مستفاد ہندیہ: ۱/۳۵۳-۳۵۸، شامی: ۴/۴۶۲۔

ہوجائے گی۔[۱]

۲۲۷-**ضابطہ:** طلاق صریح لاحق ہوتی ہے طلاق صریح اور بائن سے اور طلاق بائن لاحق ہوتی ہے صرف طلاق صریح سے نہ کہ طلاق بائن سے۔[۲]

مثالیں مندرجہ ذیل ہیں:

۱-صریح کے صریح کو لاحق ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے صریح لفظ سے طلاق دی پھر دوبارہ صریح لفظ سے طلاق دی، تو دو طلاق رجعی واقع ہوں گی۔

(لیکن دو طلاق رجعی واقع ہونا اس شرط کے ساتھ ہے کہ صریح سے واقع کی جانے والی دونوں طلاقیں رجعی ہوں، اگر صریح لفظ سے ایک طلاق رجعی دی اور دوسری بائن دی (مثلاً کہا: تجھے طلاق ہے اتنے مال پر، یا تجھے سخت ترین طلاق ہے تو یہ اگرچہ صریح لفظ ہے مگر اس سے بائن طلاق واقع ہوتی ہے) تو اس صورت میں دونوں طلاقیں بائن ہوجائیں گی۔ اس لئے کہ جب رجعی بائن کے ساتھ ملتی ہے تو وہ بھی بائن ہوجاتی ہے، خواہ رجعی بائن سے پہلے ہو یا بعد میں، کیوں کہ طلاق بائن کے رجعی سے ملنے سے رجعت کا حق ختم ہوجاتا ہے)[۳]

۲-صریح کے بائن کو لاحق ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے طلاق بائن دی مثلاً

---

(۱)يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا سواء كان حراً أو عبداً طائعاً أومكرهاً ......وطلاق اللاعب والهازل به واقع ...... ولوقال لامرأته أنه ينظر إليها ويشير إليها يازينب أنت طالق فإذا هي امرأة له أخرى اسمها عمرة يقع الطالق على عمرة (ہندیہ:۱/۳۵۳-۳۵۸)(۲)الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۴/۵۴۰-۵۴۲۔

(۳)الصريح يلحق الصريح :كما لوقال لها أنت طالق ثم قال أنت طلاق أو طلقها على مال وقع الثاني،بحر. فلافرق في الصريح الثاني بين كون الواقع به رجعيا أو بائناً ...... وإذا لحق الصريح البائن كان بائناً ،لأن البينونة السابقة عليه تمنع الرجعة كما في الخلاصة (شامی:۴/۵۴۰)

کنایہ لفظ میں (بنیت طلاق یا بوقت مذاکرہ) کہا: "انت بائن" (تو جدا ہے) پھر صریح لفظ سے طلاق دی یعنی کہا "انت طالق" تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی۔ (۱)

۳-بائن کے صریح کو لاحق ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے صریح لفظ سے طلاق رجعی دی پھر کنایہ لفظ سے طلاق دی، تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی۔ (۲)

۴-بائن کے بائن کو لاحق نہ ہونے کی مثال: شوہر نے پہلے طلاق بائن دی (خواہ صریح لفظ سے دی یا کنایہ سے) پھر دوبارہ طلاق بائن دی اور کہا: "انت بائن" یا کوئی اور کنایہ لفظ استعمال کیا تو ایک ہی طلاق بائن واقع ہوگی، کیوں کہ بعد والی بائن پہلی بائن کو لاحق نہیں ہوتی، خواہ ایک ہی لفظ کنایہ کو بار بار استعمال کرے یا متعدد کنایات کو استعمال کرے۔ (۳)

البتہ اگر بعد والے کنایہ لفظ میں کوئی ایسا لفظ بڑھا دے جو نئی طلاق پر دلالت کرتا ہو تو پھر اس سے بھی طلاق واقع ہو جائے گی، مثلاً طلاق کی نیت سے کہا "میں نے تم کو جدا کر دیا" پھر اسی وقت یا عدت کے اندر کہا میں نے تم کو از سر نو جدا کیا تو دو طلاق بائن واقع ہوں گی۔ (۴)

---

(۱) ویلحق البائن: کما لو قال لها أنت بائن أو خالعها علی مال ثم قال أنت طالق أو هذه طالق ...... الخ (شامی: ۵۴۰/۴) (۲) والبائن یلحق الصریح (درمختار) ومنها: ماقدمناه من قول المنصور: وإن کان الطلاق رجعیاً یلحقها الکنایات، لأن ملك النکاح باق، فتقیده بالرجعی دلیل علی أن الصریح البائن لایلحقه الکنایات وکذاالتعلیله دلیل علی ذالك (شامی: ۵۴۳/۴)

(۳) لایلحق البائن البائن: المراد بالبائن الذی لایلحق البائن هوماکان بلفظ الکنایة لأنه هو الذی لیس ظاهراً فی انشاء الطلاق، کذا فی الفتح. وقید بقوله "الذی لایلحق" إشارة إلی أن البائن الموقع أولاً أعم من کونه بلفظ الکنایة أو بلفظ الصریح المفید للبینونة کالطلاق علی مال ..الخ (شامی: ۵۴۲/۴) ←

نوٹ: ان تمام صورتوں میں یہ شرط ملحوظ رہنی چاہئے کہ دوسری طلاق شوہر نے عدت میں دی ہو، ورنہ یہ دوسری طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ عدت کے بعد عورت اجنبیہ ہوجاتی ہے، پھر طلاق کچھ مؤثر نہ ہوگی۔ (۱)

۲۳۸- **ضابطہ**: تعلیق یمین کا حکم رکھتی ہے، پس اس کو باطل کرنے کا اختیار کسی کو نہیں حتی کہ شوہر کو بھی نہیں۔ (۲)

تفریع: پس اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: 'اگر تو اپنے میکے گئی تو تجھے طلاق' اب شوہر اجازت دیتا ہے، اور بیوی بھی جانا چاہتی ہے تو یہ اجازت دینا صحیح نہیں، اگر بیوی میکے جائے گی تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ اس شرط کو ختم کرنا یمین کو باطل کرنا ہے اور یمین کا باطل کرنا حالف کے بھی اختیار میں نہیں، پس شوہر اس تعلیق کو باطل نہیں کرسکتا (جیسا کہ طلاق دینے کے بعد طلاق کو باطل نہیں کرسکتا)

۲۳۹- **ضابطہ**: تعلیق باطل ہوتی ہے، حلت کے زوال سے نہ کہ ملکیت کے زوال سے۔ (۳)

تفریع: پس تین سے کم منجز طلاقیں تعلیق کو باطل نہیں کریں گی، کیوں کہ تین سے کم طلاقوں میں عدت کے بعد اگر چہ ملکیت ختم ہوجاتی ہے، لیکن حلت باقی رہتی ہے، کیوں کہ بغیر حلالہ کے دوبارہ اسی عورت سے نکاح جائز ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اگر کسی نے اپنی بیوی سے کہا: اگر تو فلاں گھر میں داخل

← (۴) بخلاف أبنتك باخرى :أى لو ابانها أولا ثم قال فى العدة أبنتك باخرى وقع، لأن لفظ أخرى مناف لإمكان الاخبار بالثانى عن الأول (شامی: ۴/۵۴۵)

(۱) بشرط العدة: هذا الشرط لابد منه فى جميع الصور اللحاق (شامی: ۴/۵۴۰)

(۲) فافاداته يمين لغة واصطلاحاً (شامی: ۴/۵۸۹) اليمين لايجب على الانسان بالإلتزام حتى يبطل بالإختيار فبقيت اليمين على حالها (بدائع الصنائع: ۳/۵۱)

(۳) ان التعليق يبطل بزوال الحل لا بزوال الملك (شامی: ۴/۵۹۹)

ہوئی تو تجھے طلاق اور عورت ابھی اس گھر میں داخل نہیں ہوئی کہ شوہر نے ایک یا دو منجز طلاقیں (یعنی فوری طلاقیں جو کسی شی پر معلق نہ ہوں) دیں، پھر عدت میں یا عدت کے بعد اسی عورت کو واپس نکاح میں لے لیا (اور عورت اب تک گھر میں داخل نہیں ہوئی) تو وہ طلاق جو دخول دار پر معلق ہے اب بھی باقی ہے، اگر اب بھی عورت اس گھر میں داخل ہوگی تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیوں کہ یہاں تعلیق کے بعد منجز طلاق سے ملکیت ختم ہوئی تھی نہ کہ حلت، پس تعلیق اپنے حال پر باقی رہے گی۔

لیکن اگر تین منجز طلاقیں دیدیں تو تعلیق باطل ہوجائے گی، کیوں کہ تین طلاق کے بعد حلت ختم ہوجاتی ہے اور حلت کے ختم ہونے سے تعلیق باطل ہوجاتی ہے، پس اگر حلالہ کے بعد اس عورت سے نکاح کیا پھر وہ اس گھر میں داخل ہوئی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔[1]

۲۴۰- **ضابطہ**: تفویض طلاق میں شوہر کو رجوع کا حق نہیں اور توکیل میں رجوع کرسکتا ہے۔[2]

جیسے اگر شوہر نے خود بیوی کو یا کسی اجنبی آدمی کو طلاق کا مالک بنایا تو شوہر اس سے رجوع نہیں کرسکتا ہے۔[3]

لیکن یہ تفویض مجلس پر منحصر ہوگی، اگر اس شخص نے اس مجلس میں طلاق نہیں دی تو اب اس کا اختیار ختم ہوگیا، اب طلاق دینے سے طلاق واقع نہ ہوگی، البتہ اگر شوہر نے مجلس کے بعد تک اختیار باقی رکھا، مثلاً کہا ہمیشہ کے لئے میں نے تم کو طلاق کا اختیار دیا یا طلاق کا امر تمہارے سپرد کیا یا ایک مہینہ تک یا ایک سال تک اختیار دیا تو اب یہ اختیار مجلس پر منحصر نہیں رہے گا، بلکہ جو مدت شوہر نے دی ہے اس وقت تک اس کو اختیار ہوگا

(۱) شامی: ۵۹۹/۴۔ (۲) ہندیہ: ۳۹۳/۱۔ (۳) ولو قال لاجنبي "أمر امرأتي بيدك" يقتصر على المجلس ولا يملك الرجوع قال في المحيط وهو الأصح، كذا في الخلاصة (ہندیہ: ۳۹۳/۱)

وہ اس مدت میں جب چاہے اس کی بیوی کو طلاق دے سکتا ہے اور شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔ [۱]

برخلاف توکیل کے، کہ توکیل میں شوہر کو رجوع کا حق رہتا ہے مثلاً اگر عورت سے کہا: تم اپنی سوکن کو طلاق دیدو یا اجنبی شخص سے کہا کہ تم میری بیوی کو طلاق دیدو یا میں تم کو طلاق کا وکیل بناتا ہوں تو یہ توکیل ہے، اس میں شوہر کو رجوع کا حق ہے، یعنی اس وکیل کو جب چاہے معزول کر سکتا ہے، پھر جب وکیل کو معزولی کا علم ہو گیا تو اب اس کا طلاق دینا صحیح نہ ہوگا، اور یہ توکیل مجلس پر منحصر نہ ہوگی، مجلس کے بعد بھی وکیل طلاق دے سکتا ہے جب تک معزول نہ کیا جائے۔ [۲]

فائدہ: جاننا چاہئے کہ تفویض میں شوہر کسی کو طلاق کا اختیار دے کر طلاق کا مالک بناتا ہے، جبکہ توکیل میں طلاق دینے کا حکم کرتا ہے یا صراحتاً توکیل کا لفظ بولتا ہے، پس دونوں میں فرق سمجھ لینا چاہئے۔

تحریری طلاق:

۲۴۱- **ضابطہ:** طلاق نامہ میں طلاق لکھتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے، نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ بیوی کو خط پہنچائے یا پھاڑ دے۔ [۳]

تشریح: طلاق نامہ سے مراد: باضابطہ عنوان دیکر بیوی کو مخاطب کر کے طلاق کا خط

---

(۱) رجل قال لآخر "امر امرأتی بیدك إلی سنة" صار الأمر بيده إلى سنة حتى أراد أن يرجع لايملك وإذا تمت خرج الأمر من يده (ہندیہ: ۱/۳۹۳)

(۲) وإذا قال لرجل ذالك أو قال لها طلقي ضرتك لم يتقيد بالمجلس، لأنه توكيل فله الرجوع (الدرالمختار) قيد به احترزاً عما لوقال له "امر امرأتی بيدك" فإنه يقتصر على المجلس ولايملك الرجوع على الأصح (شامی: ۴/ ۵۷۷)

(۳) شامی: ۴/۴۵۵۔

لکھنا ہے، ایسی کتابت تلفظ کے قائم مقام ہوتی ہے اور لکھتے ہی طلاق واقع ہو جاتی ہے، خواہ اس میں طلاق کی نیت ہو یا نہ ہو اور خواہ وہ خط بیوی تک پہنچے یا نہ پہنچے۔ (۱)

البتہ اگر ایقاع طلاق کو وصول خط کے ساتھ مقید کیا ہو یعنی یوں لکھا ہو کہ "جب میرا یہ خط تجھے پہنچے تو طلاق" پس اب عورت تک خط پہنچنے کے بعد ہی طلاق واقع ہوگی، اگر خط گم ہو گیا یا پھاڑ دیا اور عورت تک نہ پہنچا تو طلاق واقع نہ ہوگی (لیکن اگر عورت تک خط پہنچ گیا تو طلاق واقع ہو جائے گی، خواہ وہ اس خط کو پڑھے یا نہ پڑھے) (۲)

اور اگر خط مرسوم نہ ہو یعنی نہ اس میں کوئی عنوان ہو اور نہ بیوی کو مخاطب کیا ہو اور نہ طلاق کی اضافت بیوی کی طرف کی ہو، بلکہ یوں ہی لکھا: طلاق ہے، طلاق ہے وغیرہ تو اس میں نیت کا اعتبار ہوگا، یعنی اگر بیوی کو طلاق دینے کی نیت سے لکھا ہے تو طلاق واقع ہوگی، ورنہ نہیں۔ (۳)

فائدہ: پانی پر یا ہوا پر یا ایسی چیز پر طلاق لکھنے سے جس کو سمجھنا اور پڑھنا ممکن نہ ہو طلاق واقع نہ ہوگی، اگر چہ طلاق دینے کی نیت سے لکھے، اس لئے کہ یہ درحقیقت تحریر نہیں ہے۔ تحریر سے مراد واضح تحریر ہے جس کو پڑھنا اور سمجھنا ممکن ہو۔ (۴)

---

(۱) قال في الهندية: الكتابة على نوعين: مرسومة وغير مرسومة، ونعني بالمرسومة أن يكون مصدراً ومعنوناً مثل مايكتب إلى الغائب......وإن كانت مرسومة يقع الطلاق نوى أو لم ينو، ثم المرسومة لاتخلو إما أن أرسل الطلاق بأن كتب: أما بعد فأنت طالق، فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة (شامی: ۴/۴۵۵-۴۵۶)

(۲) وإن علق طلاقها بمجيء الكتاب بأن كتب: إذا جاء ك كتابي فأنت طالق فجاءها الكتاب فقرأته أو لم تقرأ يقع الطلاق، كذا في الخلاصة (شامی: ۴/۴۵۶)

(۳) وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى، الطلاق يقع وإلا لا (شامی: ۴/۴۵۶) (۴) وغير المستبينة مايكتب على الهواء والماء وشيء لايمكن ←

۲۴۲-**ضابطہ**:تحریری طلاق کا اعتبار مجبوری اور ضرورت کے وقت ہے۔[1]

تفریعات:

(۱)پس اگر بیوی مجلس میں موجود ہو تو تحریر سے طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ بیوی کے موجود ہوتے ہوئے شوہر تلفظ سے طلاق واقع کرسکتا ہے، لہٰذا تحریر کی ضرورت نہ رہی (مگر یہ کہ شوہر گونگا ہو تو پھر تحریر مطلقاً معتبر ہوگی کیوں کہ یہاں ضرورت ہے)[2]

(۲)اسی طرح اگر شوہر کو ڈرا دھمکا کر طلاق لکھوائی یا طلاق نامہ پر قہراً دستخط کروائے یا دھوکا دیکر یہ کام کرایا یا مہر لگوائی یا انگوٹھے کا نشان جبراً لے لیا یا شوہر کو معلوم ہے مگر اس پر راضی نہیں، صرف خوف کی وجہ سے اس نے ایسا کیا تو طلاق واقع نہ ہوگی، اس لئے کہ کتابت کو تلفظ کے قائم مقام طلاق کے باب میں مجبوراً کیا گیا ہے اور جبر و اکراہ کی حالت میں وہ مجبوری اور ضرورت نہیں۔[3]

نوٹ:طلاق سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے اخیر میں ہے۔

ایلاء کا بیان

۲۴۳-**ضابطہ**::وہ چیز جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار ہو اس پر مباشرت کو معلق کرنے سے بھی ایلاء ہو جاتا ہے۔[4]

← فهمه وقرائته ،ففي غير المستبينة لايقع الطلاق وإن نوى (شامی:۴/۴۵۶)

(۱)ان الكتابة مقام العبارة باعتبار الحاجة (شامی:۴/۴۴۰)

(۲)إيماء الأخرس وكتابته كالبيان، بخلاف معتقل اللسان (الدرالمختار) لكن في الدر المنتقى عن الأشباه: أنه في حق الأخرس يشترط أن يكون معنونا وإن لم يكن لغائب، وظاهره أن المعنون من الناطق الحاضر غير معتبر (شامی:۶/۷۳۷، مسائل شتی، مکتبہ سعید) (۳)ان المراد الإكراه على التلفظ بالطلاق،فلو اكره على ان يكتب الطلاق امرأته، فكتب لاتطلق (شامی:۴/۴۴۰) ←

تفریع: پس اگر کسی نے بیوی سے کہا: اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو؛ یا روزہ لازم ہو؛ یا میرا غلام آزاد ہو؛ یا میری (دوسری) بیوی کو طلاق ہو تو ان تمام صورتوں میں ایلاء ہوجائے گا۔ اگر چار مہینے تک بیوی کے پاس نہیں گیا تو طلاق بائن واقع ہوجائے گی، اور اگر اس سے پہلے مباشرت کرلی تو شرط پائی جانے کی وجہ سے مذکورہ جزا یعنی حج، وغیرہ ادا کرنا لازم ہوگا۔

اور جس کی ادائیگی عادتاً زیادہ دشوار نہ ہو، جیسے کہا: اگر تم سے مجامعت کروں تو مجھ پر چار رکعت نماز پڑھنا لازم ہو؛ یا جنازہ کے پیچھے چلنا واجب ہو؛ یا قرآن کی تلاوت کرنا فرض ہو وغیرہ تو اس سے ایلاء نہ ہوگا اور نہ اس کا کوئی حکم ثابت ہوگا۔ [1]

۲۲۴- **ضابطہ:** ایلاء میں غیر اللہ کی قسم کا اعتبار نہیں اس سے ایلاء نہیں ہوتا۔ [2]

تشریح: پس اگر کہا: فلاں دیوتا یا پیر کی قسم؛ یا تیری قسم، یا میری قسم؛ میں تجھ سے مجامعت نہ کروں گا تو اس سے ایلاء نہ ہوگا، اور نہ کوئی کفارہ لازم ہوگا (مگر غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں، حدیث شریف میں اس کی ممانعت آئی ہے)

۲۲۵- **ضابطہ:** ایلاء مؤبد تین طلاقیں واقع ہونے تک مؤثر رہتا ہے اور ایلاء موقت ایک طلاق کے بعد بے اثر ہوجاتا ہے۔ [3]

تفریع: پس اگر ایلاء موقت کیا یعنی کوئی مدت معین کی مثلاً چار ماہ یا ایک سال تک

← (۴) او بتعليق مايستشقه على القربان (شامی:۵/۵۸)

(۱) ولو حلف بان يقول إن قربتك فعلى حجة او عمرة أو صدقة او صيام ......فهو مول ولو قال فعلى اتباع جنازة أو سجدة تلاوة أو قراة القرآن......فليس بمول، وتجب صحة الايلاء فيما لو قال فعلى ماة ركعة ونحوه مما يشق عادة (ہندیہ:۱/ ۴۷۸، ہدایہ:۲/۴۰۳، شامی:۵/۵۸، کتاب الفقہ ۴/۴۶۲)

(۲) ولو حلف بغير الله عز وجل...... لايكون مولى (بدائع:۳/۱۵۴)

(۳) مستفاد ہدایہ:۲/۴۰۲، شامی:۵/۵۸۔

مباشرت نہ کرنے کی قسم کھائی پھر چار ماہ تک بیوی سے قریب نہیں ہوا جس کی وجہ سے طلاق ہوگئی یا چارہ ماہ سے پہلے ہی بیوی کو ایک طلاق دے کر علاحدہ کر دیا پھر اسی عورت سے دوبارہ نکاح کیا اور چار ماہ تک جنسی عمل نہیں کیا تو اب اس کی وجہ سے کوئی اور طلاق واقع نہ ہوگی، کیوں کہ ایلاء کا اثر طلاق کی وجہ سے ختم ہوگیا۔

اور اگر ایلاء مؤبد کیا یعنی ہمیشہ مباشرت نہ کرنے کی قسم کھائی، مثلاً کہا: بخدا میں تم سے کبھی جماع نہ کروں گا، پھر طلاق واقع ہونے کے بعد اسی سے نکاح کیا اور چار ماہ تک بیوی سے قربت نہیں کی تو دوسری طلاق واقع ہوجائے گی، پھر اگر تیسری دفعہ نکاح کیا اور چار ماہ تک جماع نہیں کیا تو تیسری طلاق واقع ہوگی، تین طلاق کے بعد ایلاء کا اثر ختم ہوجائے گا، یعنی اگر حلالہ کے بعد چوتھی بار پھر اسی عورت سے نکاح کیا اور چار ماہ بلا مباشرت کے گذر گئے تو اب طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ قسم باقی رہے گی اور جب بھی بیوی سے مجامعت کرے گا قسم کا کفارہ دینا ہوگا۔ (۱)

۲۴۶- **ضابطہ**: ایلاء میں رجوع چار ماہ کے درمیان جماع ہی سے لازم ہے، مگر یہ کہ وطی کے لئے کوئی حقیقی مانع ہو۔

تشریح: حقیقی مانع یہ ہے کہ شوہر ایسا مریض ہے کہ جماع کی طاقت نہیں رکھتا، یا بیوی سے اتنا دور ہے کہ چار ماہ کی مدت میں اس تک نہیں پہنچ سکتا، یا قید خانے میں ہے اور عورت تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں، وغیرہ۔

اور عورت کی جانب حقیقی مانع یہ ہے کہ عورت اتنی بیمار ہے کہ جماع کے قابل نہیں،

---

(۱) فإن كان حلف على أربعة أشهر فقد سقطت اليمين، لأنها كانت موقتة به، وإن كان حلف على الأبد فاليمين باقية...... فتزوجها عاد الايلاء فإن وطيها وإلا وقعت بمضى أربعة أشهر تطليقة اخرى...... فإن تزوجها ثالثا عاد الإيلاء و وقعت بمضى أربعة أشهر اخرى إن لم يقربها لما بينا، فإن تزوجها بعد زوج اخرى لم يقع بذالك الإيلاء طلاق...... واليمين باقية. (ہدایہ: ۲/۴۰۲، شامی: ۵/۵۸)

یا ایسی چھوٹی بچی ہے جو جماع کے لائق نہیں، یا رتقاء ہے یعنی اس کی پیشاب گاہ میں کوئی ہڈی بڑھی ہوئی جس کی وجہ سے قربت نہیں کی جاسکتی تو ان سب صورتوں میں مانع حقیقی ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ شوہر مدت ایلاء میں صرف فئت الیھا (میں نے عورت کی طرف رجوع کیا) یا ابطلت الإیلاء (میں نے ایلاء باطل کردیا) کہہ دے تو اس سے ایلاء ساقط ہوجائے گا۔ (۱)

اور اگر عورت احرام میں ہے یا مرد خود محرم ہے تو یہ مانع حقیقی نہیں، بلکہ مانع شرعی ہے پس اس میں قول سے رجوع معتبر نہ ہوگا، بلکہ رجوع کے لئے جماع لازم ہوگا۔ (۲)

خلع کا بیان

۲۴۷- **ضابطہ:** خلع کرنے سے میاں بیوی پر ایک دوسرے کے وہ سب حقوق ساقط ہوجاتے ہیں جو نکاح سے متعلق ہیں (اگرچہ اس کی صراحت نہ کی گئی ہو) (۳)

تشریح: پس خلع کرنے کی وجہ سے مہر، گذشتہ کا نفقہ وغیرہ جو نکاح سے متعلق حقوق شوہر کے ذمہ ہیں وہ سب ساقط ہوجائیں گے، عورت کچھ مطالبہ نہیں کرسکتی۔ اسی طرح عورت نے مہر وصول کرلیا ہے اور شوہر نے اس پر کچھ تبرع بھی کیا ہے یا پیشگی نفقہ عورت نے وصول کرلیا ہے تو یہ سب حقوق ساقط ہو جائیں گے، شوہر کچھ مطالبہ نہیں کرسکتا۔

البتہ عدت کا نفقہ ساقط نہ ہوگا وہ شوہر پر لازم ہوگا مگر یہ کہ خلع کے وقت اس سے برأت کی شرط لگائی ہو۔ اور عدت کا سکنٰی تو عورت بری کرے تب بھی ساقط نہ ہوگا

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵/۷۱-۷۲، ہدایہ: ۲/۴۰۳، فتح القدیر: ۴/۵۳۔

(۲) عجزاً حقیقیاً لا حکمیاً کاحرام لکونہ باختیارہ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵/۷۱)

(۳) ویسقط الخلع والمباراۃ کل حق لکل واحد منھما علی الآخر مما یتعلق بالنکاح (عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ: ۲/۱۱۲)

کیوں کہ یہ شریعت کا حق ہے، البتہ عورت سکنی کا کرایہ اپنے ذمہ لے سکتی ہے۔ (۱)

نیز عورت کا حق حضانت (بچہ کی پرورش کے حق) سے دست بردار ہونا بھی درست نہیں، کیوں کہ یہ بچہ کا حق ہے۔ (۲)

اور نکاح کے علاوہ باقی حقوق، مثلاً شوہر نے عورت سے کچھ خریدا ہے اور اس کی قیمت اس کے ذمہ ہے یا اس نے عورت سے قرض لے رکھا ہے وغیرہ...... یا اس کا بر عکس یعنی عورت نے شوہر سے اس طرح کا کوئی معاملہ کیا ہے تو یہ سب حقوق خلع سے ساقط نہیں ہوں گے، بلکہ صاحب حق کو اس کا حق دینا لازم ہوگا۔ (۳)

۲۲۸- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو شرعاً مہر بن سکتی ہے خلع میں اس کو بدل خلع بنانا درست ہے، اور جو چیز مہر نہیں بن سکتی، اس کو بدل بنانا درست نہیں۔ (۴)

جیسے نقد رقم، کپڑا، غلہ وغیرہ کو خلع میں بدل بنانا درست ہے۔

---

(۱) فلا یسقط مالا یتعلق بالنکاح کثمن مااشترت من الزوج ویسقط ما یتعلق بالنکاح کاالمهر والنفقة الماضیة ، أمانفقة العدة فلاتسقط إلا بالذکر کذا فی الذخیرة والمهر یسقط من غیر ذکره (شرح الوقایہ) واما سکنی العدة فلا تسقط بالذکر ایضا لانها حق الشرع فإن سکنها فی غیر بیت الطالق معصیة (عمدۃ الرعایۃ علی شرح الوقایۃ :۱۱۲/۲، البحر :۱۳۶/۴، ہندیہ:۴۸۹/۱) إلا إذا ابرأته عن مؤنة السکنی فیصح (الدر المختار علی ہامش رد المحتار :۱۰۵/۵)

(۲) رجل خلع امرأته وبینهما ولد صغیر علی أن یکون الولد عند الأب سنین معلومة صح الخلع ویبطل الشرط لأن کون الولد الصغیر عند الام حق الولد فلایبطل بابطالهما (ھندیہ:۴۹۱/۱)

(۳) فلایسقط مالا یتعلق بالنکاح کثمن مااشترت من الزوج..الخ (شرح الوقایہ علی ہامش عمدۃ الرعایۃ :۱۱۲/۲)

(۴) ماجاز ان یکون مهراً جاز ان یکون بدلاً فی الخلع (ہدایہ:۲۰۵/۲)

اور شراب خنزیر، مردار وغیرہ کو بدل بنانا درست نہیں، البتہ خلع درست ہو جائے گا، لیکن عورت پر کچھ لازم نہ ہوگا، اگر مہر وصول کرلیا ہے تو اس کو واپس کرنا بھی ضروری نہیں۔ (۱)

۲۲۸- **ضابطہ**: جو شرائط واحکام طلاق کے ہیں وہی خلع کے بھی ہیں۔

تفریعات:

(۱) جس طرح طلاق میں مرد میں اہلیت (عاقل، بالغ) ہونا اور عورت کا محل طلاق ہونا یعنی نکاح میں ہونا ضروری ہے، خلع میں بھی یہ شرط ہے۔ (۲)

(۲) جس طرح طلاق کے بعد عورت پر عدت لازم ہوتی ہے، خلع کے بعد بھی لازم ہوگی۔

(۳) جس طرح طلاق میں تعلیق درست ہے، خلع میں بھی درست ہے، مثلاً کہے کہ جب تو گھر میں داخل ہو تو میں نے ایک ہزار کے عوض تیرا خلع کیا تو شرط پائے جانے پر خلع ہو جائے گا، بشرطیکہ وقوع شرط کے وقت عورت کی طرف سے قبول پایا گیا ہو۔ (۳)

(۴) جس طرح ہنسی مذاق میں طلاق ہو جاتی ہے، خلع بھی ہو جاتا ہے، جیسے مرد نے مذاق میں کہا: تم اتنا مال دو تو میں خلع کرتا ہوں، عورت نے ہنسی مذاق میں قبول کرلیا

---

(۱) وإذا وقعت المخالعة على خمر أو خنزير أو ميتة أو دم وقبل الزوج ذالك منها ثبت الفرقة ولاشيء على المرأة من جعل ولاترد من مهرها شيئاً كذافي الحاوى (ہندیہ: ۱/۴۹۴) (۲) وشرطه وهو أهلية الزوج وكون المرأة للطلاق منجزا ......الخ (شامی: ۵/۸۸) (۳) وله أن يعلقه بشرط ويضيفه إلى وقت بمثل إذا قدم زيد فقد خالعتك على كذا أو خالعتك على كذا غداً أو رأس الشهر والقبول إليها بعد قدوم زيد ومجيء الوقت، لأنه تطليق عند وجود الشرط والوقت فكان قبولها قبل ذالك لغواً (شامی: ۵/۸۹)

توخلع ہو جائے گا۔

(۵) جس طرح شوہر سے زبردستی ڈرادھمکا کر طلاق دلوانے سے طلاق ہو جاتی ہے، اس طرح خلع بھی ہو جاتا ہے۔ (۱)

البتہ یہ دو احکام مستثنیٰ ہیں:

(۱) خلع کی صحت میں عورت کی رضامندی شرط ہے، پس عورت سے مال قبول کروانے میں زبردستی کی گئی تو خلع درست نہ ہوگا اور بغیر مال کے اس پر طلاق پڑ جائے گی، جبکہ طلاق میں عورت کی رضامندی شرط نہیں۔ (۲)

(۲) خلع میں وقت کی کوئی تحدید نہیں، حالت حیض اور ایسے طہر جس میں بیوی سے صحبت کر چکا ہے اس میں بھی خلع بلا کراہت درست ہے، برخلاف طلاق کے کہ مذکورہ وقت میں طلاق مکروہ ہے۔ (۳)

۲۵۰- **ضابطہ**: مرد کی طرف سے خلع کی پیش کش کرنا اس کے حق میں یمین کا حکم رکھتا ہے۔ (۴)

پس اس پر یہ احکام متفرع ہوں گے:

(۱) مرد اپنے قول سے رجوع نہیں کر سکتا ــــــ (۲) اس میں خیار شرط درست نہیں ــــــ (۳) جس مجلس میں خلع کی پیش کش کی ہے اس کے بعد بھی عورت کے لئے قبول کا حق باقی رہے گا، مجلس تک محدود نہ رہے گا ــــــ (۴) مرد کے لئے درست ہے کہ خلع کو کسی شرط یا وقت پر معلق کرے اور اس صورت میں وہ مقررہ وقت یا شرط پائے جانے پر ہی عورت کا قبول کرنا درست ہوگا۔ (۵)

---

(۱) الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴۳۸/۲۔ (۲) اکرهها الزوج علیه تطلق بلا مال، لأن الرضا شرط للزوم المال وسقوطه (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۹۵/۵)

(۳) المغنی: ۲۴۷/۷۔ (۴) هو یمین فی جانبه. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۸۹/۵)

(۵) فلا یصح رجوعه عنه قبل قبولها، ولا یصح شرط الخیار له، ولا یقتصر ←

ظہار کا بیان

ظہار: ظہر (پشت) سے ماخوذ ہے اصطلاح میں ظہار کہتے ہیں عورت کو اپنی محرمات ابدیہ (ماں، بیٹی، بہن، ساس، رضاعی ماں، رضاعی بہن وغیرہ) کے اعضاء کے ساتھ تشبیہ دینا۔[1]

۲۵۱- **ضابطہ**: بیوی کو اپنی محرمات ابدیہ کے ہر ایسے عضو کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا حرام ہے (جیسے پیٹ، پشت، ران، شرمگاہ) تشبیہ دینا ظہار کہلاتا ہے۔[2]

جیسے بیوی سے کہا: تو میری ماں کی پشت کی طرح ہے یا میری بہن، یا خالہ، یا ساس یا رضاعی ماں کی پشت کی طرح ہے تو ظہار ہو جائے گا۔

اور اگر محرمات کی پوری ذات کے ساتھ تشبیہ دی، مثلاً کہا کہ تو میری ماں کی طرح ہے (پشت وغیرہ کا ذکر نہیں کیا) تو یہ کلام کنایہ ہے، اس میں ظہار، طلاق، ایلاء اور عزت وشرافت میں مماثلت کا احتمال ہے، پس ان الفاظ میں نیت کا اعتبار ہوگا اور اسی کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ پس اگر شوہر کہے کہ میں نے ماں کی عزت وشرافت میں تشبیہ دی ہے تو تسلیم کیا جائے گا اور ظہار نہ ہوگا۔[3]

اور اگر کچھ بھی نیت نہ ہو اور یہ الفاظ غصہ میں استعمال کئے ہوں تو فتاویٰ دار العلوم

← علی المجلس (الدر المختار) وله أن يعلقه بشرط ويضيفه إلى وقت، مثل إذا قدم زيد فقد خالعتك على كذا أو خالعتك على كذا غداً أو رأس الشهر والقبول إليها بعد قدوم زيد ومجيء الوقت، لأنه تطليق عند وجود الشرط والوقت فكان قبولها قبل ذالك لغواً (شامی: ۸۹/۵)

---

(۱) البحر: ۱۵۷/۴۔ (۲) وأراد بالمشبه به عضواً يحرم إليه النظر من عضو محرمة عليه على التابيد (البحر: ۱۵۸/۴) (۳) وإن نوى بأنت علي مثل أمي .. براً أو ظهاراً أو طلاقاً صحت نيته ووقع مانواه لأنه كناية (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۱۳۱/۵)

میں ہے کہ: ظاہری عرف کے لحاظ سے طلاق بائن کا حکم لگایا جائے گا، کیوں کہ عام طور سے لوگ ظہار سے ناواقف ہوتے ہیں اور غصہ کے وقت ان الفاظ کو استعمال کرنے میں بالیقین طلاق اور دائمی مفارقت کی نیت ہوتی ہے۔(۱)

اور محرمات کے عضو (پیٹ، پشت وغیرہ) کے ساتھ تشبیہ دینا یہ ظہار میں صریح ہے، اس میں بلا نیت بھی ظہار ہوجاتا ہے۔(۲)

۲۵۲- **ضابطہ**: ظہار کے لئے حرف تشبیہ کا ہونا ضروری ہے اس کے بغیر کلام لغو ہے۔(۳)

تشریح: حرف تشبیہ سے مراد عربی میں کاف، مثل، نحو اور اردو میں مثل، طرح، مانند وغیرہ ہیں ـــــ پس بغیر حرف تشبیہ کے صرف یہ کہا: کہ تو میری ماں ہے یا بہن ہے، یا تیری پشت میری ماں کی پشت ہے تو یہ کلام لغو ہے، اس سے ظہار نہ ہوگا۔ البتہ ایسا کہنا مکروہ ہے۔ عورت کے لئے بھی یہ حکم ہے کہ اپنے شوہر کو باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ کہہ کر خطاب نہ کرے۔(۴)

۲۵۳- **ضابطہ**: فرقت کا واقع ہونا ظہار کو باطل نہیں کرتا۔(۵)

تفریع: پس ظہار کے بعد میاں بیوی میں طلاق یا خلع سے فرقت ہوگئی تو ظہار باطل نہ ہوگا۔ حتی کہ شوہر نے تین طلاقیں دیں، پھر حلالہ یعنی دوسرے شوہر سے نکاح کے بعد عورت زوج اول کے پاس آئی تو اب بھی ظہار کا حکم باقی رہے گا، شوہر کے لئے اس وقت تک وطی حلال نہ ہوگی جب تک ظہار کا کفارہ ادا نہ کرے۔

---

(۱) فتاویٰ دارالعلوم: ۲۰۹/۱۰۔ (۲) لوقال لامرأته انت علی کظهر امی کان مظاهراً سواء نوی الظهار أو لانیة له اصلا، لان هذا صریح فی الظهار (بدائع الصنائع: ۳/ ۳۶۶) (۳) لا بدلی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً (شامی: ۱۳۱/۵)
(۴) البحر الرائق: ۱۶۱-۲۱۶۰/۴، ہندیہ: ۵۰۷/۵، شامی: ۱۳۱/۵۔
(۵) الفرقة لایبطل الظهار (خانیہ: ۵۴۳/۱)

الخرائط الثمینة فی المسائل الفقهیة المهمة

یعنی

اہم فقہی مسائل کے قیمتی شجرات

شجرہ (ا): نجاست حقیقیہ کا بیان
نجاست
انسان کی نجاست
حیوان کی نجاست
پرندوں کی نجاست
ما کول اللحم
غیر ما کول اللحم
پیشاب
پاخانہ
خون
پیشاب
پاخانہ
خون
نجاست خفیفہ
نجاست غلیظہ
نجاست غلیظہ
پیشاب
پاخانہ
خون
قے
منی، مذی
نجاست غلیظہ
ہوا میں اچھی طرح اڑنے والے پرندے
ما کول اللحم
غیر ما کول اللحم
بیٹ
خون
بیٹ
خون
پاک (ضرورتا)
نجاست غلیظہ
نجاست خفیفہ
نجاست غلیظہ
وہ پرندے جو ہوا میں اچھی طرح نہیں اڑتے ہیں، مثلاً مور، بطخ وغیرہ
بیٹ
خون
نجاست غلیظہ
نوٹ: تفصیلات وحوالجات کے لئے کتاب میں ''نجاست حقیقیہ کا بیان'' ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۲): حیض کا بیان
حیض کا خون
عادت کے موافق آیا
عادت سے زیادہ آیا(۱)
عادت سے کم آیا
دس دن کے اندر بند ہوا
دس دن سے تجاوز کر گیا
سب دن حیض کے ہیں گویا عادت بدل گئی
عادت کی طرف رجوع کریں گے، پس عادت کے ایام حیض کے ہیں باقی استحاضہ پس نمازیں جو رہ گئی وہ قضا کرے
اس کا حکم واضح ہے
تین دن سے بھی کم آیا
تین دن سے زیادہ مگر عادت سے کم
حیض ہے، بند ہونے پر نماز روزہ احتیاطاً شروع کردیں، مگر شوہر کے لئے جماع جائز نہیں جب تک عادت پوری نہ ہو جائے (۲)
استحاضہ ہے
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۳): نفاس کا بیان
نفاس کا خون
پہلے بچے میں
دوسرے بچے میں
۴۰ دن یا زیادہ پر خون بند ہوا
۴۰ دن سے کم میں بند ہوا
۴۰ دن تک نفاس ہے اس کے بعد استحاضہ
نماز روزہ شروع کردیں شوہر کے لئے جماع بھی جائز ہے (۱)
عادت کے موافق بند ہوا
غیر موافق بند ہوا
اس کا حکم واضح ہے
عادت سے زیادہ آیا
عادت سے کم آیا
۴۰ دن سے تجاوز کر گیا
۴۰ دن سے تجاوز نہیں کیا
نفاس ہے اگرچہ ایک دن آئے
عادت کی طرف رجوع کریں گے پس عادت کے ایام نفاس، باقی استحاضہ، نمازیں قضا کریں (۲)
سب ایام نفاس کے ہیں گویا عادت بدل گئی (۳)
نماز روزہ شروع کردیں احتیاطاً اور شوہر کے لئے جماع جائز نہیں جب تک عادت پوری نہ ہو جائے (۴)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۴): نماز میں قاری کی غلطیوں کا بیان
غلطی
کلمات وحروف کی غلطی
آیات کی غلطی
دوسری غلطیاں
کسی کلمہ یا حرف کا اضافہ کیا
کسی کلمہ یا حرف کو کم کر دیا
ایک کلمہ یا حرف کی جگہ دوسرا کلمہ یا حرف پڑھا
معنی میں تغیر فاحش ہوگیا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں
آیت کو چھوڑ دیا
ایک آیت کی جگہ دوسری آیت پڑھی
نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ معنی بدل جائے
بلا وقف دوسری آیت پڑھی
وقف کر کے دوسری آیت پڑھی
تغیر فاحش ہوگیا تو نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں
نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ معنی بدل جائے
اعراب کی غلطی
تشدید کی غلطی
سکون کی غلطی
مد کی غلطی
معنی نہیں بدلا
معنی بدل گیا
نماز فاسد نہ ہوگی اگر چہ معنی بدل جائے
کوئی حرج نہیں نماز فاسد نہ ہوگی
کفر کی حد تک نہیں پہنچا
کفر کی حد تک پہنچ گیا
نماز فاسد نہ ہوگی بالاتفاق
عند المتقدمین نماز فاسد ہو جائے گی اس میں احتیاط ہے وعند المتاخرین فاسد نہ ہوگی اس میں وسعت ہے
نوٹ: تفصیلات وحوالجات ”قاری کی لغزشوں کے بیان“ میں ہیں

شجرہ (۵): سجدۂ سہو کا بیان
سہو
اقوال میں
افعال میں
تکرار فاتحہ (۱)
ترک فاتحہ (۲)
ترک تشہد (۳)
سورت سے پہلے
سورت کے بعد
فرض کی پہلی دو رکعت میں
فرض کی آخری دو رکعت میں
نفل کی کسی بھی رکعت میں
قعدۂ اولی میں
قعدۂ اخیرہ میں
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدۂ سہو واجب نہیں
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدۂ سہو واجب نہیں
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدۂ سہو واجب ہے
اضافہ فی التشہد (۴)
ایک محل کی چیز دوسرے محل میں
فرض نماز میں
نفل نماز میں
سجدہ واجب ہے جبکہ قعدۂ اولی میں ہو
سجدہ واجب نہیں مطلقا
قیام میں تشہد (۵)
رکوع سجدہ میں قرأت (۶)
قعدہ میں قرأت (۷)
سجدہ واجب ہے جبکہ بقدر ایک آیت ہو
فرض نماز میں
نفل نماز میں
قعدۂ اولی میں
قعدۂ اخیرہ میں
پہلی دو رکعت میں
آخری دو رکعت میں
واجب ہے مطلقا خواہ کوئی بھی رکعت ہو
سجدہ واجب ہے خواہ قبل التشہد ہو یا بعدہ
قبل التشہد
بعد التشہد
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدہ واجب نہیں کیونکہ یہ محل ثنا ہے
سجدۂ سہو واجب نہیں مطلقا کیونکہ ان میں قرأت واجب نہیں ثنا بھی کافی ہے
فاتحہ کے بعد
سجدہ واجب ہے کیونکہ یہ محل قرأت ہے اور اس میں تاخیر ہوگئی
فاتحہ سے پہلے
سجدہ واجب نہیں، کیوں کہ یہ محل ثنا ہے اور تشہد خود ثنا ہے
آگے صفحہ پر

پچھلے صفحہ کا
قعدۂ اولیٰ بھول گیا(۸)
قعدۂ اخیرہ بھول گیا(۹)
واپس آگیا
واپس نہیں آیا
کھڑے ہونے کے قریب تھا
بیٹھنے کے قریب تھا
سجدۂ سہو واجب ہے
سجدۂ سہو واجب نہیں
سجدۂ سہو واجب ہے
پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا
پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا
نماز فاسد ہوگئی
واپس آکر قعدہ کرے اور سجدۂ سہو، نماز ہوگئی
قعدۂ اخیرہ کے بعد سلام سے پہلے کھڑا ہوگیا(۱۰)
پانچویں رکعت کا سجدہ کرلیا
پانچویں رکعت کا سجدہ نہیں کیا
چاہے تو چھٹی رکعت ملالے چار فرض اور دو نفل ہوگئے اور اخیر میں سجدہ سہو کرلے
واپس آجائے سجدۂ سہو کرلے نماز ہوگئی
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۶): مفسدات صلوٰۃ کا بیان
مفسد
اقوال میں
افعال میں
کلام الناس [1]
کلام الآخرت
مفسد صلوٰۃ مطلقاً خواہ سہواً ہو یا عمداً؛ خطاباً ہو یا بلا خطاب
تخاطباً یعنی کسی سے خطاباً یا جواباً کلام کیا
بلا خطاب و جواب کلام کیا
مثال
مثال
اچھی بری خبر سن کر الحمد للہ یا انا للہ جواباً کہا یا چاند دیکھ کر ربی و ربک اللہ کہا وغیرہ
بے اختیار یا اللہ، سبحان اللہ وغیرہ نکل گیا یا انا للہ کہا بلا کسی جواب میں
حکم
حکم
نماز فاسد ہو گئی [2]
نماز فاسد نہیں ہوئی [3]
رونا
بغیر آواز کے
آواز سے [4]
فاسد نہ ہوگی، مطلقاً خواہ غم آخرت میں رویا یا غم دنیا میں
دنیوی غم میں
آخرت کے غم میں
نماز فاسد نہ ہوگی مطلقاً
نماز فاسد ہو گئی، مگر یہ کہ خود پر قابو نہ رہے تو چھینک اور ڈکار کے مثل ہوگا اور نماز فاسد نہ ہوگی
آگے صفحہ پر

پچھلے صفحہ کا
کھانا (۵)
حرکت کرنا
دانتوں میں پھنسی ہوئی چیز
باہر سے
عمل کثیر
عمل قلیل
چنے کی مقدار ہوتو نماز فاسد ہوگئی ورنہ نہیں
نماز فاسد ہوگئی مطلقاً یعنی کم ہویا زیادہ
مفسد صلوٰۃ مطلقاً
غیر مفسد، البتہ بلاعذر مکروہ ہے
چلنا (۶)
تتابع مشی، یعنی لگاتار چلنا
غیر تتابع مشی یعنی ٹھہر ٹھہر کر چلنا
نماز فاسد نہ ہوگی خواہ کتنا ہی چلے بشرطیکہ مقتدی ہوتو امام سے آگے نہ بڑھے
منفرد وامام
مقتدی
سجدے کی جگہ سے تجاوز کرگیا
سجدے کی جگہ سے تجاوز نہیں کیا
دوصف سے تجاوز کرگیا یا آگے امام سے بڑھ گیا
نہ دوصف چلا اور نہ امام سے آگے بڑھا
نماز فاسد ہوگئی
نماز فاسد نہیں ہوئی
نماز فاسد ہوگئی
نماز فاسد نہیں ہوئی
نوٹ: عمل قلیل وکثیر کی تعریف اور مزید تفصیل کے لئے ''مفسدات صلوٰۃ کا بیان'' اور حوالجات کے لئے کتاب کا آخر حصہ ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۷): مفسدات صوم کا بیان
مفسد
کھانا پینا(۱)
جماع
دوا علاج
منہ کے اندر کی چیز
منہ سے باہر کی چیز
جماع حقیقتاً، یعنی دخول فی القبل والدبر
جماع معناً
دانتوں میں پھنسی ہوئی کوئی چیز
دانتوں کا خون
روزہ فاسد ہو گیا خواہ کم ہو یا زیادہ
روزہ فاسد ہو گیا خواہ انزال ہو یا نہ ہو(۲)
اگر چنے کے دانہ کے بقدر ہو تو روزہ فاسد ہو گیا ورنہ نہیں
خون تھوک پر غالب یا برابر ہو یعنی اس کا مزہ حلق میں محسوس ہو
خون تھوک سے مغلوب ہو
روزہ فاسد ہو گیا
روزہ فاسد نہیں ہوا
جلق یعنی مشت زنی سے انزال کیا(۳)
عورت کو چھونے سے انزال ہوا(۴)
بلا چھوئے محض تصور و خیال یا دیکھنے سے انزال ہوا(۵)
روزہ فاسد ہو گیا
روزہ فاسد ہو گیا لیکن کپڑے سے چھونے میں بدن کی حرارت بھی محسوس ہوئی ہو ورنہ فاسد نہ ہوگا
روزہ فاسد نہیں ہوا
شرمگاہ میں انگلی داخل کی(۶)
خواب میں احتلام ہوا
اگر انگلی پانی وغیرہ سے تر تھی تو روزہ فاسد ہو گیا ورنہ نہیں
روزہ فاسد نہیں ہوا
آگے صفحہ پر
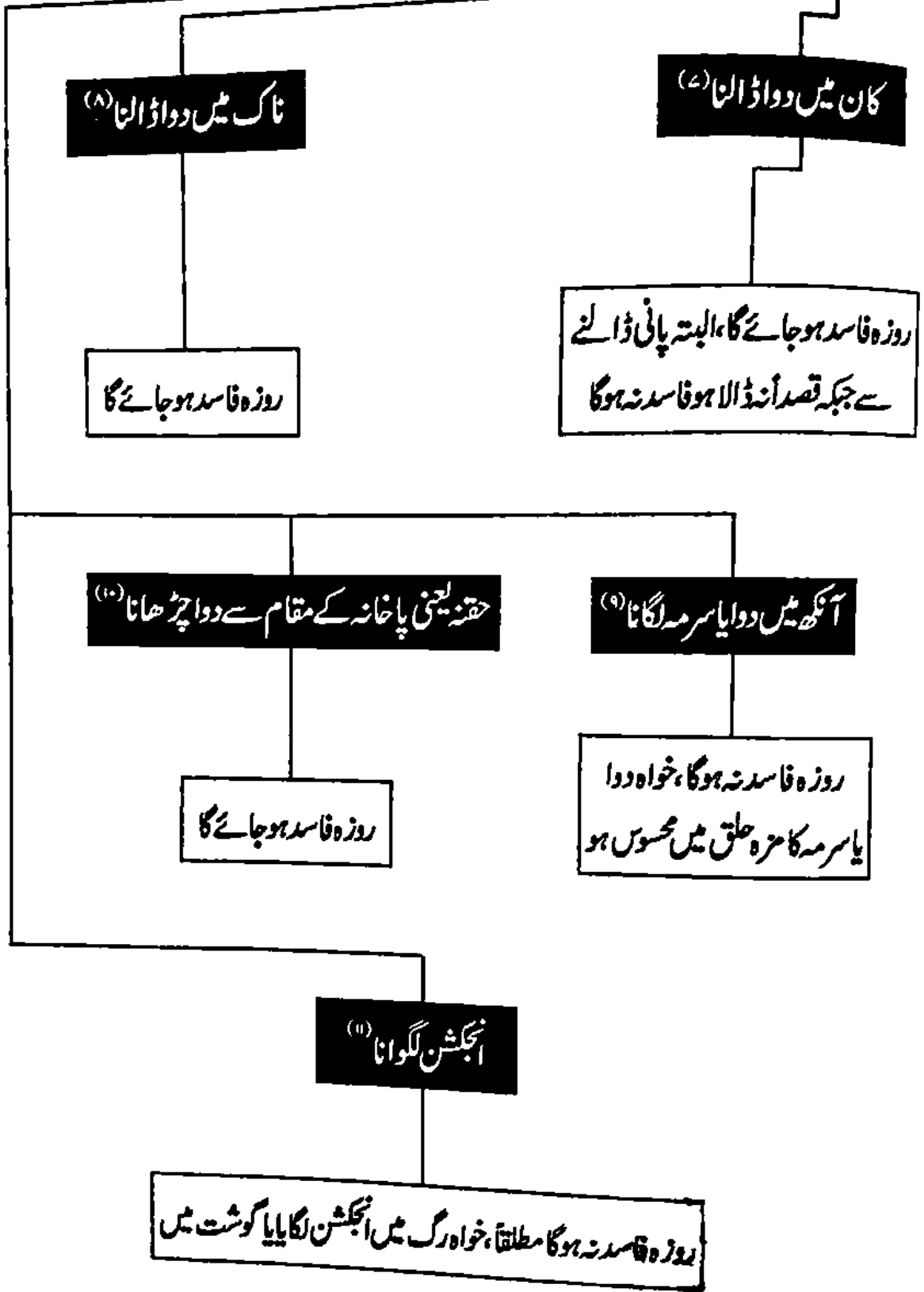
پچھلے صفحہ کا
کان میں دوا ڈالنا(۷)
ناک میں دوا ڈالنا(۸)
روزہ فاسد ہوجائے گا، البتہ پانی ڈالنے سے جبکہ قصداً نہ ڈالا ہو فاسد نہ ہوگا
روزہ فاسد ہوجائے گا
آنکھ میں دوا یا سرمہ لگانا(۹)
حقنہ یعنی پاخانہ کے مقام سے دوا چڑھانا(۱۰)
روزہ فاسد نہ ہوگا، خواہ دوا یا سرمہ کا مزہ حلق میں محسوس ہو
روزہ فاسد ہوجائے گا
انجکشن لگوانا(۱۱)
روزہ فاسد نہ ہوگا مطلقاً، خواہ رگ میں انجکشن لگایا یا گوشت میں
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۸): مفسدات اعتکاف کا بیان
مفسد
روزہ کا فاسد ہونا
جماع کرنا
مسجد سے باہر نکلنا
واجب و سنت اعتکاف میں
نفل اعتکاف میں
اعتکاف فاسد ہو جائے گا
اعتکاف فاسد نہ ہوگا بلکہ اس میں روزہ لازم ہی نہیں
جماع حقیقتا، یعنی دخول فی القبل والدبر
جماع معنا یعنی بوس وکنار وغیرہ
اعتکاف فاسد ہو جائے گا
اعتکاف فاسد نہ ہوگا جب تک انزال نہ ہو البتہ ایسا کرنا مکروہ تحریمی ہے (۱)
طبعی ضرورت سے
شرعی ضرورت سے
پیشاب پاخانہ کے لئے
کوئی حرج نہیں
کھانا لانے کے لئے
اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو جائز ہے ورنہ جائز نہیں (۲)
بیڑی سگریٹ کے لئے
استنجاء کے ضمن میں جائز ہے مستقل نکلنا جائز نہیں (۳)
دوا علاج کے لئے
اعتکاف فاسد ہو جائے گا البتہ گناہ نہ ہوگا، جبکہ سخت احتیاج ہو (۴)
آگے صفحہ پر
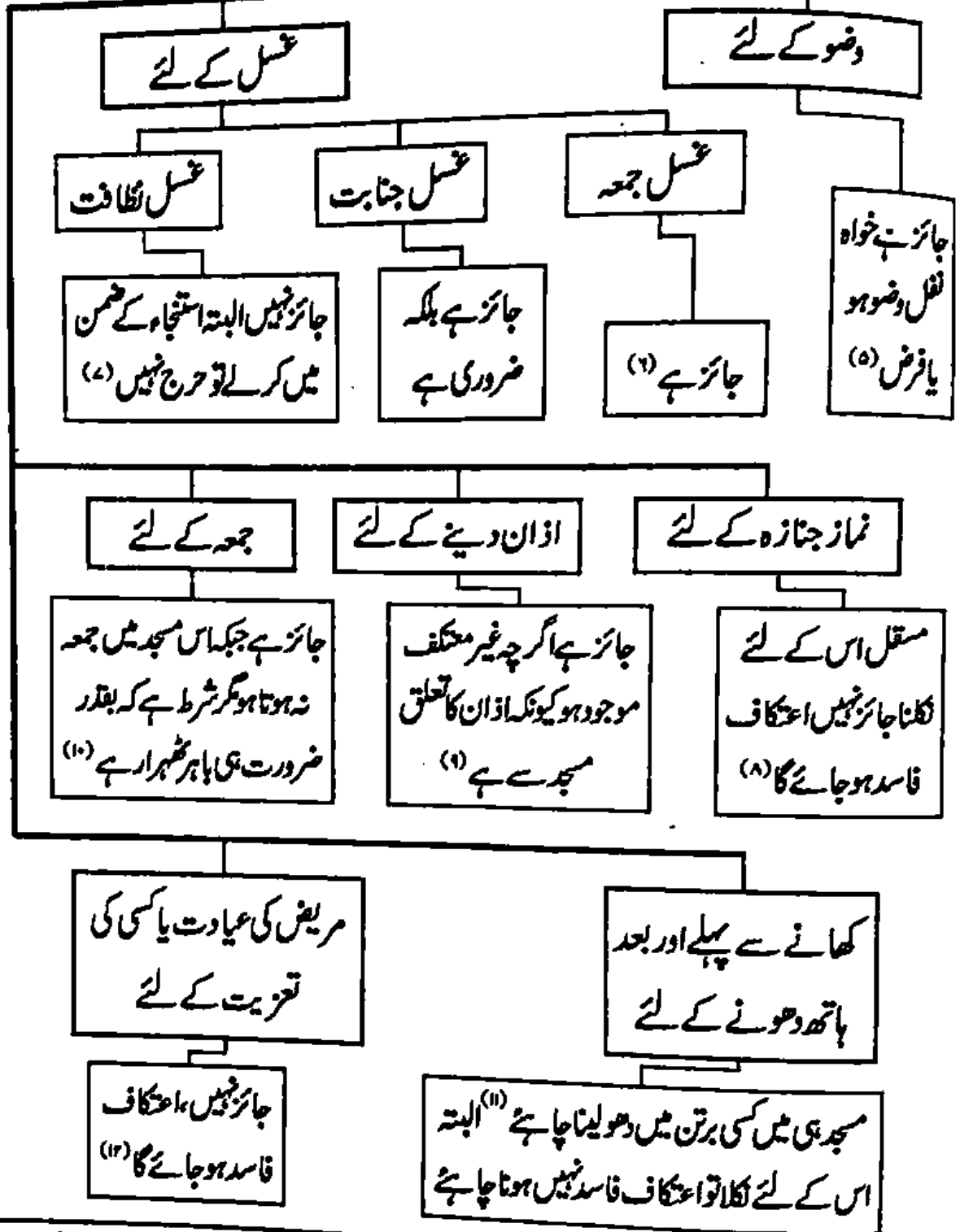
فائدہ: جاننا چاہئے کہ یہ تمام مسائل امام ابو حنیفہؒ کے مسلک کے مطابق ہیں یعنی بلا عذر مسجد سے نکلتے ہی اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے جبکہ صاحبینؒ کے مسلک کے مطابق اگر نصف یوم سے زیادہ باہر نہ رہے تو اعتکاف فاسد نہیں ہوتا (البحر: ۲/۵۲۹) لہٰذا مجبوری کی حالت میں صاحبینؒ کے مسلک پر عمل کیا جا سکتا ہے مگر عام حالات میں امام اعظمؒ کے مسلک کے مطابق ہی مسئلہ بتانا چاہئے (رحیمیہ: ۵/ ۲۱۱، تحفۃ الألمعی: ۳/ ۱۸۲)

نوٹ: مسائل شجرہ کے حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں
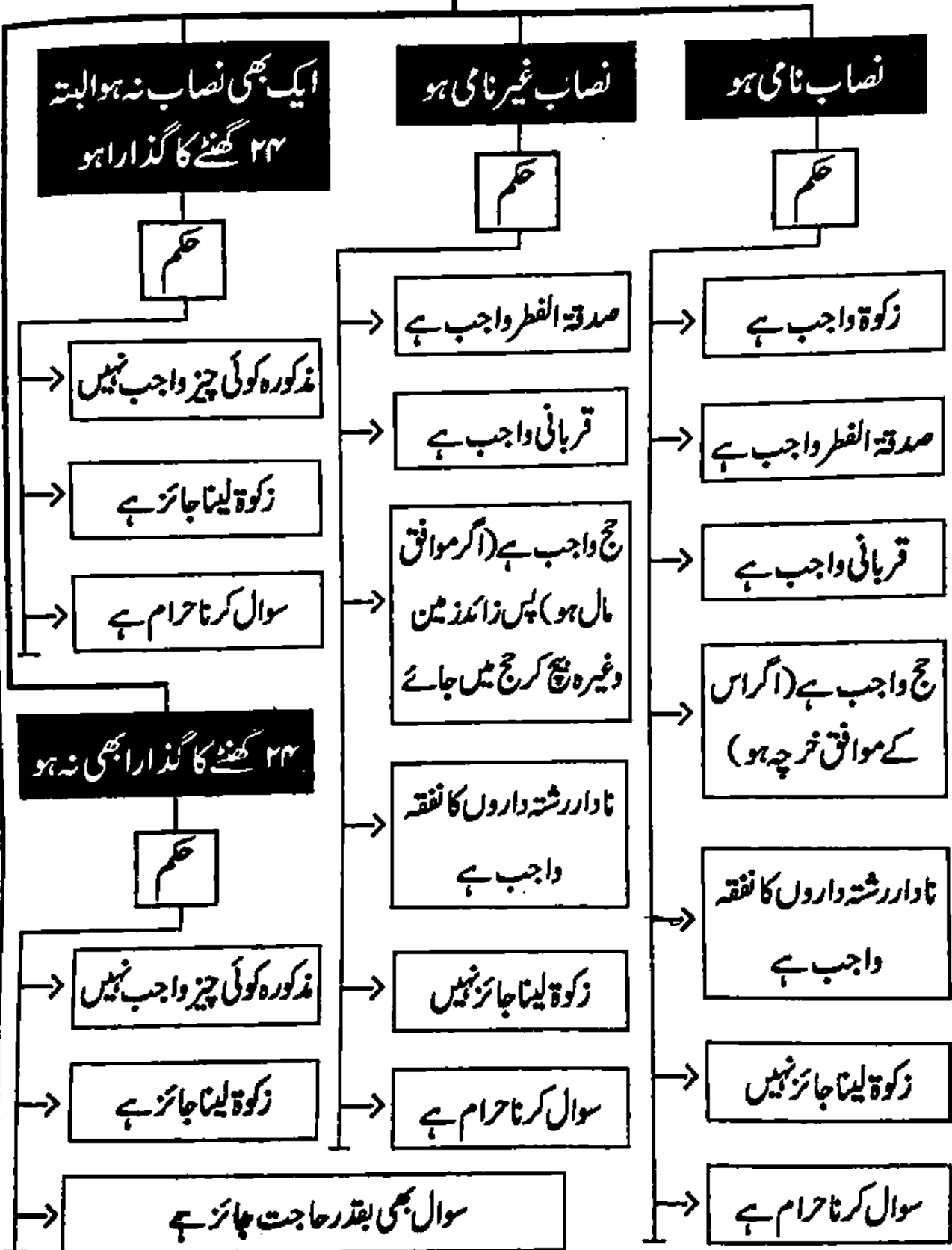
فائدہ: سونا چاندی اور کرنسی یہ مطلقاً مال نامی ہے، اس کے علاوہ مال و اسباب میں اگر تجارت کی نیت ہو تو وہ مال نامی ہے ورنہ غیر نامی۔ تفصیل کتاب الزکوۃ میں ملاحظہ فرمائیں

مسائل هذه الشجرة كلها مأخوذة من تحفة الألمعي: ۲/۵۱۷

شجرہ (١٠): جنایات حج کا بیان
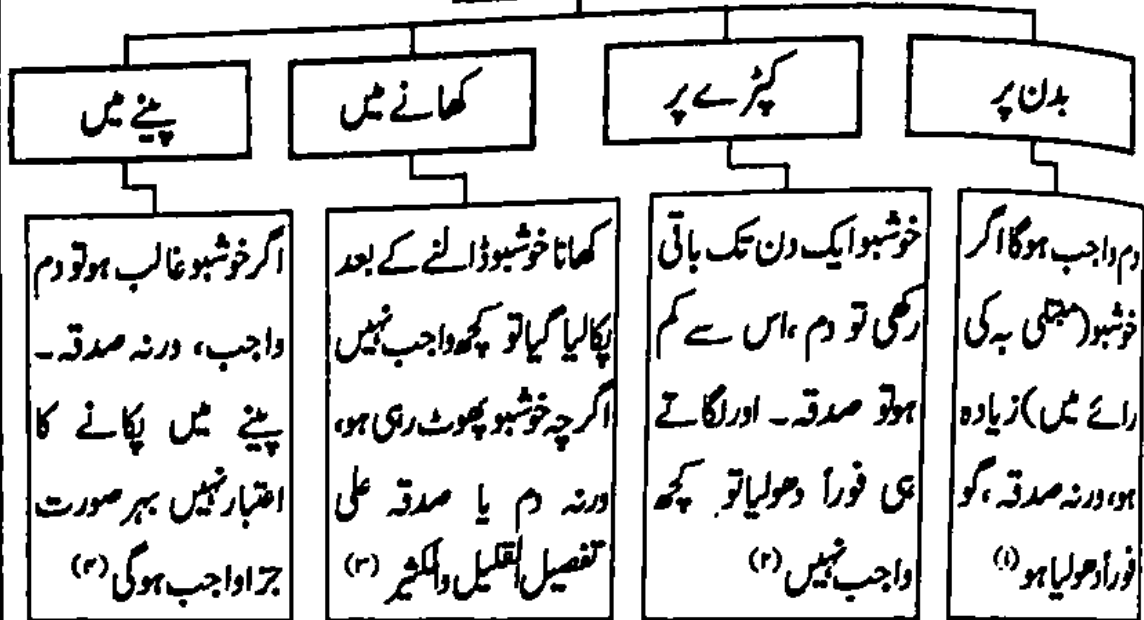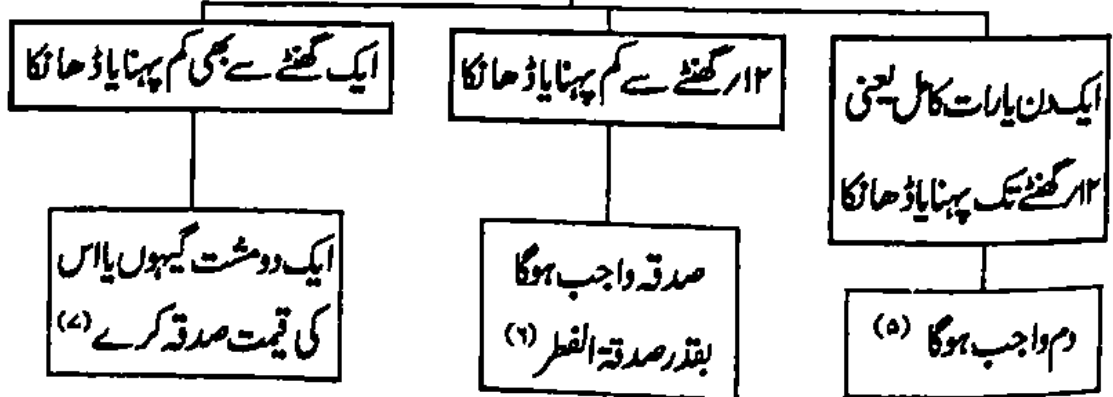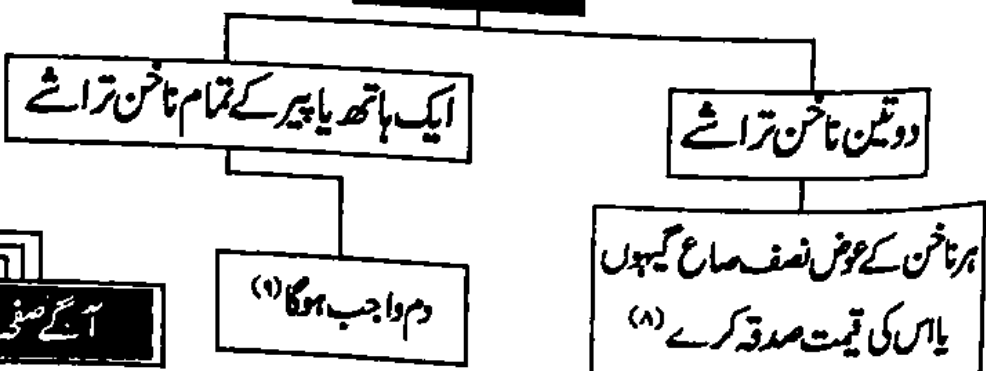
پچھلے صفحہ کا
بال کاٹنا
ایک سے تین بال تک
تین بال سے زائد مگر چوتھائی عضو سے کم
چوتھائی عضو یا زائد کے بال
ہر بال کے عوض ایک مشت گیہوں یا قیمت صدقہ کرے (۱۰)
صدقہ کرے، بقدر صدقۃ الفطر (۱۱)
دم واجب ہوگا (البتہ وہ بال جو عادتاً کاٹے نہیں جاتے ہیں مثلاً سینہ پنڈلی وغیرہ کے بال ان میں دم نہیں آتا ہے بلکہ صدقہ ہے خواہ پورے عضو کے بال کاٹ لئے) (۱۲)
جماع کرنا
دواعی جماع یعنی بوس وکنار وغیرہ
جماع حقیقتاً یعنی دخول فی القبل والدبر
حج فاسد نہ ہوگا لیکن اگر انزال ہو گیا تو دم واجب ہوگا (۱۳)
قبل العرفۃ
بعد العرفۃ
حج فاسد ہو جائے گا حاجیوں کی طرح ارکان ادا کرتا رہے اور اگلے سال پھر سے حج کرے اگرچہ یہ حج نفل ہو کیوں کہ نفل عبادت شروع کرنے سے واجب ہو جاتی ہے (۱۴)
حج فاسد نہ ہوگا البتہ احرام میں جماع حرام ہے (۱۵)
شکار کرنا
وحشی جانور کا یعنی جو جانور فطرتاً انسان سے بھاگتا ہو مثلاً ہرن، بھیڑیا وغیرہ
غیر وحشی جانور مثلاً بکری وغیرہ کا
جائز نہیں، جانور کی قیمت کے بقدر صدقہ واجب ہوگا (۱۶)
کوئی حرج نہیں جائز ہے (۱۷)
فائدہ: دم سے مراد بکری (حرم میں) ذبح کرنا ہے اور صدقہ سے مراد صدقۃ الفطر کی مقدار صدقہ ہے یعنی تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت فقراء کو خیرات کرے۔
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۱۱): اسباب حرمت نکاح
اسباب حرمت
۱ نسب
۲ مصاہرت
۳ رضاعت
۴ حق للغیر
اصول یعنی باپ دادا اوپر تک
فروع یعنی بیٹی، پوتی، نواسی، پرپوتی نیچے تک
بھائی بہن اور ان کی اولاد نیچے تک
حقیقی پھوپھی اور خالہ اسی طرح باپ یا ماں کی حقیقی پھوپھی اور خالہ (لیکن ان سب کی اولاد سے نکاح حلال ہے)
بیوی کے اصول یعنی مرد کی ساس خواہ بیوی سے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو محض نکاح سے ہی دائمی حرمت آجائے گی
بیوی کے فروع یعنی اس کی بیٹی اور پوتی نیچے تک بشرطیکہ بیوی سے دخول کرلیا ہو
اپنے اصول (یعنی باپ دادا) اور فروع (یعنی بیٹے پوتے) کی بیویاں
مزنیہ (جس عورت سے اس نے زنا کیا ہو) کے اصول وفروع
رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول یعنی رضاعی دادی، پردادی، نانی اور پرنانی اوپر تک
رضاعی اولاد اور ان کے فروع نیچے تک
رضاعی بہن اور اس کی اولاد
رضاعی خالہ اور پھوپھی
رضاعی باپ اور بیٹے کی بیوی
جیسے غیر کی منکوحہ ہونا
غیر کی معتدہ ہونا خواہ عدت وفات میں ہو یا عدت طلاق میں
حاملہ ثابت النسب ہونا، کیونکہ وہ غیر کی منکوحہ یا عدت طلاق یا عدت وفات میں ہوگی (زنا سے جو حاملہ ہو اس سے نکاح درست ہے البتہ وضع حمل تک وطی جائز نہیں مگر یہ کہ ناکح خود ہی زانی ہو)
۵-جمع بین المحارم
۶-دین سماوی کا نہ ہونا
۷-تنافی کا ہونا
جیسے پھوپھی بھتیجی یا دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں لانا وغیرہ
جیسے مجوسیہ یا مشرکہ ہونا وغیرہ
جیسے آقا کا اپنی باندی سے اور آقائی کا اپنے غلام سے نکاح کرنا (البتہ آزاد کرنے کے بعد نکاح جائز ہے)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۱۲): اقسام الطلاق واحکامہا
طلاق
طلاق بائن
طلاق رجعی
بائن مغلظہ
بائن مخففہ
صریح (صاف لفظوں) میں ایک یا دو طلاق دینا
حکم
صریح الفاظ میں ایک دو طلاق دی پھر عدت میں رجوع نہیں کیا
کنایہ الفاظ میں طلاق دی مثلاً تیرا میرا کوئی واسطہ نہیں، تو مجھ سے جدا ہے وغیرہ۔ اس میں وقوع طلاق کے لئے نیت یا دلالت حال ضروری ہے ورنہ طلاق نہ ہوگی
عدت میں رجوع کرنا جائز ہے نکاح کی ضرورت نہیں، بعد عدت یہ طلاق بائن ہو جائے گی، اب حلت کے لئے نکاح ضروری ہوگا
حکم
عدت ہو یا عدت کے بعد دوبارہ نکاح سے عورت حلال ہو جائے گی، حلالہ کی ضرورت نہیں
تین طلاق صریح الفاظ میں دی، خواہ ایک ہی جملہ میں یا الگ الگ جملوں میں اور خواہ ایک ہی مجلس میں دی یا مختلف مجالس میں
کنایہ لفظ سے طلاق دی اور اس میں تین طلاق کی نیت کی
ایک طلاق بائن دی اور نکاح کر لیا پھر ایک طلاق دی اور نکاح کر لیا پھر ایک طلاق دی اس طرح تین مکمل کر لی
ایک طلاق صریح دی اور رجوع کر لیا پھر ایک طلاق دی اور رجوع کر لیا پھر ایک طلاق دی اس طرح تین طلاق پوری کر لی
حکم
ان چاروں صورتوں کا حکم یہ ہے کہ اب عورت ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی، بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوسکتی اور مستقل حلالہ بلا شدید مجبوری کے حرام ہے
مسائل هذه الشجرة كلها ماخوذة من هنديه، بحر، شامی ملتقطاً من كتاب الطلاق.

حوالجات شجرات

حوالجات شجرہ (۲): حیض کا خون

(۱) الدرالمختار:۱/۲۹۸،ملتقی الابحر:۱/۸۲۔

(۲) لو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها وإن اغتسلت حتى يمضى عادتها وعليها أن تصلي وتصوم للاحتياط (ہندیہ:۱/۳۹،الدرالمختار علی ہامش ردالمختار:۱/۲۹۰)

حوالجات شجرہ (۳): نفاس کا خون

(۱) فتاوی رحیمیہ:۳/۱۲،امدادالفتاویٰ:۱/۸۴۔

(۲و۳) شامی:۱/۲۹۸-بدائع:۱۵۷۔

(۴) لو انقطع دمها دون عادتها يكره قربانها وإن اغتسلت حتى يمضى عادتها وعليها أن تصلي وتصوم للاحتياط(ہندیہ:۱/۳۹،الدرالمختار علی ہامش ردالمختار:۱/۲۹۰)

حوالجات شجرہ (۵): سجدئہ سہو

(۱) لوكررها(أى الفاتحة)فى الأ وليين يجب عليه سجود السهو بخلاف مالو اعادها بعد السورة أو كررها فى الأخريين (ہندیہ:۱/۱۲۶،الدروالشامی:۲/۱۵۲)

(۲) إذا ترك الفاتحة فى الأوليين أو إحداهما يلزمه السهو...... وإن تركها فى الأخريين لايجب إن كان فى الفرض وإن كان

فی النفل أو الوتر یجب علیه (ہندیہ:۱/۱۲۶)

(۳) ومنها التشهد فإذا ترکه فی القعدة الأولی أو الأخیرة وجب علیه سجود السهو (ہندیہ:۱/۱۲۷)

(۴) ولو کرر التشهد فی القعدة الأولی فعلیه السهو وکذا لو زاد علی التشهد علی الصلاة النبی صلی الله علیه وسلم (ہندیہ:۱/۱۲۷، حاشیۃ الطحاوی:۲۵۱) والصلاة علی النبی صلی الله علیه وسلم سنة فی الصلاة، ای فی قعود أخیر مطلقاً وکذا فی قعود أول فی النوافل غیر الرواتب (شامی:۲/۲۳۰)

(۵) ولو تشهد فی قیامه قبل قرأة الفاتحة فلا سهو علیه وبعدها یلزمه سجود السهو وهو الأصح، لأن بعد قرأة الفاتحة محل قرأة السورة فإذا تشهد فیه فقد اخر الواجب وقبلها محل الثناء کذا فی التبیین، ولو تشهد فی الأخریین لایلزمه السهو کذا فی المحیط (ہندیہ:۱/۱۲۷، البحر:۲/۱۷۲)

(۶و۷) ولو قرأ آیة فی الرکوع أو السجود أو القومة فعلیه السهو ولو قرأ فی القعود إن قرأ قبل التشهد فی القعدتین فعلیه السهو لترك واجب الابتداء بالتشهد أول الجلوس وإن قرأ بعد التشهد فإن کا ن فی الأول فعلیه السهو لتاخیر الواجب وهو وصل القیام بالفراغ من التشهد وإن کا ن فی الأخیر فلا سهو علیه لعدم ترك واجب لأنه موسع له فی الدعاء والثناء بعده فیه القرأة تشتمل علیهما (حاشیة الطحطاوی:۲۶۱، ہندیہ:۱/۱۲۷، کبیری:۳۹۸، البحر:۲/۱۷۲)

(۸) ومن سها عن القعدة الأولی ثم تذکر وهو إلی حال القعود أقرب عاد فجلس وتشهد وإن کان إلی حال القیام أقرب لم

يعد ويسجد للسهو الخ (الكتاب للقدوری علی هامش اللباب : ۱/۱۰۳-۱۰۴)

(۹) ومن سها عن القعدة الأخيرة فقام إلى الخامسة رجع إلى القعدة مالم يسجد والغى الخامسة ويسجد للسهو وإن قيد الخامسة بسجدة بطل فرضه وتحولت صلاته نفلاً. (الكتاب للقدوری علی هامش اللباب :۱/۱۰۴)

(۱۰) وإن قعد فی الرابعة قدر التشهد ثم قام ولم يسلم يظنها القعدة الأولى عاد إلى القعود مالم يسجد فی الخامسة ويسلم وإن قيد الخامسة بسجدة ضم إليها ركعة أخرى وقد تمت صلاته والركعتان له نافلة وسجد للسهو (الكتاب للقدوری علی هامش اللباب :۱/۱۰۳-۱۰۴)

حوالجات شجره (۲): مفسدات صلوة

(۱) أطلقه فشمل العمد والنسيان والخطاء والقليل والكثير لإصلاح صلاته أو لا، عالما بالتحريم أو لا...... سواء سمع غيره أو لا (البحر:۲/۳)

(۲) وكذا يفسدها كل ماقصد به الجواب...... (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۲/۳۷۹) ولوقال عند رؤية الهلال" ربی وربك الله" تفسد صلاته عند أبی حنيفة ومحمد رحمه الله تعالیٰ (ہندیہ:۱/۹۹) سمع اسم الله تعالى فقال جل جلاله أو النبی صلى الله عليه وسلم فصلى عليه أو قرأة الامام ،فقال :صدق الله ورسوله تفسد إن قصد جوابه (درمختار) إن أراد جوابه تفسد وكذا لولم يكن له نية لأن الظاهر أنه أراد به الاجابة (شامی:۲/۳۸۰)

(۳) ولولدغته عقرب فقال بسم الله تفسد صلاته عند أبی حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى. وقيل لاتفسد لأنه ليس من كلام الناس وفی النصاب وعليه الفتوی وكذا فی البحر..مريض صلى فقال عند قيامه أو عند انحطاطه بسم الله لما يلحقه من المشقة والوجع لاتفسد صلاته وعليه الفتوی (ہندیہ:۱/۹۹)

(۴) والبكاء بصوت يحصل به حروف لوجع أو مصيبة ...... إلا لمريض لايملك نفسه تن أنين وتأوه، لأنه حينئذ كعطاس وسعال وجشاء وتثاؤب وإن حصل حروف للضرورة، لالذكر جنة أو نار (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۲/۳۷۸، البحر:۲/۳-۶)

(۵) وأكله وشربه مطلقاً ولو سمسة ناسيا (الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار: ۲/۳۸۲) ولو سمسة ناسيا ومثله ماأوقع فی فيه قطرة مطر فابتلعها كما فی البحر (شامی:۲/۳۸۳)

ولايبتلع المصلی مابين اسنانه أی يكره ذالك إن كان قليلاً دون قدر الحمصة وإن كان كثيراً زائداً علی قدر الحمصة فإن صلوته تفسد (کبیری:۳۰۶، ہندیہ:۱/۱۰۲)

(۶) كما لو مشى قدر صفين دفعة واحدة......أما إن كان إمام فجاوز موضع سجوده......وإن كان منفرداً فالمعتبر موضع سجوده (شامی:۲/۳۸۸) مشى مستقبل القبلة هل تفسد إن قدرصف ثم وقف قدر ركن ثم مشى ووقف كذالك وهكذا لاتفسد وإن كثر مالم يختلف المكان (درمختار) أی بأن خرج من المسجد أو تجاوز الصفوف لو الصلاة فی الصحراء فحينئذ تفسد (شامی:۲/۳۸۸)

حوالجات شجرہ (۷): مفسدات صوم

(۱) ہندیہ:۱/۲۰۳، درمختار:۳/۳٦۸، شامی:۳/۳۹۴

(۲) شامی:۳/۳۷۳

(۳،۴) وإذا قبل امرأته وأنزل فسد صومه من غير كفارة –ولو مس المرأة أوثيابها فأمنى فإن وجد حرارة جلدهافسد وإلافلا (ہندیہ:۱/۲۰۴)

(۵) وإذا نظر إلى امرأة بشهوة في وجهها أو فرجها كرر النظر أولا، لايفطر إذا انزل (ہندیہ:۱/۲۰۴)

(٦) ولو أدخل إصبعه في استه أو المرأة في فرجها لايفسد صومه وهو المختار إلا إذاكا نت مبتلة بالماء أو الدهن.الخ (ہندیہ :۱/۲۰۳–درمختار:۳/۳٦۹)

(۷) والحاصل الاتفاق على الفطر بصب الدهن وعلى عدمه بدخول الماء ، واختلف التصحيح في ادخاله(شامی۳/۳٦۷ (البحرالرائق:۲/۴۸۷)

(۸) حاشیۃالطحطاوی :٦۷۲.

(۹) او اكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه (درمختار)......
وكذا لو بزق فوجد لونه في الأصح(شامی:۳/۳٦٦)

(۱۰) ہندیہ:۱/۲۰۳

(۱۱) مستفاد: نظام الفتاویٰ:۱۳۳، احسن الفتاویٰ:۴/۴۳۲، امدادالفتاویٰ:۲/۱۴۵

حوالجات شجرہ (۸): مفسدات اعتکاف

(۱) الدرالمختار:۳/۴۴۲

(۲) وقيل يخرج بعد الغروب للأكل والشرب وينبغي حمله على

مالإذا لم يجد من يأتي له به فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية (شامی:۳/۴۴۰)

(۳) رحیمیہ:۲۰۲/۵،رشیدیہ،کامل:۴۶۱۔

(۴) فإن خرج ساعة بلا عذر فسد لوجود المنافي ......وأراد بالعذر مايغلب وقوعه كالمواضع اللتي قدمها والالو اريد مطلقه لكان الخروج ناسيا أو مكرها غير مفسد لكونه عذرا وليس كذالك بل هو مفسد كما صرحوا به (البحر:۵۲۹/۲)

(۵و۶) احسن الفتاویٰ:۵۰۷/۴۔

(۷) مستفاد:احسن الفتاویٰ:۵۰۷/۴-۵۱۲،تحفۃ الالمعی:۱۸۲/۳۔

(۸) ولايخرج لعيادة مريض ولالصلاة جنازة...... وصلاة الجنازة ليست بفرض عين بل فرض كفاية تسقط عنه بقيام الباقين بها فلا يجوز ابطال الاعتكاف لأجلها......ويجوز أن تحمل الرخصة على ماإذا كان خرج المعتكف لوجه مباح كحاجة الانسان أو للجمعة ثم عاد مريضاً أو صلى على جنازة من غير أن كان خروجه لذالك قصداً،وذالك جائز (بدائع:۲۸۴/۲)

(۹) ولو صعد المئذنة لم يفسد بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد . .والمؤذن وغيره فيه سواء (ہندیہ:۲۱۲/۱)

(۱۰) الدرالمختار علی ہامش ردالمحتار:۴۳۶/۳،البحرالرائق:۵۲۷/۲۔

(۱۱) احسن الفتاویٰ:۵۰۱/۳۔

(۱۲) بدائع الصنائع:۲۸۴/۲۔

حوالجات شجرہ (۱۰): جنایات حج

(۱و۲) وفي اللباب:لايشترط بقاء الطيب في البدن زمانا لوجوب الجزاء

ويشترط ذالك في الثوب، فلو أصاب جسده طيب كثير فعليه دم وإن غسل من ساعته وينبغي أن يأمر غيره فيغسله،وإن أصاب ثوبه فحكه أو غسله فلا شيء عليه وان كثر، وإن مكث عليه يوما فعليه دم وإلا فصدقة اه.(منحة الخالق:٣/٥) وفي أقل من ساعة قبضة من برّ(شامی:٣/٥٧٧)

(٣) ولو كان ا لطيب في طعام طبخ وتغير فلا شيء على المحرم في أكله سواء كان يوجد رائحته أو لا.وإن خلطه بما يؤكل بلا طبخ فإن كان مغلوبا فلا شيء عليه غير أنه إن وجدت معه الرائحة كره وإن كان غالبا وجب الجزاء (ہندیہ:١/٢٤١،شامی:٣/ ٥٧٦،تاتارخانیہ:٢/٥٠٦)

(٤) معلم الحجاج:٢٦٩،کراچی،غنیۃ الناسک:٢٤٧۔

(٥،٦،٧)أو لبس مخيطا لبسا معتادا......يوما كاملاأوليلة كاملة وفي الأقل صدقة أي نصف صاع من بر (الدرالمختارعلی ہامش ردالمحتار:٣/ ٥٧٧) و..في أقل من ساعة قبضة من برّ(شامی:٣/٥٧٧)(معلم الحجاج:٢٧٢)

(٨) ولوقلم ثلاثة أظافير من يد واحدة أو رجل واحدة تجب عليه الصدقة ولكل ظفر نصف صاع من حنطة ......وكذالك لو قلم من كل عضو من الأعضاء الأربعة أربعة أظافير تجب عليه الصدقة ......الخ(ہندیہ:١/٢٤٤،تاتارخانیہ:٢/٥٠٣)

(٩) وإن قص يدا أو رجلا فعليه دم لأن للربع حكم الكل (اللباب في شرح الكتاب :١/١٨٢)

(١٠،١١) وإن نتف من رأسه أو أنفه أو لحيته ثلاث شعرات ففي كل شعر

(۱۲) کف من طعام ......أن نصف الصاع إنما هو فی الزائد من الشعرات الثلاث(غنية الناسك :۲۵٦)(وإنما كان حلق ربع الراس او ربع اللحية موجبا للدم (البحر:۳/۱۵) فی المبسوط ......ثم الأصل بعد هذا أنه متی حلق عضوا مقصودا بالحلق من بدنه قبل أوان التحلل فعليه دم،وإن حلق ماليس بمقصود فعليه صدقة ثم قال : ومما ليس بمقصود :حلق شعر الصدر والساق، ومما ليس بمقصود :حلق الراس والإبطين . .الخ(تاتارخانیہ:۲/۵۰۱،شامی:۳/۵۸۰)

(۱۳) الجماع فيما دون الفرج واللمس والقبلة بشهوة لاتفسد الحج والعمرة أنزل أو لم ينزل وعليه دم......الخ (ہندیہ:۱/۲۴۴)...... واشترط فی الجامع الصغير الانزال، وصححه قاضيخان فی شرحه(شامی:۳/۵۸٦)

(۱۴و۱۵) ومن جامع فی أحد السبيلين من آدمی قبل الوقوف بعرفة فسد حجه ووجب عليه شاة أو سبع بدنة ويمضی وجوبا فی فاسد الحج كمايمضی من لم يفسد الحج ووجب عليه القضاء فورا ولو حجه نفلا لوجوبه بالشروع......ومن جامع بعد الوقوف بعرفة قبل الحلق لم يفسد حجه ووجب عليه بدنة (اللباب :۱/۱۸۳،شامی:۳/۵۹۲)

(۱٦) وحقيقة الصيد حيوان ممتنع متوحش بأصل الخلقة ...... فدخل الظبی المستأنس وإن كانت ذكاته بالذبح، وخرج البعير والشاة إذا استوحشا وإن كانت ذكاته بالعقر......الخ (البحرالرائق :۳/۲٦) والجزاء قيمة الصيد......الخ (ہندیہ:۱/۲۴۷-۲۴۸)

(۱۷) فلايحرم على المحرم ذبح الإبل والبقر والغنم لأنها ليست

بصيد لعدم الامتناع وعدم التوحش من الناس......الخ (بدائع الصنائع:۲/۴۲۷)

شجره (۱۱): ساباب حرمة النكاح

(۱) حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم......إلى آخر الآية (سورة لنساء، آیت۲۳، رکوع۱۲)

(۲) (مصاهرة)كفروع نسائه المدخول بهن وإن نزلن، وامهات الزوجات وجداتهن بعقد صحيح وإن علون وإن لم يدخل بالزوجات وتحرم موطوئات آبائه وأجداده وإن علوا ولو بزنى، والمعقودات لهم عليهن بعقد صحيح ، وموطوئات أبنائه وأبناء أولاده وإن سفلوا ولو بزنى،ولمعقودات لهم بعقد صحيح ......الخ (شامی:۴/۱۰۰)

(۳) يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاًحتى أن المرضعة لوولدت من الرجل أو غيره قبل هذا الإرضاع أو بعده أو أرضعت رضيعاً أو ولد لهذا الرجل من غير هذه المرأة قبل هذا الإرضاع أو بعده او أرضعت إمرأة من لبنه رضيعاً فالكل إخوة الرضيع وأخواته وأولادهم أولاد إخوته وأخواته وأخو الرجل عمه وأخته عمته وأخو المرضعة خاله وأختها خالته وكذا في الجد والجدة وتثبت حرمة المصاهرة في الرضاع حتى أن امرأة الرجل حرام على الرضيع وامرأة الرضيع حرام على الرجل وعلى هذا القياس (ہندیہ:۱/۳۴۳)

(۴) لايجوزللرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذالك المعتدة ......

سواء كان لت العدة عن طلاق أو وفاة أو دخول في نكاح فاسد أو شبهة نكاح (ہندیہ:۱/۲۸۰،زکریا)

صح نكاح حبلى من زنا لاحبلى من غيره......وإن حرم وطؤها ودواعيه حتى تضع ......نكحها الزاني حل له وطؤها اتفاقاً (درمختار)قوله حبلى من غير الخ شمل الحبلى من نكاح صحيح ......الخ (شامی:۴/۱۴۱)

(۵) عن أبي هريرة رضى الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لايجمع بين المرأة وعمتها ولايجمع بين المرأة وخالتها (بخاری:۲/۷۶۶)

(۶) ولاتنكحوا المشركات حتى يؤمن ...... إلى آخر الآية (سورة البقرة،آیت۲۲۱،رکوع۱۱)

(۷) ولايجوز للمرأة تتزوج عبدها ولاالعبد المشترك بينها وبين غيرها وإذا اعترض ملك اليمين على النكاح يبطل النكاح بأن ملك أحد الزوجين صاحبه......الخ (ہندیہ:۱/۲۸۲،زکریا)

قال المؤلف عفى الله عنه: قد تم الجزء الأول بعون الله تعالىٰ وتيسيره وأسأل اللهتعالىٰ أن يتقبل هذا الكتاب وينفع به عباده المؤمنين وصلى الله تعالىٰ على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم آمين.

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : فقہی ضوابط (تشریحات، تفریعات، تمثیلات)

تالیف : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)

خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

طباعت : محرم الحرام ۱۴۳۲ھ مطابق دسمبر ۲۰۱۰ء

باہتمام : قاسم احمد پالن پوری 09997866990

کتابت : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)

09979993070

ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند

مطبوعہ : ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

MAKTABA HIJAZ

Urdo Bazar Jama Masjid Deoband

247554 (U.P.) India M.09997866990

گجرات میں ملنے کا پتہ: مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈ رولوی)

دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور۔ 09979993070

فہرست مضامین

✿	مضامین	صفحہ

کتاب البیوع ۱۹

فہرست ضوابط وفوائد

یہ ایک تفصیلی فہرست ہے، جس میں تمام ضوابط اوران پر متفرع ہونے والے اہم مسائل وفوائد کا استقراء کیا گیا ہے۔البتہ کتاب کے تمام مسائل وتشریح کوذکر نہیں کیا گیا، کہ اس میں طوالت ہے۔

کتاب البیوع

ضابط

خیارات

اقالہ کا بیان

ربا کا بیان

بیع صرف کا بیان

دین اور قرض کا بیان

قمار (جوا) کا بیان

کتاب الإجارة

كتاب الكفالة

کتاب الحوالة

کتاب الوکالة

کتاب الودیعة

کتاب العاریة

كتاب الهبة

نفلی صدقہ کا بیان

کتاب البیوع

عقد بیع اور اس کے متعلقات

۲۵۴- **ضابطہ**: بیع کے لئے دونوں جانب سے مال متقوم ہونا ضروری ہے۔[(۱)]

تشریح: پس اگر ایک طرف مال ہو اور دوسری طرف کچھ نہ ہو تو بیع نہ ہوگی، بلکہ وصیت یا ہبہ وغیرہ ہوگا، اور اگر ایک طرف مال ہو اور دوسری طرف نفع ہو تو یہ اجارہ ہوگا۔

اور مال کی تعریف ہے: جس کی طرف طبیعت مائل ہو اور جس کا ذخیرہ کیا جانا ممکن ہو۔ اور مالیت لوگوں کے تمول سے ثابت ہوتی ہے، اور اس میں تقوم شرعا اس کے انتفاع کے مباح ہونے سے ثابت ہوتا ہے۔

پس جو بغیر تمول کے مباح ہے تو وہ مال نہیں جیسے گیہوں کا دانہ اور قلیل مٹی؛ اور جو متمول ہے لیکن اس سے انتفاع مباح نہیں وہ غیر متقوم ہے جیسے شراب اور جہاں دونوں امر معدوم ہوں یعنی نہ متمول ہو اور نہ شرعا اس سے انتفاع مباح ہو وہ نہ مال ہے اور نہ متقوم جیسے خون وغیرہ۔[(۲)]

(۱)..وفی الشرع مبادلة المال المتقوم بالمال المتقوم(تبیین الحقائق: ۱۰/ ۲۲۸)

(۲) المراد بالمال مایمیل إلیه الطبع ویمکن ادخاره لوقت الحاجة والمالیة تثبت بتمول الناس کافة اوبعضهم والتقوم یثبت بها أو باباحة الانتفاع به شرعاًفما یباح بلا تمول لایکون مالا کحبة حنطة ومایتمول بلا إباحة انتفاع لایکون متقوما کالخمر،وإذا عدم الأمران لم یثبت واحداً منهما کالدم(شامی ۷/ ۱۰،الدر المنتقی علی هامش مجمع الأنهر :۳/ ٤)

تفریعات:

(۱) پس حقوق مجردہ: جیسے حق شفعہ، حق خلو (پگڑی)، حق تصنیف واشاعت، گڈول یعنی رجسٹرڈ ٹریڈ مارک اور ناموں وغیرہ کی بیع درست نہیں کیونکہ وہ مال نہیں ہے۔ (۱)

البتہ ان حقوق کو کسی عین کے تابع کر کے بیچنا درست ہے، جیسے کسی تصنیف کے مسودہ کو فروخت کیا اور ساتھ میں حق تصنیف کے بھی پیسے لئے (یعنی اس کی وجہ سے مسودہ کی قیمت بڑھادی) تو یہ جائز ہے، اسی طرح دوکان کے ساتھ فرم کا نام بیچ دیا تو یہ جائز ہے، یا دوکان کرایہ پر دی اور پگڑی بھی لی تو یہ درست ہے (کیونکہ وہ پگڑی اجرت معجلہ ہے) (۲) غرض حق محض کو مستقلاً بیچنا جائز نہیں، مگر تبعاً بیچ سکتے ہیں۔ (۳)

(۲) انسان کے اعضا اور خون کی بیع درست نہیں، کیوں کہ وہ مال غیر متقوم ہیں (۴) (البتہ انتہائی مجبوری میں جبکہ اس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو اور مقصود مریض کی جان یا اس کو شدید نقصان سے بچانا ہو تو ضرورتاً علماء نے انسانی خون کے خریدنے کو جائز کہا ہے، لیکن ان کو بیچنا کسی حال میں جائز نہیں کہ بیچنے میں کوئی ضرورت نہیں)

(۳) خنزیر اور شراب کی بیع قطعاً درست نہیں کیونکہ یہ اگر چہ غیر مسلموں کے یہاں مال ہیں، لیکن شرعاً متقوم نہیں۔ (۵)

(۴) مردار جانور کا چمڑا دباغت سے پہلے بیچنا جائز نہیں کہ وہ غیر متقوم ہے اور دباغت کے بعد اس سے انتفاع جائز ہے پس اس کی بیع درست ہے (لیکن مذبوحہ جانور کا چمڑا دباغت سے پہلے بھی بیچنا جائز ہے خواہ جانور حلال ہو یا حرام۔ سوائے خنزیر

---

(۱) لایجوز الاعتیاض عن الحقوق المجردة کحق الشفعة.....الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۳۳/۷) (۲) (فتاوی محمودیه: ۱۶/ ۵۸۲ - ۵۸٤) (۳) وکذا بیع الشرب وظاهر الراویة فساده إلا تبعاً. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۲۷۱/۷) (۴) (هدایه: ۵۵/۳) (۵) (البحر الرائق: ۱۱٦/٦ باب البیع الفاسد)

اور انسان کے چمڑے کے- کیونکہ ذبح مثل دباغت ہے کہ اس سے آلودگی ختم ہو جاتی ہے اور چمڑا قابل انتفاع ہو کر شرعاً متقوم بن جاتا ہے)[۱]

(۵) وہ جانور جس کو کسی مجوسی، مشرک، مرتد یا ناسمجھ بچہ یا پاگل نے ذبح کیا ہو، کی خرید وفروخت جائز نہیں، اسی طرح مسلمان کا ذبیحہ جس پر جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی گئی ہو، یا وہ وحشی جانور جس کو حرم میں شکار کیا گیا ہو، یا محرم نے شکار کیا ہو (خواہ محرم نے شکار حل میں کیا ہو یا حرم میں) کی خرید وفروخت جائز نہیں، کیونکہ ایسا جانور مردار کے حکم میں ہوتا ہے اور مردار شرعاً مال متقوم نہیں ہے۔[۲]

(۶) کتا، چیتا، بندر ہاتھی، شیر، بھیڑیا اور تمام قسم کے درندے یہاں تک کے بلی اور ہر قسم کے پرندوں کی خرید وفروخت جائز ہے، سوائے خنزیر کے، کیوں کہ خود ان جانوروں سے یا ان کی کھال یا ہڈی وغیرہ سے نفع اٹھایا جاتا ہے، پس یہ شرعاً مال متقوم ہیں۔[۳]

(۷) ہڈی کی بیع جائز ہے خواہ ہڈی گیلی ہو یا سوکھی اور جانور مذبوحہ ہو یا غیر مذبوحہ،

---

(۱) وهذا بناء على أن الجلود كلها تطهر بالذكاة أو الدباغ إلا جلد الإنسان والخنزير وإذا طهرت بالدباغ أ وبالذكاة جاز الإنتفاع به ويكون محلاً للبيع (المحيط البرهاني: ۳۰۲/۷، فی بیع المحرمات. كذافى البحر الرائق: ۱۳۳/۶ باب البيع الفاسد)

(۲) ولم ينعقد بيع ماليس بمال متقوم كبيع الحر......والميتة والدم وذبيحة المجوسى والمرتد والمشرك والصبى اللذى لايعقل والمجنون ومذبوح صيد المحرم سواء كان من الحل أوالحرم ومذبوح صيد الحرم (البحر الرائق: ۵/ ۴۳۴)

(۳) وصح بيع الكلب والفهد والفيل والقرد والسباع بسائر أنواعها حتى الهرة، وكذا الطيور سوى الخنزير -وهو المختار- للانتفاع بها وبجلدها (الدر المختار: ۷/ ۴۷۸، درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۶/ ۳۹۶) والحاصل ان المتون على جواز بيع ماسوى الخنزير مطلقاً (شامی: ۴۷۹/۷)

حلال ہو یا حرام؛ سوائے خنزیر اور انسان کی ہڈی کہ وہ غیر متقوم ہے۔[1]

(۸) گوبر (جانوروں کا فضلہ) کی بیع درست ہے اگرچہ مٹی بن جانے سے پہلے ہو، کیونکہ وہ کھیتی میں کھاد کا کام دیتا ہے اور لوگوں میں اس کا تعامل ہے، پس یہ مال متقوم ہوگیا۔[2]

(۹) انڈا خریدا اور وہ گندا نکلا تو مشتری بائع سے قیمت واپس لے سکتا ہے، کیونکہ ایسا انڈا مال نہیں ہے جس کی وجہ سے بیع باطل رہی۔ پس بائع کو (جبکہ مشتری مطالبہ کرے) قیمت واپس کرنا ضروری ہے (مگر مشتری معاف کردے تو کوئی حرج نہیں وہ اس کا حق ہے)

یہی حکم تربوز، خربوزہ، ناریل، اخروٹ وغیرہ کا ہے جبکہ بالکل ہی بے کار نکلے یعنی وہ مال نہ ہونے کی وجہ سے اس کی پوری قیمت مشتری واپس لے سکتا ہے۔ البتہ تربوز پھیکا نکلا تو قیمت واپس نہیں لے سکتا، کیونکہ وہ مال متقوم ہے، بیع باطل نہیں ہوئی۔ مگر یہ کہ بائع قیمت واپس کردے تو حرج نہیں کہ وہ اپنا حق ساقط کرسکتا ہے ـــــ لیکن اخروٹ، ناریل وغیرہ کچھ عیب دار نکلے یعنی سارا خراب نہ ہو تو جس قدر عیب کی وجہ سے نقصان ہوا مشتری کو اتنی قیمت واپس لینے کا حق ہوگا۔ لیکن ناریل وغیرہ کو زبردستی واپس کرکے پوری قیمت نہیں لے سکتا کیونکہ اس کو توڑنے کی وجہ سے اس میں اس نے ایک نیا عیب پیدا کردیا۔ یہی حکم کپڑے کا ہے کہ اس کو کاٹنے کے بعد عیب دار ہونا معلوم

---

(۱) المحیط البرهانی: ۷/ ۳۰۲ هدایه: ۳/ ۵۵)

(۲) ویکره بیع العذرة خالصة وجاز لو مخلوطة وجاز بیع السرقین مطلقاً فی الصحیح عندنا لکونه مالا منتفعاً به لتقویة الأرض فی الانبات. (مجمع الأنهر: ۳/ ۲۱۱ - المحیط البرهانی: ۷/ ۳۰۲) بل یصح بیع السرقین ای الزبل (درمختار) قوله (ای الزبل) وفی الشرنبلالیة: هو رجیع ماسوی الإنسان (شامی: ۹/ ۵۵۲، کتاب الحظر والإباحة)

ہوا، یعنی نقصان عیب واپس لے گا نہ کہ پوری قیمت۔ [۱]

۲۵۵- **ضابطہ**: بیع کی صحت کے لئے جانبین سے رضامندی ضروری ہے (ورنہ بیع فاسد ہوگی) [۲]

تفریعات:

(۱) پس اکراہ (یعنی ڈرانے دھمکانے سے) بیع درست نہ ہوگی، جیسے کسی کو کہا مجھے یہ چیز بیچ دے یا مجھ سے خرید لے ورنہ جان لے لوں گا یا تیرا فلاں نقصان کر دوں گا، اس نے ڈر کے مارے قبول کرلیا تو اس طرح بیع صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اس میں مکرہ کی طرف سے رضامندی نہیں پائی گئی ہے۔ [۳]

(۲) اسی طرح اگر ہنسی مذاق میں بیع کی اور حقیقت میں بیع مراد نہ ہو تو اس سے بھی بیع صحیح نہ ہوگی، کیونکہ اس میں ظاہراً تو بیع ہے، لیکن حقیقتاً اس عقد پر رضامندی نہیں پائی جا رہی ہے۔

لیکن یاد رہے ہزل (یعنی ہنسی مذاق) میں بیع کرنیکی صورت میں کلام میں اس ہزل کی صراحت ضروری ہے مثلاً ہم دونوں ویسے ہی بیع کر رہے ہیں، یا مذاقاً بیع کر رہے ہیں وغیرہ، محض دلالت حال کافی نہ ہوگا، ورنہ بیع صحیح ہو جائے گی۔ ہاں مگر یہ صراحت عقد میں ضروری نہیں، عقد سے پہلے بھی کافی ہے، جیسے کہا: ہم دونوں لوگوں کے سامنے تو بیع کریں گے، لیکن حقیقت میں ہمارے درمیان بیع نہ ہوگی، جیسا کہ گاہکوں کو مائل کرنے کے لئے فراڈی لوگ کیا کرتے ہیں، پس ان کی بیع "بیع ہزل" ہے جو

---

(۱) ومن اشترى بيضاً او بطيخاً او قثاءً او خياراً او جوزاً فكسره فوجده فاسداً فإن لم ينتفع به رجع بالثمن كله، لأنه ليس بمال فكان البيع باطلاً ..وإن كان ينتفع به مع فساده لم يرده لأن الكسر عيب حادث ولكنه يرجع بنقصان العيب. (هدايه :۳/ ۴۳) (۲) (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ۱۸) (۳) قدمنا أن بيع المكره فاسد . (شامي: ۷/ ۱۹)

فاسد ہے۔[1]

فائدہ: رضامندی بیع کی صحت کے لئے شرط ہے، انعقاد بیع کے لئے نہیں، پس مکرہ اور ہازل کی بیع فاسد ہو کر منعقد ہوتی ہے۔

دوسری بات کہ: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے مگر ہازل کی بیع اس سے مستثنیٰ ہے کہ اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی ہے، گویا ہازل کی بیع حکماً باطل ہے۔[2]

۲۵۶-**ضابطہ**: اکثر عقود (معاملات) میں معانی کا اعتبار ہے الفاظ کا نہیں[3]

تشریح: عقود کی قید سے طلاق اور عتاق سے احتراز ہو گیا کیوں کہ ان میں لفظ معنیٰ کے قائم مقام ہوتا ہے پس ان میں الفاظ کا ہونا ضروری ہے۔

اور ضابطہ میں "اکثر" کی قید اس لئے کہ بعض عقود الفاظ کے محتاج ہوتے ہیں، اس کے بغیر وہ منعقد نہیں ہوتے، جیسے مفاوضہ (یہ شرکت کی ایک قسم ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں لفظ مفاوضہ کا استعمال ضروری ہے)[4]

---

(۱) وشرطه ای شرط تحقق الهزل واعتباره فی التصرفات أن یکون صریحاً باللسان مثل ان یقول : إنی أبیع هازلاً، ولایکتفی بدلالة الحال، إلا أنه لایشترط ذکره فی العقد، فیکفی أن تکون المواضعة سابقة علی العقد، فإن تواضعاً علی الهزل بأصل البیع :أی توافقا علی أنهما یتکلمان بلفظ البیع عند الناس ولایرید انه واتفقا علی البناء:ای علی أنهما لم یرفعا الهزل ولم یرجعا عنه فالبیع منعقد لصدوره من أهله فی محله لکن یفسد البیع لعدم الرضا بالحکم(شامی: ۷/ ۹ ۱)

(۲)إذا قبض المشتری المبیع بیعاًفاسداً ملکه إلا فی مسائل :الأولی لایملکه فی بیع الهازل کمافی الأصول. (الأشباه والنظائر:۱۷۵) (۳)(هدایه :۳/ ۱۸)

(۴)(والمعنی هو المعتبرفی العقود)أی فی هذه العقود الشرعیة. واحترز به عن الطلاق والعتاق فإن اللفظ فیهما یقام مقام المعنی، ولاخلاف فیه للأئمة ←

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی نے کہا: یہ گھر میں نے تمہیں اتنے روپے کے عوض ہدیہ میں دیا، دوسرے نے قبول کرلیا تو یہ بیع ہوگی، نہ کہ ہدیہ۔ کیونکہ ہدیہ بالعوض بیع کہلاتا ہے۔ پس اس میں ظاہری الفاظ کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ معنی کا اعتبار ہوگا اور معناً یہ بیع ہے۔

پس اس میں بیع کے احکام جاری ہوں گے، مثلاً اس کا کوئی پڑوسی ہے تو اس کو حق شفع کی وجہ سے مطالبہ کا حق رہے گا، اسی طرح اگر مبیع میں کوئی عیب نکل آئے تو مشتری کو عیب کی وجہ سے لوٹانے کا حق ہوگا، برخلاف ہدیہ کے کہ ان میں یہ چیزیں ثابت نہیں ہوتیں۔

(۲) اسی طرح جب عاقدین کی رضامندی پائی جائے اور وہ مبیع اور ثمن پر بغیر کچھ الفاظ کہے قبضہ کرلیں تو بیع صحیح ہوجائے گی، جیسے کوئی شخص کسی دکان پر گیا اور وہاں سے کوئی چیز اٹھائی اور اس پر جو قیمت لکھی ہوئی تھی یا اس کی عام قیمت جو رائج تھی وہ دکاندار کے حوالہ کردی اور دکاندار نے اس کو لیتے ہوئے رضامندی ظاہر کردی، اور منہ سے ایک لفظ نہیں نکالا اور نہ خریدار نے کچھ کہا تو یہ بیع درست ہے، کیوں کہ اعتبار معنی کا ہے نہ کہ الفاظ کا۔ فقہا کی اصطلاح میں اس کو بیع بالتعاطی کہتے ہیں، اور اس کا وقوع بکثرت ہے۔

۲۵۷- **ضابطہ**: تفرق صفقہ (عقد میں تفریق) بیع کے جواز کے لئے مانع ہے، مگر یہ کہ مخاطب اس پر راضی ہوجائے تو یہ جدید عقد ہوگا اور درست ہوگا۔ [1]

تشریح: صفقہ کا معنی ہے "بیع میں ہاتھ کو ہاتھ پر مارنا" پھر نفس عقد پر اس کا

→ الأربعة. وفي الإيضاح هذا أصل لنا في جميع العقود إلا ماروى عن أبي حنيفة أن المفاوضه لاتنعقد إلا بلفظ المفاوضة .. الخ (البناية في شرح الهدايه ۱۲/۷-۱۳)

(۱) ..لئلايلزم تفريق الصفقة إلاإذا أعاد الإيجاب والقبول أو رضى الآخر. (الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۴۵/۷)

اطلاق ہونے لگا۔تفرق صفقہ کا مطلب ہے عقد میں تفریق کرنا،اس کی متعدد صورتیں ہیں،مثلاً:

۱-بائع نے کہا میں نے یہ چیز دس روپے میں بیچی،مشتری نے کہا میں نے آٹھ روپے میں خریدی تو یہ تفرق صفقہ ہے،اس سے بیع نہ ہوگی۔مگر یہ کہ بائع آٹھ میں رضامندی کا اظہار کردے تو یہ جدید عقد ہوگا اور درست ہوگا۔(۱)

۲-اسی طرح اگر مشتری کی جانب سے ایجاب ہو یعنی وہ کہے میں نے یہ چیز دس میں خریدی،اور بائع کہے میں نے بارہ میں بیچی تو بھی یہی حکم ہوگا۔(۲)

۳-ایک شخص نے کہا میں نے یہ قلم اور کاپی دس روپے میں بیچی۔دوسرے نے کہا میں نے صرف یہ کاپی پانچ روپے میں خریدی تو یہ بھی تفرق صفقہ ہے اور بیع درست نہیں۔کیونکہ بیچنے والا ان دونوں چیزوں کو ایک ساتھ بیچنا چاہتا ہے اور خریدار اس کا ایک حصہ خرید رہا ہے،تو اس طرح بیچنے والے کو یہ چیز متفرق طور پر بیچنی پڑے گی (مگر یہ کہ بیچنے والا خریدار کی بات پر رضامندی کا اظہار کردے تو یہ دوسرا عقد ہوگا اور درست ہوگا)(۳)

استدراک:لیکن اگر کہا میں نے یہ قلم اور کاپی دس روپے میں بیچی (یعنی دونوں کی الگ الگ قیمت بیان نہیں کی بلکہ مجموعی دس روپے کہا) اور دوسرے نے کہا میں نے صرف یہ کاپی خریدی اور ثمن کا ذکر نہیں کیا تو یہ بیع درست نہیں،اگرچہ اس میں بائع رضامندی کا اظہار کردے،کیونکہ یہاں ثمن مجہول رہے گا،اور کاپی اور قلم دو الگ الگ چیزیں ہیں،اجزاء کے اعتبار سے ثمن ان پر منقسم بھی نہیں کیا جاسکتا،جس طرح مکیلی یا موزونی چیزوں پر ثمن منقسم کیا جاتا ہے،کہ اگر ایک کلو کا ثمن بیان کیا تو اجزاء پر منقسم ہوکر آدھی کلو کا ثمن خود بخود متعین ہوجاتا ہے ـــــ پس یہ تفرق صفقہ کی وہ صورت ہے جس

(۱)(البحر: ۴۴۸/۵) (۲)(ھندیہ: ۱۴/۳)

(۳)(شامی: ۴۵/۷ - البحر: ۴۴۸/۵)

میں دوسرے کی رضامندی کے باوجود بیع صحیح نہیں ہوتی (ہاں اگر کاپی کا علاوہ ثمن ذکر ہوجائے اور پھر رضامندی بھی پائی جائے تو اب یہ نیا عقد ہوکر بیع صحیح ہوجائے گی)[1]

۲۵۸-**ضابطہ**: مبیع اور ثمن میں اعتبار اس کا ہوگا جس پر عقد واقع ہوا ہے، اگرچہ بائع یا مشتری اس کو کم یا زیادہ خیال کرے۔[2]

جیسے:

(۱) مشتری نے اپنے گمان کے مطابق ۲۴ر انڈے گن کر ایک تھیلی میں الگ کئے، پھر عقد ان الگ کردہ انڈوں پر ہوا اور عدد کا کوئی ذکر نہیں کیا نہ عقد کے وقت اور نہ عقد سے پہلے، بلکہ کہا یہ جس قدر بھی ہے ۵۰ر روپے میں خریدے، پھر ظاہر ہوا کہ یہ تو ۲۴ر کے بجائے ۲۵ر ہے تو وہ زائد مشتری کیلئے حلال ہے۔ کیونکہ اعتبار اس کا ہوتا ہے جس پر عقد واقع ہوا ہے اور عقد تھیلی میں موجود تمام ۲۵ر انڈوں پر ہوا ہے نہ کہ مشتری کے خیال کردہ ۲۴ر پر[3] ــــ (لیکن اگر عدد کا ذکر ہوجائے اور عقد اس معین عدد پر ہو تو پھر زائد مشتری کے لئے حلال نہ ہوگا، اور کم کی صورت میں بائع کو اسی قدر ثمن کی واپسی لازم ہوگی)

(۲) گیہوں کا بھاؤ تاؤ کیا اور یہ طے ہوا کہ اس ڈھیر میں سے ہر من ۳۰۰ روپے میں، اور ہمارے شمار کے حساب سے ۳۰۰۰ر ہزار کے گیہوں ہیں یعنی دس من ہیں۔ پھر

(۱)......إلا إذا أعاد الإيجاب والقبول أو رضي الآخر وكان الثمن منقسماً على المبيع بالأجزاء كمكيل و موزون ،وإلالا، وإن رضي الآخر (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ٤٦)(۲)المعتبر ماوقع عليه العقد وإن ظن البائع أو المشتري أنه أقل أو أكثر. (شامي :۶۹/۷)

(۳) في القنية:عدّ الكواغذ فظنها أربعة وعشرين وأخبر البائع به ثم أضاف العقد إلى عينها ولم يذكر العدد ثم زادت على ماظنه فهي حلال للمشتري . (شامي :۶۹/۷)

جب مشتری نے شمار کیا تو ۲۷۰۰ روپے کے گیہوں نکلے یعنی کل ۹ من۔ اب بائع نے اس کو ۲۷۰۰ میں دیدیا (یعنی چلو یہ سب ۲۷۰۰ میں لے جاؤ) بعد میں ظاہر ہوا کہ وہ کچھ کم تھے یا زیادہ تھے تو کچھ اعتبار نہیں۔ مشتری کے لئے وہ زیادتی اور کم کی صورت میں بائع کے لئے وہ ثمن حلال ہے۔ کیونکہ اب عقد اس متعین ڈھیر پر ہوا ہے، متعین حساب پر نہیں۔ [1]

(۳) بائع نے چار چیزوں کو الگ کیا اور کہا کہ یہ سب پانچ روپے میں ہیں، ہر چیز سوا روپے میں۔ مشتری نے چار روپے نکال کر کہا یہ جس قدر روپے ہیں اتنے میں میں نے خریدا (حالانکہ بائع پانچ روپے سمجھ رہا ہے) تو بیع صحیح ہے۔ کیونکہ عقد چار روپے پر ہوا ہے چنانچہ مشتری نے کہا تھا کہ یہ جس قدر ہے اتنے میں خریدا اور بائع نے اس کو قبول بھی کرلیا تھا تو اب اس کے زیادہ سمجھنے کا اعتبار نہ ہوگا۔ [2]

۲۵۹- **ضابطہ**: بیع میں توقیت صحیح نہیں، مطلق ہونی چاہئے۔ [3]

تشریح: یعنی ایک معین وقت تک کیلئے بیچنا مثلاً میں دس سال تک کے لئے بیچتا ہوں تو یہ جائز نہیں، مطلق (بلا تعیین مدت) بیع کا ہونا ضروری ہے۔

(البتہ اتنی لمبی مدت بیان کی جس میں عام طور پر انسان زندہ نہیں رہتا مثلاً کہا: دوسو سال تک کے لئے بیچا تو یہ تابید کے حکم میں ہوگا اور بیع صحیح ہوجائے گی۔ پھر اس قید کا

---

(۱) في القنية :ساومه الحنطة كل قفيز بثمن معين وحاسبوا فبلغ ستمائة درهم فغلطوا وحاسبوا المشترى بخمسمائة، وباعوها منه بالخمسمائة؛ ثم ظهر أن فيها غلطاً لايلزمه إلا خمسمائة .(شامي : ۶۹/۷)

(۲) في القنية : ...أفرز القصاب أربع شياه، فقال بائعها هي بخمسمائة كل واحدة بدينار وربع ،فجاء القصاب بأربعة دنانير فقال: هل بعت هذه بهذا القدر والبائع يعتقد أنها خمسة صح البيع .(شامي :۶۹/۷)

(۳)ومنها أن لايكون موقتا، فإن أقته لم يصح .(هنديه :۳/۵،شامي : ۱۵/۷)

کوئی اعتبار نہ ہوگا بیع ہمیشہ کے لئے ہو جائے گی)(۱)

تفریع: اسی بنا پر بیع بالوفاء جائز نہیں۔ اور بیع بالوفاء یہ ہے کہ مثلاً کسی نے پانچ سو (۵۰۰) روپے میں کوئی چیز بیچی اور یہ قرار کیا کہ جب میرے پاس اتنی رقم آجائے گی تو میں اتنے ہی میں تم سے وہ چیز واپس خرید لوں گا، مشتری نے اس کو قبول کرلیا تو یہ درست نہیں، کیونکہ اس میں توقیت ہے، جبکہ بیع کا مطلق ہونا ضروری ہے۔

فائدہ: اس بیع میں اصل مقصد بائع کا مشتری سے پانچسو روپے قرض لینا ہے، لیکن مشتری جب تک اپنا کچھ فائدہ حاصل نہ ہو قرض دینے پر راضی نہیں ہوتا، اب اگر وہ قرض دے کر اس کے پاس سے کوئی چیز بطور رہن لیتا ہے تو اس رہن سے وہ نفع نہیں اٹھا سکتا کیونکہ رہن سے نفع اٹھانا سود کے حکم میں ہے، اس لئے یہ دونوں حیلہ کر کے اس معاملہ کو بیع کے عنوان سے کرتے ہیں۔ علامہ شامیؒ نے جواہر الفتاویٰ کے حوالہ سے بواسطہ حاشیہ فصولین نقل کیا ہے کہ یہ بیع باطل ہے اور مشتری کے پاس جو مبیع ہے وہ رہن ہے، اسی طرح فتاویٰ خیریہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اکثر فقہاء کے نزدیک یہ رہن ہی ہے اس پر رہن کے سب احکام جاری ہونگے۔ پس مشتری کے لئے اس سے نفع اٹھانا حلال نہیں ہے۔(۲)

معدوم کی بیع

۲۶۰- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو حقیقتاً یا عرفاً معدوم ہو اس کی خرید وفروخت

(۱) التاقیت إلی مدة لایعیش الإنسان غالباً تابید. (قواعدالفقه: ٦٨، قاعده: ٧٣)
(۲)......وفی حاشیة الفصولین عن جواهر الفتاویٰ: هوأن یقول بعت منك علی أن تبیعه منی متی جئت بالثمن فهذا البیع باطل وهورهن، وحکمه حکم الرهن وهو الصحیح اهـ...... قال فی الخیریة: والذی علیه الأکثر أنه رهن لایفترق عن الرهن فی حکم من الأحکام. (شامی: ۷/ ٥٤٥-٥٤٦)

درست نہیں (مگر استصناع اور بیع سلم مستثنیٰ ہے، کہ ان میں معدوم کی بیع جائز ہے)[1]

جیسے:

(۱) پھل جو ابھی درخت پر نہ نکلے ہوں کی خرید وفروخت جائز نہیں۔

(۲) کمپنی کا پروڈکٹ جو ابھی تیار نہ ہوا ہو کی بیع جائز نہیں (مگر آرڈر دینا جائز ہے، کہ وہ بیع نہیں) یہ دونوں مثالیں حقیقتاً معدوم کی ہیں۔

عرفاً معدوم ہونا جیسے:

(۳) جانور کے تھنوں کا دودھ، اس میں سے نکالنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۴) زیتون کا تیل زیتون میں سے نکالنے سے پہلے، اسی طرح انگور کا رس انگور میں سے نکالنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۵) گیہوں کا آٹا گیہوں پیسنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۶) خربوزہ وغیرہ کا بیج اس میں سے نکالنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۷) جانور کا گوشت یا کھال جانور ذبح کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

ان تمام صورتوں میں مبیع عرفاً معدوم ہے۔ تھن کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ دودھ ہے، زیتون کے پھل کو یہ نہیں کہا جاتا کہ یہ تیل ہے، اسی طرح گیہوں پر آٹا، یا خربوزہ پر بیج، یا جانور پر گوشت یا کھال کا اطلاق نہیں ہوتا۔ پس یہ عرفاً معدوم ہوا۔[2]

---

(۱)(مستفاد شامی :۷/ ۹۲ - ۲۵۱-۲۵۲)

(۲) وإنما بطل مافی ثمر وقطن وضرع من نوی وحب ولبن ،لأنه معدوم عرفاً (الدر المختار)......وبما ذكرنا يخرج الجواب عن امتناع بيع اللبن في الضرع، واللحم والشحم في الشاة، والإلية والأكارع والجلد فيها، والدقيق في الحنطة، والزيت في الزيتون، والعصير في العنب، ونحو ذالك حيث لايجوز، لأن كل ذالك منعدم في العرف،لايقال :هذا عصير ،وزيت في محله وكذا الباقي .(شامی :۷/۹۲)

استثناء: مگر گھریلوں ضرورت کی وہ چیزیں جسے لوگ عادتاً دکاندار سے بلا عقد لیتے رہتے ہیں پھر ان اشیاء کو استعمال کے بعد آخر میں ان کی بیع کرتے ہیں یہ معاملہ صحیح ہے (اس کو بیع بالاستجرار کہتے ہیں) اگر چہ اس صورت میں بوقت بیع مبیع معدوم ہوتی ہے، لیکن استحساناً فقہانے اس کو جائز قرار دیا ہے۔ (۱)

اسی طرح ماہانہ قیمت مقرر کر کے ہوٹل سے لوگ جو کھانا خریدتے ہیں یا وہاں جا کر کھاتے ہیں تو اس میں بھی اگر چہ بوقت عقد مبیع معدوم ہوتی ہے، مگر استحساناً جائز ہے۔ (۲)

فائدہ: ضابطہ میں استصناع اور بیع سلم کا استثناء کیا گیا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی تھوڑی تفصیل سامنے آجائے۔

بیع سلم کہتے ہیں "بیع الآجل بالعاجل" یعنی ادھار کو نقد کے عوض بیچنا، اس میں مبیع معدوم ہوتی ہے لیکن یہ بیع چند شرائط کے ساتھ مستثنیٰ ہے (بیع سلم سے متعلق مزید معلومات کے لئے "باب السلم" اور اس سے متعلق آخر کتاب میں شجرہ کو ملاحظہ فرمائیں)

اور استصناع کہتے ہیں: آرڈر دے کر کوئی چیز بنوانا، اس میں مشتری کسی تیار کنندہ (مینوفیکچرر) کو یہ آرڈر دیتا ہے کہ وہ متعین چیز بنا کر دے، اس کی صحت کے لئے شرط ہے کہ مبیع کی نوع، مقدار، وصف وغیرہ مکمل بیان کر دیا جائے، نیز قیمت بھی طے کر لی

---

(۱) ومما تسامحوا فيه وأخرجوه عن هذه القاعدة مافي القنية :الأشياء اللتي تؤخذ من البياع على وجه الخرج كما هو العادة من غير بيع كالعدس والملح والزيت ونحوها ثم اشتراها بعد ماانعدمت صح اھ فيجوز بيع المعدوم هنا (البحر الرائق :۵/۵۰٤) ومايستجرّه الإنسان من البياع إذا حاسبه على أثمانها بعد استهلاكها جاز استحساناً. (شامي : ۷/ ۳۰)

(۲) (فتاویٰ دار العلوم: ۱٤/۵۰۵)

جائے تاکہ نزاع کا اندیشہ نہ ہو۔اور جب تک تیار کنندہ (بائع) اپنا کام شروع نہ کردے یہ بیع غیر لازم ہوتی ہے، اس سے پہلے عاقدین میں سے ہر ایک کو بیع فسخ کرنے کا اختیار ہوتا ہے۔

پس استصناع کی اس نوعیت کے پیش نظر استصناع اور سلم میں مندرجہ ذیل وجوہات سے فرق ہوگا:

(۱) استصناع ہمیشہ ایسی چیز پر ہوتا ہے جسے تیار کرنے کی ضرورت ہو جبکہ سلم ہر چیز کی ہوسکتی ہے خواہ اسے تیار کرنے کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

(۲) سلم میں پوری قیمت پیشگی ادا کرنا ضروری ہے، جبکہ استصناع میں یہ ضروری نہیں۔

(۳) عقد ہو جانے کے بعد سلم کو فسخ نہیں کیا جاسکتا، جبکہ استصناع سامان کی تیاری شروع کرنے سے پہلے یک طرفہ منسوخ کیا جاسکتا ہے۔

(۴) مبیع کی سپردگی کا کوئی وقت مقرر کرنا سلم میں ضروری ہے جبکہ استصناع میں سپردگی کا وقت مقرر کرنا ضروری نہیں۔ (۱)

۲۶۱-**ضابطہ**: خرید و فروخت کی ہر وہ صورت جس میں عقد (معاملہ) کی تکمیل مشتبہ یا مشکوک ہو جائز نہیں۔ (۲)

جیسے:

(۱) ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کو بیچنا جائز نہیں۔

(۲) حمل کی بیع جائز نہیں۔

---

(۱) (مستفاد: شامی: ۴۷۴/۷-الفقه الإسلامي وأدلته: ۳۶۵۰/۵-تاتارخانية: ۵۱۴/۹-اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ۱۵۵/۵)

(۲)......أن يكون موجوداً فلا ينعقد بيع المعدوم وماله خطر العدم كبيع النتاج والحمل......الخ (هنديه: ۲/۵)

(۳) سمندر، نہر اور تالاب میں موجود مچھلی کا جب تک اس پر قبضہ نہ ہو بیچنا جائز نہیں (البتہ اگر پانی تھوڑا ہو اور حیلہ کے بغیر پکڑنا ممکن ہو تو پانی میں بھی مچھلی کی بیع جائز ہے)[1]

کیونکہ ان تمام صورتوں میں عقد کی تکمیل مشتبہ یا مشکوک ہے۔ ممکن ہے اس کو وہ چیز حاصل نہ ہو، یعنی پرندہ یا مچھلیاں اس کے قبضہ میں نہ آسکے، اسی طرح جانور کے پیٹ میں بچہ نہ ہو بلکہ ہوا سے یا چربی سے پیٹ پھولا ہوا ہو یا واقعی بچہ ہو لیکن مردار پیدا ہو۔

بیع میں جہالت کا بیان

۲۶۲-**ضابطہ**: بیع میں ہر ایسی جہالت جو مفضی الی المنازعۃ ہو وہ اس کے جواز کے لئے مانع ہے اور جو جہالت ایسی نہ ہو وہ مانع نہیں۔[2]

جیسے:

کسی گھر یا زمین میں سے کچھ گز مثلاً ۲۵ رگز یا ۵۰ رگز غیر متعین طور پر بیچا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ پھر اس کی تعیین میں اختلاف ہوگا، کہ وہ حصہ مشرق کی طرف ہے یا مغرب کی جانب، یا آگے کا ہے یا پیچھے کا۔ مشتری کہے گا مجھے اُس طرف حصہ چاہئے اور بائع کہے گا میں نے اِس جانب سے بیچا ہے۔ (البتہ اگر حصہ مشاع بیچا مثلاً پانچواں حصہ یا دسواں تو یہ بالاتفاق جائز ہے، اس لئے کہ یہ مفضی الی المنازعۃ نہیں، کیونکہ مشتری اس گھر یا زمین کے ہر ہر حصہ میں شریک ہوگا، پھر وہ اپنا حصہ دوسرے کو بیچنا چاہے تو بیچ سکتا ہے)[3]

(۱) (فتح القدیر: ۶/۳۷۵) (۲) ......وهذه الجهالة مفضية إلى المنازعة فيمتنع التسليم والتسلم، وكل جهالة هذه صفتها تمنع الجواز، هذا هو الأصل (هدايه: ۳/۲۱) (۳) ومن اشترى عشرة أذرع من مأة ذراع من دار او حمام فالبيع فاسد عند ابى حنيفةؒ وقالا هو جائز، وإن اشترى عشرة أسهم من مأة سهم جاز فى قولهم جميعاً......الخ. (هدايه: ۳/۲۳)

اور اگر جہالت مفضی الی المنازعۃ نہ ہو تو حرج نہیں جیسے:

(۱) گیہوں وغیرہ کا ڈھیر ہو اور اس کی مقدار معلوم نہ ہو کہ کتنے ہیں، لیکن اشارہ سے متعین کر دیا کہ میں نے یہ ڈھیر بیچا یا خریدا تو باوجود یکہ اس کی مقدار مجہول ہے یہ بیع جائز ہے، کیونکہ یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ نہیں ہے۔ (۱)

(۲) اسی طرح دو کپڑوں میں سے ایک کو بیچا اس شرط کے ساتھ مشتری کو ان میں سے ایک کے انتخاب میں اختیار ہے تو اگر چہ اس میں بھی جہالت ہے مگر یہ بیع جائز ہے، کیونکہ بائع کا خود اختیار دینے کی وجہ سے اس میں جھگڑے کا اندیشہ نہیں ہے۔ (۲)

(۳) کسی متعین برتن کے ناپ سے یا پتھر کے وزن سے جس کی مقدار معلوم نہیں (یعنی برتن میں ایک کلو سماتا ہے یا ڈیڑھ کلو اور پتھر ایک کلو کا ہے یا کم زیادہ) بیچنا جائز ہے، کیونکہ یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ نہیں ہے۔ اور مبیع سپرد کرنے سے پہلے اس برتن یا پتھر کا ہلاک ہونا نادر ہے (کہ جھگڑے کی نوبت آوے) اور احکام کا مدار نادر پر نہیں ہوتا ہے ـــــ (البتہ بیع سلم میں یہ معاملہ جائز نہیں، کیونکہ بیع سلم ایک مدت تک مؤخر ہوتی ہے اور اس عرصہ میں یہ برتن اور پتھر کا ہلاک ہونا نادر نہیں، پس اس میں جھگڑے کا امکان ہے) (۳)

۲۶۳- **ضابطہ**: مبیع یا ثمن جب مشار الیہ ہو تو اس میں مقدار و وصف کا جاننا ضروری نہیں، بخلاف غیر مشار الیہ کے کہ اس میں مقدار و وصف کا معلوم ہونا

---

(۱) (شامی: ۵۱/۷) (۲) (هدایه: ۲۱/۳)

(۳) ویجوز بإناء بعینه لایُعرف مقداره وبوزن حجرٍ بعینه لا یُعرف مقداره، لأن الجهالة لاتفضی إلی المنازعة لما أنه یتعجل فیه التسلیم فیندر هلاکه قبله، بخلاف السلم لأن التسلیم فیه متاخر والهلاك لیس بنادر قبله فیتحقق المنازعة (هدایه: ۲۲/۳، الجوهرة النیرة: ۲۳۹/۱)

ضروری ہے۔ [1]

تشریح: کیونکہ اشارہ تسمیہ سے ابلغ ہے، اس سے شئ متعین ہو جاتی ہے، کسی قسم کی جہالت نہیں رہتی، جیسے بعض اوقات آدمی دکان میں کسی خوبصورت چیز دیکھ کر خرید لیتا ہے لیکن اسے معلوم نہیں ہوتا کہ یہ ہے کیا چیز! مقدار اور وصف تو کجا، جنس بھی معلوم نہیں ہوتی، لیکن چونکہ اس کو اشارہ سے متعین کر دیا جاتا ہے اس لئے ایسی جہالت مضر نہیں۔ کیونکہ مقدار اور وصف کا جاننا جھگڑے کو دور کرنے کیلئے ہے اور مبیع متعین کر دینے سے جھگڑے کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے۔

اور اگر اشارہ سے متعین نہیں کیا تو اب مقدار و وصف کا جاننا ضروری ہے، ورنہ بیع فاسد ہوگی، جیسے فون سے کہہ دیا کہ ایک ہزار روپے کے گیہوں دیدو اور فلاں کے ذریعہ بھیجوا دو، اور گیہوں کی مقدار اور وصف بیان نہیں کیا تو یہ بیع فاسد ہے یہ جہالت مفضی الی المنازعۃ ہے، کہ مشتری زیادہ اور عمدہ کا مطالبہ کرے گا اور بائع اس کے برعکس چاہے گا ـــــ پس مقدار یعنی اتنے کلو یا من، اور وصف یعنی اعلیٰ، متوسط اور ادنیٰ کو بیان کر دینا ضروری ہے۔ یا فون میں کسی کو وکیل بنا کر اس کے ذریعہ خرید کرے، کیونکہ وہ وکیل جب مجلس میں حاضر ہو کر اشارہ سے متعین کر لے گا تو پھر مقدار اور وصف کا جاننا و بیان کرنا ضروری نہیں۔ [2]

یہ تو مبیع کے متعلق وضاحت تھی۔ ثمن مشار الیہ ہو مثلاً میں نے ان پیسوں کے عوض بیچا جو تمہارے ہاتھ میں ہے اور وہ پیسے دکھائی بھی دے رہے ہیں تو یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ اشارہ سے ثمن متعین ہو گیا، اب اس کی مقدار اور وصف کا جاننا ضروری

---

(۱)(وشرط لصحته معرفة قدر) مبيع وثمن (ووصف ثمن) كمصرى أو دمشقى (غير مشار) إليه (لا)يشترط ذالك فى (مشار إليه)(الد رالمختارعلى هاهمش رد المحتار:۷/۵۱–اللباب فى شرح الكتاب: ۱/۱۹۸)

(۲)(مستفاد:شامى :۷/۴۹–۵۱)

نہیں[1] اور اگر ثمن غیر مشار الیہ ہو تو اس کی مقدار بیان کرضروری ہے۔
اوپر ضابطہ سے متعلق ایک ضابطہ بطور خلاصہ یہ بھی ہے جو قواعد الفقہ میں ہے کہ:
۲۶۴-**ضابطہ**: حاضر میں وصف کا اعتبار نہیں اور غائب میں اعتبار ہے۔[2]
نوٹ: تشریح اوپر کے ضابطہ کے تحت آگئی، بیان کی حاجت نہیں۔
۲۶۵-**ضابطہ**: جب اشارہ اور تسمیہ جمع ہوں تو عقد مختلف الجنس میں مسمی کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور متحد الجنس میں مشار الیہ کے ساتھ۔[3]
جیسے انگوٹھی کے نگ کو بیچا اس شرط پر کہ وہ یاقوت ہے، اور وہ کانچ کا نکلا تو بیع باطل ہے، اس لئے کہ یاقوت (جو مسمی ہے) اور کانچ (جو مشار الیہ ہے) کی جنس مختلف ہونے کی وجہ سے عقد مسمی کے ساتھ متعلق ہوگا اور مسمی (یعنی یاقوت) موجود نہیں۔
اور متحد الجنس کی مثال ہے کہ: اندھیرے میں نگ خریدا اس شرط پر کہ وہ سرخ یاقوت کا ہے اور مشتری نے بعد میں جب دیکھا تو وہ زرد یاقوت کا نکلا تو یہ بیع صحیح ہے، کیونکہ سرخ یاقوت (جو مسمی ہے) اور زرد یاقوت (جو مشار الیہ) دونوں کی جنس متحد ہے تو عقد مشار الیہ کے ساتھ متعلق ہوگا، اور مشار الیہ زرد یاقوت تھا (البتہ اس صورت میں وصف مرغوب کے فوت ہونے کی وجہ سے مشتری کو وہ سودا باقی رکھنے یا ختم کرنے کا اختیار ہوگا)

---

(۱) فی الشامیة عن البحر :بعتك...... بهذه الدراهم اللتی فی یدك وهی مرئیة له فقبل، جاز ولزم ..الخ (شامی : ۷/ ۴۹-۵۱)

(۲) الوصف فی الحاضر لغو وفی الغائب معتبر.(قواعد الفقه،ص:۱۳۷، قاعده:۳۸۹)

(۳)......أن الإشارة مع التسمية إذا اجتمعا:ففی مختلفی الجنس يتعلق العقد بالمسمی ويبطل لانعدامه وفی متحدی الجنس يتعلق بالمشار إليه وينعقد لوجوده ويتخير لفوات الوصف.(شامی :۷/ ۲۳۹)

عقد میں تبعاً داخل ہونے والی چیزیں

۲۶۶-**ضابطہ**: بسا اوقات کوئی چیز عقد میں تبعاً وحکماً داخل ہوتی ہے مگر اصلاً وقصداً داخل نہیں ہوتی ہے۔[1]

تفریعات:

(۱) پس حمل کی بیع اصلاً جائز نہیں، مگر جانور کے تابع ہو کر درست ہے۔ پس اس کی وجہ سے جانور کی قیمت میں اضافہ جائز ہے۔

(۲) مسجد کا قرب بذات خود محل بیع نہیں، لیکن اس کی وجہ سے گھر کی قیمت میں اضافہ جائز ہے۔

(۳) تاجیل (مہلت) کی مستقلاً بیع (یعنی اس کی کوئی قیمت لینا) جائز نہیں۔ (لیکن ادھار بیع کی وجہ سے زیادہ قیمت لینا جائز ہے، کہ اس وقت اس زیادتی کو مبیع کا ہی عوض قرار دیں گے، اگرچہ عقد کے وقت تاجیل کی قیمت مدنظر ہو۔ برخلاف قرض کے کہ اس میں وقت یا مدت کی کوئی قیمت مقرر کرنا جائز نہیں سود ہو جاتا ہے، کیونکہ جہاں نقود کا مقابلہ نقود سے ہو تو وہاں اوصاف ہدر ہوتے ہیں (یعنی ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا) پس وہاں تساوی کا لحاظ ضرور ہے، برخلاف بیع العروض بالنقود کے، فافہم)

(۴) حقوق مجردہ کی بیع بوجہ مال نہ ہونے کے جائز نہیں، لیکن کسی عین کے ضمن میں ان کو بیچنا جائز ہے، جیسا کہ فقہاء نے حق تعلّی اور حق شرب کی بیع ناجائز قرار دیا ہے، لیکن گھر یا زمین کے ضمن میں جائز کہا ہے۔[2]

(۵) اسی طرح معدوم کی بیع مستقلاً جائز نہیں لیکن موجود کے ضمن میں جائز ہے، جیسے درخت پر پھل ظاہر نہ ہوئے ہوں تو ان کی بیع جائز نہیں، لیکن اگر کچھ ظاہر ہو گئے

---

(۱) قد یثبت الشیء تبعا وحکما وإن کان یبطل قصد اً. (قواعد الفقہ: ص ۹۷، قاعدہ: ۲۰۹) (۲) (شامی: ۷/۲۳۶)

ہوں اور کسی حد تک قابل انتفاع بھی ہو گئے ہوں تو وہ اصل ہیں ان کے ضمن میں ان پھلوں کی بیع بھی جائز ہوگی جو ابھی ظاہر نہیں ہوئے ہیں اور معدوم ہیں۔ اسی طرح آلو، لہسن، شلجم وغیرہ جو زمین میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور ان کا وجود معلوم نہیں ان کی بیع جائز نہیں، لیکن اگر ان کا کچھ وجود۔ دو ایک جگہ سے زمین کھود کر۔ متحقق ہو جائے تو وہ اصل ہیں، ان کے ضمن میں اس کھیت کے باقی آلو وغیرہ کی بیع بھی جائز ہوگی جن کو دیکھا نہیں۔ (۱)

۲۶۷- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو بیع کے تحت تبعاً داخل ہوتی ہے اس کے مقابل میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں ہوتا۔ (۲)

تفریعات:

(۱) ایک صحیح سالم جانور خریدا، پھر وہ ایک آنکھ سے کانا ہو گیا تو اس کو مرابحہ کے طور پر بیچتے وقت یہ بیان کرنا ضروری نہیں کہ میں نے اس کو صحیح سالم خریدا تھا پھر عیب پیدا ہو گیا (مرابحہ کہتے ہیں جس قیمت پر خریدا ہے اس کی وضاحت کرتے ہوئے نفع کے ساتھ بیچنا، جیسے کہے: میں نے اس کو ہزار میں خریدا ہے اور سو روپیہ نفع لے کر گیارہ سو میں بیچتا ہوں۔ تو اس وقت یہ کہنا لازم نہیں کہ میں نے جب خریدا تھا تو عیب سے پاک تھا پھر عیب پیدا ہوا) کیونکہ کانا ہونا یہ وصف کی کمی ہے اور وصف شی کا تابع ہوتا ہے اس کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آتا (البتہ بائع کے لئے مشتری کو نفس عیب سے مطلع کرنا ضروری ہے کہ اس میں یہ عیب ہے) —— اسی طرح ایک کپڑا خریدا اور اس کو

(۱) بطل بيع ماليس بمال.....والمعدوم ...... ومنه بيع ماأصله غائب كجزر وفجل...... هذا إذا نبت ولم يعلم وجوده، فإذا علم جاز، وله خيار الرؤية وتكفي رؤية البعض عندهما وعليه الفتوىٰ .(الدرالمختار:۷/ ۲۳۵ —النهر الفائق: ۳/۳۵۹) (۲)كل مادخل تبعاً لايقابله شيء من الثمن .(هنديه :۳/ ۳۸، الدر المختار على هامش ردالمحتار :۷/۸۱)

چوہے نے کتر لیا یا آگ سے کچھ جل گیا تو اس کو بھی مرابحہ کے طور پر بلا وضاحت بیچ سکتا ہے۔ یعنی یہ وضاحت ضروری نہیں کہ میرے پاس آ کر اس میں عیب پیدا ہوا۔
لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کسی آفت سماوی کی وجہ سے وصف کا نقصان ہوا ہو، جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہوا۔ اور اگر خود مشتری کے فعل سے نقصان ہوا یا دوسرے سے ہوا اور اس سے جنایت وصول کر لی گئی تو اب یہ وصف مقصود ہونے کی وجہ سے اصل کے قائم مقام ہو گیا اور اس کے مقابلہ میں ثمن آئے گا لہذا اب اس کو مرابحہ کے طور پر بیچتے وقت یہ وضاحت ضروری ہوگی کہ میں نے اس کو صحیح سالم خریدا تھا پھر عیب پیدا ہوا۔ (۱)

(۲) زمین خریدی اور اس میں درخت تبعاً داخل ہوئے یعنی مستقل ان کی الگ قیمت بیان نہیں کی گئی تھی پھر کسی آفت سماوی کی وجہ سے قبضہ سے پہلے وہ درخت ہلاک ہو گئے تو ثمن میں سے کچھ کم نہ ہوگا، مشتری اگر چاہے تو کل ثمن جو بیان کیا گیا تھا اس کے عوض خریدے یا ترک کر دے۔ (شامی: ۸۱/۷)

۲۶۸-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو عرفاً مبیع کے تحت آتی ہو؛ یا وہ چیز مبیع سے اتصال قرار کے ساتھ متصل ہو تو وہ بیع کے تحت تبعاً بلا ذکر کے داخل ہوگی، اور جو چیز ان دونوں قسموں میں سے نہ ہو، تو اگر وہ اس کے حقوق و مرافق میں سے ہو تو حقوق و مرافق کو بیان کرنے سے وہ داخل ہوگی، ورنہ داخل نہ ہوگی (یعنی اس کے حقوق و مرافق میں

(۱) ومن اشترى جارية فاعورت او وطيها وهى ثيب يبيعها مرابحة ولايبين لانه لم يحتبس عنده شيء يقابله الثمن لأن الأوصاف تابعة لايقابلها الثمن ...أما إذا قفأعينها بنفسه أو فقاها أجنبى فأخذ ارشها لم يبعها مرابحة حتى يبيّن لأنه صار مقصوداً بالاتلاف فيقابلها شيء من الثمن ...ولو اشترى ثوباً فأصاب به قرض فار أو حرق نار يبيعه مرابحة من غير بيان ولو تكسّر بنشره وطيّه لايبيعه حتى يبيّن والمعنى مابيناه. (هد ايه :۷۳/۳، باب المرابحة)

سے نہ ہوتو اگر چہ حقوق ومرافق کا ذکر کیا ہو داخل نہ ہوگی)[1]

تشریح: عرفاً مبیع کے تحت آنا جیسے دکان سے کوئی چیز خریدی تو اس کو رکھنے کے لئے تھیلی (بیگ) ساتھ دی جاتی ہے، تو یہ تھیلی عرفاً مبیع کے تحت آتی ہے۔

اور اگر کوئی چیز عرفاً مبیع کے تحت نہ آتی ہو تو دیکھا جائے کہ وہ چیز مبیع سے اتصال قرار رکھتی ہے یا نہیں؟ اگر اتصال قرار رکھتی ہو تو بیع کے تحت داخل ہوگی، اگر چہ عقد کے وقت اس کا ذکر نہ ہوا ہو، جیسے درخت زمین کی بیع میں داخل ہوں گے، اور گھر کے دروزے، الیکٹرونیک لائن، گیس لائن، اور باغ (جو گھر کے کمپاؤنڈ میں ہو، یا باہر ہو لیکن گھر سے چھوٹا ہو[2] تو) یہ سب چیزیں گھر کی بیع میں داخل ہوں گی۔ اور اگر وہ چیز (مبیع سے) اتصال قرار نہ رکھتی ہو تو بیع کے تحت داخل نہ ہوگی، جیسے کھیتی زمین کی بیع میں اور پھل درخت کی بیع میں (بلا صراحت) داخل نہ ہوں گے، کیونکہ کھیتی اور پھل تیار ہو جانے پر کاٹ لئے جاتے ہیں، اس میں اتصال قرار نہیں ہے۔

اور جو چیز ان دونوں قسموں میں سے نہ ہو (یعنی نہ عرفاً مبیع کے تحت آتی ہو اور نہ مبیع سے اتصال قرار رکھتی ہو) تو اگر وہ اس کے حقوق ومرافق میں سے ہو تو حقوق ومرافق کو بیان کرنے سے داخل ہوگی، جیسے راستہ اور حق شرب زمین کی بیع میں یعنی جب کہا کہ

---

(۱) کل ماهو متناول اسم المبیع عرفاً یدخل بلاذکر .أو متصلاً به تبعاً دخل فی بیعها یعنی أن کل ماکان متصلاً با البیع اتصال قرار وهو ماوضع لالأن یفصله البشر دخل تبعاً ومالافلا ومالم یکن من القسمین فإن من حقوقه ومرافقه دخل بلا ذکر وإلا لا.(الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۷/ ۷٤- ۷۵، درر الحکام شرح غرر الأحکام :۱۷۳/٦)

(۲) وکذا البستان الداخل، وإن لم یصرح بذالك، لاالبستان الخارج إلا إذاکان أصغر منها فیدخل تبعاً، ولو مثلها أو أکبر فلا إلا بالشرط. زیلعي وعیني. وبذالك جزم أیضا في البحر والنهر هناك (شامي :۷/ ۷۵)

میں نے اس زمین کو اس کے تمام حقوق و مرافق سمیت خریدا تو راستہ اور حق شرب داخل ہو جائے گا ورنہ داخل نہ ہوگا۔ اور اگر وہ چیز اس کے حقوق و مرافق میں سے نہ ہو تو حقوق و مرافق کے بیان سے بھی داخل نہ ہوگی، جیسے، کھیتی اور پھل۔ کہ اگر کہا میں نے یہ زمین یا درخت مع اس کے حقوق کے خریدا تو (کھیتی اور پھل) مبیع کے تحت داخل نہ ہوں گے، کیونکہ اس میں نہ اتصال قرار ہے اور نہ وہ اس کے حقوق میں سے ہیں۔ پس اس میں صراحت ضروری ہے، یا یوں کہے کہ میں نے اس زمین یا درخت کو ہر اس چیز کے ساتھ جو اس میں ہے یا اس سے متعلق ہے خریدا تو پھر بیع کے تحت کھیتی اور پھل بھی داخل ہوں گے۔ (۱)

استدراک: لیکن جانور کی بیع میں حمل کے داخل ہونے پر اعتراض نہیں ہونا چاہئے کہ اس میں اتصال قرار نہیں ہے پھر بھی بلا ذکر کے داخل ہے، کیوں کہ وہ فضل الٰہی ہے، نیز وہ اس کی جزئیت میں داخل ہے، برخلاف کھیتی وغیرہ کہ وہ زمین کا جز نہیں (۲)

۲۶۹-**ضابطہ**: ہر وہ خارجی چیز جو جاندار (پرندہ، مچھلی وغیرہ) کے پیٹ سے

---

(۱)(فإن من حقوقه ومرافقه).. كالطريق والشرب للأرض ..(دخل بذكرها)أى بذكرالحقوق والمرافق. قوله:(وإلالا)أى وإن لم يكن من حقوقه ومرافقه لايدخل وإن ذكرها فلا يدخل الثمر بشراء شجرلأنه وإن كان اتصاله خلقيا فهو للقطع لاللبقاء فصار كالزرع ،إلا إذا قال بكل مافيها او منها،لأنه حينئذ يكون من المبيع كما فى الدرر.(شامى :۷/۷۵، تبيين الحقائق: ۱۰/ ۲۶۱)

(۲)فاندفع ماأورد عليه من بيع الجارية الحامل ونحو البقرفإنه يدخل حملها فى البيع مع أنه متصل للفصل بأن ذالك فضل الله تعالىٰ وهذا المعنى متبادر فترك التقييد به وأيضاً الأم ومافى بطنها مجانس متصل فيدخل باعتبار الجزئية بخلاف الزرع ليس مجانساً للأرض فلا يمكن اعتبار الجزئية ليدخل بذكر الأصلية.(تبيين الحقائق: ۱۰/ ۲۶۹)

نکلے تو اگر وہ اس جاندار کے خوراک میں سے ہے تو وہ مشتری کیلئے ہے، ورنہ بائع کے لئے ہے۔ (۱)

جیسے مچھلی خریدی، اور اس کے پیٹ میں سے دوسری مچھلی، یا عنبر نکلا تو وہ مشتری کے لئے ہے، اور اگر موتی نکلا تو وہ بائع کے لئے ہے، اور وہ بائع کیلئے بحکم لقطہ ہوگا۔ لیکن اگر وہ موتی صدف (سیپ) میں تھا تو وہ مشتری کے لئے ہے کیونکہ صدف مچھلی کے خوراک میں سے ہے۔ (۲)

مبیع وغیرہ پر قبضہ کا بیان

۲۷۰- **ضابطہ**: ہر وہ عقد جو عوض کے ہلاک ہونے سے فسخ نہیں ہوتا اس عوض میں قبل القبض تصرف جائز ہے، اور جو فسخ ہوجاتا ہے اس میں تصرف جائز نہیں۔ (۳)

جیسے مہر، بدل خلع وغیرہ میں قبل القبض تصرف جائز ہے، یعنی بیوی کے لئے قبل

(۱) کل شیء یوجد فی حوصلة الطیر مما یاکله فهو للمشتری وإن کان من غیره فهو للبائع کما فی التاتارخانیة. (هندیه :۳/۳۸) (۲) قال أصحابنا رحمهم الله تعالیٰ: اشتری سمکة فوجد فی بطنها اللؤلؤة فإن کانت فی الصدف تکون للمشتری وإن لم تکن فی الصدف فإن کان البائع اصطاد السمکة یردّها المشتری علی البائع وتکون عند البائع بمنزلة اللقطة ...وإن اشتری سمکة فوجد فی بطنها سمکة تکون للمشتری ...ولو کان فیه عنبر یکون للمشتری ولو اشتری دجاجة فوجد فیها لؤلؤة فهی للبائع ..الخ (هندیه :۳/۳۸)

(۳)...... کل عقد ینفسخ بهلاك العوض لم یجز التصرف فی ذالك العوض قبل قبضه کالبیع...... ومالاینفسخ بهلاك العوض فالتصرف فیه قبل القبض جائز کالمهر...... یجوز بیعه وهبته وإجارته قبل قبضه. (فتح القدیر :۶/۴۷۳)

القبض اس کو بیچنا، ہدیہ دینا، یا کرایہ پر دینا وغیرہ جائز ہوگا، کیونکہ یہ (عقد نکاح، عقد خلع) ان عقود میں سے ہیں کہ اگر اتفاق سے ان کا عوض (مہر یا بدل خلع) ہلاک بھی ہوجائے تو وہ فسخ نہیں ہوتے، شوہر کے ذمہ دوسرا عوض دینا لازم ہوتا ہے۔

برخلاف خرید وفرخت کا معاملہ اگر اس میں سودا (مبیع) ہلاک ہوجائے تو عقد ہی فسخ ہوجاتا ہے۔ پس مبیع پر قبضہ سے پہلے اس میں تصرف (بیع، اجارہ وغیرہ) جائز نہیں۔

تفریع: پس ان پھلوں کی بیع جو ابھی درخت پر ظاہر نہیں ہوئے؛ اڑتے ہوئے پرندے کی بیع؛ مفرور جانور کی بیع؛ تالاب میں مچھلی کی بیع؛ وغیرہ ...قبل القبض کی تمام صورتیں بیع میں جائز نہیں، ایسی بیع فاسد ہے۔ (جیسا کہ شروع میں گذر چکا)

۱۷۲- **ضابطہ**: ہر ایسا تصرف جو بغیر قبضہ کے جائز ہوجاتا ہے (جیسے بیع واجارہ) مشتری جب اس کو قبل القبض کرے تو جائز نہیں۔ اور جو تصرف بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہوتا ہے (جیسے ہدیہ، صدقہ وغیرہ) مشتری جب قبل القبض کرے تو جائز ہے۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کے نزدیک ہے، اور درمختار میں ہے کہ یہی اصح ہے [1] اور شیخینؒ کے نزدیک قبضہ سے پہلے کسی قسم کا تصرف جائز نہیں ــــــ البتہ قبل القبض وصیت کے صحیح ہونے میں سب کا اتفاق ہے، یعنی اگر متوفی نے قبضہ سے پہلے اس مال کے متعلق کوئی وصیت کی ہے تو وہ قابل نفاذ ہوگی۔ [2]

---

(۱) قال محمد: کل تصرف یجوز من غیر قبض إذا فعله المشتری قبل القبض لایجوز، وکل مالایجوز إلا بالقبض کالهبة إذا فعله المشتری قبل القبض جاز (شامی :۷/۹۳-۹٤) وبیع منقول قبل قبضه ..نخلاف.. هبته والتصدق به وإقراضه ورهنه وإعارته من غیر بائعه فإنه صحیح علی قول محمدؒ وهو الأصح (الدرالمختارعلی هامش ردالمحتار :۷/۳۷۰، باب المرابحة والتولیة)

(۲) ولو أوصی به قبل القبض ثم مات قبل القبض صحت الوصیة بالإجماع . (فتح القدیر :۶/٤۷۳)

۲۷۲- **ضابطہ**: منقولات کی بیع قبل القبض جائز نہیں، غیر منقولات کی جائز ہے۔(۱)

تشریح: پس گیہوں، کپڑا، برتن، الماری وغیرہ منقولی چیزوں میں جب تک قبضہ نہ کرلیا جائے ان کو آگے بیچنا جائز نہیں اور زمین، مکان، دکان وغیرہ غیر منقولی اشیاء کی بیع قبل القبض بھی درست ہے۔ کیونکہ منقولی اشیاء میں ہلاکت کا خطرہ رہتا ہے، لہٰذا ممکن ہے مشتری کا اس پر قبضہ ہی نہ ہو سکے، ایسی صورت میں وہ جس دوسرے شخص کے ہاتھ اس کو فروخت کرے گا وہ دھوکا کھائے گا کہ باوجود سودا ہو چکنے کے اس کو مبیع حاصل نہیں ہوئی، برخلاف غیر منقولی اشیاء کہ ان میں اس طرح ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں رہتا۔

فائدہ: فتح القدیر میں ہے: کہ اس دلیل کا تقاضہ یہ ہے کہ اموال غیر منقولہ میں بھی جب ضیاع کا اندیشہ ہو تو قبضہ کئے بغیر آگے بیچنا جائز نہ ہوگا، مثلاً زمین سمندر کے بالکل قریب ہو اور اندیشہ ہو کہ سمندر کی زد میں آجائے، اسی طرح مکان یا دیگر عمارات میں اس قسم کا کوئی قوی خطرہ ہو۔(۲)

۲۷۳- **ضابطہ**: ہر سامان میں قبضہ اس سامان کی نوعیت کے اعتبار سے ہوتا ہے۔(۳)

جیسے غیر منقولی اشیاء کا قبضہ تخلیہ (یعنی مشتری کیلئے اس کو فارغ کردینے اور اس میں رکاوٹ نہ رکھنے سے) ہوتا ہے، اور منقولی اشیاء کا قبضہ تخلیہ سے بھی ہوتا ہے، نیز اس شی میں عرفاً قبضے کی جو نوعیت ہے اس سے بھی ہوتا ہے، مثلاً مشتری کے تھیلے میں اس کے حکم سے سامان رکھدیا، یا گیہوں کو مشتری کے حکم سے پیس دیا، یا مکان خالی کر کے اس کی کنجی مشتری کے حوالہ کردی ــــ وغیرہ یہ سب قبضہ کی صورتیں ہیں۔

---

(۱)(هدایه: ۳/۷۴)(۲)(فتح القدیر: ٦/٤٧٤)

(۳)......لكن ذالك يختلف بحسب حال المبيع. (شامی: ۷/۹٦)

اور اصل اس میں ہے کہ مشتری کے ضمان (یعنی رسک) میں وہ چیز آجانی چاہئے کہ اگر نقصان ہو تو مشتری کا ذمہ، بائع کا نہیں، جب اس کے لئے خارج میں کوئی صورت پائی جائے تو اب مشتری کے لئے اس کی بیع وغیرہ کر کے اس سے نفع اٹھانا جائز ہوگا۔ ورنہ ربح مالم یضمن (یعنی اس چیز سے نفع اٹھانا جو ابھی ضمان میں نہیں آئی) لازم آئے گا اور حدیث میں اس سے منع کیا گیا۔ (۱)

۲۷۴- **ضابطہ**: ثمن میں قبضہ سے پہلے تصرف جائز ہے، مبیع منقول میں جائز نہیں۔ (۲)

تشریح: پس ثمن پر قبضہ سے پہلے بائع کے لئے اس کو ہبہ، صدقہ وغیرہ ہر قسم کا تصرف کرنا جائز ہے، جبکہ مبیع میں عندالشیخین مشتری کے لئے کسی قسم کا تصرف جائز نہیں، اور امام محمد رحمہ اللہ کے نزدیک جو تصرف بغیر قبضہ کے جائز ہو جاتا ہے (جیسے بیع واجارہ) وہ جائز نہیں، اور جو بغیر قبضہ کے جائز نہیں ہوتا جیسے ہدیہ وغیرہ وہ جائز ہے۔ پس امام محمد رحمہ اللہ کے کے نزدیک مبیع کو قبل القبض، بیچنا تو جائز نہیں البتہ ہدیہ کرنا یا صدقہ کرنا جائز ہے، درمختار میں ہے کہ یہی اصح ہے۔ (جیسا کہ ضابطہ نمبر ۲۷۱ تفصیل گزر چکی)

اور مبیع میں منقول کی قید اس لئے کہ غیر منقولات زمین مکان وغیرہ میں قبل القبض بھی ہر قسم کا تصرف جائز ہے (جیسا کہ ضابطہ نمبر ۲۷۲ میں بیان ہوا)

۲۷۵- **ضابطہ**: مقبوض علی سوم الشراء میں مبیع مشتری کے پاس ہلاک ہو جائے

---

(۱) التخلية تسليم (قاعده: ۸۰ ص: ۶۹)-انّ رسول الله ...... قال لايحل سلف وبيع ولاشرطان ولا ربح مالم يضمن ولا بيع ماليس عندك (ترمذى، حديث: ۱۱۵۵، باب كراهية بيع ماليس عندك)

(۲) لايجوز التصرف فى المبيع المنقول قبل قبضه ويجوز فى الثمن قبل قبضه (الجوهرة النيرة: ۱/ ۲۳۹)

تو وہ ضامن ہوگا، جبکہ مقبوض علی سوم النظر میں وہ ضامن نہ ہوگا۔ (۱)

تشریح: مقبوض علی سوم الشراء یہ ہے کہ خریدار بائع سے کہے کہ یہ چیز مجھے دو، اگر مجھے یہ پسند آگئی تو میں اتنے دام پر لوں گا، تو یہ بیع ہے، پس اگر وہ ہلاک ہوجائے تو قابض ضامن ہوگا۔ اور مقبوض علی سوم النظر یہ ہے کہ خریدار بائع سے کہے یہ چیز مجھے دو، تا کہ میں اس میں سوچ وچار کروں یا دوسرے کو دکھلاؤں، تو شئے مقبوض اس کے پاس امانت ہوگی، یہ بیع نہیں ہے، پس ہلاک ہوجائے تو قابض ضامن نہ ہوگا۔ (پس بنیادی فرق یہ ہے کہ سوم الشراء میں قیمت طے ہوجاتی ہے، جبکہ سوم النظر میں کوئی قیمت طے نہیں ہوتی، صرف غور فکر کرنے یا دکھلانے کیلئے وہ لے جاتا ہے) (۲)

ثمن اور مبیع کے متعلقات

۲۷۶-**ضابطہ**: اوصاف کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آتا۔ (۳)

تفریع: پس کسی نے پانچ ہزار میں غلام خریدا اس شرط پر کہ وہ کاتب ہے، لیکن وہ کاتب نہیں نکلا تو چونکہ وصف مرغوب فوت ہوا اس لئے اسے اختیار ہے کہ وہ غلام واپس کردے یا رکھے، لیکن رکھنا ہو تو پوری قیمت (پانچ ہزار) میں رکھنا ہوگا، مشتری سے کچھ قیمت واپس لینے کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ وصف کے مقابلہ میں ثمن کا کچھ حصہ نہیں آتا۔

اسی طرح گاڑی خریدی اس شرط پر کے وہ اس رنگ کی ہو یا اتنی رفتار سے چلنے والی ہو، مگر خریدنے کے بعد جب دیکھا تو وہ دوسرے رنگ کی نکلی یا بیان کردہ رفتار سے کم ظاہر ہوئی، تو اس میں بھی مشتری کو اختیار ہوگا کہ یا تو واپس کردے اور قیمت وصول

---

(۲)...... كالمقبوض على سوم الشراء فإنه بعد بيان الثمن مضمون بالقيمة ...... أما على سوم النظر فغير مضمون مطلقاً. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۱۹/۷-۱۲۱) (۲) (شامی: ۱۱۹/۷) (۳) لأن الأوصاف لا يقابلها شيء من الثمن لكونها تابعة في العقد. (هدايه: ۳۵/۳)

کرلے، یا رکھنا ہو تو پوری قیمت میں رکھے قیمت کم نہیں کرواسکتا (ہاں بائع اپنی طرف سے کچھ قیمت واپس کردے تو حرج نہیں کہ وہ اس کا حق ہے، اور آدمی اپنا حق ساقط کرسکتا ہے)

۲۷۷- **ضابطہ**: ثمن سے بری کرنا تعلیق کا احتمال نہیں رکھتا۔[1]

تشریح: کیونکہ ثمن سے بری کرنے میں تملیک کا معنی ہے، کہ گویا مشتری کو ثمن کا مالک بنایا جارہا ہے اور تملیک میں تعلیق درست نہیں، کیونکہ تعلیق میں ملکیت یقینی طور پر ثابت نہیں ہوتی ہے بلکہ شرط پر معلق رہتی ہے اور یہ قمار (جوا) ہے۔ پس ثمن سے بری کرنے میں تعلیق درست نہ ہوگی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ: کشتی کے سفر میں کوئی شخص سامان بیچ رہا تھا، اتنے میں ضرورت پیش آئی کے کشتی میں سے بوجھ ہلکا کیا جائے ورنہ کشتی خطرے میں ہے، تو بائع نے اعلان کیا جس نے مجھ سے سامان خریدا ہے وہ ثمن سے بری ہے اس شرط پر کہ وہ سامان سمندر میں ڈالدے، تو اس کا یہ کہنا باطل ہے، کوئی بھی مشتری ثمن سے بری نہ ہوگا، خواہ سامان سمندر میں ڈالے یا نہ ڈالے، کیونکہ تعلیق کی وجہ سے برأت درست نہیں رہی۔

۲۷۸- **ضابطہ**: حصہ مشاع کی بیع وشراء بالاتفاق جائز ہے، ہبہ جائز نہیں[2]

تشریح: اگر کسی گھر یا زمین کا حصہ مشاع بیچا مثلاً پانچواں حصہ یا دسواں تو یہ بالاتفاق جائز ہے پس مشتری اس گھر یا زمین کے ہر ہر حصہ میں شریک ہوگا لیکن حصہ مشاع کا ہدیہ کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ بیع میں قبضہ شرط نہیں اور ہبہ میں قبضہ شرط ہے بدون قبضہ کے موہوب لہ مالک نہیں ہوتا اور حصہ مشاع میں جب

---

(۱) الإبراء عن الثمن لايحتمل التعليق. (قواعد الفقه، ص: ۵۲، قاعده: ۲)

(۲)......وإن اشترى عشرة أسهم من مأة سهم جاز في قولهم جميعاً ......الخ (هدايه: ۲۳/۳) ولنا أن القبض منصوص عليه في الهبة فيشترط كما له والمشاع لايقبله إلا بضم غيره ......الخ (هدايه: ۳/ ۲۸۵)

تمام اس کو تقسیم نہ کیا جائے موہوب لہ کا قبضہ ممکن نہیں۔

استدراک: لیکن اگر کسی فیکٹری یا ہوٹل کے حصہ مشاع میں باقاعدہ شیرز کا کاروبار چلتا ہو جیسا کہ شیر مارکیٹ میں ہوتا ہے تو ان میں شیرز کا ہدیہ جو کہ درحقیقت حصہ مشاع کا ہدیہ ہے جائز ہے، کیونکہ شیرز بوجہ لین دین کے خود تجارتی مال کے حکم میں ہوگئے ہیں اور ان پر باقاعدہ دستاویز وغیرہ کی صورت میں قبضہ کیا جاتا ہے۔ پس ممانعت کی علت (عدم قبضہ) ختم ہوگئی۔

۲۷۹- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو نفس مبیع میں یا اس کی قیمت میں اضافہ کرے اس کو مبیع کے ساتھ لاحق کیا جائے گا۔[1]

تفریع: پس اگر کوئی کپڑا مثلاً پانچسو روپے میں خریدا پھر اس میں کچھ کام کیا مثلاً نقش ونگار، رنگنا، سینا وغیرہ جس سے نفس مبیع میں اضافہ ہوا تو اب اس کو مبیع کے ساتھ لاحق کر کے جس قدر اضافہ ہوا ہے اسی قدر قیمت زیادہ کر کے بیع تولیہ (خرید قیمت پر سودا) کرے تو یہ جائز ہے۔ لیکن اس میں یوں نہیں کہے گا کہ میں نے اتنے میں خریدا ہے، بلکہ یوں کہے گا کہ مجھے یہ چیز اتنی لاگت میں پڑی ہے، تاکہ جھوٹ نہ ہو جائے۔

اسی طرح جب نفس مبیع میں تو کوئی اضافہ نہیں کیا لیکن اس کی قیمت میں نقل مکانی وغیرہ کی وجہ سے اضافہ ہوا تو بھی یہی حکم ہے۔[2]

فائدہ: باعتبار قیمت بیع کی چار قسمیں ہیں: تولیہ، مرابحہ، وضیعہ، اور مساومہ۔ تولیہ یہ ہے کہ جس قیمت میں خریدا اتنے میں ہی بیچ دیا جائے۔ اور مرابحہ یہ ہے کہ نفع کے ساتھ بیچا جائے۔ اور وضیعہ کہتے ہیں: خرید قیمت سے کم میں یعنی نقصان سے بیچا جائے اور مساومہ یہ ہے کہ پہلی قیمت کو ملحوظ رکھے بغیر بیع کی جائے، خواہ نفع کے ساتھ ہو، یا نقصان کے ساتھ ہو، یا برابر کا معاملہ ہو ——— اس طرح بیع مساومہ میں پہلی قیمت کا

(۱) كل مايزيد في المبيع أو في قيمته يلحق به هذا هو الأصل. (اللباب على هامش الجوهرة: ۲۶۹/۱) (۲) (هدايه: ۷۱/۳)

ذکر ہی نہ ہوگا، جبکہ باقی تین صورتوں میں عقد کے وقت پہلی قیمت کا حوالہ دینا ضروری ہے، یعنی میں پہلی قیمت پر اس قدر نفع یا نقصان کے ساتھ، یا بعینہ اسی قیمت پر بیچ رہا ہوں[۱] ــــــ اگر بائع نے مشتری سے خیانت کی تو اگر بیع مرابحہ میں ایسا کیا یعنی جو نفع ظاہر کیا تھا اس سے زیادہ لیا تو اس میں مشتری کو اختیار ہوگا کہ بیع فسخ کردے یا اسی قیمت پر لے جو بائع نے بیان کی ہے اور اگر بیع تولیہ میں خیانت ظاہر ہوئی تو بقدر خیانت قیمت کم کردے، اس میں واپسی یعنی فسخ کا اختیار نہ ہوگا، کیونکہ تولیہ میں کم نہ کیا جائے تو ثمن اول سے زائد ہونے کی وجہ سے تولیہ باقی نہیں رہے گا بلکہ مرابحہ ہو جائے گا، برخلاف مرابحہ کہ اس کو باقی رکھنے کے لئے کم کرنا ضروری نہیں لہذا اس میں حکم ہے کہ یا تو اسی قیمت پر لے یا فسخ کردے۔[۲]

نوٹ: اقسام بیع سے متعلق ایک شجرہ کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

عقد میں استثناء کا بیان

۲۸۰-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جس پر عقد وارد ہو سکتا ہے، اس کا استثناء بھی ہو سکتا ہے، اور جس پر عقد وارد نہیں ہو سکتا اس کا استثناء بھی نہیں ہو سکتا۔[۳]

---

(۱)(شامی: ۹/۷، الجوهرة النيرة: ۱/ ۲۶۹، هنديه: ۳/۳-٤)

(۲)فإن ظهر خيانته في مرابحة ...أخذه المشتري بكل ثمنه أو رده لفوات الرضاء وله الحط قدر الخيانة في التولية(الدرالمختار)قال ح:يعني لولم يحط في التولية تخرج عن كونها تولية لأنها تكون بأكثر من الثمن الأول، بخلاف المرابحة فإنه لولم يحط فيها بقيت مرابحة.(شامي :۳۵۵/۷-۳۵۶)

(۳)ماجازايردا العقد عليه بانفراده صح استثناؤه منه(الدرالمختارعلى هامش ردالمحتار :۹۰/۷-بناية:٦٦/۷)الأصل ان مالا يصح افراده بالعقد لايصح استثناؤه.(هدايه ص: ٦٠، تبيين الحقائق: ۲۷٤/۱۰)

جیسے:

(۱) جانور کے تنہا حمل کا بیچنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر کا احتمال ہے، تو اس کا استثناء بھی جائز نہیں، یعنی کہے: میں نے یہ بکری بیچی مگر اس کے حمل کا استثنا ہے تو یہ درست نہیں۔ (۱)

(۲) بکریوں کے ریوڑ میں سے دس غیر معین بکریوں کا بیچنا جائز نہیں، کیونکہ بکریوں کے افراد میں زیادہ تفاوت ہوتا ہے، اس لئے مبیع کی تعیین میں جھگڑا ہوگا، پس ریوڑ میں سے دس غیر متعین بکریوں کا استثناء کرنا بھی جائز نہیں یہاں بھی جھگڑے کا احتمال ہے، کیونکہ مشتری کمزور قسم کی بکریاں علاحدہ کرے گا اور بائع اچھی بکریاں چھانٹے گا۔ اور یوڑ میں سے دس بکریاں متعین کر کے فروخت کرنا جائز ہے، پس متعین دس بکریوں کا استثناء بھی جائز ہے۔

(۳) اور گیہوں کے ڈھیر میں سے بغیر تعیین کئے پانچ کیلو گیہوں بیچنا جائز ہے، کیونکہ گیہوں کے دانوں میں تفاوت نہیں ہوتا، پس ڈھیر میں سے پانچ کیلو کا استثنا بھی جائز ہے۔ (۲)

(۴) اسی طرح آم کے باغ میں سے دس غیر معین درختوں کو بیچنا جائز نہیں تو ان کا استثناء بھی جائز نہیں اور معین درختوں کی بیع جائز ہے تو ان کا استثناء بھی جائز ہے۔

استثناء: لیکن اگر درخت پر آم کا استثناء کیا جیسے کہا سارے آم فروخت کئے مگر اس میں سے پچاس کیلو ہم کھانے کے لئے رکھیں گے تو ضابطہ کے رو سے تو اس کا استثناء صحیح نہ ہونا چاہئے، مگر مسئلہ یہ ہے کہ: اگر باغ کے موجودہ حالات سے یہ اندازہ ہو کہ اتنے آم اتریں گے تو یہ استثناء صحیح ہے۔ فی زمانہ لوگوں کے تعامل کی وجہ سے فتویٰ اسی پر ہے، پس یہ صورت ضابطہ سے مستثنیٰ ہے۔ (۳)

(۱) (هدایه ص: ۶۰) (۲) (شامی: ۷/ ۹۰)

(۳)......وقيد بالأرطال، لأنه لو استثنى رطلاً واحداً جاز اتفاقاً لأنه القليل ←

لیکن بہر حال وزن سے تعیین کی بجائے حصہ کا استثناء کرنا بہتر ہے مثلاً جو کچھ آم اتریں گے ان کا تیسرا حصہ، یا پانچواں حصہ، یا دسواں حصہ ہم رکھیں گے باقی تمہیں بیچ دیا، کیونکہ یہ صورت بالاتفاق صحیح ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں۔ (۱)

۲۸۱- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کا اتصال کسی چیز کے ساتھ خلقی ہو اس کو اس شئ سے الگ کرنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں، مگر یہ کہ اس کا تعامل ہو تو ضرورتاً جائز ہے۔ (۲)

جیسے:

(۱) زندہ جانور کا گوشت یا کھال کا بیچنا جائز نہیں۔

(۲) جانور کے پشت پر اون یا بالوں کو کاٹنے سے پہلے بیچنا جائز نہیں۔

(۳) کھجور کی گٹھلی یا خربوزہ کے بیج کو اس میں سے نکالے بغیر بیچنا جائز نہیں۔

مگر بعض چیزوں کی بیع خلاف قیاس تعامل کی وجہ سے جائز ہے، جیسے:

(۱) زمین پر کھڑے درخت کو کاٹنے سے پہلے بیچنا جائز ہے۔

(۲) پھلوں کو درخت پر کاٹنے سے قبل بیچنا جائز ہے۔ (۳)

بیع سلم کا بیان

تمہید: بیع سلم کہتے ہیں "بیع الآجل بالعاجل" یعنی ادھار کو نقد کے عوض بیچنا۔

← من الكثير، بخلاف الأرطال لجواز أن لايكون إلا ذالك القدر فيكون استثناء الكل من الكل. بحر عن البناية. ومقتضاه أنه لوعلم أنه يبقى أكثر من المستثنى يصح . (شامی :۷/۹۰-۹۱)

(۱)......أفاد أن محل الاختلاف الآتي ماإذا استثنى معيناً، فإن استثنى جزءاً كربع وثلث فإنه صحيح اتفاقاً كما في البحرعن البدائع. (شامی :۷/۹۰)

(۲)......كذا كل ماتصاله خلقي كجلد حيوان ونوى تمر. الخ(الدر المختار:۷/ ۲۵۲)(۳)(الدرالمختار: ۲۵۱ - ۲۵۲)

اس میں مبیع ادھار ہوتی ہے اور ثمن نقد ہوتا ہے۔

اس باب میں مبیع کو "مسلم فیہ" ثمن کو "رأس المال" بائع کو مسلم الیہ اور مشتری کو "رب السلم" یا "مسلم" (بکسر اللام) کہا جاتا ہے۔

۲۸۲-**ضابطہ**: بیع سلم ہر اس چیز میں جائز ہے جس کی مقدار کا جاننا اور صفات کا ضبط کرنا ممکن ہو (تاکہ نزاع نہ ہو) اور جس میں یہ چیز ممکن نہ ہو اس میں سلم جائز نہیں (بوجہ مفضی الی المنازعۃ کے)[1]

تفریع: اسی بنا پر فقہاء نے کہا کہ مسلم فیہ (مبیع) کا کیلی، وزنی، ذرعی یا عددمتقارب میں سے ہونا ضروری ہے، کیونکہ ان میں مقدار اور صفات کا ضبط کرنا ممکن ہے، جس سے نزاع کا اندیشہ نہیں رہتا۔

کیلی: یعنی وہ چیز جو پیمانہ سے ناپ کر بیچی جاتی ہو، جیسے تیل، دودھ وغیرہ — اور وزنی: یعنی وہ چیز جو کانٹے میں تول کر فروخت کی جاتی ہو، جیسے گیہوں، چاول، چنا، خشک میوے وغیرہ — اور ذرعی سے مراد: وہ چیز جس کی پیمائش ہاتھ یا گز وغیرہ کے ذریعہ کی جاتی ہو جیسے کپڑے، چٹائی، لکڑا وغیرہ — اور عددمتقارب سے مراد: وہ چیز جو گن کر بیچی جاتی ہو اور ان کے افراد میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا، جیسے، انڈے وغیرہ — پس ان تمام میں بیع سلم جائز ہے، جبکہ ان کی مقدار اور صفات کی اس طرح تعیین کرلی جائے کہ ادائیگی کے وقت فریقین میں نزاع کا اندیشہ نہ رہے۔

اسی پر متفرع ہوتے ہوئے حیوان کی بیع سلم جائز نہیں، کیونکہ وہ عددمتفاویات میں سے ہے یعنی ان کے افراد میں تفاوت زیادہ ہوتا ہے جو نزاع کا باعث ہوگا، اور انڈے، اخروٹ، وغیرہ میں بیع سلم جائز ہے، کیونکہ ان کے افراد میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا اور جو تھوڑا ہوتا ہے وہ لوگوں کے نزدیک ناقابل لحاظ ہے۔

---

(۱) ماأمكن ضبط صفته ومعرفة قدره صح السلم فيه ، ومالا فلا. (الكنز على هامش البحر : ٢٥٩/٦)

اور حیوان کے گوشت میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک اس میں سلم جائز نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک جائز ہے، اسی طرح روٹی کے سلم میں بھی احناف کے یہاں اختلاف ہے۔ اختلاف کا منشاء اسی نظر وفکر کا اختلاف ہے کہ گوشت اور روٹی میں سلم نزاع کا باعث ہوتا ہے یا نہیں؟(۱)

علامہ شامیؒ نے روٹیوں کے قرض کے سلسلہ میں فتوی امام محمد کے قول پر ہونا بیان کیا ہے، یعنی ان کو قرض دینا جائز ہے، خواہ گن کر ہو یا تول کر۔ اس کا تقاضہ یہ ہے کہ سلم میں بھی قول جواز مختار ہونا چاہئے (فی زمانناشادی بیاہ وغیرہ میں لوگوں کا اس پر تعامل بھی ہے، تدبر)(۲)

نوٹ: بیع سلم کی شرائط کے متعلق ایک شجرہ کتاب کے آخر میں ہے۔

بیع میں شرط کا بیان

۲۸۳- **ضابطہ**: ہر وہ شرط جو مقتضائے عقد یا ملائم عقد ہو یا لوگوں میں متعارف ہو وہ بیع میں جائز ہے۔ اور جو شرط ایسی نہ ہو اور اس میں بائع یا مشتری یا مبیع کا نفع ہو تو وہ جائز نہیں، اس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔(۳)

تشریح: شرط کا مقتضائے عقد ہونا: جیسے مشتری کہے کہ میں اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ تم مجھے مبیع فوراً حوالہ کردو، یا بائع کہے میں اس شرط بیع کرتا ہوں کہ تم مجھے ثمن فوراً

---

(۱)(مستفادشامی:۷/۴۵۹ – بحر:۶/۴۲۶– بدائع :۴/ ٤٤٦)

(۲)ويستقرض الخبز وزناً وعدداً عند محمد ، وعليه الفتوىٰ واستحسنه الكمال واختاره المصنف تيسيراً(شامی:۷/۲۸۹)

(۳)ليس كل شرط يفسد البيع ،بل لابد ان لايقتضيه العقد ولايلايمه ولايتعارف وكان فيه منفعة لأحد المتعاقدين أو للمعقود عليه (النهر الفائق :۴/ ٤٣٤، كذا في الهنديه :۳/۳، الدرالمختار على هامش رد المحتار :۷/ ۲۸۲)

ادا کر دو، تو یہ شرط مقتضائے عقد کے عین مطابق ہے اور جائز ہے۔

ملائم عقد (یعنی عقد کے مناسب) شرط ہونا: جیسے بیع مؤجل (ادھار سودے) میں بائع کہے کہ میں تم سے بیع مؤجل کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے کفیل لا کر دو کہ تم پیسے وقت پر ادا کرو گے، تو یہ شرط اگرچہ براہ راست مقتضائے عقد نہیں، لیکن ملائم عقد ہے، اس سے عقد مؤکد ہوتا ہے پس یہ جائز ہے۔ دوسری مثال یہ ہے کہ کوئی یوں کہے کہ اس شرط پر بیع کرتا ہوں کہ تم مجھے کوئی چیز رہن کے طور پر دو تا کہ وقت پر اگر تم نے پیسے ادا نہیں کیے تو میں اس رہن سے وصول کر سکوں، یہ شرط بھی ملائم عقد ہے اور جائز ہے۔

اسی طرح اگر شرط مقتضائے عقد نہ ہو اور نہ بظاہر ملائم عقد ہو لیکن متعارف ہوگئی ہو، یعنی تجار کے درمیان اس شرط کے ساتھ بیع کا رواج اور تعامل ہوگیا ہو، تو ایسی شرط بھی جائز ہے۔ علامہ شامی وغیرہ نے اپنے زمانہ کے رواج کے مطابق اس کی چند مثالیں لکھی ہیں، مثلاً چمڑا خرید کیا اور شرط لگادی کہ بائع اس کے جوتے بنادے، اون خرید کیا بشرطیکہ اس کی ٹوپی بن دے، پرانہ کپڑا یا موزہ خرید کیا بشرطیکہ اس میں پیوند لگادے، تو یہ سب صورتیں باوجودیکہ عقد کے مقتضی وملائم کے خلاف ہیں بوجہ تعامل جائز ہیں۔ (۱)

فی زمانہ اس کی مثالیں درخت پر پھلوں کو باقی رکھنے کی شرط کے ساتھ بیع کرنا؛ فریج وغیرہ خریدنے میں چند مہینوں تک فری سروس کی شرط لگانا؛ یا گیرنٹی یا وارنٹی کے ساتھ کوئی چیز خریدنا وغیرہ ہیں... کہ یہ بوجہ تعامل وتعارف کے جائز ہیں۔

اور جو شرط نہ مقتضائے عقد کے موافق ہو اور نہ ملائم عقد کے اور نہ لوگوں میں متعارف ہو اور اس میں احد المتعاقدین کا فائدہ ہو یا مبیع کا فائدہ ہو درانحالیکہ مبیع اہل استحقاق میں سے ہو تو وہ جائز نہیں اس سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ یہ نزاع کا سبب ہے۔ اور مبیع کے اہل استحقاق سے مراد یہ ہے کہ وہ آدمی ہو چنانچہ اگر جانور بیچا اور یہ شرط لگائی کہ تم اس پر سوار نہیں ہوں گے یا فلاں چارہ کھلاؤ گے تو یہ شرط لغو ہے اس سے بیع

(۱) (الدر والشامی: ۲۸۶/۷)

فاسد نہ ہوگی، کیونکہ جانور اہل استحقاق میں سے نہیں، اگر مشتری وہ شرط پوری نہیں کرے گا تو اس سے جھگڑے گا نہیں۔ (۱)

۲۸۴- **ضابطہ**: ہر قسم کے عیب سے براءت کی شرط پر بیچنا صحیح ہے۔ (۲)

تشریح: کیونکہ اس میں کوئی نئی چیز کے وجود کی شرط نہیں لگائی گئی، بلکہ مشتری اپنا ایک حق اور وہ وصف سلامتی ہے کو ساقط کرتا ہے اور وہ اس شرط پر بیع کیلئے راضی ہے۔ اور آدمی کو اپنا حق ساقط کرنے کا پورا اختیار ہوتا ہے، پس اس طرح بیع جائز ہوگی۔ اب مبیع میں جو بھی عیب پایا جائے خواہ وہ عقد سے پہلے کا ہو یا بعد کا، چھوٹا ہو یا بڑا بائع اس عیب سے بری ہوگا، مشتری کسی بھی عیب کی وجہ سے مبیع واپس نہیں کر سکتا ہے، اور نہ ثمن کم کروا سکتا ہے۔ (۳)

۲۸۵- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جو عقد میں بلا شرط کے داخل ہو جاتی ہے مشتری جب اس کی شرط لگائے تو اس کا موجود ہونا ضروری نہیں (نہ ہو تب بھی عقد جائز ہے) اور جو چیز عقد میں بغیر شرط کے داخل نہیں ہوتی اس کا موجود ہونا ضروری ہے، ورنہ عقد جائز نہ ہوگا۔ (۴)

جیسے بائع نے زمین کو بیچا اس شرط پر کہ اس میں درخت موجود ہیں یا یہ جانور بیچا

---

(۱) الأصل الجامع فی فساد العقد بسبب شرط لایقتضیه العقد ولایلائمه وفیه نفع لأحدهما أو فیه نفع لمبیع هو من أهل الاستحقاق للنفع بأن یکون آدمیا فلو لم یکن کشرط أن لایرکب الدابة المبیع لم یکن مفسداً .(الدرالمختار علی هامش رد المحتار :۷/ ۲۸۲-۲۸۳)

(۲) وصح البیع بشرط البراء ة من کل عیب ...الخ (تنقیح الفتاویٰ الحامدیة : ۱/ ۳۷۳) (۳) (مستفاد شامی: ۷/ ۲۱۸)

(۴) والأصل فیه أن مایدخل فی العقد بلا شرط إذا شرط وعدم فإن العقد یجوز ومالایدخل بلا شرط إذا شرط ولم یوجد لم یجز (شامی :۷/ ۱۴۵)

اس شرط پر کہ اس کے پیٹ میں حمل ہے تو درخت اور حمل کا موجود ہونا ضروری نہیں، نہ ہو تب بھی عقد جائز رہے گا، کیونکہ زمین کی بیع میں درخت اور جانور کی بیع میں حمل بلاذکر کے بھی داخل ہوتے ہیں (البتہ وصف مرغوب فیہ کے فوت ہونے سے اس میں مشتری کو خیار حاصل ہوگا، چاہے تو کل ثمن کے عوض خریدے یا ترک کردے)[1]

اور اگر گھر کو بیچا اس شرط پر کہ اس میں بیڈ، پلنگ، بستر، برتن وغیرہ بھی ہیں، تو اگر یہ سامان موجود ہے تو عقد جائز ہے ورنہ جائز نہیں، کیونکہ مذکور سامان بلاشرط لگائے گھر کی بیع کے تحت نہیں آتا۔

۲۸۶- **ضابطہ**: مبیع میں وصف مرغوب کی شرط لگانا درست ہے اور اس کے فوت ہونے پر مشتری کو خیار حاصل ہوگا (برخلاف وصف غیر مرغوب کے کہ اس میں خیار حاصل نہ ہوگا)

تشریح: پس بکری یا بھینس خریدی اس شرط پر کہ دُودھیل (دودھ دینے والی) ہے، یا گاڑی خریدی اس شرط پر کہ تیز رفتا ہے، تو یہ وصف مرغوب کی شرط ہے اور درست ہے، اس کے فوت ہونے پر مشتری کو خیار حاصل ہوگا۔

برخلاف غیر مرغوب کے جیسے بائع نے کہا یہ جانور لنگڑا ہے یا کانا ہے اور وہ اس کے خلاف نکلا تو اس میں مشتری کو کوئی خیار حاصل نہ ہوگا کیونکہ بائع کے بیان کئے ہوئے وصف میں اس کے لئے کوئی رغبت نہیں بلکہ رغبت اس کے خلاف میں ہے، اور بائع کا وصف بیان کرنے سے مقصد اپنی براءت ہے، یعنی لنگڑا یا کانا نکلا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں۔[2]

---

(۱) باع أرضاً علی أن فیه نخیلاً أو داراً علی أن فیه بیوتاً ولم یکن فإنه یجوز العقد ویخیر المشتری أخذه بکل الثمن أو ترك. (شامی: ۱۴۵/۷) (۲) (لأن هذا وصف مرغوب فیه) وهو ظاهر وهو احتراز عما لیس بمرغوب فیه کما إذا باع علی أنه أعور فإذا هو سلیم لأنه لایوجب الخیار (بنایه فی شرح الهدایه: ۱۱۳/۷)

استدارک: لیکن اگر بکری یا بھینس خریدی اس شرط پر کہ وہ حاملہ ہو یا اتنا لیٹر دودھ دیتی ہو، یا غلام خریدا اس شرط پر کہ روزانہ اتنے صفحات کی کتابت کرتا ہو، یا گاڑی خریدی اس شرط پر کہ فی لیٹر تیل اتنے کلومیٹر کی ایورتج دیتی ہو تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں شرط فاسد کا ذکر ہے وصف کا نہیں، اس لئے کہ جانور کے پیٹ میں کیا ہے اس کی حقیقت معلوم نہیں، اسی طرح تھنوں میں دودھ کی مقدار اور غلام کے صفحات لکھنے اور گاڑی کی ایورتج دینے کی مقدار بھی فی الحال جانی نہیں جاسکتی ہے، اور مبیع میں جب جہالت ہو یا اس کے کسی جزو میں جہالت ہو تو بیع فاسد ہو جاتی ہے، کیونکہ جزو کی جہالت کل کی جہالت کے مانند ہے۔[1]

البتہ اگر ان چیزوں کا صرف بیع میں تذکرہ ہو شرط کے طور پر بیان نہ کیا جائے، یعنی میں اسی شرط پر خریدتا ہوں مشتری نے یہ نہ کہا ہو تو پھر بیع فاسد نہ ہوگی۔

۲۸۷- **ضابطہ**: جو چیز تاجروں میں معروف ہوتی ہے وہ ان کے آپس میں

(۱) بخلاف شرائه شاة على أنها حامل أو تحلب كذا رطلاً أو يخبز كذا صاعاً او يكتب كذا قدراً فسد لأنه شرط فاسد لاوصف. (الدرالمختار) (لأنه شرط فاسد) لأنه زيادة مجهول لعدم العلم بها. فتح: اى لأن مافى البطن والضرع لاتعلم حقيقته. (شامى :۷/ ۱۴۳) وفى البناية: وينقض بما إذا باع شاة على انها حامل او على أنها تحلب كذا فإن البيع فيه فاسد والوصف موغوب فيه، واجيب بان ذالك ليس بوصف بل اشترط مقدر من البيع مجهول وضم المجهول إلى المعلوم يصير الكل مجهولاً، ولهذا إذا شرط أنها حلوب اولبون لاتفسد لكونه وصفاً مرغوباً فيه ذكره الطحاوىؒ، سلمناه ولكنه مجهول ليس فى وسع البائع تحصيله ولا إلى معرفته سبيل بخلاف مانحن فيه، فإن له أن يأمره بالخبز والكتابة فيظهر حاله. (بنايه فى شرح الهدايه: ۱۱۳/۷)

شرط کے مانند ہوتی ہے۔ (۱)

جیسے اگر کسی جگہ تاجروں میں یہ عرف ہو کہ بڑے تاجروں سے مال لینے کے بعد اس کا پیمینٹ (ادائیگی ثمن) ایک ہفتہ میں کرتے ہوں تو اب وہ جب بھی آپس میں بیع کریں گے ان کی بیع ایک ہفتہ تک کے لئے مؤجل ہوگی، پس بائع کا ہفتہ سے پہلے ثمن کا مطالبہ اور مشتری کا ثمن ادا کرنے میں ہفتہ سے زیادہ تاخیر کرنا جائز نہ ہوگا، خواہ عقد میں ہفتہ کی شرط ہو یا نہ ہو، کیونکہ تاجروں میں جو عرف رائج ہوتا ہے وہ (عقد میں) شرط کے مانند ہے۔

اسی طرح اگر ان کا یہ عرف ہو کہ مال کے پہنچانے کے اخراجات مشتری پر لازم ہیں، تو اب مشتری کے ذمہ اخراجات آئیں گے، خواہ عقد میں اس کا ذکر ہو یا نہ ہو۔

ادھار خرید وفروخت

۲۸۸-**ضابطہ**: بیع مؤجل (ادھار بیع) میں بائع کا ثمن پر مطالبہ کا استحقاق اجل (طے شدہ مدت) سے پہلے قائم نہیں ہوتا، جبکہ بیع حال میں عقد کے فوراً بعد قائم ہوجاتا ہے۔ (۲)

تفریع: آج کل روزمرہ دکانوں میں جو ہوتا ہے کہ کوئی چیز خرید کر کہتے ہیں "پیسے بعد میں دے دیں گے" کب دیں گے؟ یہ طے نہیں ہوتا، یہ بیع موجل نہیں ہے، اس کو اگر بیع مؤجل قرار دیں گے تو بیع فاسد ہوگی، کیونکہ اس میں اجل مجہول ہے اور اجل کی جہالت سے بیع فاسد ہوجاتی ہے، لیکن یہ بیع حال ہے اور بائع کی طرف سے اس کو

(۱) المعروف بين التجار كالمشروط بينهم. (قواعد الفقه، ص: ۱۲۵، قاعده: ۳۳۵)

(۲)(مستفاد: بدائع الصنائع: ٤/ ۳۹۳-۳۹٤، اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ٤ / ۱۷٤)

مہلت دی گئی ہے، مگر اس مہلت کے بعد بھی فوری مطالبہ کا حق اس کے لئے ہر وقت موجود رہتا ہے وہ جب چاہے ثمن وصول کرسکتا ہے، برخلاف بیع موجل کے کہ اس میں معینہ مدت سے پہلے بائع کے لئے مطالبہ کا استحقاق قائم نہیں ہوتا۔

۲۸۹-**ضابطہ**: مشتری کی موت سے بیع میں تاجیل ختم ہوجاتی ہے، بائع کی موت سے ختم نہیں ہوتی۔ (شامی: ۵۳/۷)

تشریح: پس اگر بیع میں ثمن کی ادائیگی کی کوئی مدت مقرر کی تھی تو اس مدت کے ختم ہونے سے پہلے اگر بائع کا انتقال ہوجائے تو مدت ختم نہ ہوگی، بائع کے ورثاء وہ مدت ختم ہونے سے پہلے اس سے مطالبہ نہیں کرسکتے۔ اور اگر مشتری کا انتقال ہوجائے تو وہ مدت ختم ہوجائے گی، بائع اس کے ترکہ میں سے فوری مطالبہ کرسکتا ہے، کیونکہ مشتری ثمن کا مدیون ہے، اور بائع (حکماً) دائن ہے۔ اور مدیون کی موت سے اجل (مدت) ختم ہوجاتی ہے، نہ کہ دائن کی موت سے۔[1]

۲۹۰-**ضابطہ**: بیع میں ثمن اور مبیع دونوں ادھار ہوں تو بیع درست نہ ہوگی۔[2]

تشریح: کیونکہ یہ بیع الکالی بالکالی (بیع الدین بالدین) ہے اور حدیث شریف میں اس سے منع کیا گیا ہے۔[3]

فائدہ: اصل تو یہ ہے کہ بیع میں ثمن اور مبیع دونوں نقد ہوں، کسی طرف سے بھی ادھار نہ ہو، لیکن شریعت نے انسانی ضرورت کی بنا پر ایک جانب سے ادھار کی گنجائش رکھی ہے۔ چنانچہ اگر مبیع نقد ہو اور ثمن ادھار ہو تو یہ بیع "تاجیل" یا "مؤجل" ہے اور مبیع ادھار ہو اور ثمن نقد ہو تو یہ بیع "سلم" ہے۔

❁ ❁ ❁

(۱)(شامی : ۷/ ۵۳، ملخصاً)

(۲)وإن کان کلاھما دیناً لم یجز . (ھندیه : ۳/ ۱۳)

(۳)(ھدایه : ۳/ ۸۱)

بیع فاسد اور باطل کا بیان

۲۹۱-**ضابطہ**: ہر وہ خلل جو رکن بیع میں ہو وہ بیع کو باطل کرتا ہے اور جو غیر رکن میں (یعنی وصف وغیرہ میں) ہو وہ بیع کو فاسد کرتا ہے۔ (۱)

تشریح: بیع کا رکن ایجاب وقبول ہے، اس میں خلل (نقصان) دو طرح سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ وہ رکن غیر اہل سے صادر ہو بایں طور کے اس کو کرنے والا ناسمجھ بچہ یا مجنون ہو۔ دوسرے یہ کہ اس (رکن) کا تعلق غیر محل سے ہو یعنی ایسی چیز سے ہو جس کو کسی آسمانی مذہب میں مال تسلیم نہ کیا گیا ہو جیسے، مردار، شراب، آزاد وغیرہ ——— پس ناسمجھ بچہ اور مجنون کا بیع کرنا باطل ہے، اسی طرح مرادار، شراب، خنزیر وغیرہ کو (بحیثیت مبیع) فروخت کرنا باطل ہے۔

غیر رکن میں خلل سے مراد یہ ہے کہ بیع اپنے اصل کے لحاظ سے تو درست ہو، لیکن اس کے کسی وصف میں فساد آگیا ہو، جیسے مبیع غیر مقدور التسلیم ہو یا اس میں ایسی کوئی شرط لگائی گئی ہو جو مقتضائے عقد کے خلاف ہو۔ (۲)

ملحوظہ: علماء نے عبادات میں فاسد اور باطل کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، یہ فرق معالات اور نکاح میں کیا ہے، اور اس میں بھی کبھی مجازاً ایک کا دوسرے پر اطلاق کردیتے ہیں، پس قرائن سے اس پر مطلع ہونا ضروری ہے۔ (۳)

---

(۱)وکل ماورث خللاً فی رکن البیع فھو مبطل،وما اورثه فی غیره فمسد. (الدر المختار علی هامش رد المحتار :۷/ ۲۳۴)یفرق بین الفساد اذا دخل وبین اذا دخل فی علقة من علائقه. (قواعد الفقه، ص: ۴۱۸ – قاعده:۱۴۳)

(۲)(مستفاد شامی :۷/ ۲۳۴ – تقریرات الرافعی :۱۳۷)

(۳)......وقد یطلق الفاسد بمعنی الباطل مجازاً ...أن أئمتنا لم یفرقوا فی العبادات بینهما وإنما فرقوا فی المعاملات،ح.(شامی:۲/۱۴۶، مطلب واجبات الصلوٰة)

۲۹۲-**ضابطہ**: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، برخلاف بیع باطل میں، کہ اس میں ملکیت ثابت نہیں ہوتی۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس بیع فاسد سے خرید کردہ گھر کے پاس کوئی گھر بیچا جائے تو اس میں مشتری کو حق شفعہ حاصل ہوگا، جبکہ بیع باطل سے خرید کردہ گھر میں حق شفعہ ثابت نہ ہوگا۔

لیکن بیع فاسد میں خود اس مبیع فاسد میں پڑوسی کے لئے کوئی شفعہ ثابت نہ ہوگا، کیونکہ بائع کا حق اس مبیع سے بالکلیہ منقطع نہیں ہوا، اس کو واپس لینے کا حق ہے۔ حاصل یہ کہ مبیع فاسد دوسرے میں تو شفعہ ثابت کرے گی، لیکن خود اس میں شفعہ ثابت نہ ہوگا۔ (۲)

(۲) اگر مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہوگئی تو بیع باطل کی صورت میں اس پر کوئی ضمان لازم نہ ہوگا، کیونکہ وہ مبیع اس کے پاس بطور امانت تھی، اس لئے کہ جب عقد باطل ہوگیا تو بائع کی اجازت سے محض قبضہ باقی رہا اور یہ ضمان کا موجب نہیں، مگر یہ کہ تعدی ہو۔ اور بیع فاسد میں ضمان لازم ہوگا، کیونکہ اس میں اگرچہ مشتری کی ملکیت ثابت ہوگئی تھی لیکن وہ ملک خبیث تھی، اس کو واپس کرنا اس کے ذمہ لازم تھا، اور اس کو امانت بھی نہیں قرار نہیں دیا جاسکتا، اس لئے کہ عقد اپنے اصل کے لحاظ سے درست تھا۔

ضمان سے مراد اگر وہ چیز مثلی ہے تو مثل دینا لازم ہے ورنہ قبضہ کے وقت اس کی جو

---

(۱) (الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۷/ ۲٤٦ - ۲۹۱)

(۲) لواشتری داراً شراء فاسدً وقبضها لایثبت للجاری حق الشفعة ...... (ولاشفعة بها) هذا سبق نظر، لأن الذی ...... فی الجوهرة هكذا: وإذا كان المشتری داراً فبیعت داراً إلی جنبها تثبت الشفعة للمشتری...... ولاتجب فیها شفعة للشفیع...... الخ (شامی : ۷/ ۲۸۹)

قیمت تھی وہ قیمت دینا لازم ہے۔[1]

مستثنیات: مگر تین مسائل مستثنیٰ ہیں، ان میں بیع فاسد سے ملکیت ثابت نہیں ہوتی، اور وہ یہ ہیں:

۱- جو بیع مذاقاً کی گئی وہ فاسد ہے، مگر اس میں مشتری کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

۲- باپ نے اپنے مال سے چھوٹے بچے کیلئے بیع فاسد سے کوئی چیز خریدی، تو جب تک وہ بچہ اس چیز کو استعمال نہ کرے اس میں بچہ کے لئے ملکیت ثابت نہ ہوگی (کیونکہ اس چیز پر باپ کا قبضہ حاصل ہے، تو اب بچہ کے لئے اس کا استعمال ضروری ہے تاکہ نیا قبضہ متحقق ہو)

۳- اسی طرح باپ نے بچہ کے مال میں سے اپنے لئے کوئی چیز خریدی تو اس میں بھی ملکیت ثابت نہ ہوگی۔

پس ان تین صورتوں میں مشتری کے قبضہ میں مبیع فاسد بطور امانت رہے گی۔[2]

فائدہ: بیع فاسد میں قبضہ کے بعد مشتری کے لئے ملکیت کے تمام احکام: حق

---

(۱) والبیع الباطل حکمه علم ملك المشتری إیاه إذا قبضه فلا ضمان لو هلك المبیع عنده لأنه أمانة ......فی البیع الفاسد ...... بمثله إن مثلیاً وإلا فبقیمته یعنی إن بعد هلاکه أو تعذره یوم قبضه لأن به یدخل فی ضمانه (الدر المختار علی هامش رد المحتار :۷/ ۲۸۷-۲۹۰)

(۲)......ملکه إلا فی ثلاث :فی بیع الهازل ،وفی شراء اللأب من ماله لطفله أوبیعه له کذالك فاسداً لا یملکه حتی یستعمله والمقبوض فی ید المشتری أمانة لایملکه به (الدر المختار) وفی شراء الأب......الخ وقعت هذه العبارة کذالك فی البحر والأشباه عن المحیط، وصوابها: وفی شراء الأب من مال طفله لنفسه فاسداً أو بیعه من ماله لطفله کذ الك .(شامی:۷/ ۲۸۸-۲۹۰)

شفعہ وغیرہ ثابت ہوجاتے ہیں، مگر یہ پانچ احکام ثابت نہیں ہوتے: (۱) اس کا کھانا حلال نہیں ـــــ (۲) اس کا پہننا جائز نہیں ـــــ (۳) اس سے وطی کی اجازت نہیں ـــــ (۴) بائع کا اس سے شادی کرنا جائز نہیں ـــــ (۵) اس میں حق شفعہ ثابت نہ ہوگا (لیکن اس مبیع فاسد کی وجہ سے مشتری کے لئے حق شفعہ ثابت ہوگا، جیسا کہ گذر چکا)[1]

۲۹۳-**ضابطہ**: مشتری مبیع فاسد کو بائع کے پاس ہبہ، صدقہ، بیع وغیرہ خواہ کسی بھی صورت میں لوٹائے، تو یہ بیع کو ترک کرنا ہے، اس سے وہ اپنے ضمان سے نکل جائے گا۔[2]

تشریح: بیع فاسد کا ترک کرنا متعاقدین پر لازم ہے، اس میں مبیع کا استعمال مشتری کے لئے اور ثمن کا استعمال بائع کے لئے جائز نہیں، لیکن جب تک مبیع مشتری کے قبضہ میں ہو اس کا ضمان (RISK) مشتری پر رہتا ہے، تا آنکہ بیع کو ترک نہ کیا جائے، اور بیع ترک کرنے میں کوئی خاص صورت لازم نہیں، بلکہ ہبہ، صدقہ، بیع، اعارۃ، اجارہ وغیرہ خواہ کسی بھی طریق سے مبیع جب بائع کے پاس پہنچ جائے تو بیع کا ترک مان لیا جائے گا، اب وہ چیز بائع کی ہوجائے گی اور مشتری اپنے ضمان سے نکل جائے گا۔

۲۹۴-**ضابطہ**: جب کسی عقد میں فساد اور صحت دونوں جہتیں ہوں تو متعاقدین

---

(۱) وإذاملكه تثبت كل أحكام الملك إلا خمسة :لايحل له أكله، ولالبسه، ولاوطؤها، ولاأن يتزوجها منه البائع، ولا شفعة لجاره لوعقاراً. (الدر المختار على هامش رد المحتار : ۷/ ۲۸۹)

(۲) كل مبيع فاسد رده المشترى على بائعه بهبة أو صدقة أو بيع أو بوجه من الوجوه كاعارة وإجارة وغصب،ووقع في يد بائعه فهو متاركة للبيع وبرء المشترى من ضمانه. (الدر المختار على هامش ردالمحتار : ۷/ ۲۹۱)

جب تک جہت فساد کی صراحت نہ کریں بیع کو صحت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ [1]

جیسے دس کلو چاندی اور دس کلو زیتون کو آٹھ کلو چاندی اور بارہ کلو زیتون کے عوض بیچا اور عاقدین نے صراحت کردی کہ چاندی چاندی کے عوض ہے اور زیتون زیتون کے عوض تو بیع فاسد ہوگی کیونکہ اس میں جہت فساد جس میں ربا لازم آتا ہے کی صراحت کردی گئی ہے۔ لیکن اگر وہ صراحت نہ کرتے تو بیع کو صحت کی طرف لوٹا دیا جاتا اس طرح کہ چاندی کو زیتون اور زیتون کو چاندی کے عوض مان لیا جاتا، جس میں کوئی فساد نہیں۔

۲۹۵- **ضابطہ**: قبل القبض مبیع کا ہلاک ہونا بیع کو فاسد کردیتا ہے، جبکہ ثمن کا ہلاک ہونا فاسد نہیں کرتا۔ [2]

تشریح: کیونکہ مبیع کا متعین ہونا ضروری ہے، اور ثمن کے لئے یہ ضروری نہیں، بلکہ ثمن تو متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتا۔

۲۹۶- **ضابطہ**: شرط فاسد سے بیع کا فساد اس وقت ہوتا ہے جبکہ اس شرط کا ذکر عقد میں ہو، عقد سے پہلے یا بعد میں ذکر سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ [3]

جیسے عقد ہوگیا اس کے بعد بائع نے کہا جب تم کو یہ چیز (یعنی مبیع) بیچنے کا ارادہ ہو

(۱) المتعاقدان إذا صرحا بجهة الفساد فهو كما صرحا وإلا صرف إلى الصحة (قواعد الفقه، ص:۱۱۸ –قاعده:۳۰۵)

(۲) ان هلاك المبيع قبل القبض يوجب فسخ العقد وهلاك الثمن لايوجبه (االجوهرة النيرة : ۱/ ۲۳۹)

(۳)......وبه أفتى في الخيرية وقال : فقد صرح علماؤ نا بأنهمالو ذكر البيع بلا شرط ثم ذكرا الشرط على وجه العدة جاز البيع ولزم الوفاء بالوعد......في جامع الفصولين ايضاً: لو شرط شرطاً فاسداً قبل العقد ثم عقد لم يبطل العقد (شامي: ۷/ ۲۸۱)

تو مجھے ہی بیچنا اور کسی کو نہیں، مشتری نے اس کو تسلیم کرلیا تو اس سے بیع میں کوئی فساد نہ آئے گا، لیکن اگر عقد میں اس کو شرط کے طور پر ذکر کیا جاتا تو بیع فاسد ہوجاتی۔

اسی طرح بیع بالوفاء (کہ اس میں بائع کی طرف سے اس شرط پر بیع کی جاتی ہے کہ جب رقم میرے پاس آجائے گی تو میں اس کو اتنے میں ہی واپس خریدلوں گا) جائز نہیں، لیکن اس میں اگر شرط فاسد کا ذکر عقد کے بعد ہو تو کوئی حرج نہیں، پھر وہ بیع بالوفا نہ رہے گی۔ [1]

۲۹۷-**ضابطہ**: بیع فاسد و باطل اس وقت تک صحیح نہیں ہوسکتی جب تک پہلے عقد کو ختم کرکے دوبارہ عقد نہ کیا جائے۔ [2]

تشریح: پس بیع تعاطی کے ذریعہ بیع فاسد کو صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا، کیونکہ فاسد کو متضمن ہونے والی چیز بھی فاسد ہوجاتی ہے۔ جیسے کسی نے بیع سلم میں مدت مجہول رکھی تو وہ بیع فاسد ہے، پھر بائع نے مبیع حوالہ کردی تو بیع بالتعاطی مان کر اس کو صحیح نہیں قرار دیا جاسکتا، کیونکہ وہ دونوں اسی سابقہ عقد پر سپردگی کو تسلیم کرتے ہیں، اور سابقہ عقد فاسد تھا تو اس پر مبنی چیز (بیع تعاطی) بھی فاسد ہوگی۔ [3]

بلکہ صراحتاً دوبارہ ایجاب قبول کیا جائے تب بھی بیع فاسد صحت میں نہیں پلٹتی جب تک پہلی بیع کو ختم نہ کیا جائے، جیسے بیع فاسد کے طور پر کپڑا خریدا دوسرے دن مشتری کی بائع سے ملاقات ہوئی اس نے کہا تم نے مجھے وہ کپڑا اتنے میں بیچا ہے، بائع نے کہا: ہاں بیچا ہے، مشتری نے کہا ٹھیک ہے میں نے وہ خریدلیا تو یہ بیع اب بھی فاسد ہے، کیونکہ انہوں نے پہلی بیع کو فسخ نہیں کیا۔ اگر پہلی بیع کو فسخ کردیتے تو آج

---

(۱)(شامی: ۷/ ۲۸۱) (۲) أن الإيجاب والقبول بعد عقد فاسد لا ينعقد بهما البيع قبل متاركة الفاسد.. الخ (الدر المختار على هامش ردالمحتار : ۷/ ۲۸)

(۳)والبزازية :إن التعاطي بعد عقد فاسد أو باطل لاينعقد به البيع لأنه بناء على السابق وهو محمول على ماذكرناه .(اشامي : ۷/ ۲۹)

یہ بیع جائز ہوتی۔ (۱)

البتہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جب مجلس میں وجہ فساد ختم ہو جائے تو تعاطی سے بیع صحیح ہو جاتی ہے، جیسے کسی نے کوئی چیز اس پر لکھی ہوئی قیمت کے عوض خریدی (اس کو بیع بالرقم کہتے ہیں) اور اس کو معلوم نہیں کہ اس پر کیا قیمت لکھی ہوئی ہے تو ثمن کے مجہول ہونے کی وجہ سے بیع فاسد ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں مشتری کو کسی طرح قیمت کا علم ہو جائے تو مجلس میں وجہ فساد ختم ہونے سے وہ بیع تعاطی کے طور پر صحیح ہو جائے گی۔ (۲)

مکروہات بیع کا بیان

۲۹۸-**ضابطہ**: جو بیع کسی شرعی حکم کی ادائیگی میں مخل ہو یا اس میں باہمی رقابت ومنافست یا دھوکا دہی ہو وہ مکروہ ہے۔

جیسے اذان جمعہ کے بعد اس طرح خرید و فروخت کرنا کہ اس کی وجہ سے مسجد پہنچنے میں تاخیر ہو جائے مکروہ ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی سے سودا کر رہا ہو اور ابھی اس کی بات مکمل نہ ہوئی ہو کہ

---

(۱) یتفرع علیه مافی الخانیة: لو اشتری ثوباً شراءً فاسداً ثم لقیه غداً فقال قد بعتنی ثوبك هذا بألف درهم فقال بلی فقال قد أخذته فهو باطل، وهذا علی ماکان قبله من البیع الفاسد، فإن کانا تارکا البیع الفاسد فهو جائز الیوم (شامی: ۷/ ۲۹)

(۲) وظاهر هذا عدم اشتراط متارکة الفاسد ،وقد یجاب علی بعد بحمل الاشتراط علی ماإذا کان التعاطی بعد المجلس أما فیه فلایشترط کما هنا ...... وماذکره عن الحلوانی فی البیع بالرقم جزم بخلافه فی الهندیة آخر باب المرابحة، وذکر أن العلم فی المجلس یجعل کابتداء العقد ویصیر کتأخیر القبول إلی آخر المجلس، وبه جزم فی الفتح هناك أیضاً. (شامی : ۷/ ۲۹)

اس سے پہلے دوسرا گاہک اس سے زیادہ قیمت بیان کرے اور تاجر کو اپنی طرف متوجہ کرے، یہ مکروہ ہے، حدیث شریف میں اس کو "بیع علی بیع اخیہ" اور "سوم علی سوم اخیہ" (اپنے بھائی کی بیع پر بیع کرنا، اور اپنے بھائی کے سودے پر سواد کرنا) سے تعبیر کیا ہے، کیونکہ اس میں رقابت ومنافست ہے اور پہلے گاہک تکلیف پہنچانا ہے ـــــ ہاں اگر وہ اپنی بات مکمل کر لے اور اس کا خریدنے کا ارادہ نہ ہو تو پھر بات کرنے میں حرج نہیں، منگنی یعنی رشتۂ نکاح کا حکم بھی یہی ہے۔ اسی طرح اگر ابھی بات شروع نہ ہوئی ہو اور بائع کی طرف سے یہ مطالبہ ہو کہ جو زیادہ قیمت دے گا میں اس کو دوں گا تو اس وقت بھی حرج نہیں۔

اور دھوکا دہی کی صورت یہ ہے کہ: مثلاً بائع نے کسی شخص کو متعین کر دیا کہ گاہک دیکھ کر اجنبی بن جانا اور اس چیز کی خرید کا مطالبہ کرنا اور زیادہ قیمت میں لے لینا حالانکہ حقیقت میں ہم دونوں کے درمیان بیع نہ ہوگی، بلکہ گاہک کو ایک طرح کا دھوکا دیں گے کہ وہ ہمارا معاملہ دیکھ کر زیادہ قیمت میں خریدے، یا کم از کم اس کا اچھا بازار دیکھ کر نفس خریدنے کیلئے تیار ہو جائے۔ یا جیسے بائع سامان کی تعریف میں ایسے اوصاف بیان کرے جو اس میں نہ ہوں، تاکہ مشتری دھوکے میں آکر خرید لے۔ یا اس کے علاوہ کوئی اور دھوکا دہی کی صورت اختیار کرے، تو ان سب صورتوں میں بائع کی جانب میں بیع مکروہ ہے، اور اگر مشتری بائع کے ساتھ کوئی ایسا دھوکا کرے تو پھر اس کی جانب بیع مکروہ ہوگی۔ (۱)

۲۹۹- **ضابطہ**: غیر مسلموں کی وہ مذہبی چیزیں جن میں ان کیلئے ذلت ہو بیچنا جائز ہے۔

تشریح: پس نصاریٰ کا زنار، مجوس کی ٹوپی اور سادھوؤں کا لباس وغیرہ بیچنا درست

(۱) (مستفاد ھدایہ : ۳/ ٦٦- ٦٧ - بنایہ: ۷/ ۲۷۷/ ۲۸۰، شامی : ۷/ ۳۰۴- ۳۰۵)

ہے۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کے نزدیک ان باطل مذہبوں کا شعار کوئی اعزاز کی چیز نہیں، بلکہ وضع کے اعتبار سے اس میں ان کی تذلیل ہے۔ (۱)

مگر فتاویٰ محمودیہ میں ہے کہ ایسی تجارت سے اجتناب واحتیاط بہتر ہے۔ (۲)

اسباب معصیت کی بیع

۳۰۰-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو کسی معصیت کا سبب بنے تو اگر اس کا کوئی جائز استعمال نہ ہو تو اس کو بیچنا جائز نہیں، اور جس کا کوئی جائز استعمال بھی ہو تو اس کو بیچنا جائز ہے۔

جیسے مورتیاں، مجسمے، بینڈ باجہ، تاش کے پتے، فلم کی سی ڈیاں وغیرہ وہ چیزیں جن کا جائز طریقہ پر استعمال بالکل نہیں ہوتا بیچنا جائز نہیں۔

اور جس شی کا کوئی جائز استعمال موجود ہو، اگرچہ وہ عام طور سے ناجائز کام میں استعمال ہوتی ہو، جیسے ریڈیو، کیمرہ، افیون، مہوا اور نشہ آور پتے، نردوھ، مانع حمل داوائیں، تصویر والے کپڑیں اور وہ کپڑے جو غیر مسلم پہنتے ہیں، وغیرہ...کا بیچنا جائز ہے (البتہ اگر خریدنے والا مسلمان ہو اور یہ علم ہو کہ یہ اس کو ناجائز کام میں ہی استعمال کرے گا تو اس کے ہاتھ ایسی چیز بیچنا مکروہ تحریمی ہے) (۳)

---

(۱) لایکرہ بیع الزنانیر من النصرانی، والقلنسوة من المجوسی ،لأن ذلك إذلال لهما (شامی :۹/۵۶۲، کتاب الحظر والإباحة—و تبیین الحقائق: ٤/ ٦٥، کتاب الکراهیة، فصل فی بیع) (۲) (فتاویٰ محمودیه : ١٦/١٣٨)

(۳) (مستفاد: جواهر الفقه: ۲/ ٤٥١ تا ٤٥٦—اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ٤/ ١١ تا ١٧—فتاوی محمودیه: ١٦/ ١٢٠ تا ١٥٠—والضابط عندهم أن کل مافیه منفعة تحل شرعاً فإن بیعه یجوز، لأن الأعیان خلقت لمنفعة الانسان. الفقه الاسلامی وأدلته : ٥/ ٣٤٣١—کل ماینتفع ←

استدارک: شراب کا بھی اگر چہ جائز استعمال موجود ہے، کہ اس کو سرکہ بنایا جا سکتا ہے، لیکن نص قرآنی: ﴿رجس من عمل الشیطن﴾ کی وجہ سے اس میں یہ اصول مؤثر نہ ہوگا اور اس کی بیع قطعاً حرام ہوگی۔

فائدہ: افیون، بھنگ، ہیروئن اور الکحل (جو آج کل کیمیائی طریقے سے بنایا جاتا ہے) نشہ آور ہونے کی وجہ سے حرام ضرور ہے، لیکن حنفیہ کے مسلک کے مطابق یہ چیزیں خمر (شراب) کی تعریف میں نہیں آتیں، پس ان کی حرمت شراب سے کم درجہ کی ہوگی، یہی وجہ ہے کہ اگر اسلامی حکومت ہو تو شراب پینے والے پر حد جاری کی جاتی ہے اور افیون وغیرہ کھانے والے پر حد جاری نہیں کی جاتی ہے، البتہ تعزیری سزا دی جاتی ہے۔[1] پس بیع کے حکم میں بھی فرق ہوگا، کہ افیون وغیرہ کی بیع ان کا جائز استعمال دواؤں کے اندر اور علاج میں بیرونی استعمال لیپ وغیرہ ممکن ہونے کی وجہ سے جائز ہوگی[2] اور شراب کہ بیع ممانعت نص قطعی کی وجہ سے بالکل جائز نہ ہوگی۔

ملحوظہ: خیال رہے کہ افیون، بھنگ وغیرہ کی بیع کی جواز کا مسئلہ صرف معلومات کی حد تک ہونا چاہئے، اس پر فتویٰ نہیں دینا چاہئے تا کہ فتنہ پرور لوگ اس میں اپنا مقصد نہ

← به فجائز بيعه والاجارة عليه القواعدالفقهية :١٢٨ — وجاز بيع عصير عنب ممن يعلم أنه يتخذ خمراً......وقيل يكره لإعانته على المعصية ،ونقل المصنف عن السراج : والمشكلات أن قوله "ممن" أى من كافر ،أما بيعه من المسلم فيكره ومثله في الجوهرة..الخ (اللدرالمختار) وفى الشامية :(ممن يعلم)فيه إشارة إلى أنه لو لم يعلم لم يكره بلا خلاف(شامى : ٩/ ٥٦٠،كتاب الحضر والإباحة)

(١)(ويحرم أكل البنج والحشيشة والأفيون لكن دون حرمة الخمر ،فإن أكل شيئاً من ذالك لاحد عليه بل يعزر بما دون الحد .الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر :٤/ ٢٥١ كتاب الأشربة)(٢)(احسن الفتاوىٰ:٦/ ٤٩٤)

نکالیں، جیسا کہ فقہاء نے کاشت کی محصول کے مسئلہ میں ”کہ اگر زمین میں عمدہ چیز اگانے کی صلاحیت تھی لیکن زمین دار نے گھٹیا چیز اگائی تو اس سے عمدہ کاشت کا محصول لیا جائے گا“ لکھا ہے کہ یہ مسئلہ صرف معلومات کی حد تک رکھا جائے اس پر فتوی نہ دیا جائے، تا کہ اس کے بہانے سے ظالم حکمراں لوگوں کے پاس سے ظلماً مال وصول نہ کرنے لگ جائیں۔ (۱)

اس بات کو مفتی تقی صاحب مدظلہ العالی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں: فرماتے ہیں: ”ٹی وی وغیرہ کی بیع اگر چہ درست ہے لیکن اس کا کاروبار نہیں کرنا چاہئے، جیسے کسب الحجام کے متعلق آپ...... سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا: ”کسب الحجام خبیث“ لیکن ناجائز نہیں فرمایا، شرعاً جائز ہے، ساتھ یہ فرمایا کہ یہ پیشہ اچھا نہیں، اسی طرح ٹی وی اور افیون وغیرہ کی بیع کا پیشہ اختیار کرنا بھی کوئی اچھا کام نہیں ہے کسی مسلمان کو اس کا مشورہ نہیں دینا چاہئے۔ لیکن بالکل حرام کہنا کہ اس کے نتیجہ میں آمدنی حرام ہوگئی ہے یہ کہنا صحیح نہیں“۔ (۲)

مشکوک چیزوں کی خرید وفروخت

۳۰۱- **ضابطہ**: محض کسی چیز کے حرام ہونے کے شبہ سے اس کا خریدنا ناجائز نہ ہوگا (جب تک یقین یا ظن غالب نہ ہو) (۳)

(۱) وقالوا إذا زرع صاحب الأرض أرضه ماهو أدنى مع قدرته على الأعلى، وجب عليه خراج الأعلى، قالوا وهذا يعلم ولا يفتىٰ به كيلا يتجرى الظلمة على أخذ أموال الناس. (شرح عقود رسم المفتي، ص:۱۵۸، دار الكتاب ديوبند)

(۲) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی عثمانی صاحب): ۱۴/۴)

(۳) (مستفاد مجمع الأنهر: ۴ / ۴۷۶-اليقين لايزول بالشك. قواعد الفقه، الأشباه)

تفریعات:

(۱) پس کوئی شخص کسی قیمتی چیز کو بہت کم پیسوں میں بیچ رہا ہے جس سے خریدنے والے کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اس نے یہ چیز چوری یا غصب سے حاصل کی ہوگی تو محض ایسے شبہ سے اس کا خریدنا ناجائز نہ ہوگا، جب تک کہ قرائن سے اس کے حرام ہونے کا یقین یا ظن غالب نہ ہو۔[1]

(۲) اسی طرح بعض چیزیں جس میں بلاتحقیق لوگوں میں محض افواہ کے طور پر اس میں ناجائز اشیاء کی ملاوٹ ہونا کہا جاتا ہے، مثلاً فلاں شکر میں مرادر کی ہڈی ڈالی جاتی ہے، پارلے بسکٹ یا چیونگم میں خنزیر کی چربی ڈالی جاتی ہے وغیرہ...... تو محض ایسی افواہوں کی وجہ سے کسی چیز کی بیع ناجائز نہ ہوگی، جب تک یقینی ومعتبر ذرائع سے وہ بات ثابت نہ ہو جائے۔[2]

خیار شرط کا بیان

تمہید: خیار شرط یہ ہے کہ مثلاً بائع یا مشتری یا دونوں اس بات کی شرط لگادیں کہ وہ اس سودے پر مزید غور وفکر کریں گے، پھر سودے کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا ان کو (تین دن تک) اختیار ہوگا۔

۳۰۲-**ضابطہ**: ہر وہ عقد جو لازم نہیں ہوتا یعنی اس میں ہر فریق کو یک طرفہ عقد ختم کرنے کا حق ہوتا ہے (جیسے وکالت، شرکت، وصیت وغیرہ) یا وہ عقد جو لازم تو ہوتا ہے لیکن فسخ کا احتمال نہیں رکھتا (جیسے نکاح، طلاق، یمین، نذر وغیرہ) ان میں خیار

(۱)(حاشیة الطحطاوی علی هامش الدر: ۱۹۲/۴) (۲)......ولذا حل التناول مما فی الأسواق مع أنها لاتخلو عن محرم ومسروق ومغصوب ، فالقلیل من المحرم لایمکن الاحتراز عنه کقلیل نجاسة ......فی الخانیة وغیرها: لیس زماننا زمان اجتناب الشبهات. (الدرا لمنتقی علی هامش مجمع الأنهر : ۴۷۶/۴)

شرط درست نہیں ہے۔ اور وہ عقد جو لازم بھی ہوتا ہے اور فسخ کو بھی قبول کرتا ہے (جیسے بیع، اجارہ، کھیتی اور پھلوں کی بٹائی، کفالت وغیرہ) ان میں خیار شرط درست ہے۔ (۱)

۳۰۳- **ضابطہ**: خیار شرط کی مدت فقط تین دن ہے، اس سے زائد اختیار درست نہیں۔ (۲)

تشریح: پس اگر کسی نے تین دن سے زیادہ کی شرط لگائی تو وہ معاملہ موقوف رہے گا، اگر تین دن کے اندر فریقین نے معاملہ کی برقراری کا اتفاق کرلیا تب تو معاملہ صحیح ہوجائے گا، ورنہ فاسد ہوجائے گا۔ (۳)

فائدہ: خیار شرط کا عقد میں ہونا ضروری نہیں، عقد کے بعد بھی اگر کسی نے دوسرے کو تین دن کا اختیار دیدیا تو درست ہے، اس کو یہ اختیار عقد کے وقت سے تین دن تک حاصل رہے گا۔ (۴)

۳۰۴- **ضابطہ**: بائع کی جانب خیار شرط مبیع سے اس کی ملکیت ختم نہیں کرتا۔ اور مشتری کی جانب خیار شرط بائع کی ملکیت ختم کردیتا ہے (لیکن مشتری کی ملکیت کو بھی ثابت نہیں کرتا) (۵)

---

(۱) وصح شرطه أيضا في لازم يحتمل الفسخ كمزارعة ومعاملة وإجارة ......وكتابة وخلع ونحوها ككفالة وحوالة...لافي نكاح وطلاق ويمين ونذر.....ووكالة ووصية.....الخ (الدرالمختار) وفي الشامية: (لافي نكاح الخ) لأنها لاتحتمل الفسخ......(ووكالة ووصية) فلاخيار فيهما لعدم اللزوم من الطرفين. (شامی: ۷/ ۱۱۶) (۲) (هنديه: ۳/ ۳۸)

(۳) (مستفادهنديه: ۳/۳۸، هدايه: ۳/ ۳۰- ۳۱) (۴) ويجوزشرط الخيار بعد البيع كما يجوز شرطه وقت البيع.....الخ (هنديه: ۳/ ۳۹) (۵) وخيار البائع يمنع خروج المبيع عن ملكه ......وخيار المشتري لايمنع خروج المبيع عن ملك البائع، إلا أن المشتري لايملكه. (قدوري على الهدايه: ۳/ ۳۰)

تفریع: پس خیار کے بعد جب مشتری کے قبضہ میں مبیع ہلاک ہوجائے تو اگر خیار بائع کے لئے تھا تو مشتری اس مبیع کی عام بازار قیمت کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس صورت میں مبیع ابھی بائع کے ملک سے خارج نہیں ہوئی تھی۔ اور اگر خیار مشتری کے لئے تھا تو جو ثمن مقرر ہوا تھا مشتری اس کا ضامن ہوگا، کیونکہ اس صورت میں بائع کی جانب سے بیع لازم ہوکر مبیع اس کی ملک سے نکل گئی تھی —— اور اگر مبیع بجائے مشتری کے بائع کے قبضہ میں ہلاک ہوجائے تو دونوں صورتوں میں بیع فسخ ہوجائے گی، کیونکہ قبل القبض مبیع کا ہلاک ہونا عقد کو فسخ کردیتا ہے۔[1]

لیکن مدت خیار میں مبیع کے زوائد (اولاد واکساب) جو حاصل ہوں وہ موقوف ہوں گے، اگر بیع تام ونافذ ہوگئی تو وہ مشتری کے ہیں ورنہ بائع کے۔[2]

۳۰۵-**ضابطہ**: خیار کے بعد بیع کو قبول کرنے کے لئے دوسرے فریق کی موجودگی ضروری نہیں، جبکہ رد کے لئے دوسرے فریق کی موجودگی ضروری ہے۔[3]

تشریح: من لہ الخیار (جس کے لئے اختیار ہے) کو تین دن کے اندر بیع کو رد کرنے یا باقی رکھنے کا اختیار ہوتا ہے، تو اگر اس کو بیع قبول کرنا ہو تو دوسرے فریق کا موجود ہونا ضروری نہیں (کیونکہ اس کی طرف سے تو قبول ہی ہے) اور رد کرنے کیلئے دوسرے فریق کا موجود ہونا ضروری ہے (فون کے ذریعہ رد کردے تو بھی صحیح ہے یہ حکماً موجود ہونا ہے) ورنہ تین دن گذر جانے کے بعد بیع لازم ہوجائے گی پھر رد کرے تو اعتبار نہ ہوگا۔

---

(۱)(فتح القدير: ۲۸۳/۶، البحر الرائق: ۱۳/۶ - ۱۴-۱۹)

(۲)أن زوائد المبيع موقوفة، إن تم البيع كانت للمشترى وإن فسخ كانت للبائع. (شامي: ۱۲٤/۷، البحر: ۱٤/٦) (۳) وله أن يجيز فإن أجاز بغير حضرة صاحبه جاز وإن فسخ لم يجز إلا أن يكون الآخر حاضراً. (هدايه: ۳۲/۳، البحر: ۲۷/٦)

فائدہ: اگر من لہ الخیار کا تین دن میں انتقال ہو جائے تو عقد لازم ہو جائے گا، اور اس کے وارث کو یہ حق خیار منتقل نہ ہوگا۔ (۱)

خیار تعیین کا بیان

تمہید: خیار تعیین: خیار شرط ہی سے قریب خیار کی ایک صورت ہے، اس میں بیچنے والا خریدار کے ہاتھ چند چیزوں میں سے بلا تعیین کوئی ایک چیز معین قیمت پر فروخت کرتا ہے، اور خریدار کو اختیار دیتا ہے کہ ان میں سے کوئی ایک چیز متعین کر لے، یہ اختیار اس کو تین دن تک حاصل ہوتا ہے، تین دن کے بعد اس کو تعیین پر مجبور کیا جائے گا۔ اور جس طرح خریدار کو خیار تعیین حاصل ہوتا ہے بیچنے والے کو بھی اپنے سامان میں اس خیار کا حق رہتا ہے کہ وہ اپنے لئے تعیین کی شرط کے ساتھ بیچے۔ (۲)

۳۰۶- **ضابطہ**: خیار تعیین صرف ذوات القیم میں درست ہے، ذوات الامثال میں درست نہیں۔ (۳)

تشریح: خیار تعیین ذوات الامثال یعنی کیلی ووزنی اشیاء (گیہوں، چاول، تیل وغیرہ) اور وہ چیزیں جن کے افراد میں زیادہ تفاوت نہیں ہوتا (جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ) میں درست نہیں، کیونکہ ان کے افراد میں جب تفاوت نہیں ہوتا ہے تو تعیین کی کوئی ضرورت نہیں۔ تعیین کی ضرورت وہاں ہوتی ہیں جن کے افراد میں زیادہ تفاوت ہوتا ہے، مثلاً حیوان، کپڑے وغیرہ۔ ایسی چیزوں کو اصطلاح میں ذوات القیم کہتے ہیں۔

۳۰۷- **ضابطہ**: خیار تعیین تین سے زیادہ چیزوں میں حاصل نہیں ہوتا۔

تشریح: کیونکہ یہ خیار حاجت کی وجہ سے جائز کیا گیا ہے، اور تین چیزوں سے

---

(۱) وإذا مات من له الخيار بطل خياره ولم ينتقل إلى ورثته. (هدايه: ۳/ ۳۲)

(۲) (شامی: ۷/ ۱۴۰-۱۴۱) (۳) صح خيار التعيين في القيمات لا في المثليات. (هنديه: ۳/ ۵۴)

حاجت پوری ہو جاتی ہے، کہ تین میں عمدہ، گھٹیا، اور متوسط تینوں وصف آسکتے ہیں، پس زیادہ کی حاجت نہ رہی۔ (۱)

۳۰۸-**ضابطہ**: خیار تعیین وخیار شرط کی صورت میں مبیع میں تصرف کرنا دلالۃً اجازت ہوتی ہے (اور خیار ختم ہو جاتا ہے) (۲)

تشریح: پس جو چیز خیار شرط یا خیار تعیین کے ساتھ خریدی اور بائع کو اطلاع دئے بغیر اس میں مشتری نے تصرف شروع کر دیا تو یہ اس کی طرف سے دلالۃً اجازت متصور ہوگی، اور خیار ختم ہو جائے گا، پس خیار شرط کی صورت میں بیع نافذ ہو جائے گی اور خیار تعیین کی صورت میں جس چیز میں تصرف کیا ہے وہ مبیع کے لئے متعین ہو جائے گی۔

خیار رویت کا بیان

(بن دیکھے سامان میں دیکھنے کے بعد اختیار)

۳۰۹-**ضابطہ**: خیار رویت ہر ایسے عقد میں حاصل ہوتا ہے جو فسخ کو قبول کرتا ہے، جیسے بیع، اجارہ، تقسیم، صلح وغیرہ۔ اور ہر ایسے عقد میں حاصل نہیں ہوتا ہے جو فسخ کو قبول نہیں کرتا ہے، جیسے مہر، بدل خلع وغیرہ۔

(پس مہر وغیرہ کو دیکھنے کے بعد رد نہیں کیا جا سکتا ہے) (۳)

---

(۱)......فیما دون الأربعة لاندفاع الحاجة بالثلاثة لوجود جید وردیء ووسط (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۷/ ۱۴۰)

(۲) واما الفسخ بالفعل بان یتصرف البائع فی مدة الخیار فی المبیع تصرف الملاك (هندیه: ۳/ ۴۳ – وهکذا فی الفصل السادس فی خیار التعیین، ص: ۵۵)

(۳) وانما یثبت فی کل عقد یفسخ بالرد کالإجارة والصلح عن دعوی مال والقسمة والشراء ......ولایثبت فی کل عقد لاینفسخ بالرد کالمهر وبدل الخلع وبدل الصلح عن دم العمد......الخ (هندیه: ۳/ ۵۸ – فتح القدیر: ۶/ ۳۱۲)

۳۱۰۔ **ضابطہ**: خیار رویت حاصل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس چیز کو سودا کرنے سے پہلے یا بالکل نہ دیکھا ہو یا اتنی مدت پہلے دیکھا ہو کہ عام طور پر اس میں تبدیلی آجاتی ہے۔[۱]

تشریح: پس اگر اتنی مدت پہلے دیکھ لیا ہو کہ عادتاً اتنے وقفے میں تبدیلی نہیں آتی تو وہی دیکھنا کافی ہوگا اور خیار روئیت حاصل نہ ہوگا۔

اور وہ مدت جس میں تبدیلی آتی ہے اور جس میں نہیں آتی اس کا مدار اشیاء کے احوال پر ہوگا۔ بعض چیزوں میں مہینہ بلکہ ہفتہ بھر میں تبدیلی آجاتی ہے، جیسے سبزیاں، پھل وغیرہ، اور بعض چیزوں میں اتنی جلدی تبدیلی نہیں آتی جیسے جانور گھر وغیرہ ——

اگر اس سلسلہ میں بائع اور مشتری کا اختلاف ہو یعنی بائع کہے تم نے جب دیکھا تھا تب سے یہ چیز اسی حال میں ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے، لہٰذا تمہیں خیار کا حق نہیں ہے، مشتری کہے نہیں! اس میں تبدیلی آگئی ہے لہٰذا مجھے خیار حاصل ہے تو بائع کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا بشرطیکہ مدت قریب ہو، یعنی اتنی مدت میں عام طور پر اس چیز میں تبدیلی نہ آتی ہو۔ اور اگر مدت بعید ہو تو پھر مشتری کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔

اور اگر اصل رویت میں اختلاف ہو یعنی بائع کہے تم نے خریدنے سے پہلے دیکھ لیا ہے اس لئے تمہیں خیار حاصل نہیں، اور مشتری کہے نہیں! میں نے دیکھا نہیں ہے تو مشتری کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، کیونکہ وہ رویت کا منکر ہے۔[۲]

خیال رہے کہ وہ دیکھنا معتبر ہے جو خریدنے کے اردہ سے ہو، کیونکہ اسی وقت آدمی اس چیز کو غور سے دیکھتا ہے۔ اگر ایسے ہی کسی چیز کو آتے جاتے دیکھ لیا (خریدنے کی نیت کے بغیر) تو وہ دیکھنا معتبر نہ ہوگا، اور سمجھیں گے مشتری نے اس کو

---

(۱) (مستفاد الدر المختار مع ردالمحتار : ۷/ ۱۶۲)

(۲)(الدر المختار علی هامش ردالمحتار : ۷/ ۱۶۳، درر الحکام شرح غرر الأحکام:۶/۲۱۲)

دیکھا نہیں ہے۔[۱]

۳۱۱- **ضابطہ**: دیکھنے سے مراد وہ دیکھنا ہے جس سے مقصود پر اطلاع ہو جاتی ہو۔ (پس پوری چیز دیکھنا ضروری نہیں، اور جب تک مقصود پر اطلاع نہ ہو اس کو دیکھنا نہیں کہیں گے، اور خیار باقی رہے گا)[۲]

تفریع: اسی لئے فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے جو چیز عدد متقاربہ میں سے ہو یعنی جن کے افراد میں زیادہ تفات نہیں ہوتا جیسے اخروٹ، انڈے وغیرہ ان میں بعض کا دیکھنا کل میں خیار رویت کو ساقط کرتا ہے (جبکہ باقی بھی مرئی کے مثل یا اس سے عمدہ نکلے) اور جو عدد متفاوتہ میں سے ہو یعنی جن کے افراد میں زیادہ تفاوت ہوتا ہے جیسے جانور، کپڑے وغیرہ ان میں بعض کا دیکھنا کل میں خیار رویت کو ساقط نہیں کرتا، بلکہ باقی میں خیار باقی رہے گا۔[۳]

کیونکہ اصل چیز مقصود پر اطلاع پالینا ہے، اناج، غلہ وغیرہ میں بعض کو دیکھنے سے

---

(۱) ولو اشترى مارأى حال كونه قاصداً لشرائه عند رؤيته ،فلو رآه لالقصد شراء ثم شراه ، قيل له الخيار ،ظهيرية .وجهه ظاهر لأنه لايتامل المعيد.بحر قال المصنف :ولقوة مدركه عولنا عليه.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار : ۷/ ۱۶۲)......ولا شك أن المصنف له قوة المدرك فلذا جرى على ماقاله. (تقريرات الرافعى على ردالمحتار :۱۲۸/۷)

(۲)وكفى رؤية مايؤذن بالمقصود......(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۵۵/۷)

(۳)وإن كان المبيع من العدديات المتفاوتة نحو الثياب اللتى اشتراها فى جراب......وغيره ذالك لابد من رؤ ية كل واحد وإذا رأى البعض فهوبا الخيار فى الباقى ......وفى العدديات المتقاربة نحو الجوز والبيض رؤية البعض تكفى إذا وجد الباقى مثل المرئى أو فوقه . (هنديه :۳/ ٦٤)

مقصود حاصل ہو جاتا ہے اور متعدد جانور اور کپڑوں کو خریدنا ہو تو بعض کے دیکھنے سے مقصود حاصل نہ ہوگا، تمام کو منفرداً دیکھنا ہوگا۔

پھر اگر جانور سواری کے لئے خریدنا ہے، تو اس کا چہرہ اور پیچھے کا حصہ دیکھنے سے مقصود حاصل ہوگا اور گوشت کے لئے خریدنا ہو تو جب تک اس کو ہاتھ سے ٹٹول کر نہ دیکھ لے مقصود حاصل نہ ہوگا، اور دودھ کے لئے خریدنا ہو تو صرف تھنوں کو دیکھنا کافی ہوگا۔ (۱)

اور لپٹے ہوئے کپڑے میں صرف ظاہر کا دیکھنا کافی ہے، لیکن امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کو کھول کر پورا دیکھنا ضروری ہے (اس سے پہلے مقصود حاصل نہ ہوگا) یہی مختار ہے۔ (۲)

اور گھر کے متعلق امام اعظم رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ صرف گھر کا بیرونی حصہ دیکھنا کافی ہے اور امام زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اندرونی حصہ دیکھنا بھی ضروری ہے کہ اس سے پہلے مقصود حاصل نہیں ہوتا، یہی قول صحیح ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، یہ اختلاف: اختلاف زمان ہے نہ کہ برہان (دلائل) کیونکہ امام صاحب کے زمانہ میں مکان ایسے ہوتے تھے کہ ان کا بیرون دیکھنے سے اندرون کا اندازہ ہو جاتا تھا اور بعد میں ایسے مکان بننے لگے کہ ان کی ہیئت، مساحت وکیفیت میں کافی فرق ہونے لگا، گھر کا بیرون دیکھنے سے اندر کا اندازہ نہیں ہوتا تھا اس لئے امام زفر نے ایسا فتویٰ دیا اور تمام احناف نے اس کو قبول کیا (پس اب فتوی یہ ہے کہ جب تک گھر کا اندرون بھی نہ دیکھ لے خیار

---

(۱) ووجه دابة وكفلها أيضا في الأصح...... وكفى جس شاة لحم؛ وضرع بقرة حلوب وناقة لأنه المقصود. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ۱۵۷ -۱۵۹)

(۲)...... ورؤية ظاهر ثوب مطوي، وقال زفر: لابد من نشره كله، هو المختار كما في أكثر المعتبرات . (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۵۷/۷)

رویت ساقط نہ ہوگا)[۱]

۳۱۲-**ضابطہ**: خیار رویت مالک بننے والے کو حاصل ہوتا ہے؛ جو مالک ہے اس کو حاصل نہیں ہوتا۔[۲]

تشریح: پس خریدار، کرایہ دار وغیرہ جو مالک بننا چاہتے ہیں ان کو یہ خیار حاصل ہوگا۔ اور بیچنے والا، کرایہ پر دینے والا وغیرہ جو مالک ہے ان کو حاصل نہ ہوگا۔

۳۱۳-**ضابطہ**: خیار رویت اس مبیع میں حاصل ہوگا جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہے؛ جو ذمہ میں دین ہو اس میں خیار حاصل نہ ہوگا۔[۳]

تفریعات:

(۱) پس بیع سلم میں خیار رویت حاصل نہ ہوگا کیونکہ اس میں مبیع ذمہ میں دین ہوتی ہے، جس کو اوصاف کے ذریعہ واضح کیا گیا ہے، خود معین نہیں۔[۴]

(۲) دراہم، دنانیز میں خیار حاصل نہ ہوگا خواہ وہ عین ہو یا دین، کیونکہ وہ متعین کرنے سے بھی متعین نہیں ہوتے۔[۵]

۳۱۴-**ضابطہ**: قبل الرویت صاحب خیار اپنا خیار ساقط نہیں کرسکتا، البتہ عقد فسخ کرسکتا ہے۔[۶]

---

(۱)......وقال زفر: لابد من رؤية داخل البيوت وهو الصحيح، وعليه الفتوىٰ جوهرة. وهذا اختلاف زمان لابرهان (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۱۵۸/۷، تبيين الحقائق: ۳۴۳/۱۰)

(۲) ولاخيار لمن باع ما لم يره ...... الخ (تبيين الحقائق: ۳۳۴/۱۰)

(۳) وشرط ثبوت الخيار أن يكون المبيع مما يتعين بالتعيين فإن كان مما لايتعين بالتعيين لايثبت فيه الخيار. (هنديه: ۵۸/۳)

(۴) (هنديه: ۵۸/۳، درر الحكام: ۲۰۶/۶) (۵) (هنديه: ۵۸/۳، درر الحكام: ۲۰۶/۶) (۶) (بدائع الصنائع: ۵۷۶/۴)

تشریح: پس مشتری یا کرایہ دار وغیرہ بائع وغیرہ کے کہنے پر اپنا خیار ساقط کردے اور اپنے حق خیار سے دستبردار ہو جائے، حالانکہ معقود علیہ (جس پر عقد ہوا ہے مبیع وغیرہ) کو ابھی دیکھا نہیں تو اس کا اعتبار نہ ہوگا، دیکھنے کے بعد ہی اس کو رد کا اختیار ہوگا، کیونکہ دیکھنے سے پہلے حق ثابت نہیں ہوتا اور جب تک حق ثابت نہ ہو ساقط کرنا بے معنی ہوگا[1]

البتہ دیکھنے سے پہلے نفس عقد کو فسخ کرنا چاہے تو صحیح یہ ہے کہ عقد فسخ کر سکتا ہے، کیونکہ یہ عقد غیر لازم ہے جیسا کہ خیار عیب وغیرہ کی صورت میں غیر لازم ہوتا ہے۔[2]

فائدہ: صاحب خیار کی موت سے خیار باطل ہو جاتا ہے، خواہ دیکھنے سے پہلے موت واقع ہوئی ہو یا دیکھنے کے بعد، پس موت سے معاملہ پختہ ہو جاتا ہے، اس کے ورثاء رد کرنا چاہیں تو رد نہیں کر سکتے۔[3]

۳۱۵-**ضابطہ**: جو چیز خیار شرط کو باطل کرتی ہے- جیسے عیب دار ہونا، یا اس میں تصرف کرنا، وہ رویت کے بعد خیار رویت کو بھی باطل کر دیتی ہے۔[4]

تشریح: پس معقود علیہ کو دیکھ لینے کے بعد اس میں کوئی عیب پیدا ہو گیا تو رد کا خیار باطل ہو جائے گا، اسی طرح اس میں کوئی تصرف کرلیا (بیع، ہدیہ، اصلاح وغیرہ) تو یہ

(۱)......فوقت ثبوت الخيار هو وقت الرؤية لا قبلها حتى لو اجاز قبل الرؤية ورضي به صريحاً ...... ثم رآه له أن يرده. (بدائع الصنائع: ٥٧٦/٤)

(۲)وأما الفسخ قبل الرؤية فقد اختلف المشائخ فيه، قال بعضهم لايجوز ...... وقال بعضهم يجوز وهو الصحيح لأن هذا عقد غير لازم. (الحوالة السابقة)

(۳)وخيار رؤية لايورث حتى أن المشترى لومات قبل الرؤية فليس لورثته الرد. (هنديه: ٥٨/٣)

(۴)ويبطله (ما يبطل خيار الشرط من تعيب) يعنى بعد الرؤية (او تصرف؛ يبطل خيار الرؤية). (فتح القدير: ٣١٣/٦، درر الحكام: ٦/ ٢١٤)

دلالۃً رضامندی ہوگی اب رد نہیں کرسکتا، سامان پر قبضہ کرنا یہ بھی دلالۃً رضامندی ہے۔ [۱]

اور اگر دیکھنے سے پہلے عیب پیدا ہوا تو اس سے خیار ساقط نہ ہوگا، اور اگر کوئی تصرف کیا تو اس میں ضابطہ ہے کہ:

۳۱۶-**ضابطہ**: عقد کے بعد رویت سے پہلے معقود علیہ میں ہر ایسا تصرف جو ناقابل رد ہوتا ہے (جیسے آزاد کرنا، مدبر بنانا) یا وہ تصرف جس سے دوسرے کا واجبی حق متعلق ہوجاتا ہے (جیسے، بیع مطلق، اجارہ، رہن وغیرہ) وہ خیار کو ختم کردیتا ہے۔ اور جو تصرف ایسا نہ ہو (یعنی نہ رد کے قابل ہو اور نہ اس سے دوسرے کا واجبی حق متعلق ہوتا ہو) وہ خیار کو ختم نہیں کرتا (جیسے ہدیہ بلا تسلیم، بیع بشرط الخیار، مساومۃ یعنی بھاؤ تاؤ کرنا) [۲]

خیار عیب کا بیان

۳۱۷-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو تاجروں کے عرف میں ثمن کا نقصان ثابت کرے وہ عیب ہے۔ [۳]

تشریح: پس حقیقت عیب جاننے کا یہ ایک زبردست ضابطہ ہے، یعنی وہ کونسی کمی ہے جس کو عیب کہا جائے اور مشتری کو اس پر خیار عیب حاصل ہوتا ہے؟ تو بتلایا کہ وہ چیز جو تاجروں کے عرف وعادت کے اعتبار سے قیمت میں معمولی یا غیر معمولی کمی کردے وہ عیب ہے اور اس کی وجہ سے مشتری کو اختیار حاصل ہوتا ہے۔ ہر قسم کی کمی ونقصان پر

(۱)(فتح القدیر: ۳۱۳/۶) (۲) ثم إن كان تصرفاً لايمكن رفعه للمتصرف كالإعتاق......وتدبيره؛أو تصرفاً يوجب حقاً للغير كالبيع المطلق......والرهن والإجارة يبطل خيار الرؤية......وإن كان تصرفاً لايوجب حقاً للغير كالبيع بشرط الخيار للبائع والمساومة وهبته بلا تسليم لايبطله قبل الرؤية(فتح القدير: ۶/ ۳۱۳-۳۱۴)(۳)(كل ماأوجب نقصان الثمن فى عادة التجار فهو عيب. (هدايه ۳/ ۴۰،بدائع الصنائع: ۵۴۴/۴،تاتار خانية: ۱۱۷/۹ مكتبه زكريا)

خیار حاصل نہیں ہوتا۔

اور اگر تاجروں میں اختلاف ہو، بعض اس کو عیب شمار کرتے ہو اور بعض نہ کرتے ہوں تو خانیہ میں ہے کہ اس میں مشتری کو لوٹانے کا خیار نہ ہوگا جب تک کہ تمام کے نزدیک عیب واضح نہ ہو۔ (۱)

۳۱۸- **ضابطہ**: خیار عیب کے لئے ضروری ہے کہ بیع کے وقت یا سامان پر قبضہ کے وقت اس میں عیب موجود ہو۔ (۲)

تفریعات:

(۱) پس خرید کر قبضہ کے بعد عیب پیدا ہوا تو ظاہر ہے بیچنے والا اس کا ذمہ دار نہیں۔

(۲) اسی طرح بیچنے والے کے پاس کسی زمانہ میں وہ عیب موجود تھا لیکن بیع یا قبضہ کے وقت وہ عیب ثابت نہ ہو تو اس میں بھی خیار حاصل نہ ہوگا۔

(۳) اور اگر بیع کے بعد قبضہ سے پہلے کوئی عیب پیدا ہو گیا تو اس میں خیار حاصل ہوگا (کیونکہ بوقت قبضہ عیب موجود ہوگا)

فائدہ: اور یہ بھی ضروری ہے کہ مشتری خریدتے یا قبضہ کے وقت اس عیب سے واقف نہ ہو، ورنہ خیار حاصل نہ ہوگا۔ (۳)

۳۱۹- **ضابطہ**: ہر عیب سے براءت کی شرط کے ساتھ بیچنا درست ہے۔ (۴)

تشریح: یعنی بائع یوں کہے کہ اس میں جو بھی عیب ہو میں اس سے بری ہو یا اس کا

---

(۱) وفي الخانية: إن اختلف التجار فقال بعضهم إنه عيب وبعضهم لا، ليس له الرد إذا لم يكن عيباً بيناً عند الكل اهـ. (شامي: ۷/ ۱۷۰)

(۲) فمنها: ثبوت العيب عند البيع أو بعده قبل التسليم. (بدائع: ۴/ ۵۴۶، شامي: ۷/ ۱۶۹) (۳) ومنها: جهل المشتري بوجوب العيب عند العقد والقبض ......الخ (بدائع: ۴/ ۵۴۸) (۴) وصح البيع بشرط البراءة من كل عيب. (شامي: ۷/ ۲۱۸ – بدائع الصنائع: ۴/ ۵۴۸)

ذمہ دار نہیں ہوں تو اس طرح بیچنا صحیح ہے، اگر مشتری نے اس کے باوجود خرید لیا تو اب کچھ بھی عیب نکل آئے بائع اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، مشتری اس عیب کی وجہ سے مبیع واپس نہیں کرسکتا اور نہ نقصان کی بھرپائی کا مطالبہ کرسکتا ہے۔

۳۲۰- **ضابطہ**: مشتری کے پاس مبیع میں ہر ایسا اضافہ (زیادتی) جو اصل سے متصل بھی ہو اور اس سے پیدا شدہ بھی (جیسے موٹاپا، عمر میں اضافہ وغیرہ) یا وہ اضافہ اصل سے علاحدہ ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے گاڑی کی آمدنی، جانور کی کمائی وغیرہ) وہ خیار عیب کو ساقط نہیں کرتا (یعنی اس اضافہ کے باوجود عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرسکتا ہے) ــــــ اور جو اضافہ اصل سے متصل ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے کپڑے کی رنگائی، شجرکاری، زمین پر تعمیر وغیرہ) یا برعکس ہو، یعنی اصل سے علاحدہ ہو مگر اسی سے پیدا شدہ ہو (جیسے جانور نے بچہ دیا، درخت نے پھل دیا وغیرہ) تو وہ خیار عیب کو ساقط کردیتا ہے (اس صورت میں مبیع واپس نہیں کرسکتا۔ البتہ نقصان عیب کو رجوع کرسکتا ہے)[1]

۳۲۱- **ضابطہ**: عیب جان لینے کے بعد مشتری کی جانب سے ہر ایسا تصرف جو عیب پر رضامندی ظاہر کرتا ہو خیار عیب کو ساقط کردیتا ہے۔[2]

---

(۱) ان الزيادة نوعان متصلة ومنفصلةوالمتصلة نوعان غير متولدة من المبيع كالصبغ وماشبهه وانها تمنع الرد بالعيب بالاتفاق......ومتولدة من المبيع كالسمن والجمال وانجلاء البياض وانها لاتمنع الرد بالعيب فى ظاهر الرواية ......واما الزيادة المنفصلة فنوعان أيضا متولدة من المبيع كالولد والثمر وماهو فى معناهما كالارش والعقر وانها تمنع الرد بالعيب ......وغير متولدة من المبيع كالكسب والغلة وانها لاتمنع الرد بالعيب......الخ(هنديه :۳/ ۴۸ -۷۷، بدائع: ۴/ ۵۶۰)(۲)أن كل تصرف يوجد من المشترى فى المشترى بعد العلم بالعيب يدل على الرضا بالعيب يسقط الخيار ويلزم البيع.(بدائع : ۴/ ۵۵۷)

جیسے جانور میں زخم کا عیب تھا اور وہ اس کی دوا علاج کرنے لگا، یا گاڑی میں کوئی خرابی تھی وہ اس کو درست کرنے لگا یا اس پر سوار ہو کر اپنی ذاتی ضرورت میں استعمال کرنے لگا تو عیب جان لینے کے بعد بھی اس کا اس طرح کا عمل رضامندی پر دال ہوگا اور خیار ساقط ہو جائے گا، اب وہ مبیع واپس نہیں کر سکتا۔

اور اگر گاڑی اپنی ذاتی ضرورت میں استعمال نہیں کی بلکہ اس کو کاریگر کو دکھلانے کے لئے اس پر سوار ہوا تاکہ عیب کی حقیقت معلوم ہو جائے، یا بائع تک پہنچانے کے لئے اس پر سوار ہوا، اور راستہ میں ایندھن ڈلوانے کے لئے بھی کسی جگہ گیا تو اس سے خیار ساقط نہ ہوگا۔ جیسا کہ جانور پر سوار ہوا تاکہ اس کو گھاٹ سے پانی پلائے یا چراگاہ میں چرائے، یا بائع کو واپس کردے تو اس سے خیار ساقط نہیں ہوتا کیونکہ یہ ذاتی استعمال نہیں ہے۔ (۱)

۳۲۲- **ضابطہ**: مشتری کا ہر ایسا تصرف جس میں وہ حابس (مبیع کو روکنے والا) ثابت ہو اس میں وہ رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے، اور جس میں وہ حابس ثابت نہ ہو اس میں رجوع کرسکتا۔ (۲)

تشریح: عیب دار مبیع میں جب مشتری کوئی ایسا تصرف کرلے جس سے نفس مبیع کو واپس کرنا ممتنع ہو جائے تو اب وہ نفس مبیع کو تو واپس نہیں کرسکتا، البتہ عیب کی وجہ سے اس کو جو نقصان ہوا اس قدر ثمن بائع کے پاس سے واپس لے سکتا ہے، اس کو "رجوع بالنقصان" یا "ہرجانہ" کہتے ہیں۔

لیکن یہ رجوع کا حق مطلقاً نہیں، بلکہ اس تصرف میں رجوع کرسکتا ہے جس میں اس کی جانب سے بائع کو مبیع واپس کرنے میں کوئی رکاوٹ نہ آئی ہو، اگر اس کی جانب

---

(۱) (بدائع : ۵۵۷/٤، هندیه : ۷۵/۳)

(۲) أن المشتری متی کان حابسا للمبیع لا یرجع بنقصان العیب ومتی لم یکن حابساً له یرجع. (هدایه : ۴۲/۳، حاشیه)

سے کوئی رکاوٹ آجائے تو وہ حابس (مبیع کو روکنے والا) ثابت ہوگا اور اس کو رجوع بالنقصان کا حق نہ رہے گا۔ اس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے ہیں، من جملہ یہ ہیں:

(۱) مشتری نے مبیع کو بیچ دیا یا ہدیا کر دیا پھر عیب پر مطلع ہوا تو اب رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا، کیونکہ مبیع واپس کرنے میں رکاوٹ اس کی جانب سے آئی ہے، پس وہ حابس ہوا۔[۱]

(۲) کپڑا خریدا اور اس کو رنگ دیا، یا گیہوں خریدے اور اس کا ستو بنا دیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس کو رجوع بالنقصان کا حق ہوگا، کیونکہ مبیع واپس کرنے میں مشتری کی جانب سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، رکاوٹ شریعت کی طرف سے ہے، کیونکہ اس زیادتی کے ساتھ مبیع واپس کرنے میں (وہ زیادتی بلا عوض ہونے کی وجہ سے) شرعاً سود ہو جاتا ہے جو ممنوع ہے، پس مشتری حابس نہ ہوا۔[۲]

(۳) کپڑا خریدا اور اس کو کاٹ کر سی دیا، یا گیہوں خریدے اور ان کو پیس دیا، یا آٹا خریدا اور اس کی روٹیاں بنادی، یا گوشت خریدا اور اس کو بھون دیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، کیونکہ اصل مبیع واپس کرنے میں اس کی طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں ہے، رکاوٹ بائع کی جانب سے ہے کہ وہ اس حالت میں قبول نہیں کر رہا ہے، پس اس میں مشتری حابس نہیں ٹھہرا۔[۳]

---

(۱) ولو باعه المشترى او وهبه ثم علم بالعيب لم يرجع بالنقصان ، لأن امتناع الرد ههنا من قبل المشترى .(بدائع : ۵٦٨/٤)(۲): فإن قطع الثوب وخاطه او صبغه احمر اولت السويق بسمن ثم اطلع على عيب رجع بنقصانه لأن امتناع الرد بسبب الزيادة ...... الخ (هدايه : ٤٢/٣)(۳) كما إذا كان المبيع ثوباً فقطعه او خاطه او حنطة فطحنها او دقيقاً فخبزه او لحماً فشواه فإنه يرجع بالنقصان لأن امتناع الرد فى هذه المواضع من قبل البائع(بدائع الصنائع: ٤/ ٥٦٨ –الدر المختار على هامش ردالمحتار: ١٨٨/٧– ١٨٩)

(۴) لیکن اگر کپڑا پہن کر پرانا کردیا، اسی طرح کھانے کی کوئی چیز تھی اور اس کو کھالیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو اس میں اختلاف ہے، امام صاحب کے نزدیک رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک اس کو رجوع کا حق ہوگا، درمختار میں ہے کہ فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (۱)

(۵) کپڑا خریدا اور اس کو اپنے چھوٹے بچہ کا لباس بنانے کے لئے کاٹ دیا، پھر عیب پر مطلع ہوا تو رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے، اور اگر بڑے لڑکے کے لئے کاٹا ہو تو رجوع بالنقصان کرسکتا ہے، کیونکہ چھوٹے بچہ کے لئے محض کاٹ دینے سے وہ بچہ کے لئے ہدیہ اور تسلیم (سپرد کرنا) دونوں ثابت ہوجاتا ہے اور باپ (اس کا والی ہونے کی وجہ سے) اس کی جانب سے قبضہ کرنے والا متصور ہوجاتا ہے، تو جب مشتری کی جانب سے ہدیہ تام ہوگیا تو اب وہ حابس (روکنے والا) ثابت ہوگیا اور رجوع بالنقصان نہیں کرسکتا ہے۔ برخلاف بڑے لڑکے کے کہ اس کیلئے کاٹنے سے تسلیم (سپرد کرنا) ثابت نہیں ہوتا کیونکہ بڑا لڑکا خود مختار ہونے کی وجہ سے باپ کا اس کی جانب سے قبضہ متصور نہیں ہوتا، پس یہاں ہدیہ نہ ہونے سے مشتری حابس نہ ٹھہرے گا اور اس کو رجوع بالنقصان کا حق ہوگا۔ (۲)

(۶) جانور خریدا اور وہ خود اپنی موت مرگیا، یا اس کو ذبح کیا پھر اس میں کسی ایسے عیب پر مطلع ہوا جو بائع کے پاس سے آیا تھا تو مشتری کو نقصان کے رجوع کا حق ہوگا،

---

(۱) أو كان المبيع طعاماً فأكله أو بعضه ...... أو لبس الثوب حتى تخرق فإنه يرجع بالنقصان استحساناً عندهما وعليه الفتوىٰ. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۷/۱۹۲ –بدائع الصنائع: ۴/ ۵۶۹)

(۲) وعن هذا قلنا إن من اشترى ثوباً فقطعه لباساً لولده الصغير وخاطه ثم اطلع على عيب لايرجع بالنقصان ولو كان الولد كبيراً يرجع لأن التمليك حصل فى الأول قبل الخياطة وفى الثانى بعده بالتسليم إليه. (هدايه: ۳/ ۴۲)

کیونکہ جانور مرجانے کی صورت میں مبیع واپس کرنے میں جورکاوٹ ہے وہ حکمی ہے خود مشتری کے فعل سے نہیں ہے۔ اور ذبح کرنے کی صورت میں مشتری نے اس جانور کو اس مقصد میں استعمال کیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، کیونکہ جانور کو بار برداری، سواری، دودھ، گوشت وغیرہ انسانی نفع کے لئے پیدا کیا گیا ہے، پس دونوں صورتوں میں وہ حابس نہ ٹھہرے گا (برخلاف غلام کے اگر خود مرگیا تو رجوع کرسکتا ہے اور قتل کیا تو رجوع نہیں کرسکتا ہے، فرق واضح ہے)(۱)

۳۲۳- **ضابطہ**: خیار عیب موت سے باطل نہیں ہوتا، برخلاف خیار رویت اور خیار شرط کے۔

تشریح: پس خواہ بائع کی موت ہو یا مشتری کی خیار عیب باطل نہ ہوگا (بلکہ مبیع اگر جاندار ہو تو اس کی موت سے بھی خیار عیب باطل نہیں ہوتا) ـــــ پس مشتری کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء کو خیار عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرنے کا اختیار ہوگا، اور بائع کی موت کی صورت میں اس کے ورثاء عیب دار مبیع واپس لینے سے انکار نہیں کرسکتے۔

برخلاف خیار رویت اور خیار شرط کے اس میں من لہ الخیار کی موت سے (نہ کہ من علیہ الخیار کی موت سے) خیار باطل ہوکر معاملہ پختہ ہوجاتا ہے۔ اس میں وراثت جاری نہیں ہوتی ـــــ البتہ خیار تعیین کہ اگرچہ وہ خیار شرط ہی کے قریب ایک صورت ہے، لیکن خیار عیب کی طرح وہ موت سے باطل نہیں ہوتا، اس میں ورثاء کو تعیین کا اختیار ہوگا۔(۲)

(۱) اشتری حیواناً فذبحه بنفسه فإذا أمعاؤه فاسدة فساداً قديماً رجع بالنقصان عندهما، وعليه الفتوىٰ. (هنديه: ۸۴/۳، شامی: ۱۸۸/۷)

(۲) وتم العقد بموته لايخلفه الوارث كخيار الرؤية.....وأما خيار العيب والتعيين.....فيخلفه الوارث فيهما. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ←

خیارِ مغبون کا بیان

تمہید: مغبون کے معنی وہ شخص: جس کو دھوکا لگ گیا ہو یا دھوکا دیا گیا ہو۔ خیار مغبون یہ ہے کہ کسی نے بیع کی اور بیع کے اندر اس کو دھوکا ہو گیا (بلکہ صحیح روایت کے مطابق دھوکا دیا گیا) یعنی بازار کے نرخ سے اگر بائع ہو تو کم میں بیچ دیا اور مشتری ہو تو زائد میں خرید لیا تو اس صورت میں اس کو خیار حاصل ہوگا یعنی اگر وہ چاہے تو بیع کو فسخ کر دے یا باقی رکھے۔

لیکن یہ خیار صرف غبن فاحش میں حاصل ہوگا غبن یسیر میں حاصل نہ ہوگا۔ اور فاحش و یسیر کی تحدید میں ضابطہ یہ ہے کہ:

۳۲۴-**ضابطہ**: جو قیمت مقومین (قیمت لگانے والوں) کے اندازہ کے دائرے میں نہ آتی ہو وہ غبن فاحش ہے اور جو قیمت ان کے دائرہ میں آجاتی ہو وہ غبن یسیر ہے۔[۱]

تشریح: جیسے دس روپے میں کوئی چیز خریدی لیکن اس کی قیمت سات آٹھ روپے اور زیادہ سے زیادہ نو روپے تک لگائی جاتی ہے کوئی اس کی قیمت دس روپے نہیں لگاتا تو وہ غبن فاحش ہے۔ اور اگر اس کی قیمت کوئی آٹھ رپے کوئی نو روپے اور کوئی دس روپے بھی لگاتا ہے تو چونکہ یہ قیمت مقومین کے اندازے میں آجاتی ہے اس لئے غبن یسیر ہے۔

← ۱۳۱/۷ تا ۱۳٤، بدائع : ٥۳٤/٤) ويتم العقد أيضاً بموت من له الخيار) ......وقيد بموت من له الخيار لأن الخيار لايبطل بموت من عليه الخيار اتفاقاً. (مجمع الانهر :۴۳/۳)

(۱)......بغبن فاحش :هو مالا يدخل تحت المقومين (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳٦۳/۷)

لیکن جیسا کہ ظاہر ہے اس تحدید میں عام لوگوں کے لئے خاصی دشواری ہے اس لئے لوگوں کی سہولت کے پیش نظر "مجلة الأحكام" کے مرتبین نے ان حضرات کی رائے کو ترجیح دی ہے جنہوں نے آسان عددی تحدید کو پیش کیا ہے، اور سہولت کے لئے فقہاء ایسی تحدید بیان کرتے ہیں اس کی مثال شرعی حوض کی پیمائش وغیرہ ہے۔ چنانچہ اس سلسلہ میں انہوں نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

۳۲۵-**ضابطہ**: جب غبن: منقول اشیاء میں پانچ فیصد؛ جانوروں میں دس فیصد؛ اور زمین مکانات وغیرہ میں بیس فیصد پہنچ جائے تو خیار حاصل ہوگا، اس سے کم میں حاصل نہ ہوگا۔ [1]

تشریح: پانچ فیصد کا مطلب ہے بائع نے کوئی چیز ایک سو پانچ میں دی جبکہ بازار میں اس کی عام قیمت سو روپے ہے ـــــ اسی طرح دس فیصد اور بیس فیصد کو سمجھ لیجئے۔

ملحوظہ: یہ خیار اس وقت حاصل ہوگا جبکہ اس کو دھوکا دیا گیا ہو یعنی کہا ہو کہ "بازار کا دام یہ ہے" پھر بعد میں وہ دام نہ نکلا۔ اور اگر سامنے والے نے بازار کا دام وغیرہ کچھ نہ کہا ہو ویسے ہی کسی کو بیع میں دھوکا لگ گیا (جیسا کہ عامۃً ہوتا ہے) تو اس میں اختیار نہ

---

(۱) الغبن الفاحش: غبن على قدر نصف العشر فى العروض والعشر فى الحيوانات والخمس فى العقار أوزيادة .وربع العشر فى الدراهم بالنظر إلى قيم الأشياء الحقيقية أيضاً،يعنى: أن إعطاء العشرة بعشرة وربع، أو أخذ العشرة وربع بعشرة فى الدراهم وإعطاء ماقيمته عشرة بعشرة ونصف ،أو أخذ ماقيمته العشرة ونصف بعشرة فى العروض وإعطاء ماقيمته عشرة بأحد عشر ، أو أخذ ماقيمته أحد عشر بعشرة فى الحيوانات وإعطاء ماقيمته عشرة باثنى عشر وأخذ ماقيمته اثنى عشر بعشرة فى العقار يعدّ غبناً فاحشاً(درر الحكام فى شرح مجلة الأحكام: ١/ ٢٦٥، المادة:١٦٥)

ہوگا، یہی مفتی بہ ہے۔ تاہم ایک روایت کے مطابق مطلقاً (خواہ دھوکا دیا گیا ہو یا دھوکا لگ گیا ہو) خیار حاصل ہوتا ہے اور اس پر بھی فتویٰ نقل کیا گیا ہے، مگر علامہ شامیؒ نے اس پر نقد کیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ تصحیح جس مفتی بہ قول کی گئی ہے وہ تفصیل کا ہے نہ کہ مطلق خیار کا۔ اور جس نے مطلقاً خیار کا فتویٰ دیا اس نے خطاء فاحش کی۔ (۱)

فائدہ: قیمت کے علاوہ مبیع کے منافع وغیرہ میں دھوکا دیا مثلاً یہ بھینس ۱۵؍لیٹر دودھ دیتی ہے، یہ گاڑی ۸۰؍کیلومیٹر کی ایوریج دیتی ہے وغیرہ اور حقیقت میں ایسا نہ ہوتو مشتری کو اس میں بھی اختیار ہوگا کہ بیع فسخ کردے، کیونکہ اس میں بائع کی طرف سے دھوکا دیا گیا اور مشتری کا وصف مرغوب فوت ہوا۔

لیکن مشتری جب مبیع لینا ہی چاہے، فسخ پر راضی نہ ہوتو اب اس کو پوری قیمت پر ہی لینا ہوگا، قیمت کم نہیں کرواسکتا، اس لئے کہ وصف کے فوت ہونے پر ثمن کم نہیں کیا جاتا، کیونکہ اوصاف کے مقابلہ میں ثمن کا کوئی حصہ نہیں آتا ہے۔ البتہ بائع خود سمجھ کر راضی خوشی سے قیمت کم کردے تو حرج نہیں کہ وہ اس کا حق ہے اور آدمی اپنا حق ساقط کرسکتا ہے۔ (۲)

---

(۱)......ویفتی بالرد رفقاً بالناس وعلیه أکثر روایات المضاربة وبه یفتی .ثم رقم وقال إن غره ای غر المشتری البائع أو العکس أوغره الدلال فله الرد وإلالا وبه أفتی صدر الإسلام وغیره (الدر المختار)وهو الصحیح کمایاتی ......فمن أفتی فی زماننا بالرد مطلقاً فقد اخطا خطافاحشاً لما علمت من ان التفصیل هو المصحح المفتی به. (شامی :۷/۳۶۳-۳۶٤)

(۲)ومن باع عبداً علی أنه خباز أو کاتب وکان بخلافه فالمشتری بالخیار إن شاء أخذه بجمیع الثمن وإن شاء ترك لأن هذا وصف مرغوب فیه ......وإذاأخذه أخذبجمیع الثمن لأن الأوصاف لایقابلها شیء من الثمن. (هدایه: ۳/ ۳۵)

خیار مجلس کا بیان

۳۲۶- **ضابطہ**: بیع میں خیار مجلس مشروع نہیں، صفقۃ ہوجانے پر بیع تام ہوجاتی ہے۔

تشریح: جب ایجاب وقبول پایا گیا تو بیع تام ہوگئی، اب مجلس کے بقاء کا کوئی اختیار نہ ہوگا، برخلاف شوافع اور حنابلہ کے کہ ان کے نزدیک جب تک مجلس عقد باقی ہے ہردو فریق کو اختیار باقی رہتا ہے کہ وہ اس معاملہ کو ختم کردے۔[1]

نوٹ: بیع میں خیارات سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

اقالہ کا بیان

تمہید: اقالہ کے معنی ہیں "ختم کرنا، ساقط کرنا" اصطلاح میں اقالہ کہتے ہیں: معاملہ ہوجانے کے بعد بائع اور مشتری کا باہمی رضامندی سے معاملہ کو ختم کردینا۔

۳۲۷- **ضابطہ**: ثمن کا ہلاک ہونا اقالہ کی صحت کو مانع نہیں، مبیع کا ہلاک ہونا مانع ہے۔[2]

تشریح: اقالہ میں شرط ہے کہ مبیع موجود ہو، اگر مبیع ہلاک ہوگئی تو اقالہ کی گنجائش نہ رہے گی کیونکہ مبیع ہی محل بیع وفسخ ہے، لیکن ثمن کا بعینہ موجود رہنا ضروری نہیں وہ ہلاک ہوجائے تب بھی اقالہ صحیح ہے جیسا کہ بیع صحیح ہوتی ہے۔

اگر بعض مبیع ہلاک ہوگئی اور بعض باقی ہے تو جس قدر باقی ہے اس کے حصۂ ثمن پر اقالہ درست ہوگا۔

اگر بیع مقایضہ ہو (یعنی دونوں جانب سامان ہو کسی جانب کرنسی یا سونا چاندی نہ ہو

(۱)(كتاب الفقه على المذاهب الأربعة : ۱۵۴/۲-۱۵۷)

(۲)(الدر المختار على هامش ردالمحتار : ۳۴۳/۷)

جیسے گیہوں کے بدلہ چاول خریدے) تو بدلین میں سے کسی ایک کے ہلاک ہونے بعد بھی اقالہ جائز ہوگا، ایک کے ہلاک ہونے سے اقالہ باطل نہ ہوگا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں مبیع بننے کی صلاحیت ہے، لہذا جو ہلاک ہوا اس کو ثمن تصور کریں گے اور جو باقی ہے اس کو مبیع۔ پس بیع باقی ہے تو اقالہ صحیح ہوگا۔ (۱)

۳۲۸- **ضابطہ**: مبیع میں ہر وہ اضافہ جو خیار عیب کی صورت میں مبیع لوٹانے کو مانع بنتا ہے وہ (اضافہ) اقالہ کو بھی مانع ہوگا، اور جو وہاں مانع نہیں ہوتا وہ یہاں بھی مانع نہ ہوگا۔ (۲)

تشریح: خیار عیب میں کونسا اضافہ مانع ہوتا ہے اور کونسا نہیں؟ اس کے متعلق خیار عیب میں ایک ضابطہ گذر چکا ہے۔ چونکہ وہ اس ضابطہ کا موقوف علیہ ہے اس لئے اس کو پھر سے یہاں نقل کیا جاتا ہے (اقالہ کو اس پر قیاس کرلیا جائے)

ضابطہ: مشتری کے پاس مبیع میں ہر ایسا اضافہ (زیادتی) جو اصل سے متصل بھی ہو اور اس سے پیدا شدہ بھی (جیسے موٹاپا، عمر میں اضافہ وغیرہ) یا وہ اضافہ اصل سے علاحدہ ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے گاڑی کی آمدنی، جانور کی کمائی وغیرہ) وہ خیار عیب کے لئے مانع نہیں (یعنی اس اضافہ کے باوجود عیب کی وجہ سے مبیع واپس کرسکتا ہے) —— اور جو اضافہ اصل سے متصل ہو مگر اس سے پیدا شدہ نہ ہو (جیسے کپڑے کی رنگائی، شجر کاری، زمین پر تعمیر وغیرہ) یا برعکس ہو، یعنی اصل سے علاحدہ

---

(۱) وهلاك الثمن لايمنع صحة الإقالة كما لايمنع صحة البيع وهلاك المبيع يمنع منها، لأنه محل البيع والفسخ، فإن هلك بعض المبيع جاز ت الإقالة في باقيه لقيام المبيع فيه، ولو تقايضا تجوز الإقالة بعد هلاك أحدهما ولايبطل بهلاك أحدهما، لأن كل واحد منهما مبيع فكان البيع باقيا. (اللباب في شرح الكتاب: ۲۱۸/۱) (۲)......عن الخلاصة :أن مايمنع الرد بالعيب يمنع الإقالة ...... الخ. (شامي : ۷/ ۳۳۸)

ہو مگر اسی سے پیدا شدہ ہو (جیسے جانور نے بچہ دیا، درخت نے پھل دیا وغیرہ) تو وہ خیار عیب کے لئے مانع ہے (اس صورت میں مبیع واپس نہیں کرسکتا۔ البتہ نقصان عیب کو رجوع کرسکتا ہے)(۱)

۳۲۹-**ضابطہ**: اقالہ متعاقدین کے حق میں تو فسخ ہے اور ان کے علاوہ (یعنی فریق ثالث) کے حق میں بیع جدید ہے۔(۲)

پس اس پر یہ احکام متفرع ہوں گے:

(۱) کسی نے زمین یا مکان فروخت کیا پھر اقالہ کرکے اس کو واپس لے لیا تو اس زمین یا مکان کے پڑوس میں جو شخص ہوگا اس کو حق شفعہ حاصل ہوگا کیونکہ اس کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے اور زمین یا مکان کی بیع سے پڑوسی کو حق شفعہ حاصل ہوتا ہے۔(۳)

(۲) مشتری نے زید سے کوئی چیز خریدی اور کسی کے ہاتھ اس کا سودا کردیا، پھر ان دونوں نے اقالہ کرلیا، اقالہ کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں کوئی عیب ہے جو اصل بائع (زید) کے پاس سے آیا ہے، تو مشتری عیب کی وجہ سے وہ مبیع زید کو لوٹا نہیں سکتا، اس لئے کہ فریق ثالث (زید) کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے، پس گویا زید کے حق میں مشتری اپنے مشتری سے خریدنے والا ہوگیا (نہ کہ خود زید سے) پس اس صورت میں ظاہر ہے کہ مشتری عیب کی بنا پر یہ مبیع زید کو نہیں لوٹا سکتا، اور اپنے مشتری کو بھی نہیں لوٹا سکتا کیونکہ یہ عیب اس کی جانب سے نہیں آیا۔(۴)

---

(۱) (هندیه :۳/ ۴۸-۷۷)(۲)وهی فسخ فی حق المتعاقدین،بیع جدید فی حق غیرهما.(القدوری علی هامش اللباب:۱/ ۲۱۸، تاتار خانیة (جدید):۹/ ۳۱۲،مکتبه زکریا)(۳)لو کان المبیع عقاراً فسلم الشفیع الشفعة ثم تقایلاقضی له بها لکونه بیعاً جدیداً.(الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۷/ ۳۴۲)(۴)لایرد البائع الثانی علی الأول بعیب علمه بعدها لأنه بیع فی حقه.(الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۷/ ۳۴۲)

(۳) زید نے خالد کو کوئی چیز ہدیہ کی، خالد نے اس کو کسی کے ہاتھ بیچ دیا، پھر کسی وجہ سے اس بیع کا اقالہ کرلیا تو اب واہب (زید) کے لئے جائز نہیں کہ موہوب لہ (خالد) سے شئی موہوب کو رجوع کرے (مطالبہ کرے) کیونکہ زید کے حق میں جو کہ فریق ثالث ہے یہ اقالہ بیع ہے، تو گویا خالد نے اپنے مشتری سے اقالہ نہیں کیا بلکہ اس کو خریدا ہے اور شئی موہوب اس کے پاس ملک جدید سے لوٹی ہے اور یہ چیز زید کے لئے رجوع سے مانع بنے گی۔ (۱)

(۴) زید نے خالد کے ہاتھ کوئی چیز بیچی، خالد نے ابھی اس کا ثمن ادا نہیں کیا تھا اس سے پہلے اس نے دوسرے شخص مثلا حامد کے ہاتھ اس کو وہ چیز بیچ دی، پھر کسی وجہ سے اس بیع ثانی کا اقالہ ہوگیا تو اب بائع اول (زید) کے لئے جائز ہے کہ اپنے مشتری (خالد) سے واپس وہ چیز اس ثمن سے کم میں خریدے جو پہلی بیع میں طے ہوا تھا۔ اس میں اگرچہ "شراء باقل مما باع قبل نقد الثمن" لازم آتا ہے جو کہ جائز نہیں، لیکن وہ یہاں جائز ہوگا اس لئے کہ خالد اور حامد کے مابین جو اقالہ ہوا وہ بائع اول (زید) کے لئے جو کہ فریق ثالث ہے بیع جدید ہے، گویا اس صورت میں مبیع زید کے پاس ملک جدید سے لوٹ رہی ہے، تو اب اس کے لئے مذکور صورت جائز ہوگی۔ (۲) (شرنبلالیہ میں ہے کہ یہ ایک ناجائز صورت "شراء باقل.. الخ" کا حیلہ بھی ہے۔ (۳) پس بوقت ضرورت اس حیلہ سے کام لیا جاسکتا ہے، بلا ضرورت حیلوں کا استعمال جائز نہیں)

---

(۱) لیس للواهب الرجوع إذا باع الموهوب له الموهوب من آخر ثم تقایلا، لأنه کاالمشتری من المشتری منه (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۳٤۲/۷) (۲)... المشتری إذا باع المبیع من آخر قبل نقد الثمن جاز للبائع شرائه منه بالأقل. (أی بعدالإقالة. اسامة) (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۳٤۲/۷) (۳)... وهذه کما فی الشرنبلالیة: حیلة للشراء بأقل مما باع قبل نقد ثمنه. (شامی: ۳٤۲/۷)

(۵) بیع صرف (سونا چاندی کی بیع) میں جب اقالہ کیا جائے تو اس وقت بدلین پر قبضہ مجلس میں شرط ہے (جیسا کہ اس کی بیع میں شرط ہے) اس لئے کہ یہ شرط شریعت کا حق ہے، پس گویا شریعت کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے (یہاں فریق ثالث شریعت ہے)[۱]

(۶) کوئی چیز مثلاً گھر خریدا، پھر اس کو رہن (گروی) رکھا، یا اس کو کرایہ پر دیا، پھر اس گھر کا جو سودا ہوا تھا اس کا اقالہ کرنے کا ارادہ ہوا تو مرتہن (جس کے پاس وہ گھر گروی رکھا ہے) یا مستأجر (جس کو کرایہ پر دیا ہے) کی اجازت شرط ہے، اس کے بغیر اقالہ صحیح نہ ہوگا، کیونکہ ان دونوں کے حق میں یہ اقالہ بیع جدید ہے۔ پس جس طرح اس گھر کو دوسری جگہ بیچنا ہو تو ان دونوں کی اجازت شرط ہے تو اقالہ میں بھی شرط ہوگی۔[۲]

ربا (سود) کا بیان

۳۳۰-**ضابطہ**: جو زیادتی عقد میں بلا معاوضہ حاصل ہو وہ سود ہے۔[۳]

تشریح: جیسے ایک من گندم دے کر ایک من ایک سیر گندم لینا۔ دس تولہ چاندی دے کر گیارہ تولہ چاندی لینا۔ پانچ تولہ سونا دے کر ساڑھے پانچ تولہ سونا لینا یا جیسے ایک ہزار روپے دے کر گیارہ سو روپے لینا وغیرہ ـــ سب سود ہے۔

---

(۱)......ویزاد التقابض فی الصرف(الدرالمختار)......قال فی الفتح :لأنه مستحق فی الشرع فکان بیعاً جدیداً فی حق الشرع .(شامی: ۷/ ۳٤۲)

(۲)لواشتری داراً فاجرها أو رهنها ،ثم تقایلا مع البائع ذکر فی النهر أخذاً من قولهم إنها بیع جدید فی حق ثالث أنها تتوقف علی إجازة المرتهن ، أو قبضة دینه وعلی إجازة المستاجر. (شامی: ۷/۳٤۳)

(۳)وهو فی الشرع عبارة عن فضل مالا یقابله عوض فی معاوضة مال بمال. (هندیه :۳/۱۱۷)

اور مدت (مہلت) کو اس زیادتی کا عوض قرار دینا صحیح نہیں، کیونکہ مدت محل عوض نہیں، یعنی مستقلاً اس کا عوض لینا جائز نہیں۔

اور ادھار بیع میں زیادہ قیمت لینے کی جو اجازت ہے، اس میں درحقیقت زیادہ قیمت مہلت کا عوض نہیں، بلکہ نفس شی ہی کی قیمت ہوتی ہے اور مہلت کا اعتبار ضمناً ہوتا ہے اگرچہ دیتے وقت مہلت بھی پیش نظر ہو، اور وہ بھی صرف اس صورت میں جائز ہے جبکہ عروض (سامان) کا نقود (سونا چاندی یا روپے) سے تبادلہ ہو۔ اگر عروض کا عروض سے یا نقود کا نقود سے تبادلہ ہو (جیسا کہ اوپر کی مثالوں میں ہے) تو وہاں ادھار میں زیادہ قیمت لینا جائز نہیں، کیونکہ اس وقت وہ زیادتی نفس مہلت ہی کا عوض ہوگی، اور مہلت کا مستقلاً عوض لینا جائز نہیں۔

۳۳۱- **ضابطہ**: جس چیز میں قدر اور جنس دونوں وصف موجود ہوں ان میں ربا الفضل اور ربا النسیئہ دونوں متحقق ہوتے ہیں اور جس میں صرف ایک وصف ہو اس میں صرف ربا النسیئہ متحقق ہوتا ہے ربا الفضل متحقق نہیں ہوتا۔ (۱)

تشریح: قدر سے مراد اس چیز کا کیلی ووزنی ہونا ہے اور جنس سے مراد دو چیزوں کا ہم جنس ہونا ہے۔

اور ربا الفضل یہ ہے کہ: اموال ربویہ میں معاملہ کمی بیشی کے ساتھ کیا جائے۔
اور ربا النسیئہ یہ ہے کہ: اموال ربویہ میں معاملہ ادھار کیا جائے یعنی کسی ایک عوض کو ادھار رکھا جائے۔ (اور اگر دونوں عوض ادھار ہو تو یہ بیع الکالی بالکالی ہے اور یہ بھی ناجائز ہے)

پس جن دو عوضوں میں یہ دونوں علتیں موجود ہوں یعنی دونوں ہم جنس ہوں اور

---

(۱) فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسا وإن عدما حلا وإن احدهما فقط حل التفاضل لاالنسا. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهع: ۳/ ۱۲۱ —اللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۲۲۱)

دونوں قدری یعنی مکیلی یا موزونی ہوں جیسے گندم کا گندم کے عوض، یا تیل کا تیل کے عوض بیچنا تو ان میں ربا کی دونوں صورتیں جائز نہ ہوں گی یعنی نہ ربا الفضل جائز ہوگا اور نہ ربا النسیئہ۔

اور جس میں صرف ایک علت ہو جیسے زمین کا زمین کے عوض یا بکری کا بکری کے عوض یا کپڑے کا کپڑے کے عوض تبادلہ (کہ اس میں صرف جنسیت ہے قدریت نہیں) یا گیہوں کا چاول کے عوض تبادلہ (کہ اس میں صرف قدریت ہے جنسیت نہیں) تو اس میں ربا الفضل (نقد کمی بیشی) تو جائز ہوگا، ربا النسیئہ (ادھا معاملہ) جائز نہ ہوگا۔

اور جس میں ایک بھی علت نہ ہو جیسے چاندی کا تیل کے عوض بیچنا تو اس میں تفاضل اور نسیئہ دونوں صورتیں جائز ہوں گی، کیونکہ ان دونوں میں اختلاف جنس کے ساتھ قدریت کا بھی اختلاف ہے، قدریت کا اختلاف اس طرح کہ چاندی وزنی ہے اور تیل کیلی ہے، جبکہ قدریت میں اتفاق ضروری ہے یعنی دونوں وزنی ہوں یا دونوں کیلی ہوں۔ ایک وزنی ہو اور دوسرا کیلی ہو تو ان میں علت قدریت شمار نہ ہوگی۔ (۱)

فائدہ: دو ایسی چیزیں جن کی اصل الگ الگ ہو جیسے گائے کا گوشت اور دنبہ وبکرے کا گوشت ان کی جنس الگ متصور ہوگی۔ اسی طرح دو ایسی چیزیں جن کا مقصود مختلف ہو جیسے دنبہ کے اون اور بکری کے بال ان کی جنس بھی جداگانہ شمار ہوگی۔ (۲)

سوال: پھٹے ہوئے یا پرانے نوٹوں کو اچھے نوٹوں کے بدلہ میں یا ریزگاری کو نوٹوں کے بدلہ میں کمی بیشی کے ساتھ بیچنے کو مفتیان کرام ناجائز کہتے ہیں (یعنی اس میں

---

(۱)......"وعلته القدر" هو القدر المتفق كبيع موزون بموزون أو مكيل بمكيل بخلاف المختلف كبيع مكيل بموزون نسيئة فإنه جائز......الخ (شامي: ۴۰۵/۷) (۲)......والحاصل أن الاختلاف باختلاف الأصل أو المقصود الخ (الدر المختار) (باختلاف الأصل). لك ..لحم البقر مع لحم الضأن (أو المقصود) كشعر المعز وصوف الغنم. (شامي: ۴۱۸/۷)

برابری ضروری ہے) جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم، فتاویٰ رحیمیہ ،فتاویٰ محمودیہ وغیرہ میں ہے۔ [1] حالانکہ مذکور ضابطہ کے اعتبار سے یہ تبادلہ جائز ہونا چاہئے کیونکہ اس میں پہلی صورت (نوٹ کا نوٹ سے تبادلہ) میں علت ''قدریت'' اور دوسری صورت (نوٹ کا ریزگاری سے تبادلہ) میں دونوں ہی علتیں نہیں پائی جاتیں،جس کا تقاضہ یہ ہے کہ نقد کمی بیشی تو کم از کم جائز ہو۔

جواب:اس کی وجہ یہ ہے کہ پیسے ''ثمن'' ہیں اور ثمن میں اوصاف: ہدر (یعنی ناقابل اعتبار) ہوتے ہیں، پس ان کے باہم تبادلہ میں جو زیادتی ہوگی وہ بلاعوض رہے گی اور وہی اصل سود ہے جو قرآن نے حرام کیا ہے،یعنی زیادۃ بلاعوض، برخلاف ثمن کے علاوہ دیگر چیزوں میں کہ (جب تک علت ربا نہ ہو) ان میں اوصاف معتبر ہوتے ہیں پس ان میں جو زیادتی ہوتی ہے وہ کسی وصف کے مقابل ہوتی ہے اور بلا عوض نہیں رہتی۔

استدراک:لیکن اگر کسی کے پاس پھٹی پرانی نوٹ ہو جو بازار میں کوئی لینے کو تیار نہ ہو اور بینک وغیرہ سے اس کے تبادلہ میں کوئی اس کا پورا روپیہ نہ دے تو اپنا حق کچھ کم لے لینا جائز ہے۔جیسا کہ فتاویٰ دار العلوم میں ہے کہ ''نوٹ کے لین دین میں زیادہ وکم لینا بقاعدۂ شریعت جائز نہیں،لیکن بہ مجبوری نوٹ کے بھنانے میں اگر پورا روپیہ کوئی نہ دے تو اپنا حق کچھ کم لے لینا درست ہے''۔ [2]

۳۳۲-**ضابطہ**:دو ہم جنس میں ایسا تفاوت جو خلقی (قدرتی) ہو (جیسے خشک وتر ہونا؛ عمدہ وگھٹیا ہونا) باب ربا میں اس کا اعتبار نہیں ہوتا،اور جو تفاوت بندوں کے فعل سے ہو (جیسے گیہوں اور گیہوں کا آٹا؛ بھونے ہوئے گیہوں اور سادہ گیہوں) اس کا

---

(۱)(فتاویٰ دار العلوم :۱۴/ ۴۵۵-۴۵۶، رحیمیہ :۵/ ۳۱۸، محمودیہ : ۴/ ۵۹،حاشیہ ۱،کتاب الزکوۃ)

(۲)(فتاویٰ دار العلوم :۱۴/ ۴۵۵-۴۵۶)

اعتبار ہوتا ہے(یعنی وہ فساد پیدا کرتا ہے)[۱]

تفریع: پس گیہوں کو گیہوں کے عوض یا کھجور کو کھجور کے عوض باہم برابری کے ساتھ بیچنا جائز ہے، اگر چہ ایک طرف عمدہ ہو اور دوسری طرف گھٹیا ہو یا ایک طرف خشک ہو اور دوسری طرف تر ہو، کیونکہ یہ تفاوت خلقی ہے اور خلقی تفاوت کا باب ربا میں اعتبار نہیں۔

لیکن گیہوں کو گیہوں کے آٹے کے عوض یا بھونے ہوئے گیہوں کو سادے گیہوں کے عوض بیچنا بالکل جائز نہیں خواہ کمی بیشی سے بیچا جائے یا برابری سے، کیونکہ ان میں جو تفاوت ہے وہ بندوں کے فعل سے ہے اور ایسا تفاوت معتبر ہوتا ہے، یعنی اس کی وجہ سے فساد پیدا ہوتا ہے —— اس کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں — یعنی گیہوں اور اس کے آٹے وغیرہ میں — من وجہ مجانست باقی ہے جس کا باب ربا میں احتیاطاً اعتبار ہوتا ہے، ایسی صورت میں تساویاً جائز ہونا چاہئے، مگر ان کا پیمانہ کیل ہوتا ہے جس کی جہ سے برابری پیدا کرنا ممکن نہیں، کیونکہ آٹے کو پیمانہ میں ٹھوس کر بھرا جا سکتا ہے اور گیہوں کے دانوں کے درمیان خلا رہتا ہے اس لئے ان کو ٹھوس کر نہیں بھرا جا سکتا ہے، پس ان میں کمی بیشی رہے گی۔ اور یہ تفاوت چونکہ بندوں کا پیدا کردہ ہے اس لئے اس کا اعتبار ہوگا، قدرتی ہوتا جیسا کہ تر و خشک کی وجہ سے کمی بیشی رہنا تو اس کا اعتبار نہ ہوتا اور کیل کی ہی برابری کافی رہتی اگر چہ وزن میں کم وبیش ہو۔

پھر اس میں (یعنی گیہوں کو اس کے آٹے کے عوض وغیرہ میں) وزن سے بھی برابر کر کے بیچنا جائز نہ ہوگا کیونکہ کیلی چیز کو اس کے ہم جنس کے عوض وزن سے بیچنا جائز نہیں۔

ملحوظہ: یہ ساری تفصیل طرفین کے مسلک کے موافق ہے، اور چونکہ اکثر فقہ کی

---

(۱) كل تفاوت خلقي كالرطب والتمر والجيد والردىء فهو ساقط الاعتبار، وكل تفاوت بصنع العباد كالحنطة بالدقيق والحنطة المقلية بغيرها يفسد. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۴۱۶/۷ - ۴۱۷)

کتابوں میں یہ مذکور ہے اور بہت سے مسائل کا حل اس پر موقوف ہے اس لئے اس کو ذکر کیا گیا، ورنہ تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پیمانے اور وزن میں مطلقاً عرف کا اعتبار ہے یعنی عرف میں کوئی چیز وزنی ہے تو وزنی شمار ہوگی اور کیلی ہے تو کیلی شمار ہوگی خواہ اس کا کیلی یا وزنی ہونا ہونا منصوص ہو یا غیر منصوص، پس اس اعتبار سے گیہوں کو آٹے کے عوض، یا بھونے ہوئے گیہوں کو سادے گیہوں کے عوض وزناً برابر طریقہ سے بیچنے میں کوئی حرج نہ ہوگا، پھر خلقی تفاوت اور مصنوعی تفاوت کے مابین کا فرق بھی ساقط الاعتبار ہوگا۔ علامہ کمال الدین نے امام ابو یوسف کے قول کو راجح قرار دیا ہے اور علامہ شامی نے بھی دلائل کے بعد لکھا ہے کہ امام ابو یوسف کے قول کا قوی ہونا مخفی نہیں۔ (۱)

۳۳۳- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کے کھلی کی بھی قیمت آتی ہو اس کو اس کے مغز (گری) کے عوض بیچا جائے تو ضروری ہے کہ وہ "مغز" اس چیز میں موجود "مغز" سے مقدار میں زیادہ ہو (تاکہ زیادتی کھلی کے عوض آجائے) ورنہ بیچنا جائز نہ ہوگا، سود ہو جائے گا ــــــ اور جس کے کھلی کی کوئی قیمت نہ ہو اس کو اس کے "مغز" کے عوض

---

(۱) ومانص الشارع على كونه كيلياً ...او وزنياً فهو كذالك أبداً......وعن الثاني اعتبار العرف مطلقاً، ورجحه الكمال وخرج عليه سعيد أفندى...الخ (الدر المختار) وفي الشامية: وحاصله توجيه قول أبي يوسف أن المعتبر العرف الطارىء بانه لايخالف النص بل يوافقه ،لأن النص على كيلة الأربعة ووزنية الذهب والفضة مبنى على ماكان فى زمنه صلى الله عليه وسلم من كون العرف كذالك، حتى لوكان العرف إذذاك بالعكس لورد النص موافقاً له ، ولو تغير العرف فى حياته صلى الله عليه وسلم لنص على تغير الحكم. وملخصه: أن النص معلول بالعرف ، فيكون المعتبر هو العرف فى اى زمن كان، ولايخفى أن هذا فيه تقوية لقول أبي يوسفؒ، فافهم. (شامي: ۷/ ۴۱۰)

بیچنا مطلقاً جائز نہیں۔(۱)

تشریح: پس زیتون کو ”زیتون کے تیل“ کے عوض اور تل کو ”تل کے تیل“ کے عوض بیچنا جائے تو ضروری ہے کہ وہ خالص تیل اس زیتون اور تل میں موجود تیل کے مقابلہ میں زیادہ ہو، تا کہ جو زائد تیل ہے وہ کھلی کے مقابل ہو جائے اور چونکہ تیل اور کھلی دو مختلف جنس ہیں اس لئے ربا متحقق نہ ہوگا، لیکن اگر زیتون اور تل میں موجود جو تیل ہے وہ خالص تیل کے مقابلہ میں زیادہ ہو یا برابر ہو تو یہ بیع جائز نہ ہوگی، کیونکہ ادھر کھلی یا کھلی کے ساتھ تیل کی جو زیادتی ہوگی اُدھر (خالص تیل کی جانب) اس کا کوئی عوض نہ رہے گا، پس یہ زیادتی بلا عوض ہو کر سود پیدا کر دے گی ــــــ یہی حکم ہوگا کھجور کو اس کے شیرہ کے عوض، اور بادام یا اخروٹ کو اس کے تیل کے عوض اگر بیع کی جائے، یعنی اگر شیرہ اس سے زائد ہو جو کھجور میں ہے اور تیل اس سے زائد ہو جو بادام یا اخروٹ میں ہے تو بیع جائز ہوگی، ورنہ جائز نہیں، بلکہ دوسری دھات سے مرکب سونا چاندی کو غیر مرکب سونا چاندی کے عوض بیچنا ہو تو اس میں بھی یہ شرط ہے کہ غیر مرکب زیادہ ہو، ورنہ جائز نہ ہوگا، بلکہ یہ حکم ہر اس مبیع میں جاری ہوگا جو کسی دوسری چیز سے مرکب ہو مثلاً ایک ٹوکری میں کھجور اور گندم مکس ہے اور اس کی قیمت کھجور کی صورت میں مقرر کی تو یہ بیع اس وقت جائز ہوگی جب کہ ٹوکری والی کھجور کم ہو اور جو کھجور بطور ثمن کے دی جا رہی ہے وہ زائد ہو، تا کہ کھجور کا کھجور کے ساتھ تماثل ہو جائے اور زائد کھجور گندم کے عوض ہو جائے۔

---

(۱) ولا الزيتون بزيت والسمسم بحل ...حتى يكون الزيت والحل أكثر مما في الزيتون والسمسم ليكون قدره بمثله والزائد بالثفل، وكذا كل مالثفله قيمة كجوز بدهنه ولبن بسمنه وعنب بعصيره، فإن لاقيمة له كبيع تراب ذهب بذهب فسد بالزيادة لربا الفضل. (الدر المختار علي هامش رد المحتار: ۷/ ۴۲۰ - ۴۲۱)

اور اگر کوئی چیز ایسی ہو جس کے کھلی کی کوئی قیمت نہ آتی ہو جیسے سونے کی مٹی (یعنی جس مٹی میں سونے کے ذرات ہوں) کو سونے کے عوض بیچا جائے تو یہ بیع مطلقاً جائز نہ ہوگی یعنی نہ کمی بیشی سے جائز ہوگی اور نہ برابر طریقہ پر، کیونکہ ذرات اگرچہ متقوم ہیں لیکن نفس مٹی کی کوئی قیمت نہیں ہے اس مٹی کے مقابل میں کچھ سونا نہیں کیا جا سکتا۔ اب اگر برابر طریقہ پر بیچے تو اِدھر مٹی غیر متقوم ہونے کی وجہ سے کمی رہے گی اور اگر مٹی کی نفی کر کے خالص سونا کو ذرات کے مقابل کیا جائے تو سوال یہ ہے کہ تقابل کس طرح کیا جائے؟ کیونکہ ذرات کی قطعی مقدار معلوم نہیں، پس شبہ ربا پیدا ہوگا اور شبہ ربا بھی جائز نہیں (اس میں جائز طریقہ یہ ہے کہ سونے کی مٹی کو پیسوں سے یا مخالف جنس مثلاً چاندی وغیرہ سے بیچا جائے)[1]

۳۳۴-**ضابطہ**: باب ربا میں عقد کے وقت تماثل کا اعتبار ہے، عقد کے بعد نہیں۔[2]

تفریع: پس رطب (تر کھجور) کو تمر (خشک کھجور) کے عوض تساویاً بیچا، پھر بعد میں سوکھنے سے کمی بیشی ہوگئی تو کوئی فرق نہ آئے گا، ربا نہ ہوگا۔

لیکن بھونے ہوئے گیہوں کی بغیر بھونے ہوئے گیہوں سے بیع مطلقاً جائز نہ ہوگی، کیونکہ ان میں فی الحال تماثل نہیں، کیونکہ بھونے ہوئے میں تخلخل ہوتا ہے برخلاف بغیر بھونے ہوئے میں کہ ان میں ٹھوس پن ہوتا ہے پس کیل سے ناپنے میں ضرور کمی بیشی ہوگی۔

سوال: رطب کی تمر کے عوض بیع میں بھی تو رطب پیمانہ میں کم آئے گی اور تمر زیادہ آئے گی کیونکہ رطب موٹی ہوتی ہے اور تمر ٹھوس اور خشک ہوتی ہے۔ پھر یہ بیع کیوں جائز ہے؟ اور بھونے ہوئے گیہوں کی جائز نہیں؟

(۱)(بدائع: ٤/٤٢٢)(۲) فابوحنيفةؒ يعتبر المساواة فى الحال عند العقد ولايلتفت إلى النقصان فى المآل. (بدائع الصنائع: ٤/٤٠٩)

جواب: بھونے ہوئے گیہوں اور رطب میں فرق ہے کہ بھونے ہوئے گیہوں جو پھولے ہوئے ہوتے ہیں ان میں ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے جو کہ غیر منتفع بہ ہے، اور رطب جو پھولی ہوئی ہوتی ہے اس میں شیرہ بھرا ہوا ہوتا ہے جو منتفع بہ ہے (البتہ بعد میں یہ شیرہ سوکھ جاتا ہے، لیکن اس کا اعتبار نہیں، عقد کے وقت تماثل کا اعتبار ہے) پس گیہوں کو کھجور پر قیاس کرنا درست نہیں۔

رطب اور تمر کی مثال ایسی ہے جیسے چھوٹی اور بڑی کھجور کی بیع کی جائے تو ظاہر ہے کہ بڑی کھجوریں صاع میں کم آئیں گی اور چھوٹی زیادہ آئیں گی، لیکن یہ صورت جائز ہے کیونکہ اس صورت میں بڑی کھجوروں میں جو کمی ہے وہ منتفع بہ چیز کے عوض ہے، برخلاف بھونے ہوئے گیہوں اور غیر بھونے ہوئے گیہوں کے کہ وہاں بھونے ہوئے گیہوں میں جو کمی ہے وہ صرف ہوا کی وجہ سے جو کہ غیر منتفع بہ ہے۔ [1]

۳۳۵- **ضابطہ**: جہاں مفاضلت (کمی بیشی) جائز ہے وہاں مجازفت (اٹکل) جائز ہے اور جہاں مفاضلت جائز نہیں وہاں مجازفت جائز نہیں۔ [2]

تفریع: پس اموال ربویہ میں مثلاً گیہوں کو گیہوں کے عوض یا چاول کو چاول کے عوض یا سونے کو سونے کے عوض بیچا جائے تو اندازے سے (بغیر ناپے) بیچنا جائز نہیں۔ اور اگر ان کو غیر جنس سے بیچا جائے یا پیسوں سے بیچا جائے تو اندازاً بیچنا جائز ہے۔

۳۳۶- **ضابطہ**: جو بھی قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے، اور حرام ہے۔ [3]

---

(۱) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی (مفتی تقی صاحب مدظلہ): ۱۱۴/۲)

(۲) والأصل فيه أن كلما جازت فيه المفاوضة جاز فيه المجازفة ومالافلا (بدائع: ٤/٤١٨)

(۳) كل قرض جر نفعا فهو رباحرام. (قواعد الفقه: ۱۰۲، قاعده: ۲۳۰) (كنز العمال رقم الحديث: ۱٥٥۱٦ ج:٦ ص۲۳۸ - اعلاء السنن ١٤/ ٤٩٨)

تفریعات:

(۱) قرض اور بیع جائز نہیں یعنی قرض دے کر مقروض کو کوئی چیز زیادہ قیمت پر بیچنا جائز نہیں، مثلاً ایک شخص کو پچاس ہزار روپے قرض چاہئے، قرض دینے والے نے یہ شرط لگائی کہ آپ کو میری یہ بھینس پچیس ہزار میں خریدنی ہوگی جبکہ اس بھینس کی قیمت بیس ہزار ہے، مگر چونکہ وہ مجبور ہے اسے قرض چاہئے اس لئے اس نے بیس ہزار کی بھینس پچیس ہزار میں خرید لی، یہ جائز نہیں کیونکہ بائع نے پانچ ہزار کا جو نفع کمایا ہے وہ قرض کی بنیاد پر کمایا ہے اور ضابطہ ہے جو بھی قرض نفع کھینچ کر لائے وہ سود ہے۔

(۲) بینک میں فکسڈ ڈپازٹ رکھنا جائز نہیں، کیونکہ بینک اس رقم کو بطور قرض لیتی ہے اور اس پر کچھ معین رقم سود دیتی ہے۔ بلکہ بینک کا ہر سود خواہ سیونگ اکاؤنٹ کا ہو یا فکسڈ ڈپازٹ کا مذکور ضابطہ کے تحت آ کرنا جائز و حرام ہے۔ اسی بنا پر ہمارے اکابرین کا فتویٰ ہے کہ بلا شدید مجبوری کے بینک میں رقم جمع رکھنا جائز نہیں، کہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے (فقراء اور غرباء کی امداد کی نیت سے بھی بینک میں رقم جمع کرنا (یا جمع رکھنا) جائز نہیں، کیونکہ ان کی امداد جائز طریقہ سے کرنے کا حکم ہے نہ کہ ناجائز طریقہ اختیار کر کے)

(۳) جس شخص کو مکان کرایہ پر دے رکھا ہے اس سے قرض مانگا، اس نے کہا میں قرض دیتا ہوں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کرایہ میں سے اتنی مقدار کم کر دو، تو یہ جائز نہیں کیونکہ یہ قرض نفع گھسیٹ کر لا رہا ہے، پس سود ہو جائے گا۔

(لیکن اگر کرایہ دار ویسے ہی قرض دے یعنی اس قرض دینے میں نہ کرایہ کی کمی اور نہ اور کوئی رعایتی شرط عقد میں لگائی جائے تو پھر کوئی حرج نہیں)

فائدہ: ہندوستان میں بعض سرکاری قرض ایسے ہیں جن میں سرکار کی طرف سے کچھ چھوٹ دی جاتی ہے (جسے سب سیڈی کہا جاتا ہے) اس قسم کے پلان (اسکیم) سے حکومت کا مقصد سود خوری نہیں ہے بلکہ بے روزگاروں کو روزگار مہیا کرنا ہے، اس

لئے اگر کوئی شخص حکومت سے اس قسم کی اسکیم کے تحت قرض لے اور حکومت کی طرف سے اس پر کچھ رقم چھوٹ ملے اور بقیہ رقم حکومت مع سود وصول کرے تو اگر وہ سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے ادا ہو جاتی ہو، اپنے پاس سے زائد رقم دینا نہ پڑتی ہو تو اس تاویل سے کہ حکومت نے بطور تعاون جو رقم دی تھی اس شخص نے اسی تعاون والی رقم میں سے کچھ رقم واپس کردی مذکورہ اسکیم کے تحت قرض لینے کی گنجائش ہے، اور اگر سود کی رقم چھوٹ میں ملی ہوئی رقم (یعنی سب سیڈی) سے زیادہ دینی پڑے تو پھر یہ معاملہ سودی کہلائے گا اور جائز نہ ہوگا۔ (۱)

۳۳۷-**ضابطہ**: ربا القرض اس وقت بنتا ہے جب قرض میں زیادتی کو شرط کردیا جائے ورنہ تبرع ہے۔ (۲)

تشریح: پس اگر قرض میں زیادتی شرط نہیں کی مگر مقروض اپنی خوشی سے زیادہ واپس کرے تو حرج نہیں (سود نہ ہوگا) بلکہ -خندہ پیشانی سے- زیادہ دینا مستحب ہے، رسول اللہ ﷺ قرض میں مقدار واجب سے زیادہ ادا فرماتے اور فرماتے کہ یہ تمہارا حق ہے اور اس قدر مزید میری طرف سے عطا ہے، چنانچہ ابوداؤ کی حدیث ہے: ”عن جابر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه کان لی علی النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم دین فقضی لی وزادنی“ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمہ میرا کچھ قرض تھا، آپؐ نے مجھے وہ ادا کیا اور زیادہ دیا۔ (۳)

---

(۱)(فتاویٰ رحیمیه: ۵/۳۱۲، ملخصاً)(۲)(هندیه ۳/۲۰۲)

(۳)(مشکوة: ۱/ ۳۵۳، بحواله ابوداؤد) وفی المرقاة: من استقرض شیئاًفرد احسن أو أکثر منه من غیر شرطه کان محسنا ویحل ذالك للمقرض، وقال النووی رحمه الله تعالیٰ: یجوز للمقرض اخذ الزیادة سواء زاد فی الصفة أ وفی العدد ومذهب مالك أن الزیادة فی العدد منهی عنها، وحجة اصحابنا عموم قوله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ”فإن خیر ←

انتباہ: ضابطہ میں "ربا القرض" کی قید اس لئے کہ یہ حکم اسی کے ساتھ خاص ہے۔ مطلق عقد کا یہ حکم نہیں ہے، کیونکہ عقد میں تو زیادتی مشروط نہ ہو تب بھی سود ہو جاتا ہے، صرف اس کا عقد کے ضمن میں آجانا ہی کافی ہے۔ اسی وجہ سے دو ہم جنسوں کو مجازفۃً (اندازاً) بیچنا جائز نہیں ہوتا (البتہ اگر وہ زیادتی عقد میں مشروط نہ ہو اور نہ اس کے ضمن میں آئے بلکہ عقد کے بعد الگ سے ہدیہ کے طور پر اس کو دیا جائے تو پھر حرج نہیں)(۱)

۳۳۸-**ضابطہ**: جو بھی چیز ناجائز طریقہ سے حاصل ہو اس کا شرعی راستہ اس کو اس کے مالک تک پہنچا دینا ہے۔(۲)

تشریح: پس چوری یا غصب کیا ہوا مال یا سود سے حاصل شدہ مال کو مالک تک پہنچانا لازم ہے، اس کے علاوہ کوئی اور طریقہ درست نہیں۔

البتہ اگر مالک کا علم نہ ہو تو پھر اجر وثواب کی نیت کے بغیر گویا اپنے اوپر سے ایک بوجھ ہٹا رہے ہو یہ سمجھ کر غرباء ومساکین پر اس کو صدقہ کرنا لازم ہے۔

لیکن بینک کے انٹرسٹ (سود) کے متعلق بوجہ مصلحت مفتیان کرام کا فتویٰ یہ

← الناس احسنهم قضاءً "وفي الحديث دليل على أن رد الأجود في القرض أو الدين من السنة ومكارم الأخلاق وليس هو من قرضٍ جر منفعةً (مرقاة المفاتيح: ۱۱۷/۶، باب الافلاس، الفصل الثالث)

(۱)(مشروط) تركه أولىٰ، فإنه مشعر بأن تحقق الربا يتوقف عليه وليس كذالك......فإن الزيادة بلا شرط ربا أيضاً إلا أن يهبها .(شامي :۷/ ۴۰۰) والقصد أن ذكر هذا القيدلايكون أن التعريف تاماً إلا بقصد أن المراد به أن الفضل ذكر لأحد المتعاقدين في ضمن العقد لانه شرط صراحة كما هو المتبادر من لفظ المشروط (تقريرات الرافعي على هامش الشامية : ۱۶۱)

(۲) ماحصل بسبب خبيث فالسبيل رده .(قواعد الفقه ص:۱۱۵، قاعده: ۲۹۳)

ہے کہ اس کو بینک میں نہ چھوڑا جائے، بلکہ اسے نکال کر غرباء پر بغیر ثواب کی نیت کے (کہ مال حرام میں ثواب کی نیت صحیح نہیں) خرچ کردیا جائے ـــــ بعض حضرات نے رفاہی کام، مثلاً سڑک بنانے میں، سڑکوں پر روشنی کرنے میں، مسافر خانہ یا کنواں بنانے میں یا سروجنک ہسپتال تعمیر کرنے میں یا اس جیسی دیگر ضرورت میں بھی سود کو استعمال کرنے کی اجازت دی ہے۔

مگر اپنی ذاتی استعمال میں لانا بالکل جائز نہیں، البتہ شدید و انتہائی مجبوری میں اس نیت سے خود استعمال کرسکتا ہے کہ گنجائش ہوجانے پر بعد میں اتنی ہی رقم صدقہ کردے گا، لیکن اس کا پورا حساب رکھنا اور ضرورت رفع ہوجانے پر صدقہ کرنا ضروری ہوگا۔ (۱)

نوٹ: باب ربا سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

بیع صرف کا بیان

تمہید: سونا چاندی کی ایک دوسرے سے خرید وفروخت کو "عقد صرف" کہتے ہیں۔ اگر دونوں طرف ایک ہی جنس ہو مثلاً سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ تو دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے ورنہ سود ہوجائے گا اور اگر الگ الگ جنس ہو یعنی سونے کا چاندی سے تبادلہ ہو تو برابری لازم نہیں، البتہ ادھار بیع بہر صورت ناجائز ہے، یعنی خواہ الگ جنس سے تبادلہ ہو یا ایک ہی جنس سے اور خواہ برابری کے ساتھ ہو یا کمی بیشی سے۔ (۲)

۳۳۹-**ضابطہ**: عقد صرف میں خیار شرط صحیح نہیں (اس سے عقد فاسد

---

(۱) والملك الخبيث سبيله التصدق، ولو صرفه في حاجة نفسه جاز، ثم إن كان غنياً تصدق بمثله وإن كان فقيراً لايتصدق. (الاختيار لتعليل المختار: ۳/ ٦١ أوائل كتاب الغصب)

(۲) (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ٦/ ٤١٧)

ہو جائے گا)

تشریح: کیونکہ عقد صرف میں فوری بیع کا ہو جانا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں کوئی مدت مقرر کرنا درست نہیں، مجلس میں بدلین پر قبضہ لازم ہوتا ہے، جبکہ خیار شرط میں بیع ''من لہ الخیار'' پر موقوف ہوتی ہے، فوری طور پر لازم نہیں ہوتی۔

اور خیا شرط کی قید لگائی، اس لئے کہ اس میں (عقد صرف میں) خیار رویت وخیار عیب دونوں درست ہے۔ (۱)

۳۴۰- **ضابطہ**: ثمن خلقیہ میں صرف کے احکام جاری ہوتے ہیں ثمن اعتباریہ میں نہیں۔

تشریح: ثمن خلقیہ سے مراد سونا اور چاندی ہے، کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو پیدا ہی ثمن بننے کے لئے کیا ہے۔ اور ثمن اعتباریہ ہے کہ رواج کی وجہ سے یا کسی قانون نے اس کو ثمن بنادیا ہو، جیسے آج کل کاغذ کے روپے (نوٹ) اسی طرح پیتل، تانبہ اور دھات وغیرہ کے سکے۔

تفریع: پس سونا چاندی (جو کہ ثمن خلقی ہیں) کی آپس میں ایک دوسرے سے بیع کی جائے تو مجلس میں قبضہ شرط ہے ورنہ بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ یہ بیع صرف ہے اور بیع صرف میں مجلس میں قبضہ شرط ہے۔ لیکن اگر سونا چاندی کی بیع روپے پیسوں (جو کہ ثمن اعتباریہ ہے) سے کی جائے تو اس میں مجلس میں قبضہ شرط نہیں، ادھار بیع بھی جائز ہے، کیونکہ درحقیقت یہ بیع صرف نہیں ہے۔ (۲)

۳۴۱- **ضابطہ**: ہر ملک کی کرنسی ایک مستقل (علاحدہ) جنس ہے۔ (۳)

---

(۱)(الحوالة السابقة: ۶/۴۲۳)(۲)(مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ۲/۷۹تا۸۸، ملخصا، احسن الفتاویٰ: ۶/۵۱۸)

(۳)(نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے: ۱۲۲، دوسرا فقہی سمینار (دہلی) بتاریخ ۸-۱۱ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۰ھ، مطابق ۸-۱۱ دسمبر ۱۹۸۹) اسلام اور جدید معاشی (مفتی تقی صاحب): ۲/۸۴)

تفریع: پس ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ اسی ملک کی کرنسی سے کمی بیشی کے ساتھ جائز نہیں، خواہ نقد تبادلہ ہو یا ادھار۔

اور دو ملکوں کی کرنسیاں مثلاً انڈین یا پاکستانی روپیوں کا ڈالر یا ریال سے تبادلہ فریقین کی آپسی رضامندی سے - کہ وہ جو بھی مقرر کریں - کمی بیشی سے جائز ہے، کیونکہ دو ملکوں کی کرنسیاں مختلف جنس ہے۔

البتہ ان میں ادھار معاملہ میں (سد باب کیلئے) ثمن مثل کی شرط لگانی ہوگی یعنی مختلف کرنسیوں کے تبادلہ میں ادھار معاملہ اس شرط کے ساتھ جائز ہوگا کہ ثمن مثل سے بیچا جائے اپنی طرف سے کوئی زیادہ قیمت مقرر نہ کی جائے، مثلاً آج ڈالر کو روپیوں میں بیچنا ہو تو جو چاہے قیمت مقرر کرلو، لیکن اگر دو مہینے کے بعد بیچنا ہے تو ثمن مثل سے بیچنا ضروری ہوگا یعنی فی الحال بازار میں جو قیمت چل رہی ہو اس کو مقرر کرنا ضروری ہوگا، تاکہ ربا کا ذریعہ نہ بنے۔ (۱)

دَین اور قرض کا بیان

۳۴۴- **ضابطہ**: ہر "دَین حال" کی تاجیل (مدت مقرر کرنا) صحیح ہے سوائے قرض کے کہ اس میں تاجیل صحیح نہیں۔ (۲)

تشریح: فقہ کی اصطلاح میں "دَین" کا لفظ عام ہے اور "قرض" کا لفظ خاص ہے۔ دین ان تمام صورتوں کو شامل ہے جن میں ایک شخص کی کوئی چیز دوسرے کے ذمہ واجب الادا ہو، چاہے وہ بطور قرض ہو یا کسی مال کے عوض ہو یا کسی غیر متقوم شئی مثلاً انسانی جان یا عصمت کے بدلہ میں ہو۔ اور قرض وہ مال یا روپیہ پیسہ ہے جو کسی کو اس

(۱) (مستفاد: اسلام اور جدید معاشی مسائل (مفتی تقی صاحب): ۲/۸۵-۸۶ ملخصاً)

(۲) کل دین حال إذا اجله صاحبه صار مؤجلا إلا القرض فإن تأجيله لايصح (قدوری علی هامش الجوهرة النيرة: ۱/۲۷۲ مكتبه مير محمد كراچی)

نیت سے دیا جائے کہ وہ بعد میں ادا کردے گا۔پس دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، کہ ہر قرض دین ہے، لیکن ہر دین قرض نہیں مثلاً دیت، مہر، نذر وغیرہ کہ وہ قرض نہیں صرف دین ہے۔[1]

اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ: ہر وہ دین جو فی الحال لازم ہو جیسے بیوعات کا ثمن، ہلاک کرنے والی چیز کا عوض وغیرہ اس میں مدیون کی رعایت میں کوئی مدت مقرر کرنا صحیح ہے، پھر جو بھی مدت مقرر کی جائے اس کی رعایت من لہ الدین پر لازم ہے، وقت سے پہلے اس کا مطالبہ جائز نہ ہوگا، اگر وہ مطالبہ کرے تو مدیون قاضی کے سامنے حجت پیش کرسکتا ہے ـــــ لیکن دیون میں قرض ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں تاجیل صحیح نہیں یعنی بطور لزوم کوئی مدت مقرر کرنا کہ اس سے پہلے مطالبہ درست نہ ہو ایسا نہیں ہے، بلکہ اگر کوئی مدت مقرر کر بھی لی جائے تو وہ لازم نہ ہوگی، مقرض (قرض دینے والا) مقروض سے فوری مطالبہ کرسکتا ہے اور مقروض کے لئے ادا کرنا لازم ہوگا اور جو مدت بیان کی گئی ہے اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔وجہ اس کی یہ ہے کہ قرض ابتداء میں اعارہ اور صلہ ہے یہاں تک کہ لفظ "اعارہ" سے صحیح ہو جاتا ہے اور اس کا مالک نہیں ہوتا ہے وہ شخص جو تبرع کا مالک نہیں ہوتا ہے جیسے بچہ اور وصی، اور انتہاء میں قرض معاوضہ ہے، پس ابتداء کا اعتبار کرتے ہوئے اس میں تاجیل لازم نہیں ہونی چاہئے جیسا کہ اعارہ میں، کیونکہ تبرع میں جبر نہیں ہوتا ہے اور انتہاء کا اعتبار کرتے ہوئے تاجیل صحیح ہی نہ ہونی چاہئے کیونکہ یہ پیسوں کی پیسوں کے بدلہ میں یا جنس کی جنس کے بدلہ میں ادھار بیع ہو جاتی ہے اور یہ سود ہے۔[2]

---

(۱)(مستفاد: التعریفات الفقهية (ملحق بقواعد الفقه): ۱۱۶، کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/ ۵۰۲، شامی: ۷/ ۳۸۳)

(۲)......لأنه اعارة وصلة فی الابتداء حتی تصح بلفظ الاعارة ولایملکه من لایملك التبرع کالصبی والوصی ومعاوضة فی الانتهاء فعلی اعتبار ←

البتہ اخلاقی تقاضہ یہ ہے مُقرِض (قرض دینے والے) کو جب گنجائش ہو تو دی ہوئی مدت کی رعایت کرے، کہ قرض دار کو مہلت دینے میں بڑا ثواب ہے۔

فائدہ: فقہاء کے یہاں دَین کی ایک اور اصطلاح بھی ہے وہ یہ کہ جو چیز ذمہ میں ثابت ہو اور معین ومشخص نہ ہو جیسے سونا چاندی روپیہ پیسہ (یعنی جو چیز ثمن زر بننے کی صلاحیت رکھتی ہے) اس کو دین کہتے ہیں اور جو چیز معین ومشخص ہو جاتی ہو، جیسے گیہوں، چاول، زمین، مکان وغیرہ وہ عین کہلاتی ہے، پس اس تفصیل کے مطابق فقہاء عین کے مقابلہ میں لفظ دین اور دین کے مقابلہ میں لفظ عین استعمال کرتے ہیں۔

۳۴۳-**ضابطہ**: مدیون کی موت سے تاجیل باطل ہو جاتی ہے نہ کہ دائن کی موت سے۔[1]

تفریع: پس اگر کسی نے کوئی چیز ادھار قیمت میں خریدی اور مدت مثلاً دو مہینہ مقرر کی، ابھی وہ مدت پوری نہیں ہوئی تھی کہ اس سے پہلے مشتری کا انتقال ہو گیا (جو کہ من علیہ الدین ہے) تو اب وہ تاجیل (مدت) باطل ہو گئی، بائع اس کے ورثا سے ثمن کا فوری مطالبہ کرسکتا ہے، کیونکہ تاجیل مشتری کا حق تھا اور صاحب حق کے موت سے اس کا حق ساقط ہو جاتا ہے۔ برخلاف اگر بائع (جو کہ من لہ الدین ہے) کا انتقال ہو جائے تو مشتری کا حق تاجیل باطل نہ ہوگا، پس بائع کے ورثاء مشتری سے جب تک مدت ختم نہ

← الابتداء لایلزم التاجیل فیه أی لمن اجله ابطاله کما فی الاعارة إذ لااجبار فی التبرع وعلی اعتبار الانتهاء لایصح تاجیله لأنه یصیر بیع الدرهم بالدرهم نسیئة وهو ربوا (الجوهرة النیرة: ۱ / ۲۷۳ مکتبه میر محمد کراچی)

(۱) والأصل أن موت من علیه الدین یبطل الأجل لأن الأجل من حقه وقد یبطل حقه بموته وموت من له الدین لایبطل الأجل لأن الأجل من حق المطلوب وهو حی ولیس لورثته أن یطالبوه قبل الأجل. (الجوهرة النیرة: ۱ / ۲۷۲ مکتبه میر محمد کراچی)

ہوجائے ثمن کا مطالبہ نہیں کر سکتے۔

۳۴۴-**ضابطہ**: قرض فقط ذوات الامثال کا جائز ہے، ذوات القیم کا جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: ذوات الامثال سے مراد ایسی چیزیں ہیں جن کی ہر طرح سے تعیین ہو سکتی ہو، اور وہ چار چیزیں ہیں: مکیلات، موزونات، مزروعات (گز سے ناپنے کی چیزیں) اور معدودات متقاربہ (یعنی ایسی گننے کی چیزیں جن کے افراد میں کم تفاوت ہوتا ہو جیسے انڈے، اخروٹ وغیرہ) ان کے علاوہ سب چیزیں ذوات القیم ہیں ان کا قرض جائز نہیں، کیونکہ ان میں باہم تفاوت کی وجہ سے واپسی کے وقت فریقین میں نزاع پیدا ہو سکتا ہے۔ (اور اگر نزاع کا امکان نہ ہو جیسے آج مشینی دور میں ایک طرح کی مصنوعات ہوتی ہیں تو ان کا قرض جائز ہونا چاہئے، مؤلف)

تفریع: پس حیوان کا قرض جائز نہیں، کیونکہ وہ ذوات القیم میں سے ہے ایک ہی نوع کے حیوان میں واضح فرق ہوتا ہے اور ان کی قیمتیں بھی مختلف ہوتی ہیں۔ اور ان کے گوشت کا قرض مفتی بہ قول کے مطابق جائز ہے، کیونکہ گوشت (بوجہ موزون کے) ذوات الامثال میں سے ہے۔ (۲)

اسی طرح آٹا، چینی، تیل وغیرہ کا قرض جائز ہے، کیونکہ یہ ذوات الامثال میں سے ہیں ـــــ اور روٹی کے قرض میں اختلاف ہے شیخینؒ کے نزدیک جائز نہیں یہی قیاس ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک (تعامل کی بنا پر) جائز ہے، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۳)

فائدہ: عامتاً گھروں میں یہ جو رواج ہے کہ آٹا، چینی وغیرہ ختم ہونے پر پڑوس

---

(۱) وصح القرض فی مثلی...... لافی غیرہ من القیمات (الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۷/۳۸۸-ھندیہ: ۳/۲۰۱) (۲) (فتح القدیر: جلد ۷/ ۸۰-۸۱ باب السلم) (۳) ویستقرض الخبز وزناً وعدداً عند محمد وعلیه الفتویٰ. ابن ملك. واستحسنه الکمال واختارہ المصنف تیسیراً (شامی: ۷/ ۳۸۹)

میں سے ایک معین مقدار لیتے ہیں، پھر مہیا ہوجانے پر اتنا واپس کرتے ہیں تو یہ جائز ہے کوئی حرج نہیں، کیونکہ یہ درحقیقت بیع نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے "ربا نسیئہ" صادق آئے بلکہ قرض ہے، چنانچہ اس لین دین کے وقت بیع کا وہم وگمان بھی نہیں ہوتا ہے، بلکہ قرض ہی مقصود ہوتا ہے۔

احسن الفتاویٰ میں ہے: "اگر جنس لے کر وہی جنس واپس لینے کا معاملہ کیا ہو مگر بیع یا مبادلہ یا معاوضہ کے الفاظ نہیں کہے تو یہ قرض ہے خواہ قرض کا لفظ کہے یا نہ کہے اور یہ بلاشبہ جائز ہے" اھ (۱)

۴۴۵- **ضابطہ**: قرض میں مثل واپس کرنا ضروری ہے اور مثل میں اعتبار مقدار کا ہے نہ کہ ثمنیت کا۔ (۲)

تشریح: پس اگر کسی نے ایک من گندم کسی سے قرض لئے اور ایک سال کے بعد وہ گندم واپس لے رہا ہے، دیتے وقت اس کی قیمت دوسو روپیہ تھی، اور ایک سال کے بعد قیمت چار سو روپیہ ہوگئی تو اب وہ ایک من گندم ہی واپس لے سکتا ہے، اس کی قیمت (چار سو روپیہ) کا مطالبہ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ قرض میں مثل واپس کیا جاتا ہے نہ کہ اس کی قیمت ـــــ اسی طرح اگر قیمت کم ہوجائے مثلاً دوسو روپیہ کی بجائے سو روپیہ ہوجائے تب بھی وہ ایک من گندم ہی واپس لے گا، قرض دینے والے کے لئے یہ جائز نہیں کہ دو من گندم کا مطالبہ کرے، یعنی کہے کہ چونکہ قیمت گرگئی ہے لہٰذا اسی حساب سے مجھے دو من واپس کرو، کیونکہ قرض میں مثل واپس کرنا ضروری ہے اور مثل میں اعتبار

---

(۱)(احسن الفتاویٰ: ۷/ ۱۷۴)

(۲)والذی یتحقق من النظر فی دلائل القرآن والسنة ومشاهدة معاملات الناس أن المثلية المطلوبة فی القرض هی المثلية فی المقدار والكمية ، دون المثلية فی القيمة والمالية .(بحوث فی قضايا فقهية معاصرة ،ص: ۱۷۴، دارلعلوم کراچی)

مقدار کا ہے، نہ قیمت وثمنیت کا۔ (۱)

یہی وجہ ہے کہ آج سے پچیس سال پہلے اگر کسی نے سو روپیہ قرض دیا ہو تو آج وہ اتنے ہی واپس لے سکتا ہے کرنسی کا ویلیو گھٹ جانے (ڈاؤن ہونے) کی وجہ سے دو سو کی بجائے دس ہزار کا مطالبہ نہیں کر سکتا ہے، کیونکہ مثل کی واپسی لازم ہے خواہ اس کا ویلیو (حیثیت) کچھ بھی ہو جائے —— اور جہاں تک قیمتیں گرنے کی بات ہے تو وہ بازار کے حالات سے یا حکومت کی پالیسیوں سے گرتی ہے مقروض کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا، پس اس کے اوپر کوئی ضمان لازم نہیں کیا جا سکتا۔ شرعاً کسی کو قرض دینا تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص اپنے صندوق یا الماری میں پیسے رکھ کر لاک لگا دے (بند کر دے)، اب ظاہر ہے کہ ایک سال کے بعد اس کا ویلیو گھٹ جائے تو اس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہے نہ کہ کوئی دوسرا، اسی طرح کسی کو قرض دیا ہے تو مانگنے والے نے کوئی زبردستی تو نہیں کی تھی، آپ نے کھلی آنکھوں سے دیا ہے، اب اگر اس کی قیمت میں کوئی نقصان ہو جائے تو اس کی ذمہ داری مقروض پر نہیں ڈالی جا سکتی۔

استدراک: لیکن اگر بازار میں مثل منقطع ہو جائے تو پھر مقروض پر یہ لازم ہے کہ آخری رواج کے وقت اس چیز کی جو قیمت تھی اس کے حساب سے قیمت ادا کرے، یہی مفتی بہ ہے۔ (۲)

۳۴۶- **ضابطہ**: قرض شرط فاسد سے فاسد نہیں ہوتا، بلکہ وہ شرط خود فاسد

---

(۱) وفي العتابية: من استقرض فغلت أو رخصت فعليه مثل ماقبض ولا ينظر إلى الغلاء أو الرخص، كمن استقرض حنطة فارتفع سعرها وغلا أو رخص (تاتارخانية: ۹/ ۳۹٤، مكتبه زكريا)

(۲) ولو استقرض الفلوس أو العدالي فكسدت ......وقال محمد قيمته في آخر يوم كانت رائجة وعليه الفتوىٰ. (هنديه: ۳/ ۲۰٤، شرح المجلة: ٤۹۰، رقم المادة ۸۹۱، مكتبه حنفيه، كوئٹه)

ہوجاتی ہے (جیسا کہ نکاح وغیرہ کا حکم ہے)

تفریع: پس اگر قرض میں میلے پرانے پیسے ادا کئے اور شرط لگائی کہ اچھے اور بالکل نئے پیسے ادا کرنے ہوں گے، یا غلہ قرض لیا اور شرط لگائی کہ اس جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ میں اس کو ادا کرنا ہوگا وغیرہ تو ایسی شرط لغو ہوگی، مقروض کے لئے اس پر عمل ضروری نہ ہوگا اور قرض صحیح رہے گا۔(۱)

۳۴۷- **ضابطہ**: مدیون جب ٹال مٹولی کرتا ہو تو صاحب دین اپنا بجنسہ دین جس طرح بھی ممکن ہو وصول کرسکتا ہے۔(۲)

تشریح: جس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس سے وہ دَین چھین لیا یا خفیہ طور پر اس سے اپنی وہ چیز حاصل کرلی وغیرہ۔ لیکن وصولی کے لئے اس کا کوئی جانی یا مالی نقصان کرنا یعنی اس پر ظلم وزیادتی کرنا جائز نہ ہوگا۔

اور ضابطہ میں "بجنسہ" کی قید اصل مسئلہ کے اعتبار سے ہے، ورنہ بدلے ہوئے حالات کی بنا پر مفتی بہ قول یہ ہے کہ غیر جنس سے بھی قرض یا دین وصول کرنا جائز ہے، کیونکہ اب حقوق العباد میں غفلت عام ہوگئی ہے، باوجود گنجائش کے بہت سے جلدی قرض ادا کرنا نہیں چاہتے۔(۳)

---

(۱)القرض لایتعلق بالجائز من الشروط فالفاسد منها لایبطله ولکنه یلغو شرط رد شیء آخر،فلو استقرض الدراهم المکسورة علی ان یؤدی صحیحاً کان باطلاً وکذا لو اقرضه طعاماً بشرط رده فی مکان آخر(الدرالمختار علی هامش رد المحتار:۷/ ۳۹۴)(۲)لصاحب الدین إذا ظفر بجنس حقه ان یاخذه(قواعد الفقه ص:۱۰۳،قاعده: ۲۳۹)(۳) قال الحموی:......إن عدم جواز الأخذ من خلاف الجنس کان فی زمانهم لمطاوعتهم فی الحقوق والفتویٰ الیوم علی جواز الأخذ عند القدرة من ای مال کان،لاسیما فی دیارنا لمداومتهم العقوق (شامی: ۹/ ۲۲۱،کتاب الحجر—حاشیة الطحطاوی علی الدرالمختار: ۴/ ۸۶ کتاب الحجر)

۳۴۸- **ضابطہ**: ایسی چیزیں جن میں قرض جاری ہوسکتا ہے، عاریت پر لینا قرض کے حکم میں ہوتا ہے، اور جن میں قرض جاری نہیں ہوتا مثلاً حیوان وغیرہ ان کو عاریت لینا عاریت ہی رہتا ہے۔ (۱)

تشریح: عاریت یہ ہے کہ بلاعوض کسی چیز کے نفع کا کسی کو مالک بنانا، مثلاً گھر دیا تا کہ اس میں رہائش کرے، یا جانور دیا تا کہ اس کے دودھ سے فائدہ حاصل کرے، یا گاڑی دی تا کہ اس پر سواری کرے اور اس پر اس سے کسی قسم کا عوض نہ لیا جائے۔

اس میں مالک کو جب وہ مطالبہ کرے بعینہ وہی چیز واپس کرنا لازم ہوتا ہے، اور اگر مستعیر (عاریت لینے والے) کے پاس وہ چیز ضائع ہوجائے تو اس کا ضمان اس پر واجب نہیں ہوتا، بشرطیکہ اس کی طرف سے اس میں تعدی نہ ہوئی ہو، یعنی مالک کی ہدایت سے تجاوز کر کے اس کو استعمال نہ کیا ہو اور نہ عرف کے خلاف اس کو استعمال کیا ہو۔ (۲) برخلاف قرض کہ اس میں مثل واجب ہوتا ہے، اور واپسی بہر صورت لازم ہوتی ہے، خواہ مقروض کے پاس وہ چیز ہلاک ہوجائے یا باقی رہے۔

اس تمہید کے بعد اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ جن چیزوں میں قرض جاری ہوتا ہے (یعنی ذوات الامثال میں) ان کو عاریت پر لینا قرض کے حکم میں ہوتا ہے اور قرض کے جو احکام ہوتے ہیں وہ اس پر جاری ہوں گے اور جن میں قرض جاری نہیں ہوتا (یعنی ذوات القیم میں) ان کو عاریت پر لینا عاریت ہی رہتا ہے اس میں قرض کے احکام جاری نہ ہوں گے، بلکہ عاریت ہی کے احکام جاری ہوں گے۔

نوٹ: ذوات الامثال اور ذوات القیم کی تشریح ضابطہ نمبر ۳۴۴ کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) عارية كل شيء يجوز قرضه قرض وعارية كل شيء لايجوز قرضه عارية. (هنديه: ۳/ ۲۰۷) (۲) ولاتضمن بالهلاك من غير تعد. الخ (الدر المختار على هامش الرد: ۸/ ٤٧٦، كتاب العارية)

۳۴۹-ضابطہ: قرض کی بیع جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: اس کی صورت یہ ہے کہ: کسی کو مثلا ایک لاکھ روپے قرض دیئے ہیں، اور مقروض میں فوری دینے کی استطاعت نہیں ہے، بلکہ وہ ایک سال بعد دینے کو کہتا ہے، لیکن مالک کو فی الحال رقم کی ضرورت ہے، تو وہ اپنے اس ایک لاکھ کو کسی تیسرے شخص کے ہاتھ ننانوے ہزار میں بیچ دے کہ تم فلاں سے ایک سال کے بعد ایک لاکھ وصول کرلینا جو میرے اس کے ذمہ ہے اور مجھے ابھی ننانوے ہزار دیدو تو یہ جائز نہیں۔

میعادی چیک کے خرید وفروخت کا بھی یہی حکم ہے یعنی مثلا دس ہزار کے چیک کو جو دو مہینے کے بعد پے ہوگا کسی کو نوسو پچاس میں بیچ دیا تو جائز نہیں۔

اور یہ بیع بظاہر ''بیع الجامکیہ'' کے مرادف ہے، جامکیہ کہتے ہیں محکمہ وبیت المال وغیرہ سے جو سالانا یا ماہانہ وظائف دیئے جاتے ہیں۔ اور بیع جامکیہ یہ ہے کہ کوئی ''وظیفہ یاب'' قبل از وقت روپیہ کا ضرورت مند ہو اور وہ کسی آدمی سے کہے کہ تم اس قدر روپیہ ادا کرکے میرا وظیفہ خرید لو جو وقت پر حاصل کرلو گے تو فقہاء نے لکھا ہے کہ یہ بیع باطل ہے، اس لئے کہ خاص مقروض کے علاوہ دوسرے سے ''دین'' کی بیع درست نہیں۔ (۲)

البتہ فتاویٰ دارالعلوم میں دین وقرض کی بیع کے سلسلہ میں جواز کی یہ صورت بیان کی ہے کہ: جس سے قرض لیا جائے اس کو اپنے قرض کے وصول کا وکیل بنادیا جائے اور بحیثیت وکیل اس کے لئے کوئی اجرت مقرر کی جائے، مثلا کہا تم مجھے ابھی اتنا قرض دو اور میرا جو قرض جو فلاں کے ذمہ ہے اس کے وصول کے وکیل بن جاؤ میں اس پر اجرت دوں گا تو یہ درست ہے۔ (۳) (گویا یہ جواز کا ایک حیلہ ہے جو بوقت مجبوری استعمال

---

(۱)(الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۷/۳۳)

(۱)وافتی المصنف ببطلان بیع الجامکیة لما فی الأشباه: بیع الدین إنما یجوز من المدیون(الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۷/۳۳، والتفصیل فی ردالمحتار)

(۳)(فتاویٰ دار العلوم: ۱۴/ ۲۹۰، ملخصاً)

کیا جاسکتا ہے، بلا مجبوری اس طرح کے حیلے جائز نہیں، مؤلف)

قمار (جوا) کا بیان

۳۵۰- **ضابطہ**: ہر وہ معاملہ جو نفع ونقصان کے درمیان دائر ہو وہ قمار اور میسر (اور اردو زبان میں ''جوا'' یا ''سٹا'') کہلاتا ہے۔ (۱)

جیسے:

(ا) دو شخص (یا دو ٹیمیں) آپس میں بازی لگائیں کہ اس کھیل میں تم جیت گئے تو میں تم کو ایک ہزار روپے دوں گا اور میں جیت گیا تو تمہیں ایک ہزار روپے دینے پڑیں گے ——— یا اس طرح کہ اگر فلاں ٹیم جیت گئی تو تم ایک ہزار روپے مجھے دو گے اور اگر ہار گئی میں تمہیں دوں گا تو یہ دونوں صورتیں قمار کی ہیں۔

البتہ اگر یک طرفہ شرط ہو مثلاً زید آگے بڑھ گیا تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے گا اور اگر عمر آگے بڑھ گیا تو زید پر کچھ لازم نہیں، یا کسی تیسرے شخص کی طرف سے جیتنے والے کے لئے کوئی انعام مقرر ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں جائز ہے ——— بلکہ دو طرفہ شرط بھی احناف کے یہاں ایک خاص صورت میں جائز ہے وہ یہ کہ فریقین تیسرے شخص مثلاً خالد کو داخل کردیں جس پر کچھ دینا لازم نہ ہو، اس کی دو صورتیں ہیں:

الف: زید آگے بڑھے تو عمر اس کو ایک ہزار روپے دے اور عمر آگے بڑھ جائے تو اتنی رقم زید اس کو ادا کرے اور اگر خالد آگے بڑھ جائے تو اس کو کچھ دینا کسی کے ذمہ نہ ہو۔

ب: شرط اس طرح ہو کہ خالد آگے بڑھ جائے تو زید وعمر دونوں اس کو ایک ہزار روپے دیں اور اگر زید وعمر دونوں یا دونوں میں سے کوئی ایک آگے بڑھ جائے تو خالد پر

(۱)(جواھر الفقه : ۲/ ۳۳۶، شامی :۹/ ۵۷۷، کتاب الحظر والاباحة، فصل فی البیع)

کچھ دینا لازم نہ ہو، لیکن زید وعمر میں باہم جو آگے بڑھ جائے تو دوسرے پر اس کو ایک ہزار ادا کرنا لازم ہو۔

ان دونوں صورتوں میں تیسرا آدمی جو شریک کیا گیا ہے اس کو اصطلاح میں "محلِّل" کہتے ہیں۔ اس محلل کا مساوی حیثیت رکھنا ضروری ہے یعنی اس کے آگے بڑھ جانے اور پیچھے رہ جانے کے دونوں احتمال مساوی ہوں، ایسا نہ ہو کہ کمزوری یا عیب کی وجہ سے اس کا پیچھے رہ جانا یقینی ہو یا زیادہ قوی یا چالاک ہونے کی وجہ سے اس کا آگے بڑھ جانا یقینی ہو ورنہ اس طرح کرنا جائز نہ ہوگا۔ (۱)

(۲) بند ڈبّے ایک مقررہ قیمت پر مثلاً دس روپے فی ڈبّہ کے حساب سے بیچے جائیں، کسی ڈبہ میں پانچ روپے کی چیز ہو، کسی میں دس اور کسی میں پندرہ روپے کی اور کسی میں بیس روپے کی چیز ہو تو اس طرح نفع ونقصان کے درمیان دائر صورت کے ساتھ بیچنا قمار ہے۔ (۲)

(۳) دس آدمیوں نے دس دس روپے نکالے، کل سو روپے ہوئے، اب اس پر قرعہ اندازی کی گئی اور جس کا نام نکل آیا وہ ان سو روپیہ کا مالک ہو گیا (جیسا کہ لاٹری میں ہوتا ہے) تو یہ قمار ہے۔

البتہ مروجہ کمیٹی جسے سوسائیٹی اور بیسی بھی کہتے ہیں، کہ جس میں چند آدمی رقم جمع کرتے ہیں پھر قرعہ اندازی کے ذریعہ کسی ایک کو وہ رقم دے دی جاتی ہے یہاں تک کہ باری باری سب کو ان کی رقم واپس مل جاتی ہے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، جائز ہے، کہ یہ قرض کے لین دین کا معاملہ ہے۔ (۳)

---

(۱) (مستفاد جواهر الفقه : ۲/ ۳۴۹م: تفسير القرآن ديوبند، الدر المختار على هامش رد المحتار : ۹/ ۵۷۷، كتاب الحظر والاباحة، فصل في البيع)

(۲) (جواهر الفقه : ۲/ ۳۴۴) (۳) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/ ۲۷۰، م: دار الکتاب دیوبند)

(۴) امداد باہمی کے نام سے "انشورنس" کی جتنی صورتیں ہیں: خواہ مالی انشورنس ہو یا جانی سب قمار کے دائرے میں آتے ہیں اور ناجائز ہیں۔[1] البتہ مالی ومیڈیکل انشورنس کو ضرورت وحالات کی بنا پر مفتیان کرام نے کچھ شرائط کے ساتھ گنجائش دی ہے۔[2]

(۵) اخباری معمہ حل کر کے اس طرح انعام حاصل کرنا کہ اس کے ساتھ کچھ فیس (روپیہ یا دو روپیہ) بھی بھیجنا شرط ہو (خواہ اس فیس کا عنوان داخلہ فیس وغیرہ کچھ بھی رکھ لیا جائے) تو یہ قمار ہے۔[3]

البتہ اگر فیس لازم نہ ہو اور اخبار میں یہ اشتہار ہو کہ جو بھی اس معمہ کو حل کر دے گا اس کو انعام دیا جائے گا پھر کسی نے حل کر دیا اور انعام حاصل کیا تو یہ جائز ہے، اس انعام کو استعمال کر سکتا ہے۔[4]

(۶) چند آدمی مل کر روزانہ قرع اندازی کریں اور جس کا نام قرع میں نکل آئے وہ سب کی کھانے کی دعوت کرے تو یہ جائز نہیں، قمار ہے۔

البتہ اگر یہ صورت ہو کہ جس کا نام ایک بار نکل آئے آئندہ اس کا نام قرع اندازی میں شامل نہ کیا جائے یہاں تک کہ تمام رفقاء کی باری پوری ہو جائے تو یہ جائز ہے، کہ اس صورت میں قرع سے صرف ترتیب نکالی ہے نہ کہ نفع ونقصان کو اخذ کیا ہے۔[5]

(۷) کبھی چائے پتی وغیرہ خریدنے میں کمپنی کی طرف سے انعام ملتا ہے اور کبھی

---

(۱) (جواهر الفقه: ۲/ ۳۴۵)

(۲) (تفصیل کے لئے دیکھئے: ایضاح النوادر (مفتی شبیر صاحب) ص: ۱۴۱- نئے مسائل اور فقہ اسلامی کے فیصلے، ص: ۱۴۳- فتاویٰ دار العلوم: ۱۴/ ۵۰۹، حاشیہ)

(۳) (جواهر الفقه: ۲/ ۳۴۳، فتاویٰ محموديه: ۱۶/ ۴۴۲)

(۴) (فتاویٰ محموديه: ۱۶/ ۴۴۳-۴۴۴)

(۵) (آپ کے مسائل اور ان کا حل: ۶/ ۲۶۳، مکتبہ: دار الکتاب دیوبند)

نہیں ملتا ہے تو اس میں مدار نیت پر ہوگا اگر موہوم انعام کی غرض سے پتی یا چینی خریدی ہے تو یہ ایک گونہ قمار کا ارتکاب کرنا ہے جو ناجائز ہے اور جس کے پیش نظر صرف چینی، پتی خریدنی ہے انعام کی ہوس پیش نظر نہیں پھر اتفاقاً انعام بھی مل گیا تو وہ قواعد کی رو سے قمار سے بھی نکل گیا۔ (۱)

(۸) آج کل یہ کاروبار عام ہے کہ مثلاً موٹر سائیکل کے خریدار کمپنی میں ہر ماہ (ایک طے شدہ مدت تک) قسط وار پیسے جمع کرتے ہیں اور ہر ماہ قرع اندازی ہوتی ہے اگر کسی کا نام قرع میں نکل آیا تو موٹر سائیکل اسے دیدی جاتی ہے اور بقیہ تمام اقساط معاف کردی جاتی ہیں اور اگر اخیر تک قرع اندازی میں خریدار کا نام نہ نکلا تو پھر اس کو وہ موٹر سائیکل دیدی جاتی ہے، اور اس کی آخری قسط تک بھری ہوئی رقم موٹر سائیکل کی وہ قیمت ہوتی ہے جو مارکیٹ میں چل رہی ہوتی ہے۔ تو اس طرح کا معاملہ قواعد کی رو سے جائز ہے کیونکہ یہ قیمت میں کمپنی کی طرف سے رعایت ہے اور کس خریدار کو رعایت دی جائے اس کا انتخاب وہ بذریعہ قرع اندازی کرتے ہیں اس میں کسی کا کوئی نقصان نہیں، اگرچہ ابتداء میں ثمن غیر متعین ہوتا ہے لیکن قرع میں جب نام نکل آئے گا اس وقت ثمن متعین ہوجائے گا اس لئے انجام کار یہ معاملہ درست ہوجاتا ہے۔

یہ تو معاملہ کی ایک ظاہری صورت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ کاروبار کے اس طریقہ کے پیچھے ذہن قمار ہی کا کارفرما ہوتا ہے، اس لئے ایسے معاملہ سے احتیاط کرنی چاہئے اور موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے کم از کم یہ کراہیت سے خالی نہیں ہے۔ (۲)
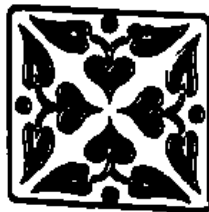
(۱) (جواهر الفقه: ۲ / ۳۴۵ ملخصاً)

(۲) (مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۶ / ۵۱۸، اسلام اور جدید معاشی مسائل، ص: ۶ / ۲۷۶)

کتاب الإجارة

۳۵۱-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو شرعاً قابل انتفاع ہو اس کا اجارہ (وبیع) جائز ہے۔ (۱)

۳۵۲-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جو بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت رکھتی ہے، اجارہ میں اجرت بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ (۲)

تشریح: ثمن سے مراد بدل ہے، پس اس میں اعیان: گیہوں، چاول، تیل یعنی مکیلی وموزونی چیزیں اور جانور، گھر وغیرہ بھی داخل ہوں گے، کیونکہ بیع مقایضہ میں وہ بدل بننے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو اجارہ میں اجرت کی بھی صلاحیت رکھیں گے۔ (۳)

استدراک: لیکن اس ضابطہ میں عکس جاری نہ ہوگا، یعنی یہ نہیں کہہ سکتے: "جو چیز بیع میں ثمن بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی وہ اجارہ میں اجرت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی" کیونکہ منفعت کا منفعت کے ذریعہ اجارہ درست ہے جبکہ دونوں کی جنس مختلف ہو اور بیع میں منفعت کو ثمن (بدل) بنانا قطعاً درست نہیں۔ (۴)

---

(۱) کل ماینتفع به فجائز بیعه والإجارة علیه. (القواعدالفقهیة :۱۲۸، دار القلم، دمشق) (۲) کل ماصلح ثمنااى بدلاً فی البیع صلح اجرةً. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۵/۹-۶، بدائع ۴۸/۴) (۳) (ای بدلاً فی البیع) فدخل فیه الأعیان، فإنها تصلح بدلاً فی المقایضة فتصلح الأجرة. (شامی :۶/۹) (۴) ولاینعکس کلیاً ،فلا یقال مالا یجوز ثمناً لایجوز أجرة لجوز إجارة المنفعة بالمنفعة إذا اختلفا. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۶/۹)

۳۵۳-**ضابطہ**: معقود علیہ کی ہم جنس سے منفعت کو اجرت بنانا درست نہیں۔ (۱)

جیسے میں یہ گاڑی کرایہ پر دیتا ہوں اور اس کا کرایہ یہ ہے کہ تمہاری گاڑی استعمال کروں گا، یا میں گھر کرایہ پر دیتا ہوں اور اس کی اجرت یہ ہے کہ میں تمہارے فلاں گھر میں رہوں گا وغیرہ۔ تو یہ اجارہ درست نہیں۔

اور "معقود علیہ کی ہم جنس کی" قید اس لئے کہ اگر منفعت اس جنس کی نہ ہو بلکہ خلاف جنس کی ہو تو وہ اجرت بن سکتی ہے، جیسے میں یہ گاڑی کرایہ پر دیتا ہوں اور اس کا کرایہ یہ ہے کہ تمہارے گھر میں رہوں گا تو یہ اجارہ صحیح ہے، کیونکہ گاڑی اور گھر دونوں الگ الگ جنس ہیں، یا جیسے میں یہ بیل اجرت پر دیتا ہوں اور اس کی اجرت یہ ہے کہ تمہارے گدھے سے سواری یا بوجھ اٹھانے کا کام لوں گا تو درست ہے کیونکہ بیل اور گدھے کی جنس مختلف ہے۔ (۲)

۳۵۴-**ضابطہ**: جس چیز کا اجارہ ہو رہا ہے، ضروری ہے کہ عرف میں اس کا اجارہ ہوتا ہو، ورنہ اجرت لینا صحیح نہ ہوگا۔ (۳)

جیسے تم میرے درخت سے سایہ حاصل کرو گے اور اس کی اجرت یہ ہوگی، یا میرے

---

(۲) ومنها أن لا تكون الأجرة منفعة هي من جنس المعقود عليه (هنديه : ۴/ ۴۱۱)

(۳) إجارة المنفعة بالمنفعة تجوز إذا اختلفا جنساً كإستجار سكنى دارا بزراعة أرض، وإذا اتحدا لا تجوز كإجارة السكنى بالسكنى واللبس باللبس والركوب بالركوب ونحو ذالك. (الدر المختار) وفي الشامية: ومعاوضه البقر بالبقر في الأكداس لاتجوز لاتحاد الجنس والبقر بالحمير يجوز لاختلاف الجنس. (شامي: ۹/ ۸۵) (۳) ومنها أن تكون المنفعة مقصودة معتادا استيفاؤها بعقد الإجارة ولايجرى بها التعامل بين الناس فلايجوز استئجار الأشجار لتجفيف الثياب عليها. (هنديه : ۴/ ۴۱۱، بدائع ۴/ ۴۶)

گھر یا دکان کی روشنی میں اپنا کام کروگے اور اس کا معاوضہ یہ ہوگا وغیرہ تو ایسا اجارہ صحیح نہیں، اس پر معاوضہ لینا جائز نہ ہوگا۔

۳۵۵- **ضابطہ**: زینت وتجمل کے لئے کسی چیز کو کرایہ پر لینا جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: پس گھر وغیرہ کو محض سجانے کے لئے جھاڑ فانوس، برتن، پھول وغیرہ کرایہ پر لیا تو درست نہیں، اگر لیا تو دینے والا کرایہ کا مستحق نہ ہوگا، کیونکہ منافع کی بیع ضرورت کی وجہ سے ہے اور زینت وتجمل میں کوئی خاص ضرورت نہیں۔

استدراک: لیکن اگر اس کا عرف ہوجائے جیسا کہ شادی وغیرہ کے موقع پر پنڈال والے فانوس وغیرہ سے محفل سجاتے ہیں اور اس کا کرایہ لیتے ہیں تو یہ ایک گونہ ضرورت میں داخل ہوگا اور اس کی گنجائش ہوگی۔

۳۵۶- **ضابطہ**: اجارۂ صحیحہ میں جب منفعت پر قدرت حاصل ہوجائے تو (وقت گذرنے پر) کرایہ لازم ہوجاتا ہے، خواہ منفعت حاصل کی ہو یا نہ کی ہو۔ (۲)

تشریح: پس مکان، دکان یا گاڑی وغیرہ کو کرایہ پر لیا اور مالک نے اس پر قدرت بھی دیدی تو جو کرایہ طے ہوا ہو (وقت گذرنے پر) وہ لازم ہوگا خواہ کرایہ دار نے اس چیز کو استعمال کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ (۳)

اور اجارۂ صحیحہ کی قید اس لئے کہ اجارۂ فاسدہ میں کرایہ اس چیز کو استعمال کرنے

---

(۱) استیجار الآنیة والظروف لوضعها فی البیت لأجل التجمل والزینة دون الاستعمال والانتفاع بها غیر جائز. (الفتاوىٰ الهندیه: ٤/٤٥٤ -الدر المختار علی هامش رد المحتار: ٥/٩)

(۲) تلزم الأجرة أیضاً فی الإجارة الصحیحة بالاقتدار علی استیفاء المنفعة. (شرح المجلة: ١/٢٦٣ -رقم المادة: ٤٧)

(۳) مثلاً لو استاجر أحد داراً باجارة صحیحة، فبعد قبضها یلزمه إعطاء الأجرة وإن لم یسکنها. (شرح المجلة: ١/٢٦٣ - رقم المادة: ٤٧)

سے لازم ہوتا ہے، محض قدرت سے لازم نہیں ہوتا۔ [۱]

۳۵۷-**ضابطہ**: مکان یا دکان کے اجارہ میں ہر وہ عمل جو تعمیر کو کمزور کرتا ہو یا کوئی نقصان کرتا ہو (جیسے بڑی چکی چلانا؛ لوہار جیسا کام کرنا؛ دیوار میں کوئی الماری نکالنا وغیرہ) اس کو مالک کی اجازت کے بغیر کرنا جائز نہیں، اور جس سے کوئی نقصان نہ ہوتا ہو (جیسے ضرورت کے وقت چھوٹی موٹی کیل لگانا جو عمارت کو نقصان نہ کرے؛ ہاتھ کی چھوٹی چکی استعمال کرنا؛ آنگن میں سے ریت لینا؛ جانور باندھنا وغیرہ غرض عرف عام میں جس کو کرایہ دار کرتے رہتے ہیں) مطلق عقد ہی میں اس کی اجازت شامل ہوتی ہے اور کرایہ دار اس کا مستحق ہوتا ہے (اس میں مالک سے الگ اجازت لینے کی ضرورت نہیں) [۲]

۳۵۸-**ضابطہ**: جو شخص عقد اجارہ سے کسی منفعت کا مالک ہوا، اس کے لئے اس منفعت کو اس (طے شدہ چیز) سے یا اس کے مثل سے مکمل حاصل کرنا یا کم حاصل کرنا تو جائز ہے، لیکن زیادہ حاصل کرنا جائز نہیں۔ [۳]

---

(۱) امافی الفاسدة فلایجب الأجر إلا بحقیقة الانتفاع. (الدرالمختار علی هامش ردالمحتار: ۹/ ۱۵)

(۲) کل مایوهن البناء أو فیه ضرر لیس له أن یعمل فیها إلا بإذن صاحبها، وکل مالا ضرر فیه جاز له بملطق العقد واستحقه به. (شامی: ۳۸۹، هندیه: ۴/ ۴۷۰) وله أن یعمل فیهما أی الحانوت والدار کل ماأراد فیتد ویربط دوابه ویکسر حطبه ویستنجی بجداره ویتخذ بالوعة إن لم تضر.. وبه یفتی (الدر المختار) وفی الخلاصة: لایمنع من رحی الید إن کان لایضر.. الخ. (شامی: ۹/ ۳۷)

(۳) والأصل أن من استحق منفعة مقدرة بالعقد فاستوفها أو مثلها أو دونها جاز، ولو اکثر لم یجز. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۹/ ۴۸)

تفریعات:

(۱) پس گاڑی یا جانور کو مثلاً پچاس کیلو گیہوں لادنے کیلئے کرایہ پر لیا تو اتنے ہی گیہوں یا اس کے مثل چاول یا رائی وغیرہ کا (جو نقصان نہ کرتا ہو) لادنا تو جائز ہے، اسی طرح اس سے کم لادنا بھی بدرجہ اولی جائز ہے، لیکن پچاس کلو سے زیادہ کسی چیز کا لادنا بالکل جائز نہیں، جس قدر زیادتی ہوگی اس کا کرایہ لازم ہوگا اور اگر اس کی وجہ سے گاڑی یا جانور ہلاک ہو گیا تو اس کے حساب سے تاوان بھی آئے گا۔[۱]

(۲) ٹرین یا بس کی فل ٹکٹ پر (اگر قانوناً اجازت ہو) تو ہاف ٹکٹ والا شخص سفر کر سکتا ہے حرج نہیں، لیکن بڑی عمر والے کو گیارہ سال کا بچہ بتا کر نصف کرایہ ادا کرنا بالکل جائز نہیں، نصف کرایہ ذمہ میں باقی رہے گا۔

۳۵۹- **ضابطہ**: اجرت کی تعجیل یا تاجیل کے متعلق عاقدین میں جو کچھ طے ہو اس کا اعتبار ہوگا۔[۲]

تشریح: تعجیل سے مراد کرایہ پیشگی ادا کرنا اور تاجیل سے مراد کرایہ تاخیر سے ادا کرنا۔ پس عاقدین (اجیر و مستاجر) کل کرایہ کو پیشگی یا بعد میں، یا کچھ کرایہ کو پیشگی اور کچھ کو بعد میں دینے کے متعلق جو کچھ بھی طے کریں وہ درست ہے اور اس کی رعایت دونوں پر لازم ہے۔

تفریع: پس پگڑی (حق خلو) کو اگر پیشگی کرایہ کا کچھ حصہ تسلیم کر لیا جائے تو حرج نہیں، اس کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔[۳]

۳۶۰- **ضابطہ**: جتنے کرایہ پر مکان یا دکان وغیرہ کو لیا ہے اس سے زیادہ کرایہ پر کسی اور کو دینا جائز نہیں، مگر یہ کہ خلاف جنس سے کرایہ مقرر کرے، یا اس میں اس نے

---

(۱)(شامی: ۴۹/۹) (۲) يعتبر ويراعى كل ما اشترط العاقدان في تعجيل الأجرة وتاجيلها. (شرح المجلة: ۲۶۵/۱، رقم المادة ۴۷۳)

(۳)(فتاوی محمودیه: ۱۶/ ۵۸۲ - ۵۸۴)

ایسی اصلاح ومرمت کی ہوجوقائم ہو(خارج میں موجودہو)(۱)

تشریح: خلاف جنس سے کرایہ مقرر کرنا: مثلاً اس نے کرایہ پیسوں سے ادا کیا ہے تو دوسرے کو دینے میں سونا، چاندی یا چاول یا گیہوں وغیرہ مقرر کرے تو پھر زیادہ کرایہ پر دینا جائز ہے۔

یا کرایہ اسی جنس سے ہولیکن اس دکان یا مکان میں ایسی اصلاح کی ہو جو قائم ہو یعنی اس عمل کا خارجی وجود ہو جیسے اس نے کرایہ پر لینے کے بعد چونا لگوایا، یا کلر کروایا، یا الماریاں لگوادیں یا کوئی اور کام کیا جس سے دکان کی شان بلند ہوگئی تو اس کے موافق دوسرے کو زیادہ کرایہ پر دینا جائز ہے۔

جھاڑو لگوانا، صاف صفائی کراونا یہ اصلاح میں سے نہیں ہے، اس کی وجہ سے زیادہ کرایہ پر دینا جائز نہیں، کیونکہ اس اصلاحی عمل کا کوئی خارجی وجود نہیں ہے۔

۳۶۱- **ضابطہ**: اجیر کے لئے دوسرے سے کام لینا جائز ہے، مگر یہ کہ مالک نے خود اسی کو کام کرنے کی شرط لگائی ہو۔

تشریح: پس دھوبی، درزی وغیرہ کو دوسرے شخص سے کپڑا دھلوانا، یا سلوانا جائز ہے، مگر یہ کہ مستاجر(مالک) نے خود اسی کو کام کرنے کی شرط لگائی ہو تو پھر دوسرے سے کرانا جائز نہ ہوگا۔

البتہ دائی (دودھ پلانی والی عورت) مستثنیٰ ہے، کہ اس کے لئے باوجود شرط کے جائز ہے کہ بچہ کو دوسری عورت کا دودھ پلائے، کیونکہ انسان کو عوارض پیش آتے رہتے

---

(۱)ولو آجر بأكثر تصدق بالفضل إلا في مسئلتين :إذا آجرها بخلاف الجنس أو أصلح فيها شيئاً (الدر المختار) بأن جصّصها أو فعل فيها مسناة وكذا كل عمل قائم،لأن الزيادة بمقابلة مازاد من عنده حملاً لأمره على الصلاح كما في المبسوط والكنس ليس بإصلاح.(شامي :۹/ ۴۸ –وكذا في الهنديه : ۴/ ۴۲۵ –و خلاصة الفتاوى:۳/ ۱۴۵)

ہیں، بسا اوقات عورت کو دودھ پلانا مشکل ہو جاتا ہے، ایسی صورت میں اس شرط پر عمل بچہ کے لئے نقصان دہ ہوگا، لہٰذا اس شرط کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۱)

۳۶۲-**ضابطہ**: اجیر کے جس عمل سے عین مال میں اثر پیدا ہو جائے اس میں اجرت لینے کیلئے وہ مال کو روک سکتا ہے، اور جس عمل سے عین مال میں اثر پیدا نہ ہو اس میں روکنا درست نہیں۔

تفریع: پس درزی نے کپڑا سیا، یا رنگریز نے کپڑا رنگا، یا دھوبی نے کپڑا دھویا تو ان کو اختیار ہے کہ جب تک اپنی مزدوری وصول نہ کریں مالک کو کپڑا نہ دیں (بلا مزدوری دے مالک کو ان سے زبردستی کپڑا لینا جائز نہیں) کیونکہ ان کے عمل سے اس کپڑے میں ایک نیا اثر پیدا ہوا ہے۔ اور اگر حمال (قلی) نے سامان اٹھایا، یا گاڑی والے نے اپنی گاڑی پر کسی کا سامان لادا تو ان کو اختیار نہیں ہے کہ اپنی اجرت لینے کے لئے سامان روک لیں، کیونکہ ان کے اٹھانے اور لادنے کی وجہ سے سامان میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی۔ (۲)

۳۶۳-**ضابطہ**: اجرت کا استحقاق عمل سے ہوتا ہے، نہ کہ محض قول سے۔ (۳)

---

(۱)وإذا شرط عمله بنفسه بأن يقول له اعمل بنفسك أو بيدك لايستعمل غيره إلا الظئر فلها استعمال غيرها بشرط وغيره. وإن أطلق كان له اى للأجير أن يستأجر غيره(الدرالمختار على هامش رد المحتار :٩/٢٤-٢٥-البحر الرائق: ٧/٥١٦)(٢)القصّار والصبّاغ وسائر المحترفين اللذين لعلمهم أثر فى العين، لهم أن يحبسوها بعد أن يفرغوا عن عملهم حتى يستوفى المستاجرون الأجور، أما المحترفون اللذين ليس لعملهم أثر فى العين فليس لهم أن يحبسوهاللأجور مثل الحمّالين والملاّحين. (شرح البدايه : ٣/ ٣٨٠ - الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ٩/٢٣، بدائع: ٤/٦٤)

(٣)استحقاق الأجرة بعمل لابمجرد قول(قواعد الفقه ص:٥٧ قاعده: ٢٥)

تفریعات:

(۱) پس کسی کی کوئی چیز گم ہوگئی اس نے زید سے کہا اگر تم اس کا پتہ مجھے بتادو تو تمہیں اتنی اجرت دوں گا تو اگر زید نے اس کیلئے چل پھر کر اس کا پتہ بتایا تو وہ (بوجہ عمل) اجرت مثل کا مستحق ہوگا (اجرت مثل اس لئے کہ یہ اجارہ فی نفسہ فاسد ہے کیونکہ جگہ معین نہ ہونے سے عمل کی مقدار معلوم نہیں اور اجارہ فاسدہ میں اجرت مثل ہوتی ہے) اور اگر بغیر چلے یا کوئی عمل کئے بغیر صرف زبانی رہنمائی کہ وہ چیز فلاں جگہ ہے وہاں سے لے لو، تو اس سے اجرت کا مستحق نہ ہوگا کیونکہ محض قول سے آدمی اجرت کا مستحق نہیں ہوتا۔(۱)

(۲) ایک شخص کو زمین خریدنی تھی وہ دلال کے پاس آیا، دلال نے کہا فلاں شخص کو زمین بیچنی ہے اس سے خرید لو، میری اس سے دشمنی ہے میں اس سے کچھ بات وغیرہ نہیں کروں گا، غرض دلال نے سودا نہیں کروایا اور نہ اس کیلئے چلا اور نہ کوئی عمل کیا بلکہ صرف زبانی رہنمائی کی اور مشتری نے جا کر زمین خرید لی تو یہ دلال اجرت (دلالی) کا مستحق نہ ہوگا۔

(۳) مفتی سے کسی نے زبانی فتویٰ پوچھا، اور اس نے جواب دیا تو اس پر کوئی اجرت لینا جائز نہیں، اور اگر فتویٰ تحریری ہو اور لکھ کر جواب دیا تو اس پر اجرت ومعاوضہ لینا جائز ہے کیونکہ یہ عمل ہے اور پہلا قول ہے۔(۲)

---

(۱) من دلنی علی کذا فله کذا فدله فله اجر مثله إن مشی لأجله. (الدر المختار) وفی الشامية:.....وإن قال علی سبیل الخصوص بأن قال لرجل بعینه :إن دللتنی علی کذا فلک کذا: إن مشی له فدله فله أجر المثل للمشی لأجله لأن ذالك عمل یستحق بعقد الإجارة إلا انه غیر مقدر بقدر فیجب أجر المثل وإن دله بغیر مشی فهو والأول سواء. (شامی :۹/ ۱۳۰ -۱۳۱) (۲)......كجواب المفتی بالقول وأما بالكتابة فیجوز لهما. (الدر المختار علی هامش رد المحتار : ۸/ ۱۷۲، كتاب القضاء)

مستثنیات: البتہ جھاڑ پھونک کا حکم یہ ہے کہ اگر کچھ پڑھ کر جھاڑ دیا (پھونک ماردی) تو باوجودیکہ وہ قول ہے اس پر اجرلت لینا جائز ہے، اس لئے کہ جھاڑ پھونک تداوی وعلاج میں سے ہے، تو گویا یہ عمل کے قائم مقام ہے۔ (۱)

اسی طرح کسی عالم یا مفتی نے اگر اپنا کوئی خاص وقت لوگوں کیلئے فارغ کیا ہو اور اس وقت میں کسی نے آکر زبانی فتویٰ پوچھا، تو اس کی اجرت لینا جائز ہے، کہ یہ اجرت قول کی نہیں بلکہ جس وقت کی ہے جیسا کہ قاضی کے متعلق حکم ہے۔ (۲)

اسی طرح نکاح خوانی کہ وہ بھی قول کے قبیل سے ہے لیکن اس کی اجرت جائز ہے، وجہ یہ ہے کہ نکاح خواں دلہا اور دلہن کے مابین ایک عقد کرواتا ہے، دونوں کو ایک بندھن میں باندھتا ہے، تو اس کی یہ سعی عمل کے قائم مقام ہے پس اس پر وہ اجرت لے سکتا ہے، جیسا کہ دلال بائع اور مشتری کے درمیان عقد (سودا) کرواتا ہے اور اس پر وہ ایک یا دونوں سے طے شدہ اجرت لیتا ہے۔ (۳)

۳۶۴-**ضابطہ**: ہر وہ چیز جس کے استعمال سے تبدیلی نہیں آتی عقد اجارہ میں اس کو استعمال نہ کرنے کی قید لگانا باطل ہے، اور جس کے استعمال سے تبدیلی آتی ہے، اس کی قید لگانا صحیح ہے۔ (۴)

---

(۱) جوّزو الرقية بالأجرة ولو بالقرآن كما ذكره الطحاوی ،لأنها ليست عبادة محضة بل من التداوی .(شامی :۷۸/۹)(۲)(احسن الفتاویٰ : ۷/ ۳۳۸ -۳۳۹)(۳)ولا يحل له أخذ شيء على النكاح إن كان نكاحاً يجب عليه مباشرته كنكاح الصغائر وفي غيره يحل .(خلاصة الفتاویٰ: ٤ی ٤٨ ، كتاب القضاء-وكذا في فتاویٰ محموديه ۹۸/۱۷-كفايت المفتی: ۵/ ۱۵۰)(۴)وكذا كل مالا يختلف بالمستعمل يبطل التقييد لأنه غيرمفيد ، بخلاف مايختلف به .(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۹/ ۳۸ - ٤٧ - ٤٨ ، قواعد الفقه، ص: ۱۰۲ ، قاعده: ۲۳۱)

تفریعات:

(۱) گھر کرایہ پر لیا اور مالک مکان نے یہ شرط لگائی کہ اس میں تین آدمی سے زیادہ نہیں رہیں گے، حالانکہ گھر ایسا ہے کہ اس میں زیادہ رہنے سے کچھ نقصان نہیں ہوسکتا تو یہ قید (شرط) باطل ہے، کرایہ دار کے لئے تین سے زیادہ افراد کا رکھنا بھی جائز ہے۔ (۱)

(۲) مالک دکان نے شرط لگائی کہ اس دکان میں لوہار وغیرہ کو جس کے پیشہ سے عمارت کو نقصان ہوتا ہے نہیں رکھ سکتے تو یہ قید صحیح ہے، کرایہ دار کے لئے اس کا لحاظ ضروری ہے، اگر اس کے خلاف کیا اور عمارت کو نقصان ہوا تو تاوان لازم ہوگا۔ (۲)

(۳) جانور یا گاڑی کو کرایہ پر لیا، مالک نے شرط لگائی کہ خود ہی استعمال کروگے دوسرے کو نہیں دے سکتے، تو یہ شرط صحیح ہے اس کی رعایت لازم ہوگی، کیونکہ اس میں تجربہ وعدم تجربہ کی وجہ سے ایک دوسرے کے استعمال میں فرق پڑتا ہے۔ (۳)

۳۶۵- **ضابطہ**: اجرت اور تاوان دونوں ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے، مگر یہ کہ سبب مختلف ہو۔ (۴)

تفریعات:

(۱) کسی نے جانور سواری کے لئے کرایہ پر لیا، اور اس پر بوجھ لادنا شروع کردیا جس کی وجہ سے وہ جانور مر گیا تو فقط قیمت کا تاوان لازم ہوگا، کرایہ واجب نہ ہوگا۔

---

(۱) وفي شرح الزيلعي: للمستاجر أن يسكن غيره معه أو منفرداً، لأن كثرة السكان لاتضر بها بل تزيد في عمارتها، لأن خراب المسكن بترك السكن اهـ (شامي: ۹/۴۸) (۲) غير انه لايسكن ..حداداً أو قصاراً أو طحانا من غير رضا المالك أواشتراطه ذالك في عقد الإجارة، لأنه يوهن البناء. (الدرالمختار على هامش رد المحتار: ۹/ ۳۷-۳۸) (۳)......بخلاف مايختلف كالركوب واللبس. (شامي: ۹/۳۸) (۴) الأجر والضمان لايجتمعان. (قواعد الفقه ص: ۵٤، قاعده: ۸)

(۲) گھر یا دکان کو کرایہ پر لیا اور اس میں بلا اجازت ایسا کام کرنے لگا جو عمارت کو نقصان کرتا ہے، مثلاً لوہاری کا کام کرنے لگا جس سے عمارت گر گئی تو صرف قیمت کا تاوان واجب ہوگا، کرایہ لازم نہ ہوگا۔ (۱)

لیکن اگر اجرت اور ضمان کا سبب مختلف ہو تو پھر اپنے اپنے سبب سے دونوں جمع ہو جائیں گے، جیسے جانور خود سواری کیلئے کرایہ پر لیا اور دوسرے کو بھی اپنے ساتھ سوار کر لیا جس کی وجہ سے جانور مر گیا تو نصف قیمت کا تاوان اور اجرت دونوں لازم ہوں گے، کیونکہ دونوں کا سبب الگ الگ ہے، تاوان تو غیر کے سوار کرنے کی وجہ سے لازم ہوا، اور اجرت خود کے سوار ہونے سے۔ (۲)

۳۶۶- **ضابطہ**: اجیر سے کوئی چیز ضائع ہو تو اجیر مشترک پر تو اس کا ضمان (تاوان) آئے گا، اجیر خاص پر نہیں آئے گا۔

تشریح: اجیر مشترک: وہ ہے جس کے معاملہ کی بنیاد کام ہو، وقت نہ ہو جیسے درزی، رنگریز، دھوبی وغیرہ کہ وہ کام کے پابند ہیں وقت کے نہیں، چونکہ ان کا کوئی وقت کسی ایک کے لئے خاص نہیں ہوتا، بلکہ تمام مستاجرین کا مشترک ہوتا ہے اس لئے اس کو مشترک کہتے ہیں —— اور اجیر خاص: وہ ہے جس کے معاملہ کی بنیاد وقت ہو، جیسے مدرس، کمپنی کا ملازم، وہ تعمیری مزدور جس کا وقت مقرر ہوتا ہے وغیرہ کہ یہ سب وقت کے پابند ہیں، اس معین وقت میں خواہ وہ کام زیادہ کریں یا کم، اجرت کے مستحق ہوتے ہیں بلکہ کسی وجہ سے کام کی نوبت نہ بھی آئے اور وقت پر حاضری دیدیں تب بھی وہ اجرت کے مستحق ہوتے ہیں، اور چونکہ اس اجیر کا وقت کسی معین شخص یا انجمن یا کمپنی کے

---

(۱) ولو فعل مالیس له لزمه الأجر، وإن انهدم به البناء ضمنه ولا أجر لأنهما لایجتمعان. (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۹/۴۸)

(۲) لایقال: کیف الأجر والضمان، لأنا نقول: إن الضمان لرکوب غیره والأجر لرکوب بنفسه. (شامی: ۹/۵۰)

لئے خاص ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ اس وقت میں اپنے مستاجر کی اجازت کے بغیر اپنا یا دوسرے کا کوئی کام نہیں کرسکتا۔ اس لئے اس کو اجیر خاص کہتے ہیں۔ (۱)

پس، اجیر مشترک سے کوئی چیز ضائع ہوجائے تو اس پر اس کا تاوان مطلقاً لازم ہوگا، خواہ اس میں اس کی طرف سے تعدی (زیادتی) ہو یا نہ ہو ــــ تعدی نہ ہو جیسے درزی نے بھول سے کرتہ کی بجائے پاجامہ بنالیا، یا کپڑا کاٹ رہا تھا کہ کسی نے دھکا دیدیا اور غلط کٹ گیا وغیرہ تو اس میں بھی تاوان لازم ہوگا۔

(البتہ اگر خود کے فعل سے وہ چیز ضائع نہیں ہوئی، بلکہ غیر کے فعل سے ہوئی۔ یعنی اس کے فعل کا اس میں بالکل دخل نہیں تھا۔ مثلا سامان چوری ہوگیا، یا لوٹ گیا، یا جل گیا تو دیکھا جائے کہ اس سامان کا بچانا اس کی قدرت میں تھا یا نہیں؟ اگر اس کی قدرت میں نہیں تھا تو ضمان نہیں آئے گا، اور اگر اس کی قدرت میں تھا پھر بھی نہیں بچایا مثلاً سامان جل رہا تھا اور باوجود قدرت کے آگ نہیں بجھائی، یا چوری ہونے سے بچا سکتا تھا مگر قصداً نہیں بچایا تو اس میں ضمان آئے گا) (۲)

اور اجیر خاص سے کوئی چیز ضائع ہوجائے تو اس پر کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، خواہ وہ چیز اس کے فعل سے ضائع ہوئی ہو یا دوسرے کے فعل سے ــــ مگر یہ کہ اس کی

---

(۱)(مستفاد: هنديه : ٤ / ٥٠٠، شامي : ٨٩ - ٩٧)

(۲)اعلم أن الهلاك من فعل الأجير(أى الأجير المشترك)أو لا، والأول إما بالتعدى أولا. والثاني إما أن يمكن الاحتراز عنه أو لا، ففى الأول بقسميه يضمن اتفاقاً، وفى الثاني الثاني لايضمن اتفاقاً،وفى أوله لايضمن عند الإمام مطلقاً، ويضمن عندهما مطلقاً ....وفى التبيين :وبقولهما يفتى لتغير أحوال الناس وبه يحصل صيانة أموالهم اھ .لأنه إذا علم أنه لايضمن ربما يدعي أنه سرق أو ضاع من يده .(شامي : ٨٩/٩-النتف فى الفتاوىٰ ، ص: ٣٤٠)

طرف سے تعدی ہو تو پھر بوجہ تعدی اس پر ضمان لازم ہوگا۔ [1]

فاسد اور باطل اجارہ کا بیان

۳۶۷-**ضابطہ**: وہ تمام شرطیں جو بیع کو فاسد کردیتی ہیں اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں۔

تشریح: اجارہ چونکہ بیع کی ایک قسم ہے کیونکہ اس میں بھی منافع کی بیع ہوتی ہے اس لئے وہ تمام چیزیں جو بیع کو فاسد کردیتی ہیں اجارہ کو بھی فاسد کردیتی ہیں، جیسے ماجور (کرایہ پر لی ہوئی چیز) کا مجہول ہونا مثلاً کرایہ کا گھر یہ ہے یا وہ؟ اس کو واضح نہیں کیا؛ یا اجرت (کرایہ) کا مجہول ہونا یعنی کرایہ کتنا ہے؟ وہ معلوم نہیں؛ یا مدت کا مجہول ہونا یعنی کتنی مدت کے لئے اس کو کرایہ پر دیا ہے؟ وہ پتہ نہیں؛ یا عمل کا مجہول ہونا یعنی یہ مزدور کیا مزدوری کرے گا؟ اس کی وضاحت نہیں کی؛ یا جیسے گھر یا دکان کی مرمت واصلاح کی کرایہ دار پر شرط لگانا، یا اس کے مصارف کی اس پر شرط لگانا وغیرہ تمام صورتیں اجارہ کو فاسد کردیتی ہیں۔ [2]

۳۶۸-**ضابطہ**: اجارہ فاسدہ میں کام یا استعمال سے اجرت مثل واجب ہوگی اور اجارہ باطلہ میں کچھ اجرت لازم نہ ہوگی۔ [3]

---

(۱)(والثانی) وهو الأجير (الخاص)......(ولايضمن ماهلك في يده أو بعمله) كتخريق الثوب من دقه إلا إذا تعمل الفساد فيضمن كالمودع.(الدر المختار على هامش رد المحتار :۹/۹۴-۹۷،مجمع الضمانات :۱/۱۷۶)

(۲)تفسد الإجارة بالشروط المخالفة المقتضى العقد فكل ماأفسد البيع مما مر يفسدها كجهالة ماجور أوأجرة أو مدة أو عمل ،كشرط طعام عبد وعلف دابة ومرمة الدار أو مغارمها. (الدر المختار على هامش رد المحتار :۹/۶۴)

(۳)وحكم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالإستعمال ..بخلاف الثاني وهو الباطل فإنه لاأجر فيه بالإستعمال.(الدر المختار على هامش رد المحتار : ۹/۶۲)

تشریح: اجارہ فاسدہ یہ ہے کہ: عقد اپنی اصل کے اعتبار سے تو جائز ہو لیکن کسی عارض کے پیش آنے سے اس میں کوئی فساد آگیا ہو، عارض جیسے مدت یا کرایہ وغیرہ کا مجہول ہونا، یا مقتضی عقد کے خلاف کوئی شرط لگانا وغیرہ جس کی کچھ تفصیل اس سے قبل ضابطہ کے تحت گذر چکی۔

اور اجارہ باطلہ یہ ہے کہ: وہ عقد اپنے اصل کے اعتبار سے ہی جائز نہ ہو، اس لئے کہ وہ چیز یا تو ناجائز ہوتی ہے، جیسے نغمہ وسرور اور رقص وغیرہ پر اجارہ کرنا؛ یا اس پر اجرت لینے کو شریعت نے منع کیا ہے، جیسے نر کو مادہ پر چھوڑنے کی اجرت لینا۔ (۱)

اس تمہید کے بعد جاننا چاہئے کہ: اجارہ فاسدہ میں مزدور (کام کے بعد) یا مالک مکان (مکان استعمال کے بعد) اجرت مثل (یعنی اتنے کام کے لئے جو اجرت کا دستور ہو یا ایسے گھر کے لئے جو کرایہ کا دستور ہو) کا مستحق ہوگا، طے شدہ اجرت کا مستحق نہ ہوگا (ہاں مگر طے شدہ اجرت اجرت مثل سے کم ہو تو پھر اس کا مستحق ہوگا)

اور اجارہ باطلہ میں مزدوری کے بعد یا استعمال کے بعد بھی کچھ اجرت ثابت نہ ہوگی، نہ مقررہ اجرت اور نہ اجرت مثل۔

۳۶۹- **ضابطہ**: (بجائے منفعت کے) استہلاک عین پر اجارہ باطل ہے۔ (۲)

جیسے باغ کرایہ پر لیا تاکہ اس کے درختوں کے پھل کھائے، یا بکری، گائے وغیرہ کو اجارہ پر لیا تاکہ اس کا دودھ پئے یا اس سے بچہ حاصل کرے، یا جیسے نہر، کنواں وغیرہ اجارہ پر لیا تاکہ اس کا پانی استعمال کرے تو یہ سب اجارے باطل ہیں، کیونکہ ان میں استہلاک عین پایا جاتا ہے، اس لئے کہ پھل، دودھ، بچہ، پانی وغیرہ اعیان کے قبیل سے ہیں اور کرایہ داران کو استعمال کرکے یا تو ہلاک کر دیتا ہے یا مالکانہ قبضہ کر لیتا ہے، تو یہ درحقیقت بیع کی صورت ہے اجارہ نہیں ہے، کیونکہ اجارہ میں اعیان کے منافع کی

(۱) (الدر والشامی: ۹/۶۲) (۲) الإجارة على استهلاك الأعيان باطلة. (الفتاوى الكاملة، ص: ۱۹۱)

ملکیت ثابت ہوتی ہے نہ کہ اعیان کی ــــــ پھر اس عقد باطل کو بیع تسلیم کرکے بھی صحیح نہیں کہہ سکتے کیونکہ اس میں مبیع (دودھ، پانی وغیرہ) کی مقدار مجہول ہے، جس سے بیع باطل ہوجاتی ہے، اس لئے بہرحال ایسے عقد کو ختم کرنا لازم ہے۔ (۱)

۳۷۰-**ضابطہ**: ہر ایسا اجارہ جس میں بطور اجرت صرف مأجور کو کھانا کھلانا طے کیا گیا ہو وہ درست نہیں۔ (۲)

جیسے جانور کو اجارہ پر لیا اور اجرت یہ مقرر کی میں اس کو گھاس چارہ ڈالوں گا، یا جیسے امام کے لئے مسجد والوں نے یہ طے کیا کہ ہم صرف دووقت کھانا کھلائیں گے اور وہی اس کی اجرت ہوگی اور کوئی تنخواہ مقرر نہیں کی تو ایسا اجارہ جائز نہیں۔

(لیکن اگر کھانے کے ساتھ کچھ قلیل یا کثیر اجرت وتنخواہ بھی مقرر کرلی جائے تو پھر جائز ہے) (۳)

۳۷۱-**ضابطہ**: جس اجارہ میں نتیجۂ عمل کو اجرت بنایا جائے وہ جائز نہیں۔

جیسے کسی شخص کو گندم دیئے اور کہا اس کو پیس دو، جو آٹا ہوگا اس کا ایک قفیز یا ایک کلو تمہاری اجرت ہوگی، یا دھاگا دیا اور کہا کپڑا بناؤ جو کپڑا بناؤ گے اس کا ایک گز تمہارا

---

(۱) سئلت فیمن استاجر بستاناً لیاکل ثمرة أشجاره من نخل وزیتون ولیمون:هل یجوزذالك؟ فاجبت:بانه لایجوز، وسند ذالك مافی شرح الطحاوی رحمه الله تعالیٰ: الإجارة علی استهلاك الأعیان باطلة، کما لو استاجر کرماً مدةً معلومة لیاکل ثماره،أواستاجر غنماً لیاکل لبنها وسمنها، او استاجرالمرعی لیر عی البهائم،وماأشبه ذالك لم تصح الإجارة،فهذا صریح فی أن الإجارة باطلة.(الفتاویٰ الکاملة،ص :۱۹۱) ولایجوز إجارة ماء فی نهر او قناة او بئر، وإن استأجر النهر والقناة مع الماء لم یجز ایضاً،لأن فیه استهلاك العین اصلاً. (الفتاویٰ الهندیه :۴۴۱/۴)(۲)کل إجارة فیها رزق او علف فهوفاسد .(الفتاویٰ الهندیه :۴۴۲/۴)(۳)(فتاویٰ محمودیه:۵۳/۱۷)

ہوگا، یا روئی دی اور کہا روئی دھنو، جتنی روئی دھنو گے اس کی دس فیصد تمہاری ہوگی، یا کھیتی کاٹنے کے لئے دی اور کہا جو کاٹو گے اس میں سے ایک من یا پانچ فیصد تمہاری ہوگی، یا جیسے بکری پالنے کے لئے دی اور کہا جو بچے پیدا ہوں گے اس کے نصف تمہارے رہیں گے، یا مدرسہ وغیرہ کے چندہ کی ذمہ داری دی اور کہا جس قدر چندہ کرو گے اس کا دس فیصد تمہارا ہوگا، یا جانور ذبح کے لئے دیا اور کہا اس کا چمڑا تمہارا ہوگا یا اس میں سے اتنا گوشت تمہاری اجرت ہوگا...تو یہ سب صورتیں نتیجۂ عمل کو اجرت بنانے کی ہیں اور ناجائز ہیں۔ (۱)

البتہ اگر عقد کے وقت اسی میں سے دینے کی شرط نہیں لگائی، بلکہ مطلق کہا، مثلاً کہا تم یہ گیہوں پیس دو اور تمہاری اجرت ایک قفیز آٹا ہوگی، یا یہ گیہوں کی فصل کاٹ دو اور تمہیں پانچ من گیہوں دوں گا، یعنی اسی آٹا میں سے یا گیہوں میں سے دوں گا یہ شرط نہیں لگائی تو یہ صورت جائز ہے، پھر چاہے تو اسی میں سے دیدے، حرج نہیں۔ غرض ناجائز ہونا اس وقت ہے جبکہ اجارہ کے وقت اسی میں سے دینے کی شرط لگائی ہو، اگر ایسا نہیں ہے تو پھر جائز ہے۔ (۲)

---

(۱) ولو غزلاً لآخر لينسجه له بنصفه أى بنصف الغزل أو استأجر بغلاً ليحمل طعامه ببعضه أو ثوراً ليطحن برّه ببعض دقيقه فسدت فى الكل لأنه استأجره بجزء من عمله (أى ببعض مايخرج من عمله. شامى)(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۹/ ۷۸-كذا فى الهنديه: ۴/ ۴۴۴ وهدايه: ۳/ ۳۰۵ وبدائع: ۴/ ۴۶)(۲)والحيلة فى ذالك لمن أراد الجواز أن يشترط صاحب الحنطة قفيزاً من الدقيق الجيد ولم يقل من هداه الحنطة او يشترط ربع هذه الحنطة من الدقيق الجيد لأن الدقيق إذا لم يكن مضافاً إلى حنطة بعينها يجب فى الذمة والأجر كما يجوز أن يكون مشاره إليه يجوز ان يكون دينا فى الذمة ثم إذا جاز ۲ يجوز ان يعطيه ربع دقيق هذه الحنطة إن شاء، كذا فى المحيط.(الفتاوىٰ الهنديه: ۴/ ۴۴)

فائدہ: یہ اصول قفیز طحان والی حدیث سے ماخوذ ہے، قفیز ایک پیمانہ تھا جس سے چیزوں کی مقدار متعین کی جاتی تھی اور طحان کے معنی ہے: آٹا پیسنے والا، پہلے رواج یہ تھا کہ لوگ آٹا پیسنے والے کو گیہوں یا آٹا دیتے اور کہتے کہ اس میں سے اتنے قفیز تمہاری اجرت ہوگی، رسول اللہ ﷺ نے اس صورت کو منع فرمایا، پھر فقہاء نے اس ممانعت کے دائرے کو وسیع کیا اور ایک اصول بنایا کہ جس اجارہ میں نتیجہ عمل کو اجرت مقرر کیا جائے وہ ناجائز ہے، خواہ وہ کوئی سا بھی عمل و اجارہ ہو۔ صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''یہ بہت بڑا اصول ہے، جس سے بہت سے اجارات کے فساد کو جانا جاسکتا ہے، خصوصاً ہمارے دیار میں'' اھ۔[1]

نوٹ: اجارہ سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔
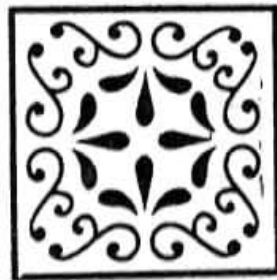
(۱) هذا أصل كبير يعرف به فساد كثير من الإجارات لاسيما في ديارنا. (هدايه: ۳/۳۰۵)

کتاب الکفالۃ

۳۷۲-**ضابطہ**: کفالت تبرعات کے قبیل سے ہے۔

تفریع: پس وہ تمام لوگ جن کو تبرع کا حق نہیں جیسے بچہ، غلام اور مجنون؛ ان کا کفیل بننا درست نہیں ـــــ اسی طرح مرض وفات میں مبتلا شخص صرف اپنے تہائی مال میں کفالت قبول کرسکتا ہے، باقی دو تہائی میں قبول نہیں کرسکتا، کیونکہ دو تہائی میں ورثاء کا حق ثابت ہوگیا، اس میں وہ تبرع نہیں کرسکتا۔(۱)

نیز اصیل (مدیون) کا عاقل، بالغ یا آزاد ہونا کچھ ضروری نہیں بلکہ میت کی طرف سے بھی کفیل بننا درست ہے، کیونکہ تبرع کے قبول کے لئے تمیز وغیرہ کی کچھ شرط نہیں۔

اسی طرح اس پر یہ بھی متفرع ہوگا کہ اگر کسی کو زبردستی کفیل بنایا گیا تو درست نہیں، اس پر کوئی ذمہ داری نہ آئے گی، کیونکہ تبرعات میں جبر جائز نہیں۔

فائدہ: حوالہ بھی تبرعات میں سے ہے، اس میں بھی محتال علیہ (جس نے ذمہ لیا ہے) کے لئے یہ سب احکام جاری ہوں گے۔(۲)

۳۷۳-**ضابطہ**: کفالت میں وہ تمام شرطیں جو اس کے مقتضا کے موافق ہوں

---

(۱)لأنها عقد تبرع فلاتنعقد ممن ليس من أهل التبرع. (بدائع: ٤/٦٠٥ – مجمع الأنهر: ٣/١٧٢)فلاتنفذ من صبي ولامجنون ......ولامن مريض إلا من الثلث ولامن عبد. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ٧/٥٥٧–بدائع : ٤/٦٠٥) (٢)......وكذالك إذا كانت بامره ،لأنه تبرع بابتدائه فلايملك الصبي...... كالكفالة. (بدائع: ٥/٩، كتاب الحوالة)

درست ہیں اور جو خلاف ہوں وہ درست نہیں۔ (۱)

تشریح: مقتضاء کفالت کے موافق شرطیں: جیسے لزوم حق کی شرط لگائی جائے مثلاً بائع نے مشتری سے کہا اس سامان میں اگر کسی کا حق نکل آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، یا ایسی شرط لگائی جائے جس کا مقصد حق کی وصولی میں پیش آنے والی امکانی دشواری کو دور کرنا ہو مثلاً یہ مدیون اگر اس شہر سے غائب ہو گیا تو میں اس کے دین کا ذمہ دار ہوں، یا کوئی ایسی شرط لگائی جائے جس سے حق کی ادائیگی میں سہولت بہم پہنچ سکتی ہو جیسے اگر فلاں آ گیا تو میں اس کا کفیل ہو اور اس فلاں کے ساتھ اس کے تجارتی تعلقات ہوں تو یہ سب شرطیں تقاضائے کفالت کے مناسب ہیں اور درست ہیں۔

اور مقتضا کے خلاف شرطیں: مثلاً بارش ہوئی تو میں اس کا کفیل ہوں، یا ہوا چلی تو کفیل ہوں، یا آج سورج گہن ہوا تو کفیل ہوں وغیرہ وہ سب شرطیں جو کفالت سے کچھ مناسبت نہیں رکھتیں درست نہیں، ان سے کفالت منعقد نہ ہوگی۔ (۲)

۳۷۴- **ضابطہ**: مکفول بہ (یعنی جس مال کی کفالت قبول کی جارہی ہے) کا قابل ضمانت ہونا ضروری ہے۔ (۳)

---

(۱)(مجمع الأنهر: ۳/ ۱۸۱-۱۸۲)(۲)أو علقت بشرط صحيح ملائم أى موافق للكفالة بأحد أمورثلاثة: بكونه شرطاًللزوم الحق نحوقوله إن استحق المبيع أو جحدك المودع ...فعلى الدية ...أو شرطاً لإمكان الاستيفاء نحو إن قدم زيد فعليّ ماعليه الدين ...وهو مكفول عنه ...أو شرطاً لتعذره أى الاستيفاء نحو إن كان غاب زيد عن المصر فعلى ، وأمثلته كثيرة، فهذه جملة الشروط اللتى يجوز تعليق الكفالة بها، ولاتصح إن علقت بغير ملائم نحو إن هبت الريح أو جاء المطرلأنه تعليق بالخطر فتبطل، ولايلزم المال ،ومافى الهداية سهوكما حرره ابن كمال(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۷/ ۵۸۷)(۳)(بدائع: ٤/ ٦٠٤-مجمع الأنهر: ۳/۱۹۱)

تفریعات:

(۱) پس امانت کے مال: جیسے ودیعت، شرکت، مضاربت، اور عاریت کا کفیل بننا درست نہیں، کیونکہ اس میں ضائع ہونے پر امین پر کوئی ضمان نہیں آتا۔[۱]

(۲) کسی کی بیوی کے گذشتہ زمانہ کے نفقہ کا کفیل بننا درست نہیں، جب تک کہ قاضی نے فیصلہ سے شوہر پر کوئی نفقہ طے نہ کیا ہو، یا زوجین نے کسی نفقہ پر باہمی مصالحت نہ کی ہو، کیونکہ قاضی کے فیصلے، یا باہمی مصالحت سے پہلے بیوی کا نفقہ قابل ضمان نہیں، چنانچہ گزشتہ کا نفقہ شوہر پر لازم نہیں ہوتا (البتہ مستقبل کے نفقہ کا ضامن ہونا درست ہے، اگرچہ یہ بھی قابل ضمان نہیں، لیکن یہ صورت مستثنیٰ ہے)[۲]

(۳) کسی نے کہا تم اپنی مرغی کو یہاں بند کرلو، اگر اس کو بلی کھا گئی تو میں اس کا ذمہ دار ہوں، یا بکری کو یہاں چرایا کرو، اگر اسے بھیڑیا کھا گیا تو میں اس کا کفیل ہوں تو یہ کفالت وذمہ داری درست نہیں، اگر درندے نے کھالیا تو اس کفیل پر کچھ لازم نہ ہوگا، کیونکہ درندے کا فعل غیر مضمون ہے۔[۳]

فائدہ: اور اگر کہا فلاں انسان نے اس سامان کو یا جانور کو ضائع کردیا تو میں اس کا

---

(۱) وعين هي مضمونة، أما العين التي هي أمانة فلاتصح الكفالة بها سواء كانت أمانة غير واجبة التسليم كالودائع ومال الشركات والمضاربة. . الخ. (بدائع الصنائع: ٦٠٧/٤)

(۲) وتصح الكفالة أيضاً بالنفقة المستقبلة كمايذكره الشارح بعد أسطر مع أنها لم تصر ديناً اصلاً وأما ماقدمه أول الباب من أنها لاتصح بالنفقة قبل الحكم فمحمول على الماضية لأنها تسقط بالمضى إلاإذا كانت مقررة بالتراضى أو بقضاء القاضى .(شامى:٥٨١/٧)

(۳) بخلاف إن أكلك السبع لأن فعله غير مضمون.(شامى :٧/ ٥٨٦ – هنديه :٤١٣/٤)

ذمہ دار ہوں تو یہ کفالت صحیح ہے، کیونکہ انسان کا فعل قابل ضمانت ہے۔لیکن اگر کہا کسی انسان نے یا اس بستی والوں نے ضائع کردیا یعنی مطلق کہا، کسی خاص انسان کی تعیین نہیں کی تو کفالت درست نہیں، کیونکہ مکفولہ عنہ میں جہالت ہے جبکہ مکفول عنہ کا معلوم و معین ہونا بھی ضروری ہے۔(۱)

۳۷۵-ضابطہ: کفیل مدیون سے وہی رجوع کرے گا جو مدیون کے ذمہ واجب تھا، نہ کہ وہ جو اس نے ادا کیا ہے۔

جیسے کفیل نے صاحب حق کو عمدہ گیہوں کی بجائے گھٹیا گیہوں پر راضی کرلیا، یا گھی کی بجائے تیل پر راضی کرلیا تو اب وہ مدیون سے عمدہ گیہوں اور گھی وصول کرے گا جو اصل میں اس کے ذمہ واجب تھا، نہ کہ گھٹیا گیہوں اور تیل جو اس نے ادا کیا (حوالہ میں بھی یہی حکم ہے)(۲)

۳۷۶-ضابطہ: ہر ایسا حق جس کو کفیل سے وصول کرنا ممکن نہ ہو اس میں کفالت درست نہیں، اور جس کا وصول کرنا ممکن ہو (اور کوئی مانع نہ ہو) تو درست ہے۔

تشریح: پس حدود و قصاص میں کفالت درست نہیں، یعنی کہا اس کی بجائے مجھ پر حد یا قصاص جاری کیا جائے، میں اس کی ذمہ داری لیتا ہوں تو یہ درست نہیں، کیونکہ حد یا قصاص کفیل سے حاصل کرنا شرعاً ممکن نہیں، اس لئے کہ اس میں نیابت جاری

(۱)......وبخلاف : ماغصبك الناس أو من غصبك من الناس ...... فأنا كفيله فإنه باطل ،كقوله ماغصبك أهل هذه الدار فأنا ضامنه فإنه باطل حتى يسمى إنساناً بعينه (الدرالمختار)وفي الشامية:قال في الفتح:قيد بقوله فلاناً ليصير المكفول عنه معلوماً فإن جهالته تمنع صحة الكفالة.(شامي :۵۸۶/۷)

(۲)......اى إن لم يؤدى ماضمن لايرجع بماأدى بل بماضمن، كما إذا ضمن بالجيد فأدى الأردأ أو بالعكس......الخ(شامي :۵۹۸/۷)

نہیں ہوسکتی، وہ تو مجرم ہی سے وصول کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

اور اگر کہا میں اس مدیون کو حاضر کرنے کی ذمہ داری لیتا ہوں یعنی فلاں وقت یافلاں تاریخ پر اس کو حاضر کرلوں گا، تو درست ہے کیونکہ یہ کفالت بالنفس ہے اور کفیل سے اس کو وصول کرنا ممکن ہے (اب اگر اس نے حاضر نہیں کیا تو قاضی مناسب مہلت دے گا، پھر بھی حاضر نہیں کیا تو اس کفیل کو قید کرلے گا، مگر یہ کہ قاضی کو قرائن یا گواہوں سے معلوم ہوجائے کہ یہ فی الواقع حاضر کرنے میں عاجز تھا تو اس کفیل کو رہا کردے گا اور مزید مہلت دے گا) (۲)

۳۷۷- **ضابطہ**: اصیل کو بری کرنے سے کفیل بھی بری ہوجاتا ہے، مگر اس کا برعکس نہیں۔

تشریح: یعنی جب صاحب حق نے اصیل (مدیون) کو بری کردیا تو کفیل بھی بری ہوجائے گا، کیونکہ وہ اس کے تابع ہے۔ لیکن عکس جاری نہ ہوگا یعنی کفیل کو بری کرنے سے اصیل بری نہ ہوگا، بلکہ صرف کفالت ساقط ہوگی، اصیل پر ذمہ باقی رہے گا۔ (۳)

نوٹ: کفالت بالمال سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

---

(۱) وكل حق لايمكن استيفائه من الكفيل لايصح الكفالة كالحدود والقصاص ...... الخ (هدايه :۳/۱۱۹-اللباب فی شرح الكتاب :۲/۸۰- بدائع الصنائع: ٤/٦٠٩)(۲) وإن شرط تسليمه فی وقت بعينه أحضره فيه إن طلبه كدين مؤجل حلّ، فإن حضره فبها، وإلا حبسه حين يظهر مطله، ولو ظهر عجزه ابتداء لايحبسه، فإن غاب أمهله مدة ذهابه وإيابه ولولدار الحرب. (الدرالمختار علی هامش رد المحتار: ۷/٥٦٥- ٥٦٦)

(۳) ولو أبرأالطالب الأصيل ......برىء الكفيل ...... ولاينعكس لعدم تبعية الأصل للفرع......وإذا شرط براة الكفيل وحده كانت فسخا للكفالة لاإسقاطاً لأصل الدين (الدرالمختارعلی هامش رد المحتار: ۷/ ٦٠٢ – ٦٠٥) ۰

کتاب الحوالۃ

تمہید: جاننا چاہئے کہ کفالہ اور حوالہ بہت سی چیزوں میں (مثلاً شرائط میں، تبرعات میں سے ہونے، مدیون سے رجوع کرنے، وغیرہ میں) دونوں یکساں حکم رکھتے ہیں، پس جو ضوابط ومسائل کفالہ کے بیان میں گذرے اس میں حوالہ کو بھی مدنظر رکھنا چاہئے، اور حوالہ کو سمجھنے کے لئے ان کو ضرور دیکھنا چاہئے ــــــ البتہ شرائط میں اتنا فرق ہے کہ حوالہ میں اصیل (مدیون) اور محتال علیہ (جس نے ذمہ لیا ہے) دونوں کا عاقل، بالغ ہونا شرط ہے، جبکہ کفالہ میں صرف کفیل کے لئے یہ شرط ہے، اس میں اصیل کا عاقل، بالغ ہونا ضروری نہیں۔ (۱)

۳۷۸ــ **ضابطہ**: کفالت میں اصیل کی براءت کی شرط لگانا حوالہ ہے اور حوالہ میں عدم براءت کی شرط لگانا کفالہ ہے۔ (۲)

تشریح: پہلے کفالہ وحوالہ کا بنیادی حکم جان لیجئے، وہ یہ کہ: کفالت میں صاحب حق کو اختیار رہتا ہے کہ اصیل (مدیون) یا کفیل دونوں میں سے کسی سے بھی اپنے حق کا مطالبہ کرے، جبکہ حوالہ میں صاحب حق اپنا حق صرف محتال علیہ (جس نے ذمہ لیا ہے) سے ہی وصول کر سکتا ہے، مدیون سے وصول نہیں کر سکتا، پھر حوالہ اور کفالہ دونوں

(۱) وأما حرية الأصيل وعقله وبلوغه فليست بشرط لجواز الكفالة. (بدائع الصنائع: ٤/ ٦٠٦)

(۲) إذا شرط براۃ الأصيل فتكون حوالة كما ان الحوالة بشرط عدم براۃ المحيل كفالة. (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر: ٣/ ١٨٤)

میں قدر مشترک یہ بات ہے کہ: کفیل یا محتال علیہ نے مدیون کی خواہش سے یہ ذمہ داری قبول کی تھی تو ادائیگی کے بعد ان کو مدیون سے رجوع کا حق ہوگا، اور اگر خود سے ذمہ لیا تھا تو رجوع کا حق نہ ہوگا۔[1]

اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ: جب کفالت کے وقت اصیل (مدیون) کو بری کرنے شرط لگادی گئی ہو تو وہ کفالہ نہیں رہا بلکہ حوالہ ہوگیا، پس اس میں حوالہ کے احکام جاری ہوں گے، چنانچہ صاحب حق کو صرف کفیل سے مطالبہ کا حق ہوگا، اصیل سے مطالبہ نہیں کرسکتا۔

اسی طرح حوالہ میں جب اصیل (محیل) کو بری نہ کرنے کی شرط لگائی تو وہ کفالہ بن گیا، پس اس میں کفالت کے احکام جاری ہوں گے، صاحب حق کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنا حق کفیل سے وصول کرے یا اصیل سے۔

۳۷۹- **ضابطہ**: ہر ایسا دین جس کا کفالہ جائز ہے حوالہ جائز ہے۔[2]

نوٹ: کفالہ کے بیان میں ضابطہ نمبر ۳۷۴ میں گذر چکا کہ کفالہ میں دین کا قابل ضمان ہونا ضروری ہے، جو دین قابل ضمان نہیں ہوتا اس میں کفالہ جائز نہیں، پس حوالہ میں بھی یہ حکم ہوگا، تشریح وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

استدراک: لیکن اس ضابطہ میں عکس جاری نہ ہوگا، یعنی یہ نہ ہوگا کہ: جس میں

---

(۱) وللطالب مطالبة أی شاء من كفيله وأصيله...... فإن كفل بلاأمره لايرجع عليه بما أدى عنه وإن أجازها المكفول عنه وإن كفل بأمره رجع. (ملتقى الأبحر على المجمع: ۳/ ۱۸۳-۱۸۴) منها: أن تكون الحوالة بأمر المحيل فإن كانت بغير أمره لايرجع ... وإن كانت بغير أمره لايوجد معنى التمليك فلاتثبت ولاية الرجوع. (بدائع: ۵/ ۱۳)

(۲) لكل دين تجوز به الكفالة فالحوالة به جائزة. (الجوهرة النيرة: ۱/ ۴۰۷)

حوالہ جائز نہیں اس میں کفالہ جائز نہیں، کیونکہ بعض دین جیسے مال کتابت کہ اس میں حوالہ جائز ہے، کفالہ جائز نہیں۔ (۱)

۳۸۰-**ضابطہ**: محتال علیہ کو بری کرنے سے مدیون بھی بری ہوجاتا ہے، جبکہ کفیل کو بری کرنے سے مدیون بری نہیں ہوتا۔ (۲)

تشریح: جس نے ذمہ لیا ہے حوالہ میں اس کو محتال علیہ کہتے ہیں اور کفالہ میں کفیل کہتے ہیں۔

اگر صاحب حق نے محتال علیہ کو بری کردیا تو مدیون بھی بری ہوجائے گا، کیونکہ حوالہ میں ذمہ بلا شرکت مدیون کے محتال علیہ کی طرف منتقل ہوجاتا ہے (اسی وجہ سے صاحب حق کو مدیون سے مطالبہ کا حق نہیں رہتا ہے) برخلاف کفالہ کے کہ اس میں کفیل اور مدیون دونوں ذمہ میں شریک رہتے ہیں، پس اس میں کفیل کو بری کرنے سے مدیون بری نہ ہوگا۔
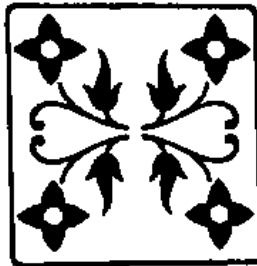
(۱)وقد تجوزالحوالة بدين لاتجوزبه الكفالة كمال الكتابة فإن الحوالة تجوز به ولاتجوز به الكفالة. (الجوهرةالنيرة: ١/ ٤٠٧)

(۲)وإذا شرط براة الكفيل وحده كانت فسخا للكفالة لاإسقاطاً لأصل الدين. (الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ٧/ ٦٠٢ - ٦٠٥)ولكن ابرا المحتال له المحتال عليه برىء المحتال عليه والمحيل عن دين المحتال. (تاتارخانية: ١٠/ ٢٩١، رقم المسئلة: ١٤٧٥٣)

کتاب الوکالۃ

۳۸۱- **ضابطہ**: وکالت کی صحت کے لئے وکیل کا قبول کرنا شرط نہیں (محض خاموشی بھی کافی ہے) (۱)

تفریع: ایک شخص نے کسی کو اپنی بیوی کی طلاق کا وکیل بنایا، وہ خاموش رہا (یعنی صرحتاً قبول نہیں کیا) پھر اس نے اس کی بیوی کو طلاق دی تو استحساناً طلاق واقع ہو جائے گی، اور اس کا یہ طلاق پر اقدام کرنا دلالتاً وکالت کو قبول کرنا سمجھا جائے گا (لیکن اگر اس نے صراحتاً قبول کرنے سے انکار کر دیا، پھر طلاق دی تو اب طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ صراحت دلالت سے قوی ہے)

اسی طرح بیع وغیرہ کا وکیل بنایا تو اس میں بھی یہی حکم ہوگا۔ (۲)

۳۸۲- **ضابطہ**: مؤکل جس چیز کا وکیل بنا رہا ہے لازم ہے کہ وہ خود بھی اس کا اختیار رکھتا ہو۔ (۳)

تفریعات:

(۱) یتیم کا وصی یتیم کے معاملہ میں ان تمام امور میں کسی کو وکیل بنا سکتا ہے جن

---

(۱) وقبول الوكيل ليس بشرط لصحة الوكالة استحساناً ولكن إذا رد الوكيل الوكالة ترتد. (هنديه: ۳/ ۵٦۰)

(۲) (هنديه: ۳/ ۵٦۰-۵٦۱)

(۳)...بكل ماعقده بنفسه، أى يجوز التوكيل بكل شيء جاز أن يعقده ..الخ (تبيين الحقائق: ۲۲/۱۲ ٤ بدائع: ۲۰/٦، الاختيار لتعليل المختار: ۲٤/۱)

میں وہ خود اختیار رکھتا ہے، اور جن میں وہ خود اختیار نہیں رکھتا (جیسے ناجائز امور میں اس کا مال خرچ کرنا، یا ایسی چیز خریدنا جس میں یتیم کا ذرا بھی نفع نہ ہو) وکیل بنانا درست نہیں۔[۱]

(۲) اور پاگل و ناسمجھ بچہ کسی کو وکیل نہیں بنا سکتا، کیونکہ یہ دونوں خود کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے تو دوسرے کو کیسے اختیارات دے سکتے ہیں؟[۲]

اور سمجھدار بچے کے لئے ضابطہ ہے کہ:

۳۸۳-**ضابطہ**: نابالغ سمجھ دار بچہ ان تمام تصرفات کا جو محض ضرر کا باعث ہیں (جیسے طلاق، عتاق، ہبہ، صدقہ وغیرہ) کا مالک نہیں، پس وہ ان میں وکیل نہیں بنا سکتا، اور وہ تصرفات جو محض نفع کے حامل ہیں (جیسے ہدیہ قبول کرنا وغیرہ) کا وہ مالک ہے، پس ان میں وہ وکیل بنا سکتا ہے، اور جو تصرفات نفع ونقصان کے درمیان دائر ہیں (جیسے بیع، اجارہ وغیرہ) ان میں اگر ولی نے پہلے سے اجازت دے رکھی ہے تو وکیل بنا سکتا ہے، ورنہ اس کی توکیل ولی کی اجازت پر موقوف ہوگی، اگر ولی اسے جائز قرار دیدے تو نافذ ہے ورنہ نہیں۔[۳]

۳۸۴-**ضابطہ**: وکیل کا یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کو وکیل بنایا گیا ہے، اس

---

(۱) ویجوز لوصی الیتیم ان یوکل بکل مایجوز ان یفعله بنفسه من امر الیتیم. (هندیه : ۳/ ۵۶۲)(۲)(هندیه : ۳/ ۵۶۲)

(۳)وكذا من الصبی العاقل بمالایملکه بنفسه كالطلاق والعتاق والهبة والصدقة ونحوها من التصرفات الضارة المحضة ويصح بالتصرفات النافعة كقبول الهبة والصدقة من غير إذن الولی وأما التصرفات الدائرة بين الضرر والنفع كالبيع والاجارة فإن كان ماذونا فی التجارة يصح منه التوكيل وإن كان محجوراً ينعقد موقوفاً على اجازة وليه .(هندیه : ۳/ ۵۶۰-۵۶۱، الدر المختار علی هامش رد المحتار :۸/۲۴۲)

سے قبل اس کا کوئی تصرف نافذ نہ ہوگا۔ (۱)

تفریع: پس اگر کسی نے اپنی بیوی کو طلاق دینے کا کسی کو وکیل بنایا، اور وکیل کو اس کا علم نہیں تھا اور ویسے ہی اس نے اس کی بیوی کو طلاق دیدی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ (۲)

۳۸۵۔ **ضابطہ**: مجہول شخص کو وکیل بنانا درست نہیں۔ (۳)

جیسے:

(۱) کسی نے کہا: ''میں تم دونوں میں سے کسی ایک کو فلاں کام کا وکیل بناتا ہوں'' تو یہ درست نہیں کیونکہ اس میں تعیین نہ ہونے کی وجہ سے وکیل مجہول ہے۔

(۲) اپنے مقروض سے کہا جو شخص تمہارے پاس فلاں علامت لے کر آئے، یا جو تمہاری انگلی پکڑ لے، یا جو تم سے فلاں بات کہے، اس کو میرے وہ روپے دے دینا جو تمہارے ذمہ ہیں تو یہ صحیح نہیں کیونکہ یہاں بھی وکیل مجہول ہے، پس مقروض ایسے شخص کو دینے سے قضاء بری نہ ہوگا۔ (۴)

۳۸۶۔ **ضابطہ**: وکیل کا اپنے قصد واختیار سے تصرف کرنا ضروری ہے (ورنہ اس کا تصرف معتبر نہ ہوگا)

تفریع: پس اگر وکیل سے جبر وکراہ کے ذریعہ بیع وغیرہ میں ایجاب وقبول کروایا گیا، یا خود اس نے از راہ مزاح ایجاب وقبول کیا تو اس کا یہ تصرف مؤکل کے حق میں

---

(۱) إذا وكل انساناً لايصير وكيلا قبل العلم وهو المختار. (هندية: ۳/ ۵۶۳)

(۲) (هندية: ۳/ ۵۶۳، التاتارخانية: ۲/ ۲۴۷)

(۳) لايصح توكيل مجهول. (قواعد الفقه، ص: ۱۱۱، قاعدة: ۲۷۴)

(۴) كقول الدائن لمديونه من جاء لك بعلامة كذا أو من أخذ إصبعك أو قال لك كذا فادفعه مالي عليك إليه لم يصح لأنه توكيل مجهول فلايبرء بالدفع إليه (الأشباه ص: ۳۷۰، بحواله قواعد الفقه ص: ۱۱۱ حاشيه

معتبر نہ ہوگا۔[1]

۳۸۷- **ضابطہ**: حقوق اللہ میں وہ چیزیں جن میں دعویٰ شرط ہے (جیسے حد قذف، حد سرقہ) ان کو ثابت کرنے کیلئے صاحب حق کا کسی کو وکیل بنانا جائز ہے (کہ وہ مؤکل کی طرف سے عدالت میں دعویٰ دائر کرے خواہ مؤکل موجود ہو یا نہ ہو) اور وہ چیزیں جن میں دعویٰ شرط نہیں (جیسے حد زنا، حد خمر) ان میں توکیل درست نہیں ــــــ اور حقوق العباد کے اثبات کے لئے مطلقاً توکیل جائز ہے خواہ وہ چیزیں ہوں جو شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں (جیسے قصاص وغیرہ) یا وہ چیزیں ہوں جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتیں (یعنی مالی حقوق جیسے دین وغیرہ)

فائدہ: ضابطہ میں حقوق وحدود کے اثبات کی یعنی مقدمہ دائر کرنے (کیس داخل کرنے) کی بات ہے، جہاں تک حدود (خواہ وہ حقوق اللہ میں سے ہو یا حقوق العباد میں سے) کو جاری کرنے ونفاذ کی بات ہے تو اس میں وکالت کے لئے مؤکل (صاحب حق) کا بوقت نفاذ اس جگہ موجود ہونا ضروری ہے ورنہ توکیل جائز نہ ہوگی، پس حد سرقہ، حد قذف اور قصاص کے نفاذ کے وقت مؤکل (یعنی مالک مال، مقذوف اور مقتول کا ولی علی الترتیب) کا موجود ہونا ضروری ہے، کیونکہ ممکن ہے کہ اجراءِ سزا کے وقت یہ حضرات موجود ہوں تو اپنے دعویٰ سے رجوع کرلیں (کیس واپس کھینچ لیں) اس احتمال نے ایک گونہ شبہ پیدا کردیا اور شبہ سے بھی حد ساقط ہو جاتی ہے (پس ان کی عدم موجودگی سے جو شبہ پیدا ہوا وہ نفاذ حد کے لئے مانع ہوگا)

اور حدود کے ماسوا خصومت میں نفاذ کے وقت مؤکل کی موجودگی میں اختلاف ہے، صاحبین اور دیگر فقہاء کے نزدیک مؤکل کی موجوگی مطلقاً ضروری نہیں، اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عام حالت میں اس کا موجود ہونا ضروری ہے، البتہ اگر دوسرا فریق

---

(۱) والمراد بقصده أن يقصد ثبوت الحكم أو الربح للاحتراز عن بيع المكره والهازل فإنه لايقع عن الآمر. (البحر الرائق: ۷/۲٤۱)

مؤکل کی عدم حاضری پر راضی ہو جائے یا مؤکل بیماری یا طویل مسافت کے سفر کی وجہ سے حاضری سے معذور ہو یا پردہ نشین عورت ہو (خواہ باکرہ ہو یا ثیبہ) تو پھر ان صورتوں میں مؤکل کا موجود ہونا مقدمہ کے نفاذ کے لئے ضروری نہیں، تاکہ اس کے حقوق ضائع نہ ہوں۔[1]

---

(۱) هذا التفصيل كله ماخوذ من هذه العبارات:اعلم أن الحقوق نوعان:حق الله وحق العبد،وحق الله نوعان:نوع منه تكون الدعوىٰ فيه شرطا كحدالقذف وحد السرقة فهذا النوع يجوز التوكيل فيه عند أبى حنفية ومحمد رحمهماالله تعالىٰ فى الإثبات سواء كان المؤكل حاضراً أو غائباً ويجوز فى الاستيفاء إذا كان المؤكل حاضراً ولايجوز إذا كان غائباً ونوع منه لم تكن الدعوى فيه شرطا كحد الزنا وحد الشرب فهذا النوع لايجوز التوكيل فى إثباته ولافى استيفائه ثم الخلاف إنما هو فى حق إثبات الحد أما التوكيل ياثبات المال فى السرقة فمقبول بالاجماع. وأما حقوق العباد فعلى نوعين:نوع لايجوز استيفاؤه مع الشبهة كالقصاص فيجوز التوكيل ياثباته عند أبى حنفية ومحمد رحمهماالله تعالىٰ وأما التوكيل باستيفاء القصاص فإن كان المؤكل وهو الولى حاضراً جا ز وإن كان غائباً لايجوز ونوع يجوز استيفاؤه مع الشبهة كالديون والأعيان وسائر الحقوق فيجوز التوكيل بالخصومة فى إثبات الدين والعين.هكذا فى البدائع. (هنديه : ۵٦۳/۳-۵٦٤) إلافى الحدود والقصاص فإن الوكالة لاتصح باستيفائهما مع غيبة المؤكل عن المجلس لأنهما تندرئ بالشبهات وشبهة العفو ثابتة حال غيبة المؤكل ..الخ (هدايه :۱۷۷/۳ هكذافى الاختيار لتعليل المختار: ۲٤/۱)فدل على الجوازبرضا الخصم واختلف فى جوازه بغير رضا الخصم قال أبوحنيفة عليه الرحمة :لايجوز من غير علر المرض والسفر وقال ابو يوسف ومحمد :يجوز فى الأحوال كلهاوهو قول الشافعى رحمه الله ......وكذالك إذا كانت المرأة مخدرة مستورة لأنها تستحى عن ←

۳۸۸-**ضابطہ**: مباحات میں توکیل معتبر نہیں۔ [۱]

تشریح: مباحات یعنی جس کی عام اجازت ہوتی ہے جیسے نہر یا تالاب سے پانی لینا، سرکاری زمین سے گھاس کاٹنا، جنگل میں شکار کرنا، یا لکڑیاں لانا، یا سمندر سے جواہرات نکالنا وغیرہ... پس ان میں توکیل معتبر نہیں، اگر ایسی چیزوں میں کسی کو وکیل بنایا ہے، اور اس نے مثلاً شکار کیا یا سمندر سے جواہرات نکالے تو اس کا یہ عمل خود اس کے لئے سمجھا جائے گا، موکل اس کا حق دار نہ ہوگا۔

۳۸۹-**ضابطہ**: شہادات (گواہی) میں کسی کو وکیل بنانا درست نہیں۔ [۲]

تشریح: کیونکہ شہادت کسی واقعہ کو آنکھوں دیکھی گواہی کا نام ہے، اور اس کو مؤکل نے دیکھا ہے نہ کہ وکیل نے، پس اس میں وکالت درست نہیں۔

۳۹۰-**ضابطہ**: ہر ایسا عقد جس کو وکیل اپنی طرف منسوب کرتا ہے، مؤکل کی طرف منسوب کرنے کی اس میں حاجت نہیں ہوتی (جیسے بیع، اجارہ، صلح عن اقرار وغیرہ) اس میں تمام حقوق وکیل ہی سے متعلق ہوں گے ——— اور جس عقد کو وہ موکل کی طرف منسوب کرتا ہے، اس کے بغیر وہ عقد انجام نہیں دے سکتا (جیسے نکاح، خلع، ہبہ، صدقہ، اعارہ، رھن، قرض، شرکت، مضاربت وغیرہ) اس میں وکیل کی حیثیت محض ترجمان اور سفیر کی ہوگی، اور عقد سے متعلق تمام حقوق

← الحضور لمحافل الرجال وعن الجواب بعد الخصومة بكراً كانت او ثيباً فيضيع حقها. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۹، هكذا فى الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۲۴۳ - ۲۴۴)

---

(۱) ولا تصح الوكالة فى المباحات. (هنديه: ۳/ ۵۶٤)

(۲) ولا تصح الوكالة فى المباحات كالاحتطاب والاحتشا والاستقاء واستخراج الجواهرمن المعادن، فما أصاب الوكيل شيا من ذالك فهو له. (هنديه: ۳/ ۵٦٤)

مؤکل ہی سے متعلق ہوں گے۔ (۱)

تشریح: پہلی صورت میں حقوق کا وکیل سے متعلق ہونا جیسے اگر وہ بائع ہے تو مبیع کا سپرد کرنا، ثمن پر قبضہ کرنا اور مشتری ہے تو ثمن کا ادا کرنا مبیع پر قبضہ کرنا، اور مبیع میں کوئی عیب ہے تو اس سلسلہ میں حجت کرنا وغیرہ سب وکیل کی ذمہ داری ہوگی، یہاں موکل اجنبی کے مانند ہوگا، یہاں تک کہ وکیل سے خریدنے والے شخص سے موکل ثمن کا مطالبہ بھی نہیں کرسکتا۔

اور دوسری صورت میں موکل سے حقوق متعلق ہونا جیسے نکاح میں شوہر کا کوئی وکیل ہے تو مہر کا مطالبہ موکل (شوہر) سے ہوگا، وکیل سے نہیں ہوگا، اور اگر عورت کا وکیل ہے تو اس کے ذمہ عورت کی سپردگی وغیرہ لازم نہ ہوگا، اس کا تعلق موکلہ سے ہوگا۔

۳۹۱- **ضابطه**: خصومت کے وکیل کو سوائے حدود اور قصاص کے تمام مقدمات میں موکل کے خلاف اقرار کا اختیار ہے، مگر یہ کہ موکل نے بوقت وکالت اس کا استثناء کردیا ہو۔ (۲)

تشریح: اقرار کا مطلب ہے کہ مثلاً کسی نے وکیل بنایا کہ فلاں شخص پر فلاں چیز کا

(۱) وکل عقد یضیفه الوکیل إلی نفسه کالبیع والإجارة والصلح عن اقرار تتعلق حقوقه به من تسلیم المبیع ونقد الثمن والخصومة فی العیب وغیرذالك ......وکل عقد یضیفه إلی موکله فحقوقه تتعلق بموکله :کالنکاح والخلع والصلح عن دم العمد والعتق علی مال والکتابة والصلح عن انکار والهبة والصدقة والإعارة والإداع والرهن والإقراض والشرکة والمضاربة.(الاختیار لتعلیل المختار: ۱/ ۲٤ – الدرالمختار علی هامش رد المحتار ۸/ ۲٤٦ – هدایه ۳/ ۱۸۰ –بدائع : ٥/ ۳٦–۳۷)

(۲) وصح اقرارالوکیل بالخصومة لابغیرها مطلقاً بغیر الحدود والقصاص علی موکله. (الدر المختار علی هامش رد المحتار ۸/ ۲۷۰–۲۷۱)

دعویٰ کرنا ہے، وکیل نے قاضی کی مجلس میں اپنے موکل (مدعی) کے دعویٰ کے جھوٹا ہونے کا اقرار کرلیا تو یہ اقرار صحیح ہے اور موکل اپنے دعویٰ میں جھوٹا ثابت ہوگا۔ یا اگر مدعی علیہ کی طرف سے وکیل ہو تو مدعی جس چیز کا دعویٰ کررہا ہے اس کو قبول کرلیا تو یہ اقرار صحیح ہے اور مدعی علیہ کے ذمہ مدعی کو وہ چیز دینی لازم ہو جائے گی۔

لیکن اگر موکل نے بوقت وکالت اقرار کا استثناء کردیا یعنی تم میرے خلاف کسی چیز کا اقرار نہیں کرسکتے تو یہ استثناء استحساناً صحیح ہے، اب وکیل کو اقرار کا اختیار نہ ہوگا، باوجود اس کے اگر وہ اقرار کرے تو موکل پر اس اقرار کا کچھ اثر نہ ہوگا، بلکہ خود وہ وکیل وکالت سے معزول ہو جائے گا اور اس کا کوئی دعویٰ نہیں سنا جائے گا۔ (۱)

۳۹۲-**ضابطہ**: وکیل کا دوسرے کو وکیل بنانا جائز نہیں، مگر یہ کہ موکل نے صراحتاً اجازت دی ہو یا یوں کہا ہو کہ اپنی رائی و مرضی پر عمل کرنا۔ (۲)

فائدہ: تاہم اگر وکیل نے بلا اجازت دوسرا وکیل بنالیا، تو اگر دوسرے نے پہلے کی موجودگی میں عقد کیا تو اس کا یہ تصرف جائز ہوگا، اور اس کی عدم موجودگی میں کیا تو جائز نہ ہوگا۔ (۳)

اور موکل کی طرف سے اجازت کی صورت میں دوسرا وکیل موکل ہی کی طرف سے

---

(۱) وکذا إذا استثنى الموكل إقراره بأن قال وكلتك بالخصومة غير جائز الإقرار صح التوكيل والاستثناء على الظاهر. بزازية. فلو أقر عنده أى القاضى لايصح وخرج به عن الوكالة فلاتسمع خصومته. (الدرالمختار على هامش رد المحتار ۸/ ۲۷۱)

(۲) وليس للوكيل أن يوكل فيما وكل به ......إلا أن يؤذن له الموكل أو يقول اعمل برأيك. (قدورى على الهدايه: ۳/ ۱۹۲)

(۳) فإن وكل بغير إذن موكله فعقد وكيله بحضرته جاز......وإن عقد فى حال غيبته لم يجز (قدورى على الهدايه: ۳/ ۱۹۲)

وکیل شمار ہوگا، یہاں تک کہ وکیل اول اس کو معزول نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی موت سے وہ معزول ہوگا، اور مؤکل کی موت سے دونوں معزول ہوجائیں گے۔ (۱)

۳۹۳- **ضابطہ**: مؤکل کی لگائی ہوئی قید اگر مفید ہو تو وکیل کے ذمہ اس کا اعتبار مطلقاً ضروری ہے اور مضر ہو تو ضروری نہیں۔ اور اگر من وجہ مفید ہو اور من وجہ مضر ہو تو اگر نفی کے ساتھ مؤکد کیا ہے تو اس کا اعتبار ضروری ہے ورنہ ضروری نہیں۔ (۲)

تشریح: مفید قید کی مثال: جیسے وکیل سے کہا: ''تو اپنے لئے تین دن کے خیار کے ساتھ بیچنا'' تو اس کا اعتبار ضروری ہے، اگر اس کے خلاف کیا تو اس کا تصرف معتبر نہ ہوگا۔

مضر قید کی مثال: جیسے کہا ''تو اس مال کو ادھار بیچنا'' تو اس قید کی رعایت ضروری نہیں، اگر اس مال کو نقد بیچ دیا تب بھی صحیح ہے۔

اور من وجہ مفید اور من وجہ مضر قید کی مثال: جیسے کسی خاص بازار میں بیچنے یا نہ بیچنے کی قید لگائی تو:

اگر نفی کے ساتھ مؤکد کیا یعنی کہا: ''فلاں بازار میں مت بیچنا'' تو اس کی رعایت ضروری ہے، اگر اسی بازار میں بیچا تو اس کا تصرف معتبر نہ ہوگا۔

اور اگر بغیر نفی کے کہا یعنی کہا: ''فلاں بازار میں بیچنا'' تو اس کی رعایت ضروری نہیں، اس سے اچھے بازار میں بھی بیچ سکتا ہے۔ (۳)

---

(۱) وإذا جاز في هذا الوجه يكون الثاني وكيلا عن الموكل حتى لايملك الأول عزله ولاينعزل بموته وينعزلان بموت الأول (هدايه :۳/۱۹۲)

(۲) الموكل اذا قيد على وكيله فإن كان مفيدا اعتبر مطلقا وإلالا. وإن كان نافعاًمن وجه وضاراً من وجه فإن أكده بالنفي اعتبر، وإلالا. (الأشباه والنظائر: ۲۱۱ ،بيروت) قواعد الفقه: ۱۳۱ ، قاعده: ۳٦٤ ، هنديه : ۵۸۹)

(۳) وعلى القاعدة فروع منها :بعه بخيار فباعه بغير ه لم ينفذ لأنه مفيد ، ←

۳۹۴- **ضابطہ**: وکالت مجلس پر منحصر نہیں ہوتی (برخلاف تملیک کے کہ وہ مجلس پر منحصر ہوتی ہے)(۱)

تفریع: پس جب کسی سے کہا کہ: ''میری بیوی کو طلاق دیدو'' تو یہ توکیل مجلس پر منحصر نہ رہے گی، اس مجلس کے علاوہ بھی وکیل جب چاہے طلاق دے سکتا ہے، جب تک اس کو معزول نہ کیا جائے۔

اور اگر طلاق کا مالک بنایا مثلاً بیوی سے کہا: ''میں نے تم کو طلاق کا اختیار دیا'' تو یہ تملیک (وتفویض) ہے جو مجلس پر منحصر ہوگی، پس اگر عورت نے اسی مجلس میں اپنے اوپر طلاق واقع کرلی تو طلاق واقع ہو جائے گی، ورنہ واقع نہ ہوگی (اور تملیک میں رجوع کا حق نہیں رہتا)(۲)

۳۹۵- **ضابطہ**: خرید فروخت کی وکالت میں اصل یہ ہے اگر وکالت عامہ کے ساتھ وکیل بنایا مثلاً کہا تم ''میرے لئے جو مناسب سمجھو خرید لو'' یا کہا ''میرے لئے جو کپڑا خریدنا چاہو خرید لو'' تو یہ وکالت درست ہے خواہ اس میں کتنا ہی ابہام ہو ——— اور اگر وکالت خاصہ کے ساتھ وکیل بنایا یعنی مخصوص چیز خریدنے کا حکم دیا اور ''تمہاری جو مرضی ہو'' یا ''جیسا مناسب سمجھو'' وغیرہ الفاظ کے ذریعہ مطلق اختیار نہ دیا تو اگر اس میں جہالت یسیرہ ہو تو درست ہے، جہالت فاحشہ ہو تو درست نہیں اور اگر جہالت

← ومنها بعه نسيئة له بيعه نقداً،بعه في سوق كذا فباعه في غيره نفذ،لاتبعه إلا في سوق كذا ،لا(الأشباه والنظائر: ۲۱۱، دارالكتاب،بيروت—قواعد الفقه.ص: ۱۳۱ قاعده: ۳٦٤، حاشيه)

(۱)وكالة لاتقتصر على المجلس بخلاف التمليك. (قواعد الفقه ص: ۱۳۸ قاعده:۳۹۳)(۲) فإذا قال لرجل طلقها لاتقتصر (وله الرجوع) وطلقي نفسك يقتصر (وليس له الرجوع) .(قواعد الفقه :۱۳۸حاشيه ،تحت قاعده : ۳۹۳، بحوالة: الأشباه)

متوسط ہو تو اس چیز کا ثمن یا وصف دونوں میں سے کسی ایک کو بیان کر دیا تو درست ہے ورنہ درست نہیں۔ (۱)

تشریح: جہالت فاحشہ: وہ جنس کی جہالت ہے، جیسے کہا کپڑا خریدو یا جانور خریدو تو یہ وکالت درست نہیں، کیونکہ کپڑے میں مختلف قسمیں ہیں: ریشمی، سوتی، کتان وغیرہ، اور جانور میں بھی گھوڑا، گدھا، بیل، بکری وغیرہ مختلف اقسام ہیں، موکل کی مراد کیا ہے؟ معلوم نہیں، اور یہ چونکہ جنس کی جہالت ہے اس لئے فحش جہالت کہلائے گی جو وکالت کے لئے مطلقاً مانع ہوگی، اگرچہ موکل ثمن بیان کردے۔

جہالت یسیرہ: وہ نوع کی جہالت ہے، جیسے کہا سوتی کپڑا خریدو، یا گھوڑا خریدو وغیرہ تو اس جہالت میں حرج نہیں، وکالت درست ہے، خواہ موکل اس چیز کا وصف یا ثمن بیان کرے نہ کرے، کیونکہ جب نوع بیان کردی گئی تو اس کی صفت موکل کے حال سے خود واضح ہوگی، مثلاً موکل عربی ہے اور یہ معلوم ہو کہ وہ عربی ہی گھوڑا استعمال کرتا ہے تو اب وکیل عربی ہی گھوڑا خریدے گا نہ کہ ترکی، اور ثمن کی وضاحت بھی ضروری نہ ہوگی، کیونکہ ثمن صفت سے معلوم ہو جائے گا۔

(۱) الأصل أنها إن عمت أو علمت أو جهلت جهالة يسيرة وهي جهالة النوع المحض صحت وإن فاحشة وهي جها لة الجنس كدابة بطلت وإن متوسطة كعبد فإن بين الثمن أو الصفة كتركي صحت وإلالا...وكله بشراء ثوبه ثوب هروي أو فرس أو بغل صح ...وبشراء دار أو عبد جاز إن سمى الموكل ثمناً يخصص نوعاً أو لا... وإلا يسم ذالك لايصح وألحق بجهالة الجنس وهي مالو وكله بشراء ثوب أو دابة لايصح وإن سمى ثمنا للجهالة الفاحشة. (الدر المختار) وفي الشامية :(إن عمت) بأن يقول ابتع لي مارأيت لأنه فوّض الأمر إلى رايه فأي شيء يشتريه يكون ممتثلا، درر. وفي البحر عن البزازية :ولو وكله بشراء أي ثوب شاء صح .(شامي :۲٤۸/۸- هنديه:۵۷۳/۳)

(البتہ اگر موکل کی حال سے وصف واضح نہ ہوتا ہو تو پھر نوع کی وضاحت کے بعد بھی اس کا وصف یا ثمن دونوں میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہوگا، جیسا کہ علامہ کاسانی نے بکری اور گائے میں اس وضاحت کو ضروری قرار دیا ہے)(۱)

اور جہالت متوسطہ: وہ جنس اور نوع کے مابین کی جہالت ہے، جیسے کہا میرے لئے فلاں شہر میں کوئی گھر خریدو تو اس میں وصف یا ثمن دونوں میں سے ایک کا بیان کرنا ضروری ہوگا، یا تو ثمن بیان کرے مثلاً کہے دس لاکھ تک کا گھر خریدو، یا وصف بیان کرے اور کہے اس قسم کا فلیٹ خریدو یا رو ہاؤس خریدو تو وکالت درست ہے اور وہ نوع کی جہالت کے ساتھ ملحق ہوگا، اور اگر گھر کا نہ ثمن بیان کیا اور نہ وصف تو وکالت درست نہیں اور وہ جنس کی جہالت کے ساتھ ملحق ہوگا۔

اسی طرح اگر مکیلی اور موزونی چیزوں کے خریدنے کا وکیل بنایا تو دو میں سے ایک چیز کو بیان کرنا ہوگا، یا تو ثمن کی مقدار بیان کرے مثلاً پانچسو روپے کے گیہوں خریدو، یا مثمن (مبیع) کی مقدار کی وضاحت کردے مثلاً دس کلو گیہوں خریدو، تو وکالت درست ہے، ورنہ درست نہیں۔(۲)

۳۹۶-**ضابطہ**: تمام امور کا وکیل بنانے میں (جیسے کہا "تم میرے تمام امور کے وکیل ہو) وکالت کا تعلق عقد معاوضات کے ساتھ ہوگا، عتق، طلاق اور تبرعات اس سے مستثنیٰ ہوں گے۔

---

(۱) ولو قال اشتر لی شاة ولم يذكر صفة ولا ثمناً لايجوز لأن الشاة والبقرة لاتصير معلومة الصفة بحال الموكل ولابد أن أن يكون احدهما معلوماً لما بينا. (بدائع الصنائع: ۲۲/۵)

(۲) ولو قال اشترلی حنطة لايصح التوكيل مالم يذكر أحد شيئين: إما قدر الثمن وإما قدر المثمن وهو المكيل، لأن الجهالة لاتقل إلا بذكر احدهما وعلى هذا جميع المقدرات من المكيلات والموزونات. (بدائع الصنائع: ۲۲/۵)

تشریح: عقدِ معاوضات سے مراد بیع، اجارہ وغیرہ ہے پس وکیل عام کو موکل کے مال میں سے ان تمام عقود کا جو معاوضات کے قبیل سے ہوں اختیار ہوگا۔

لیکن جو چیزیں تبرعات کے قبیل سے ہیں جیسے موکل کے مال کو ہدیہ کرنا، صدقہ کرنا، زمین یا مکان کا وقف کرنا، قرض دینا وغیرہ کا اس کو اختیار نہ ہوگا، یہی مفتی بہ ہے۔

اسی طرح طلاق اور عتاق کا بھی وہ مالک نہ ہوگا، پس ایسی وکالت کے ذریعہ وہ موکل کی بیوی کو طلاق یا اس کے غلام کو آزاد نہیں کرسکتا، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۱)

۳۹۷- **ضابطہ**: ایک ہی معاملہ میں اگر متعدد وکیل ہوں تو جن امور میں تبادلہ خیال اور غور وفکر کی حاجت ہوتی ہے (جیسے نکاح، خلع، مضاربت وغیرہ) ان میں تنہا ایک وکیل تصرف کا مجاز نہیں۔ اور جن امور میں تبادلہ خیال کی حاجت نہ ہو بلکہ صرف مؤکل کے حکم کی تعمیل کرنی ہو (جیسے طلاق، ہبہ، دین کی ادائیگی، امانت کی واپسی وغیرہ) ان میں تنہا ایک وکیل کا تصرف بھی معتبر ہے۔ (۲)

(۱) ......وعام كانت وكيلي في كل شيء عم الكل حتى الطلاق......وخصه قاضيخان بالمعاوضات، فلايلي العتق والتبرعات وهو المذهب(الدر المختار) وفي الشامية:وفي الذخيرة:أنه توكيل بالمعاوضات لابالإعتاق والهبات وبه يفتي. وفي الخلاصة كما في البزازية :والحاصل أن الوكيل وكالة عامة يملك كل شيء إلا الطلاق والعتاق والوقف والهبة والصدقة على المفتى به......وهل له الإقراض والهبة بشرط العوض؟ فإنهما بالنظر إلى الابتداء تبرع ...وينبغي أن لايملكهما الوكيل بالتوكيل العام لأنه لايملكهما إلا من يملك التبرعات .الخ (شامي:۸/ ۲۴۰ -۲۴۱-البحر الرائق: ۷/ ۲۳۶، التاتار خانية: ۱۲/ ۲۴۲)

(۲)إذا وكّل وكيلين فليس لأحدهماأن يتصرف فيما وُكّلابه دون الآخر، هذا في تصرف يحتاج فيه إلى الرأى كالبيع والخلع وغير ذالك......إلا أن يوكلهما بالخصومة ..أو بطلاق زوجته بغير عوض أو برد وديعة عنده أو قضاء دين عليه ..الخ .(هداية:۱۹۲-بدائع :۵/ ۳۵)

۳۹۸-**ضابطہ**: وکالت میں خیارِ شرط صحیح نہیں (پس وکالت صحیح رہے گی، اور شرط باطل ہوگی)

تشریح: کیونکہ خیار کی شرط اس عقدِ لازم میں مشروع ہے جو فسخ کا احتمال رکھتا ہو، اور وکالت غیر لازم ہے۔

پس اگر کہا کہ تو میری بیوی کی طلاق کا وکیل ہے اس شرط کے ساتھ کہ مجھ کو تین دن کا اختیار ہے، یا عورت کو اختیار ہے تو یہ شرط باطل ہوگی اور وکالت صحیح رہے گی، وکیل جب چاہے اس کی بیوی طلاق دے سکتا ہے، جب تک اس کو معزول نہ کیا جائے۔[1]

۳۹۹-**ضابطہ**: وکالت میں میراث جاری نہیں ہوتی۔

تشریح: پس اگر موکل یا وکیل کی موت ہوگئی تو توکیل باطل ہوگی، مورث کی یہ وکالت ان کے ورثا کی طرف منتقل نہ ہوگی۔[2]

۴۰۰-**ضابطہ**: وکیل کو معزولی کا علم ہونا ضروری ہے خواہ کسی بھی عقد کا وکیل ہو، ورنہ معزول نہ ہوگا۔

تشریح: پس بیع وشراء، نکاح، طلاق بلکہ تمام تصرفات کے وکیل لئے یہ حکم ہے کہ جب تک معزولی کا علم نہ ہو وہ وکیل باقی رہے گا اور وکالت سے متعلق اس کا ہر تصرف صحیح رہے گا، باطل نہ ہوگا۔ مثلاً بیوی کی طلاق کا وکیل بنایا اور پھر تھوڑی دیر کے بعد معزول کر دیا، لیکن وکیل کو معزولی کا علم نہیں ہوا اور اس نے طلاق دیدی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ یا مثلاً خریدنے کا وکیل بنایا، پھر معزول کر دیا لیکن وکیل کو اطلاع دیر سے پہنچی اور

---

(۱) ولا یصح شرط الخیار فیھالأن شرط الخیار شرع فی لازم یحتمل الفسخ والوکالة غیر لازمة .حتی أن من قال أنت وکیل فی طلاق امرأتی علی أنی بالخیار ثلاثة أیام أو علی أنھا بالخیار ثلاثة أیام فالوکالة جائزة والشرط باطل. (ھندیہ : ۳/ ۵۶۷)

(۲)وینعزل بموت أحدھما. (الدر المختار علی ھامش رد المحتار ۸/ ۲۸۱)

مطلوبہ چیز اس نے خرید لی تو وہ موکل ہی کی شمار ہوگی۔ [۱]

۱۰۲۔ **ضابطہ**: وکیل اور موکل میں اختلاف ہو تو وکیل کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا۔ [۲]

تشریح: یعنی جب موکل اپنے مدعیٰ پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اب وکیل کا قول قسم کے ساتھ معتبر ہوگا، اگر اس نے قسم کھالی تو اس کے حق میں فیصلہ کر دیا جائے گا اور اگر قسم سے انکار کر دیا تو پھر موکل کے حق میں فیصلہ ہوگا۔

لیکن ایک صورت مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ: دین کے قبضہ کا وکیل تھا، اور موکل کی موت کے بعد اس نے یہ دعویٰ کیا کہ میں نے موکل کی حیات میں اس دین کا قبضہ کر کے اس کو دے دیا تھا، تو اب اس کا قول معتبر نہ ہوگا، بلکہ دعویٰ پر گواہ پیش کرنا ضروری ہوگا۔ [۳]

نوٹ: وکالت سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

---

(۱) ولایصح عزل الوکیل من غیر علم الموکل ولایخرج عن الوکالة عندنا، والوکیل بالبیع والشراء والنکاح والطلاق وسائر التصرفات فی ذالك علی السواء. (التاتارخانیة: ۱۲/۲۵۳)

(۲) الوکیل یقبل قوله بیمینه فیما یدعیه. (قواعد الفقه ص: ۱۳۸، قاعدہ: ۳۹٤)

(۳) إلا الوکیل بقبض الدین إذا ادعی بعد موت الموکل أنه کان قبضه فی حیاته ودفعه له، فإنه لایقبل قوله إلا بالبینة. (قواعد الفقه ص: ۱۳۸ "حاشیة" تحت قاعدہ: ۳۹٤، بحوالة: الأشباه والنظائر ص: ۳۷۱)

کتاب الودیعة

تمہید: کسی کے پاس امانت کے طور پر مال رکھنے کو ودیعت کہتے ہیں، اصطلاح میں: صاحب مال کو "مودِع" (بکسر الدال) اور جس کے پاس امانت رکھی جائے اس کو "امین" اور "مودَع" (بفتح الدال) اور مال امانت کو "ودیعت" کہا جاتا ہے۔[۱]

۴۰۲-**ضابطہ**: ودیعت میں دلالتاً ایجاب وقبول بھی کافی ہے۔[۲]

تشریح: یعنی بغیر کچھ الفاظ کہے جب قرائن سے ایجاب وقبول سمجھا جائے تو ودیعت کا معاملہ ثابت ہوجاتا ہے، صراحتاً ایجاب قبول ضروری نہیں۔

تفریعات:

(۱) کسی نے دکاندار سے کہا میں نماز پڑھنے جاتا ہوں اور اپنا یہ مال یہاں رکھتا ہوں ذرا دیکھنا، دکاندار خاموش رہا، کچھ جواب نہیں دیا، تو یہ اس کی طرف سے قبول مانا جائیگا، اب اگر اس کی غفلت اور بے اعتنائی سے وہ سامان ضائع ہوگیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔

(۲) بلکہ اگر صاحب مال کچھ نہ کہے اور خاموشی سے اپنا مال دیدے اور دکاندار خاموشی سے لے کر رکھ لے تو یہ بھی دلالتاً ودیعت کا معاملہ سمجھا جائے گا، اگر دکاندار کی غفلت سے وہ مال ضائع ہوگیا تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔[۳]

---

(۱)...والودیعة مایترك عند الأمین (هندیه: ٤/ ٣٣٨)

(۲)والویعة تارةتکون بصریح الإیجاب والقبول وتارة بالدلالة. (هندیه: ٤/ ٣٣٨)

(۳)والدلالة:إذا وضع عنده متاعاً ولم یقل له شیاًاو قال هذا ودیعة عندك وسکت الآخر صار مودعاً حتی لو غاب الآخر فضاع ضمن لأنه ایداع وقبول عرفاً. (هندیه: ٤/ ٣٣٨– شامی :٨/ ٤٥٤)

(۳) کوئی شخص اپنی گاڑی لے کر دوسرے کے مکان کے کمپاؤنڈ میں گیا اور کہا کہ: میں اپنی یہ گاڑی کہاں کھڑی کروں، اس نے کہا یہاں کھڑی کرلو اور اپنے کمپاؤنڈ میں کوئی جگہ بتلائی اور اس نے وہاں کھڑی کردی تو یہ دلالتاً ودیعت کا معاملہ ہوگا، اگر صاحب مکان کی لاپرواہی سے وہ گاڑی ضائع ہوگئی تو وہ اس کا ضامن ہوگا۔(۱)

(۴) سفر کے دوران چار ساتھی ایک جگہ بیٹھے ہوئے تھے ان میں سے ایک شخص اپنا سامان چھوڑ کر کھڑا ہوا، تو باقی تین اس کے ذمہ دار ہوں گے، کیونکہ عادتاً دلالت حال سے اس طرح کا سامان ودیعت سمجھا جاتا ہے۔ اگر انہوں نے اس کے سامان کی حفاظت نہیں کی اور وہ ضائع ہوگیا تو سب پر ضمان آئے گا، اور اگر یکے بعد دیگرے سب اس جگہ سے اٹھ گئے تو ان میں جو سب سے آخر میں مجلس سے اٹھا اس پر ضمان آئے گا۔(۲)

۴۰۳- **ضابطہ**: حفاظت مال کے لئے مودَع (امین) وہ سب طریقے اختیار کرسکتا ہے جو اپنے مال میں کرتا ہے۔(۳)

جیسے امانت کا مال اپنے پاس رکھے یا اپنی بیوی یا بال بچوں اور زیر پرورش لوگوں کے پاس رکھے، یا اس شخص کے پاس رکھے جس کے پاس عادتاً حفاظت کے لئے رکھا

---

(۱) وکقوله لرب الخان أين أربطها فقال هناك كان ايداعاً. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/۴۵۵)

(۲) المسئلة مستفاد من هذه العبارة: "لو قام واحد من أهل المجلس وترك كتابه أو متاعه فالباقون مودعون فيه حتى لو تركوا وهلك ضمنوا لأن الكل حافظون فإن قام واحد بعد واحد فالضمان على آخرهم لأنه تعين الآخر حافظاً". (هندية: ۴/ ۳۳۸)

(۳) ان الملتزم بالعقد هو الحفظ، والإنسان لايلتزم بحفظ مال غيره عادةً إلا بما يحفظ به مال نفسه. (بدائع الصنائع: ۵/۳۰۸)

جاتا ہے جیسے کاروباری پارٹنرز وغیرہ تو اس کی اجازت ہے۔ [۱]

نیز مال کے خطرہ کے وقت جیسے آگ لگ گئی اور پڑوس میں پھینک دیا، یا لوٹ چلی اور حفاظت کے لئے دوسرے کی طرف ڈالدیا، یا سمندر میں کشتی ڈوبنے کا خطرہ ہو اور قریب والی کشتی میں پھینک دیا وغیرہ ...وہ تمام صورتیں جو آدمی اپنے مال کی حفاظت کے لئے کرتا ہے ودیعت کے مال میں بھی کرسکتا ہے، اس کی وجہ سے وہ تعدی کرنے والا نہ ہوگا، اگر اس طرح کرنے میں مال ہلاک بھی ہوگیا تو اس پر کوئی ضمان نہ آئے گا۔ [۲]

۴۰۴-**ضابطہ**: امانت کا مال ہلاک ہونے پر کوئی ضمان نہیں آتا، مگر یہ کہ امین کی جانب سے تعدی ہو۔ [۳]

تشریح: اور تعدی کی مختلف صورتیں ہیں، من جملہ یہ ہیں:

۱-امین نے مال چوری ہوتے ہوئے یا لوٹتے ہوئے دیکھا اور باوجود قدرت کے بچانے کی کوشش نہیں کی۔ [۴]

۲-عادتاً جن کے پاس مال رکھا جاتا ہے بجائے ان کے دوسروں کے پاس رکھا اور ضائع ہوگیا۔ [۵]

۳-نہر یا سمندر میں نہانے کے لئے گیا اور امانت کا سامان ویسے ہی چھوڑ دیا اور

---

(۱)......وعن محمد: إن حفظها بمن يحفظ ماله كوكيله ومأذونه وشريكه مفاوضةً وعناناً جاز، وعليه الفتوى. (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/ ۴۵۷)

(۲) لأن يقع في داره حريق فيسلمها إلى جاره أو يكون في سفينة فخاف الغرق فينقلها إلى سفينة أخرى لم يضمن. (الجوهرة النيرة: ۱/ ۴۴۸- هنديه: ۴/ ۳۴۰)

(۳)......أمانة في يد المودع إذا هلكت من غير تعدى لم يضمنها. (اللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۱۱۱)

(۴)(هنديه: ۴/ ۳۴۶)　(۵)(بدائع: ۵/ ۳۰۸)

ضائع ہوگیا۔ (۱)

۴-بغیر اجازت کے اس سامان یا پیسوں کو استعمال کرلیا۔ (۲)

۵-اپنے مال کے ساتھ اس طرح مخلوط کردیا کہ تمیز مشکل ہوگئی۔ (۳)

۶- مال دینے سے انکار کردیا (یعنی مکر گیا) اور کہتا ہے کہ میرے پاس تم نے کچھ امانت نہیں رکھوائی، پھر اعتراف کیا مگر کہتا ہے وہ مال ضائع ہوگیا۔ (۴)

پس یہ تمام صورتیں تعدی کی ہیں، ان میں ضمان لازم ہوگا (آخری صورت میں اس لئے کہ مکر جانے کے بعد یہ کہنا کہ مال ضائع ہوگیا اس کا یہ قول معتبر نہ ہوگا، کیونکہ مکرنے سے اس کی حیثیت غاصب کی ہوگئی اور غاصب پر مال مغصوب کا ضمان لازم ہوتا ہے)

۴۰۵-**ضابطہ**: تعدی کا زائل ہوجانا ضمان کو ختم کردیتا ہے، جبکہ تعدی سے کوئی نقص نہ آیا ہو۔ (۵)

جیسے امانت کے جانور یا گاڑی پر سواری کرلی، یا کپڑے کو پہن لیا، یا غلام سے خدمت لی، یا مال کو دوسرے کے پاس ودیعت رکھا یا کوئی اور صورت تعدی کی اختیار کی، پھر اس تعدی کو زائل کرلیا اور اس کو بعینہ پہلی حالت پر یا اس سے اچھی حالت پر لوٹالیا تو ضمان جو آیا تھا وہ ختم ہوجائے گا، اس کے بعد اگر مال ہلاک ہوگیا تو امین پر کچھ ضمان لازم نہ ہوگا۔

مگر شرط ہے کہ استعمال سے اس میں ذرا بھی نقص نہ آیا ہو، اگر نقص آجائے تو پھر ضمان زائل نہ ہوگا۔ (۶)

---

(۱)(هنديه : ٤ / ٣٤٨)(۲)(الحوالة السابقة)(۳)(الحوالة السابقة)

(۴)فإن طلبها صاحبها فجحدها إياه فهلكت ضمنها، فإن عاد إلى الاعتراف لم يبرأ من الضمان. (قدورى على هامش اللباب :۱۱۲/۱- الجوهرة النيرة: ۱ / ٤٤٩-٤٥٠) (۵)(هنديه: ٤/٣٤٧-٣٤٨)

(۶)وإذا تعدى المودع فى الوديعة بأن كانت دابة فركبها أو ثوباً فلبسه أو عبد فاستخدمه أو أودعها عند غيره ثم أزال التعدى فردها إلى يده زال الضمان ←

اوراگر مالک اورامین کے درمیان نقص کے آنے نہ آنے میں اختلاف ہوتو مالک کاقول معتبر ہوگا۔ (۱)

۴۰۶-**ضابطہ**: صاحب مال کی جانب سے لگائی گئی شرط اگر حفاظت سامان کے لئے مفید ہواور ممکن العمل بھی ہوتو اس کی رعایت مودَع (امین) پرضروری ہے (اس کی مخالفت ضمان کا موجب ہے) ورنہ (یعنی مفید نہ ہو یا ممکن العمل نہ ہوتو) رعایت ضروری نہیں۔ (۲)

تشریح: مفید ہونا: جیسے کہا اس سامان کو اپنے گھر کے فلاں کمرے میں رکھنا اور وہ کمرہ حفاظتی نقطۂ نظر سے دوسرے کمروں کے مقابلہ میں زیادہ محفوظ ہو یا جیسے کہا اس سامان کو ایک ہی جگہ رکھنا ادھر ادھر نہ کرنا اور وہ سامان ایسا ہو کہ اس کو زیادہ ہلانے سے نقصان ہوتا ہو، یا جیسے کہا یہ مال اپنی بیوی کے پاس مت رکھوانا اور اس کی بیوی خیانت یا لاپرواہی میں معروف ہو تو ایسی شرط کی رعایت امین پر ضروری ہے۔ لیکن اگر سب کمرے حفاظت کے لحاظ سے برابر ہوں، اور دوسری صورت میں سامان ایسا ہو کہ ہلانے سے اس کو نقصان نہ آتا ہو، اور تیسری صورت میں اس کی بیوی امانت دار اور مستعد ہو بلکہ اس کے پاس مال رکھنے میں حفاظت زیادہ ہوتی ہو تو پھر ایسی شرط کی رعایت ضروری نہیں کہ وہ غیر مفید ہیں۔

← وهذا إذا كان الركوب والاستخدام واللبس لم ينقصها أما إذا نقصها ضمن، كذا في الجوهرة. (هنديه: ٣٤٧/٤-٣٤٨. الجوهرة النيرة: ١/ ٤٤٩)

(١)......إذا صدقه المالك في العود وإن كذبه لايبرأ إلا أن يقيم البينة على العود إلى الوفاق. (هنديه: ٣٤٧/٤، ٣٤٨-الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٨/ ٤٦٤)

(٢) الأصل فيه إن الشرط إذا كان مفيداً والعمل به ممكناً وجب مراعاته والمخالفة فيه توجب الضمان، وإذا لم يكن مفيداً ولم يكن العمل به كمافيما نحن فيه يلغو. (عناية مع الفتح: ٨/ ٤٩٤-هنديه: ٣٤١/٤)

اور ممکن العمل نہ ہونا: جیسے اس سامان کو ہر وقت اپنے ساتھ لئے رکھنا، ایک لمحہ کے لئے بھی الگ نہ رکھنا وغیرہ تو ایسی شرط کی رعایت ضروری نہیں۔ (۱)

۴۰۷- **ضابطہ**: مالک مال اور امین میں اختلاف ہو تو امین کا قول (یمین کے ساتھ) معتبر ہوگا۔

تشریح: پس اگر امین دعویٰ کرے کہ امانت کا مال ہلاک ہو گیا اور مالک مال ہلاک ہونے سے انکار کرے، یا کہے: میں نے وہ مال تمہیں واپس کر دیا تھا اور مالک کہے تم نے مجھے واپس نہیں کیا ہے، یا امین کے پاس مال ہلاک ہو گیا اور اس کے متعلق کہتا ہے: تم نے مجھے وہ مال بطور امانت دیا تھا اور مالک مال کہتا ہے کہ نہیں! میں نے بطور قرض دیا تھا تو ان تمام صورتوں میں امین چونکہ اصل یعنی تعدی کے نہ ہونے اور استصحاب حال کا دعویٰ کرتا ہے اس لئے اس کا قول یمین کے ساتھ معتبر ہوگا، یعنی جب مالک مال اپنے مدعیٰ پر گواہ پیش نہ کر سکے تو اب امین کا قول کا یمین (قسم) کے ساتھ معتبر ہوگا (لیکن اگر وہ قسم سے انکار کر دے تو پھر مالک مال کے حق میں فیصلہ ہوگا) (۲)

استثناء: اگر امین نے مال کو استعمال کیا جس کی وجہ سے اس میں نقص آنے نہ آنے میں دونوں میں اختلاف ہو گیا تو اس میں مالک کا قول معتبر ہوگا، یہ صورت مستثنیٰ ہے (اس مسئلہ کی تفصیل ماقبل میں ضابطہ نمبر ۴۰۵ گزر چکی)

---

(۱)(الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۸/ ٤٦٧ -هندیه: ٤/ ٣٤١)

(۲)أن المودع مع المودع إذا اختلفا فقال المودع :هلكت أو قال :رددتها إليك وقال المالك : بل استهلكتها فالقول قول المودع،لأن المالك يدعى على الأمين أمراً عارضاً وهو التعدى والمودع مستصحب لحال الأمانة فكان مستمسكاً بالأصل فكان القول قوله لكن مع اليمين...... وكذالك إذا قال المودع: استهلكت من غير إذني وقال المودع: بل استهلكتها أنت أو غيرك بأمرك أن القول قول المودع .(بدائع الصنائع: ٥/ ٣١٤)

کتاب العاریۃ

تمہید: عاریت کہتے ہیں: کسی کو بلاعوض کسی شی کے صرف نفع کا مالک بنانا، یعنی شی پر اپنی ملکیت باقی رکھتے ہوئے بغیر کچھ عوض لئے اس سے نفع اٹھانے اور استفادہ کی اجازت دینا (عوض لے کر نفع کا مالک بنانا "اجارہ"؛ بلاعوض اصل شی کا مالک بنانا "ہبہ" اور عوض لے کر اصل شی کا مالک بنانا "بیع" کہلاتا ہے) ـــــــ عاریت پر دینے والے کو "معیر" اور عاریت لینے والے کو "مستعیر" اور عاریت پر دی گئی چیز کو "مستعار" کہا جاتا ہے۔

۴۰۸۔ **ضابطہ**: ہر وہ لفظ جو عاریت کے مقصد ومنشاء کو واضح کرے (وہ عاریت کے لئے) کافی ہے۔[۱]

جیسے یہ گھر میں نے تم کو رہنے کے لئے دیا؛ یا یہ کپڑا استعمال کے لئے دیا؛ یا یہ زمین کھیتی کے لئے دی وغیرہ وہ تمام الفاظ جس سے عاریت ہونا سمجھا جائے عاریت ہونے کے لئے کافی ہے، صراحتاً لفظ عاریت بولنا ضروری نہیں۔

اور جو الفاظ عاریت وہبہ میں محتمل ہوں ان میں ضابطہ یہ ہے کہ:

۴۰۹۔ **ضابطہ**: جن الفاظ میں ہبہ اور عاریت دونوں کا مفہوم پایا جاتا ہو ان میں بولنے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا۔

جیسے کہا میں نے تم کو اس سواری پر سوار کیا، یا یہ کپڑا پہنایا تو چونکہ اس میں دونوں احتمال ہے اس لئے اس میں نیت کا اعتبار ہوگا، اگر بولتے وقت ہدیہ کی نیت تھی تو ہدیہ

---

(۱) (مستفاد: ھندیہ: ۴/ ۳۶۳- بدائع: ۵/ ۳۱۸)

ہے، اور عاریت کی نیت تھی تو عاریت ہے۔

اور اگر کوئی نیت نہ ہو تو ان دونوں میں ادنی یعنی عاریت پر محمول کیا جائے گا۔[1]

۴۱۰- **ضابطہ**: وہ چیزیں جن میں نفع اٹھانا عین کے استہلاک کے بغیر ممکن نہ ہو ان میں عاریت (حکماً) قرض ہے۔[2]

جیسے کہا میں یہ پیسے تم کو عاریتاً دیتا ہوں، یا یہ کھانا عاریتاً دیتا ہوں تو یہ حکماً قرض شمار ہوگا، کیونکہ پیسے اور کھانا ایسی چیز ہے کہ اس سے نفع اٹھانا ان کے استہلاک کے بغیر ممکن نہیں، لہٰذا انتفاع سے قبل بھی اگر وہ ہلاک ہو جائے تو ضمان لازم ہوگا۔

۴۱۱- **ضابطہ**: عاریت مطلقہ میں سامان مستعار سے نفع اٹھانے کی تحدید عرف پر محمول ہوگی اور عاریت مقیدہ میں مستعیر کی شرط کے ساتھ مقید ہوگی۔[3]

تشریح: عاریت مطلقہ یہ ہے کہ: بلاشرط وقید عاریت دی جائے یعنی اس میں جگہ، وقت، مقدار اور استعمال کنندہ وغیرہ سے متعلق کوئی شرط وقید نہ ہو۔ اس میں سامان مستعار سے نفع اٹھانے کی تحدید عرف پر محمول ہوگی، مستعیر اس حد تک نفع اٹھانے کا مجاز

---

(۱) وأما قوله حملتك على هذه الدابة فإنه يحتمل الإعارة والهبة فأى ذالك نوى فهو على مانوى لأنه مايحتمل لفظه وعند الاطلاق ينصرف إلى العارية لأنه أدنى فكان الحمل عليها أولى. (بدائع الصنائع: ۵/۳۱۹)

(۲) والأصل فى هذا أنه إذا أضاف هذه الألفاظ إلى مايمكن الانتفاع به مع بقاء عينه فهو تمليك للمنفعة دون العين، وإذا أضافه إلى مالا ينتفع به إلا باستهلاك عينه فهو تمليك للعين فيكون قرضاً. (هنديه: ۴/۳۶۳، مجمع الأنهر: ۳/۴۸۱)

(۳) وإن كان مقيداً فيراعى فيه القيد ما أمكن ......إلا إذا لم يمكن اعتباره لعدم الفائدة ونحو ذالك فلغا الوصف......والمطلق يتقيد بالعرف والعادة. (بدائع الصنائع: ۵/۳۲۱)

ہوگا جو عرف میں مروج ہو مثلاً کوئی جانور (یا گاڑی) ایک کوئنٹل سامان اٹھانے کا متحمل ہو، اس سے زیادہ سامان لوگ اس پر نہ لادتے ہوں تو اب مستعیر کو بھی ایک کوئنٹل تک ہی اجازت ہوگی، اس سے زیادہ لادنے میں اس کی طرف سے تعدی (زیادتی) شمار ہوگی، اگر اس کی وجہ سے وہ جانور ہلاک ہوگیا تو ضمان لازم ہوگا۔

اور عاریت مقیدہ یہ ہے کہ: مالک نے مشروط اجازت دی ہو یعنی جگہ، وقت، مقدار اور استعمال کنندہ وغیرہ سے متعلق کوئی شرط یا قید اپنی جانب سے لگادی ہو۔ اس میں مستعیر کو مالک کی جانب سے لگائی تمام شرائط وقیودات کی رعایت لازم ہوگی، ان سے تجاوز کرکے نفع اٹھانے کی اجازت اس کے لئے نہ ہوگی، مثلاً کہا تم اس جانور کی سواری خود کرنا، یا یہ گاڑی خود ہی چلانا دوسرے کو نہ دینا، تو اب مستعیر کو اس کی رعایت لازم ہوگی، کسی اور کو سواری یا چلانے کے لئے وہ نہیں دے سکتا۔

مگر اس شرط کے مثل یا بہتر سے مخالفت میں حرج نہیں، جیسے کہا میں یہ سواری دیتا ہوں اس شرط کے ساتھ کہ تم اس پر بیس کلو چاول لادنا، تو اتنے ہی وزن کے دوسرے اناج کو لاد سکتا ہے کہ یہ مثل سے مخالفت ہے، اسی طرح بیس کلو سے کم وزن اناج کو بدرجہ اولیٰ لاد سکتا ہے کہ یہ اس سے بہتر کے ذریعہ مخالفت ہے۔ (۱)

نیز اگر مالک نے کوئی ایسی شرط لگائی جس میں اس کا (مالک کا) کوئی فائدہ نہیں مثلاً کہا اس سامان کو اپنے داہنے ہاتھ میں ہی اٹھانا حالانکہ بائیں ہاتھ سے اٹھانے یا سر پر رکھنے میں سامان کو کوئی نقصان نہ ہوتا ہو، یا کہا اس سامان کو اپنے فلاں کمرے میں رکھنا جبکہ سب کمرے حفاظتی نقطۂ نظر سے برابر ہو تو ایسی غیر مفید شرط کی رعایت لازم نہیں۔ (۲)

---

(۱) وإن قيده بوقت أو نوع أو بهما ضمن بالخلاف إلى شرّ فقط لا إلى مثل أو خير . (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/۴۷۹)

(۲) (بدائع الصنائع: ۵/۳۲۱)

۴۱۲- **ضابطہ**: عاریت کا مال ہلاک ہونے پر کوئی ضمان نہیں آتا، مگر یہ کہ مستعیر کی جانب سے تعدی ہو۔(۱)

نوٹ: تعدی کی مختلف صورتیں ہیں جو سب ودیعت کے بیان میں ضابطہ نمبر ۴۰۴ کے تحت گذر چکیں، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

البتہ عاریت میں مزید یہ بات بھی تعدی میں داخل ہے کہ سامان کی واپسی کا جو وقت معین تھا اس وقت میں واپس نہیں کیا۔(۲)

فائدہ: اگر عاریت دہندہ کی جانب سے سامان ضائع ہونے پر مطلقاً ضمان کی شرط لگادی جائے تو کیا یہ شرط مؤثر ہوگی؟ اس میں اختلاف ہے، صاحب جوہرۃ کے نزدیک یہ شرط معتبر ہے، انہوں نے مستعیر کو ضامن قرار دیا ہے۔(۳) قاموس الفقہ میں ہے کہ: ''فی زمانہ کہ دیانت وایمانداری کا فقدان عام ہے صاحب جوہرہ کی رائی مصلحت سے قریب تر نظر آتی ہے''۔(۴)

۴۱۳- **ضابطہ**: عاریت غیر لازم معاملات میں سے ہے۔(۵)

تفریع: پس عاریت دہندہ (مالک مال) جب چاہے اپنے مال کو واپس لے سکتا ہے اور مستعیر کو اسی وقت واپس کرنا ضروری ہے، اگر چہ فوری واپسی سے مستعیر کو نقصان لازم آتا ہو، جیسے زمین میں مستعیر نے کھیتی لگا رکھی ہے یا درخت لگایا ہے، اور اچانک

---

(۱) ولاتضمن بالهلاك من غير تعدّ...... (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ٤٧٦/٨) (۲) فلو مقيدة كأن يعيره يوماً فلولم يردها بعد مضيه ضمن إذا هلكت......قال في الشرنبلالية: سواء استعملها بعد الوقت أولا. (شامي: ٤٧٦/٨)(۳) وشرط الضمنا باطل كشرط عدمه في الرهن خلافاً للجوهرة. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٤٧٦/٨)

(۴)(قاموس الفقه : ٣٦٤/٤)

(۵)...... لما تقرر أنه غير لازمة. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٨/ ٤٨٠)

واپسی سے اس کا نقصان ہے، پھر بھی واپس کرنا ضروری ہے، اس سلسلہ میں مالک کی کوئی ذمہ داری نہیں۔

البتہ اگر عاریت موقت ہو، مثلاً تین مہینے تک کیلئے عاریت پر دیتا ہوں یا کھیتی پکنے تک عاریت پر دیتا ہوں تو وقت سے پہلے واپسی میں اگر مستعیر کا نقصان ہوتا ہو تو مالک کے لئے وقت ختم ہونے تک اس کی رعایت ضروری ہے (لیکن مطالبہ کے وقت سے رعایت کرنے تک مستعیر کے ذمہ زمین کی اجرت مثل لازم ہوگی) اور اگر مالک معینہ وقت تک رعایت نہیں کرے گا تو مستعیر کا جو نقصان ہوا وہ اس کو ادا کرنا ہوگا، یعنی مثلاً معینہ مدت تک کھیتی کو باقی رکھا جاتا تو اس وقت اس کی جو قیمت بنتی اور فی الحال کچی کھیتی اکھاڑنے کے بعد جو قیمت بن رہی ہے اس کے درمیان کے تفاوت کو ادا کرے گا (اور قیمت لگانے میں عاریت کی واپسی کے دن کا اعتبار ہوگا)(۱)

۴۱۴- **ضابطہ**: عاریت میں مخالفت (تعدّی) کے بعد اس کو وفاق کی طرف لوٹانے سے ضمان زائل نہ ہوگا، برخلاف ودیعت کے۔(۲)

(۱)ولعدم لزومها يرجع المعير متى شاء ولو موقتة أوفيه ضرر فتبطل وتبقى العين بأجر المثل.(الدرالمختار على هامش ردالمحتار:۸/۴۷۶) ولو أعار أرضاً للبناء والغرس صح للعلم بالمنفعة وله أن يرجع متى شاء لما تقرر أنه غير لازمة ويكلفه قلعهما......وإن وقت العارية فرجع قبله كلفه قلعهماوضمن المعير للمستعيرمانقص البناء والغرس بأن يقوم قائماًإلى المدة المضروبة وتعتبر القيمة يوم الاسترداد. (الدرالمختار)وفي الشامية:(قائماً)فلوقيمته قائماً في الحال أربعة وفي المآل عشرة ضمن ستة،شرح الملتقى(شامي: ۸/۴۸۰)

(۲)وكذا إذا خالف،إلا أن في باب الوديعة إذا خالف ثم عاد إلى الوفاق يبرأ عن الضمان عند أصحبنا الثلاثة رضي الله عنهم وهنا لايبرأ.(بدائع الصنائع: ۵/۳۲۴)

تشریح: عاریت مطلقہ میں عرف کی مخالفت، اور عاریت مقیدہ میں شرائط کی مخالفت سے جو تعدی (زیادتی) کی، اگر اس کو وفاق کی طرف لوٹالیا، یعنی اس تعدی کو زائل کر کے سامان مستعار کو پہلی حالت یا اس سے اچھی حالت پر لوٹالیا تب بھی جو ضمان ثابت ہوا تھا وہ زائل نہ ہوگا، اگر وہ سامان ہلاک ہو جائے تو پیش آمدہ تعدی کی بنا پر ضمان لازم ہوگا، برخلاف سامان ودیعت کے کہ اس میں تعدی کا زائل ہونا ضمان کو ساقط کر دیتا ہے، جیسا کہ ودیعت کے بیان میں ضابطہ نمبر ۴۰۵ میں گذر چکا۔

۴۱۵- **ضابطہ**: لڑکی کے جہیز کے عاریت یا ہبہ ہونے میں عرف کا اعتبار ہوگا، مگر یہ کہ عرف مختلف ہو۔ (۱)

تشریح: باپ نے لڑکی کو جہیز دیدیا، پھر بعد میں کہتا ہے کہ میں نے اس کو عاریت پر دیا تھا تو اس میں عرف کا اعتبار ہوگا، اگر عرف میں اس قدر جہیز ہبہ کے طور پر دیا جاتا ہو تو ہبہ ہے، باپ کی بات کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ ظاہر اس کے خلاف ہے اور اگر عاریت کا رواج ہو یا عرف اس سلسلہ میں مختلف ہو تو پھر باپ کی بات کا اعتبار ہوگا (جیسا کہ عرف میں جہیز کی جو مقدار مُروج ہو اس سے زائد اگر جہیز دیا تو اس زائد میں بالاتفاق مطلقاً باپ کا قول معتبر ہوگا) (۲)

تنبیہ: یاد رہے مذکور حکم جہیز دے چکنے کے بعد کا ہے، اگر دیتے وقت باپ نے ہبہ یا عاریت ہونے کی صراحت کی تو جس چیز کی صراحت کرے گا اس کا اعتبار ہوگا،

(۱) (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۸/ ۴۸۵)

(۲) جهز إبنته بما يجهز به مثلها ثم قال كنت أعرتها الأمتعة، إن العرف مستمراً بين الناس أن الأب يدفع ذالك الجهاز ملكاً لا إعارة لا يقبل قوله إنه إعارة ، لأن الظاهر يكذبه وإن لم يكن العرف كذالك أو تارة تارة فالقول له به يفتى ، كما لو كان أكثر مما يجهز به مثلها فإن القول له اتفاقاً. (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۸/ ۴۸۵)

کیونکہ نص (صراحت) عرف سے قوی ہے۔

۴۱۶-**ضابطہ**: عاریت ودیعت کے مثل ہے کہ اس کو نہ اجرت پر دیا جا سکتا ہے اور نہ رہن رکھا جا سکتا ہے۔

(البتہ ودیعت اور عاریت میں یہ فرق ہے کہ ودیعت کو ودیعت نہیں رکھا جا سکتا ہے اور نہ عاریت؛ برخلاف عاریت کے کہ اس میں یہ دو چیزیں جائز ہیں)[1]
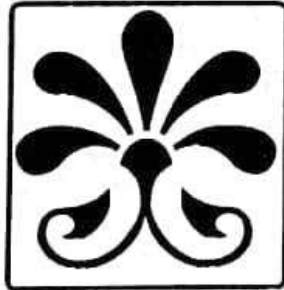
(۱) ولاتوجر ولاترهن...... كالوديعة فإنها لاتوجر ولاترهن بل ولاتودع ولاتعاربخلاف العارية على المختار. (الدرالمختار على هامش ردالمحتار: ٤٧٦/٨)

کتاب الھبة

۴۱۷- **ضابطہ**: ہدیہ میں فی الفور مالک بنانا ضروری ہے۔ [۱]

تفریع: پس اگر کہا فلاں وقت آنے پر میں نے تمہیں ہبہ کیا، یا فلاں شخص جب آجائے تو تم کو یہ چیز ہدیہ ہے، یا میرے مرنے کے بعد ہدیہ ہے تو ایسا ہدیہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ان میں فی الفور مالک نہیں بنایا گیا۔ [۲]

اسی بناپر (یعنی ہبہ میں فی الحال تملیک ضروری ہے اس لئے) اس میں خیار شرط صحیح نہیں، پس اگر موہوب لہ کو تین دن کا اختیار دیا گیا کہ پسند آئے تو رکھے ورنہ نہیں تو اگر مجلس میں قبضہ پایا گیا تو فوری طور پر ہدیہ ثابت ہو جائے گا اور خیار باطل ہوگا۔

براءت کا بھی یہی حکم ہے، یعنی مقروض کو بری کیا اس شرط کے ساتھ کہ بری کرنے والے کو تین دن کا اختیار ہے تو وہ فی الحال بری ہو جائے گا اور اختیار باطل ہوگا۔ [۳]

۴۱۸- **ضابطہ**: واہب (ہدیہ کرنے والے) کے لئے ضروری ہے کہ وہ تبرع کا حق رکھتا ہو۔

تفریع: پس نابالغ اور پاگل کا ہدیہ صحیح نہیں ہے؛ ان کا ولی بھی ان کی طرف سے

---

(۱) هي تمليك عين بلاعوض (ملتقى الأبحر)المراد بالتمليك هوالتمليك في الحال. (مجمع الأنهر:۴۸۹/۳-۴۹۰)		(۲)(هنديه : ۳۷۴/۴)

(۳)......وعدم صحة خيار الشرط فيها، فلو شرطه صحت إن اختارها قبل تفرقهما وكذا لوأبرأه صح الإبراء وبطل الشرط.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۴۹۰/۸)

ہدیہ نہیں کرسکتا، کیونکہ ولی کو بھی ان کے مال میں تبرع کا حق نہیں۔ (۱)

۴۱۹- **ضابطہ**: غیر مسلم کا ہدیہ جبکہ موہوب لہ کے تعظیم کے طور پر ہو اور اس میں کوئی دینی ضرر نہ ہو جائز ہے۔ (۲)

تفریع: پس غیر مسلم اپنی دیوالی وغیرہ تہوار میں جو مسلمانوں کو ہدیہ دیتے ہیں ان کا لینا جائز ہے، بشرطیکہ مسلمانوں کو اپنے تہوار میں ان کو دینا صراحتاً یا عرفاً شرط نہ ہو۔

اسی طرح اگر غیر مسلم مسجد یا مدرسہ میں چندہ دیں تو اس کا لینا جائز ہے، جبکہ اس میں کوئی دینی ضرر نہ ہو مثلاً لینے میں ان کے احسان جتلانے کا یا بعد میں ان کے مندر وغیرہ میں بھی دینا پڑے گا ایسا اندیشہ نہ ہو۔

۴۲۰- **ضابطہ**: نابالغ بچوں کے لئے آئے ہوئے ہدایا انہیں کے نفقات ضروریہ (یعنی ان کے کھانے پینے، لباس، تعلیم وغیرہ) میں صرف کئے جاسکتے ہیں، خواہ باپ مالدار ہو یا فقیر۔ (۳)

۴۲۱- **ضابطہ**: تبرع قبضہ کے بعد ہی مکمل ہوتا ہے (اس سے قبل ناقص ہے) (۴)

تفریع: پس اگر باپ نے اپنی کسی لڑکے یا لڑکی کو مثلاً کہا کہ یہ گھر میں نے تم کو ہدیہ کردیا، اور اس پر گواہ بھی بنالیا یہاں تک اس کے نام پر بھی کردیا، لیکن قبضہ نہیں دیا تو ہدیہ تام نہیں ہوا، باپ کے مرنے کے بعد اس میں وراثت جاری ہوگی، اور دوسرے

---

(۱) وشرائط صحتها في الواهب العقل والبلوغ والملك ......الخ (مجمع الأنهر: ۴۹۱/۳) فاما هبة الصغير للكبير فهي غير جائزة ولا هي موقوفة على الإجازة. (النتف والفتاوى: ۳۱۵) (۲) (امداد الفتاوی: ۴۸۲/۳)

(۳) الثاني أن يكون الأب غنياً وهم صغار، فإما أن يكون لهم مال أولا......وإن كان لهم مال فإما حاضر أو غائب فإن كان حاضرا فنفقتهم في مالهم لايجب على الأب شيء منها. (فتح القدير: ۴/ ۳۷۱)

(۴) لايتم التبرع الابالقبض. (قواعد الفقه ص: ۱۰۸، قاعدہ: ۲۶۲)

ورثاء کا بھی حق ہوگا۔[1]

فائدہ: قبضہ یہ ہے کہ: دینے والا اپنا قبضہ ہٹا کر اس طرح سپرد کردے: کہ لینے والے کے لئے کوئی مانع نہ رہے۔[2]

اور ہر چیز کا قبضہ اس شی کے مناسب ہوتا ہے، مثلاً گھر کا قبضہ یہ ہے کہ ہبہ کرنے والا اپنا سامان خالی کر کے اس کے حوالہ کردے اور اپنا قبضہ ہٹا لے، اگر سامان خالی نہیں کیا تو ہدیہ صحیح نہ ہوگا۔[3] (بعض لوگ صرف زبانی یا کاغذی کاروائی کر لیتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ قانوناً تو کافی ہو لیکن شرعاً کافی نہیں)[4]

لیکن اگر واہب کو اس گھر میں رہنا بھی ہو اور سامان خالی کرنا مشکل ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ: سامان موہوب لہ کو عاریت پر دیدے، پھر گھر ہدیہ کردے۔ اس کے بعد موہوب لہ واہب کو گھر عاریت پر دیدے، کہ آپ اتنے وقت تک یا زندگی بھر اس میں رہئے اور اس سے فائدہ اٹھایئے میری طرف سے اجازت ہے۔[5]

۴۲۲۔ **ضابطہ**: شی موہوب جب واہب کی ملک سے اتصال خلقی کے ساتھ متصل ہو تو جب تک کہ اس کو الگ کر کے سپرد نہ کیا جائے اس کا ہدیہ درست نہیں (جیسے

---

(۱) لاتجوز الهبة إلا مقبوضة. (مجمع الأنهر: ۳/ ۴۹۱)

(۲) ثم التسليم يكون بالتخلية على وجه يتمكن من القبض بلامانع. (الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۷/ ۹۴-۹۶، كتاب البيوع)

(۳) فلو وهب جراباً فيه طعام الواهب أو داراً فيها متاعه أو دابة عليها سرجه وسلمها كذالك لاتصح. (الدرالمختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۴۹۴، كتاب الهبة)　　(۴) (محموديه: ۱۶/ ۴۷۱)

(۵) وفى الجوهرة: وحيلة هبة المشغول أن يودع الشاغل أولاً عند الموهوب له ثم يسلمه الدار مثلاً فتصح لشغلها بمتاع فى يده. (الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۴۹۵)

تھنوں میں دودھ کا ہدیہ، یازمین میں لگی کھیتی یا درخت پر لٹکے پھل کا ہدیہ درست نہیں، اسی طرح زمین کا ہدیہ جس میں واہب کی کھیتی ہو یا درخت کا ہدیہ جس میں اس کے پھل ہوں صحیح نہیں)

اور اگر اتصال مجاوری ہو (یعنی خلقی نہ ہو) تو اگر واہب کے حق کے ساتھ مشغول ہو تو جائز نہیں؛ شاغل ہو تو جائز ہے (جیسے گھر کا ہدیہ جس میں واہب کا سامان ہو، یا ایسے تھیلے یا برتن کا ہدیہ جس میں واہب کا غلہ ہو بوجہ مشغول کے جائز نہیں، لیکن برعکس صورت :یعنی سامان کا ہدیہ جو واہب کے گھر میں ہو، یا غلہ کا ہدیہ جو واہب کے برتن یا تھیلے میں ہو درست ہے، کیونکہ یہاں موہوب لہ غیر کے ساتھ شاغل ہے مشغول نہیں)(۱)

استثناء: اگر باپ اپنے صغیر بیٹے کو گھر وغیرہ ہدیہ کرے، جس میں اس کا (یعنی باپ کا) سامان بھی ہو تو- یہ اگرچہ مشغول کا ہدیہ ہے مگر- درست ہے (یہ صورت مستثنیٰ ہے) کیونکہ ہدیہ میں گھر کا قابض بیٹے کی جانب سے باپ ہی ہوگا تو مشغول ہونا قابض کے سامان کے ساتھ ہوا، اور اس میں حرج نہیں۔(۲)

(۱)واعلم أن الضابط فی هذا المقام أن الموهب إذا اتصل بملك الواهب اتصال خلقة وأمكن فصله لاتجوز هبته مالم یوجد الانفصال والتسلیم ، کماإذا وهب الزرع أو الثمر بدون الأرض والشجر أو بالعکس،وإن اتصل اتصال مجاورة :فإن کان الموهوب مشغولا بحق الواهب لم یجز کما......لو وهب داراً دون مافیها من متاعه لم یجز،وإن وهب مافیها وسلمه دونها جاز.(شامی :۸/۴۹۳)والأصل أن الموهوبِ إن مشغولا بملك الواهب مع تمامها وإن شاغلاً لا (الدرالمختار):وفی الشامیة : أقول هذا لیس علی اطلاقه فإن الزرع والشجر فی الأرض شاغلاً لامشغول. الخ (شامی :۸/۴۹۳)

(۲)(إلا إذا وهب)کأن وهبه دارا والأب ساکنها أو له فیهامتاع لأنها مشغولة بمتاع القابض.(شامی:۸/۴۹۴)

۴۲۳-**ضابطہ**: مشترک چیز کا ہبہ قابل تقسیم چیز میں درست نہیں، ناقابل تقسیم میں درست ہے۔(۱)

جیسے زمین، مکان وغیرہ جو قابل تقسیم ہو اگر چند لوگوں میں مشترک ہو تو واہب جب تک اپنا حصہ الگ نہ کرے، ہدیہ کرنا درست نہیں، کیونکہ مشترک کا ہبہ قابل تقسیم چیز میں درست نہیں۔

اور ناقابل تقسیم چیز جیسے حمام، مٹکہ، چارپائی وغیرہ اگرچہ مشترک ہو تو اس میں سے اپنے حصہ کا ہدیہ درست ہے۔

۴۲۴-**ضابطہ**: ہدیہ شروط فاسدہ سے باطل نہیں ہوتا (شرط خود باطل ہو جاتی ہے)(۲)

جیسے جانور کو ہدیہ کیا اور شرط لگائی کہ اس پر سوار نہ ہونا، یا اس کو فلاں قسم کا چارہ کھلانا، یا اس کا جو بچہ پیدا ہوگا وہ میرا ہوگا، یا جیسے گھر ہدیہ کیا اور شرط لگائی کہ اس کو بیچنے کی اجازت نہیں، یا فلاں شخص اس میں داخل نہیں ہونا چاہئے، یا فلاں کو کرایہ پر نہیں دینا ہے وغیرہ......تو یہ سب شرطیں باطل ہیں اور ہدیہ درست ہے۔(۳)

۴۲۵-**ضابطہ**: جہاں حروف: ''دمع خزقہ'' میں سے کوئی صورت پائی جائے

(۱)ولاتجوز الهبة فيما يقسم إلا محوزة مقسومة وكذا الصدقة ويجوز فيما لايقسم ولافرق في ذالك بين شريكه وغيره يعني إذا وهب من شريكه لايجوز.(الجوهرة النيرة : ۱/۴۱۸ -هنديه : ۴/۳۷۶)

(۲)وأنها لاتبطل بالشروط الفاسدة.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/۴۹۰)

(۳)ومن وهب أمة إلا حملها أوعلى أن يردها عليه أو يعتقها أو يستولدها صحت الهبة وبطل الإستثناء والشرط، وكذا لو وهب داراً على أن يردعليه بعضها......الخ (ملتقى الأبحرعلى هامش مجمع الأنهر : ۳/۵۰۶)

وہاں ہدیہ میں رجوع جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: "دمع خزقة" یہ مجموعہ سات صورتوں کا مخفف ہے، جس کو فقہاء نے آسانی کے لئے تیار کیا ہے، ان میں سے ہر حرف ایک خاص صورت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے:

"د" سے مراد "زیادة متصلة" ہے یعنی جس کو ہبہ کیا گیا ہے وہ موہوبہ سامان میں ایسی زیادتی کرے جو اس سے متصل ہو جیسے زمین میں مکان بنالیا یا درخت لگالیا، یا کپڑے کو سی لیا، یا ستو میں گھی ملالیا وغیرہ تو اب رجوع صحیح نہیں (لیکن اگر زیادتی منفصل ہو جیسے جانور کو بچہ پیدا ہوا تو یہ رجوع میں مانع نہیں۔ اسی طرح بجائے اضافہ کے نقص پیدا ہو جائے تو وہ بھی مانع نہیں) (۲)

"م" سے مراد: "موت" ہے، یعنی واہب یا موہوب لہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت واقع ہونا، اس سے رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ (۳)

"ع" سے مراد "ہبہ بالعوض" ہے، جیسے واہب کہے کہ میں ہبہ کرتا ہوں اس شرط پر کہ تم مجھے فلاں چیز دو، یا موہوب لہ کہے کہ تم نے مجھے فلاں چیز دی تھی اس کے عوض میں یہ ہبہ کرتا ہوں تو یہ ہبہ بالعوض ہے اس میں واہب کو رجوع کا حق نہیں رہتا

---

(۱)یصح الرجوع کلًا أو بعضاً ویکرہ ویمنع منه "دمع خزقة". (ملتقی الأبحر علی ھامش مجمع الأنھر: ۳/ ۴۹۹)

(۲)فالدال الزیادة المتصلة کاالبناء والغرس والسمن لاالمنفصلة(ملتقی الأبحر)وفی المجمع : (لاالمنفصلة) کالولد والإرش والعقر فإنه یرجع فی الأصل دون الزیادة قید بالزیادة لأن النقصان کالحبل وقطع الثوب بفعل الموھوب أولا غیر مانع. (مجمع الأنھر : ۳/ ۵۰۱)

(۳)والمیم موت أحد العاقدین . (ملتقی الأبحر علی ھامش مجمع الأنھر: ۳/ ۵۰۰)

(خیال رہے کہ ہبہ بالعوض میں زبان سے عوض یا بدلہ یا اس قسم کا لفظ ضروری ہے جس سے واہب یہ سمجھے کہ یہ اس کے ہدیہ کا عوض ہے، اگر ایسے ہی موہوب لہ نے واہب کو کوئی چیز دی تو وہ چیز عوض میں شمار نہ ہوگی، اور اس ہدیہ کو ہبہ بالعوض نہ کہیں گے، پس اس صورت میں ہر ایک کو اپنے ہبہ میں رجوع کا حق ہوگا)[۱]

''خ'' سے مراد ''خروج عن ملک الموہوب لہ'' یعنی جس کو ہدیہ کیا گیا ہے اس کے ملک میں وہ چیز باقی نہ رہی ہو، بلکہ اس نے کسی اور کو ہبہ کردیا ہو یا اس کو بیچ دیا ہو تو اب رجوع کا حق نہیں رہا۔[۲]

''ز'' سے مراد ''رشتۂ زوجیت'' ہے، پس شوہر نے بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو ہبہ کیا تو اس ہدیہ میں رجوع کا حق نہیں۔[۳]

''ق'' سے مراد ''قرابت'' ہے، یعنی ذی رحم محرم رشتہ دار۔ پس ان کو ہبہ کی ہوئی چیز میں رجوع کا حق نہیں (اور اگر صرف محرم رشتہ دار ہوں ذی رحم نہ ہوں جیسے ساس، سوتیلی اولاد اور رضاعی رشتہ دار؛ یا صرف ذی رحم ہوں محرم نہ ہوں جیسے چچا یا خالا کا لڑکا تو ان سے رجوع کیا جاسکتا ہے)[۴]

''ہ'' سے مراد ''ہلاک الموہوب'' ہے، یعنی ہدیہ کی ہوئی چیز کا ہلاک اور ضائع ہوجانا، کہ اب اس میں رجوع کی گنجائش نہیں۔[۵]

---

(۱)والعین العوض بشرط أن یذکر لفظاً یعلم الواہب أنه عوض کل ھبته فإن قال خذه عوض ھبتك أو بدلها أو فی مقابلتها ونحو ذالك فقبضه الواھب سقط الرجوع ،ولو لم یذکر أنه عوض رجع کل بھبته.(الدر المختار علی ھامش رد المحتار: ۸/ ۵۰۸)(۲)والخاء الخروج عن ملك الموھوب له.(ملتقی الأبحر علی ھامش مجمع الأنھر:۳/۵۰۲)(۳)والزای الزوجیة وقت الھبة(الحوالة السابقة)(۴)والقاف القرابة فلا رجوع فیما وھب لذی رحم محرم(ملتقی الأبحر) وإن وھب لمحرم بلا رحم کأخیه من الرضاع وأمھات ←

انتباہ: اور جہاں مذکور صورتوں میں سے کوئی صورت نہ پائی جائے وہاں اگرچہ ہدیہ میں رجوع کی گنجائش ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ ہبہ کرنے والا ہبہ کا زیادہ حق دار ہے جب تک اس کا عوض نہ دیا گیا ہو۔[۱] مگر بہرحال رجوع کرنا مکروہ ہے کیونکہ آپ ﷺ کا یہ فرمان بھی ہے، ہبہ کے بعد رجوع کرنے والا اس کتے کے مانند ہے جو قے کر کے اس کو چاٹ لے۔[۲]

پھر رجوع کی اجازت بھی مطلقاً نہیں ہے، بلکہ اس میں تراضی طرفین یا قضاء قاضی ضروری ہے۔[۳]

نوٹ: ہدیہ سے متعلق ایک نقشہ کتاب کے آخر میں ہے۔

← النساء والربائب وأزواج البنين والبنات لايمنع الرجوع،وقيد بالمحرم لأن الرحم بلامحرم كابن عمه لايمنع الرجوع.(مجمع الأنهر:۳/۵۰۳)

(۵)والهاء هلاك الموهوب فإنه مانع من الرجوع .(الحوالة السابقة)

(۱)(ابن ماجه: ۱/ ۱۷۲)

(۲)(مسلم:۲/۳۶) صح الرجوع فيها بعد القبض...مع انتفاء مانعه الآتي وإن كره الرجوع تحريماً وقيل تنزيها.(الدر المختارعلى هامش رد المحتار: ۸/ ۵۰۴)

(۳) ينفرد الواهب في الرجوع قبل القبض وبعد القبض لايرجع إلا بقضاء أو رضا.(خانيةعلى هامش الهندية:۳/ ۲۷۵)

نفلی صدقہ کا بیان

۴۲۶- **ضابطہ**: صدقہ کی صحت کے لئے متصدق علیہ کا قبول کرنا شرط نہیں (برخلاف ہبہ کے کہ اس میں موہوب لہ کا قبول کرنا شرط ہے)[1]

تفریعات:

(۱) پس اگر کوئی چیز گم ہوگئی اور اس میں صدقہ کی نیت کرلی تو صحیح ہے، اگرچہ پانے والے کی طرف سے قبول نہیں پایا گیا (پھر اس کے بعد اگر وہ چیز مل جائے تو اس کا لینا جائز نہ ہوگا، خواہ وہ شخص غریب ہو یا مالدار، کیونکہ صدقہ میں رجوع جائز نہیں، اگرچہ مالدار کو کیا جائے، اور نفلی صدقہ مالدار کو بھی کرنا درست ہے)[2]

(۲) کسی کو صدقہ کی نیت سے کوئی چیز دی لیکن لینے والے نے اس کو ہبہ یا ودیعت یا عاریت سمجھ کر لیا تب بھی صدقہ تام ہوگیا اب اس سے واپس لینا جائز نہ ہوگا، کیونکہ صدقہ میں قبول شرط نہیں، محض دینے والے کی نیت کافی ہے۔[3]

۴۲۷- **ضابطہ**: اگر کہا میرا سب مال صدقہ ہے تو ان تمام مال کا صدقہ لازم

(۱) الهبة لاتصح إلا بقبول بالقول واستحسن في صحة الصدقة من غير قبول بالقول. (هندیه: ٤/٤٠٦)

(۲) ویستوی ان تصدق علی غنی أو فقیر فی أنه لارجوع فیها. (هندیه، ٤/٤٠٦)

(۳) ولو دفع إلی رجل ثوباً بنیة الصدقة فاخذه المدفوع إلیه ظاناً أنه ودیعة أو عاریة فرده علی الدافع لایحل للدافع أخذه لأنه قد زال عن ملکه حین قبضه الرجل فإن أخذه لزمه رده (هندیه، ٤/٤٠٦)

ہوگا جس میں زکوۃ واجب ہوتی ہے یعنی سونا، چاندی، پیسے، سائمہ جانور اور تجارتی مال۔ خواہ وہ مال نصاب کو پہنچا ہو یا نہ ہو اور خواہ اس شخص پر دین مستغرق ہو یا کوئی دین نہ ہو۔ اور جس مال میں زکوۃ واجب نہیں ہوتی اس کا صدقہ لازم نہ ہوگا۔[1]

تشریح: یہ استحسان ہے اور یہی راجح ہے (اور قیاس یہ ہے کہ اس صورت میں سارا مال صدقہ کرنا لازم ہو)

پس اگر ایسے شخص پر دین ہو اور اس نے اس مال کے ذریعہ دین ادا کیا تو جس قدر مال دین میں صرف کیا اس کا صدقہ اس کے ذمہ لازم رہے گا۔[2]

۴۲۸- **ضابطہ**: صدقہ اور ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتے (شرط خود باطل ہو جاتی ہے)[3]

تفریع: پس اگر کسی کو کہا میں نے ایک ہزار کا ہدیہ کیا یا صدقہ کیا اس شرط پر کہ تم میرا فلاں کام کرو گے تو ہدیہ و صدقہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے، اس شخص کے ذمہ وہ کام لازم نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر غریب کو کہا میں نے آم کا درخت ہدیہ کیا یا صدقہ کیا اس شرط پر کہ اس

---

(۱) ومن قال مالي أو ماأملك في المساكين صدقة فهو على مال الزكوة ويدخل فيه جنس مايجب فيه الزكوة وهي السوائم والنقدان وعروض التجارة سواء بلغت نصاباً أو لم تبلغ قدر النصاب وسواء كان عليه دين مستغرق أو لم يكن عليه دين...... ومن مشائخنا من قال في قوله ماأملك أو جميع ماأملك في المساكين صدقة يجب عليه أن يتصدق بجميع مايملك قياساً واستحساناً......والصحيح هوالأول لأنهما يستعملان استعمالاً واحداً كذافي التبيين .(هنديه: ۴۰۷/۴)

(۲)......ولو كان عليه دين محيط بماله يلزمه التصدق بمثله.(تاتارخانيه: ۲۶۷/۳، مسئله : ۴۳۳۰)

(۳)ومالا يبطل بالشروط ......الطلاق والهبة والصدقة.(هنديه: ۴۰۷/۴)

کے نصف پھل مجھے دیتے رہنا تو ہدیہ وصدقہ صحیح ہے اور شرط باطل ہے، اور اس غریب کے ذمہ نصف پھل دینا ضروری نہ ہوگا۔ [۱]

۴۲۹- **ضابطہ**: فقیر کو ہدیہ کرنا حکماً صدقہ ہے۔

تفریع: پس فقیر سے ہدیہ کا رجوع جائز نہ ہوگا، کیونکہ وہ صدقہ ہے اور صدقہ میں رجوع جائز نہیں، اسی طرح اس ہدیہ میں ایصال ثواب کی نیت کرے تو درست ہے، کیونکہ وہ درحقیقت صدقہ ہے (غرض فقیر کو ہدیہ کرنے میں صدقہ کے احکام جاری ہوں گے)

استدراک: ضابطہ کا دوسرا جزو ہے "غنی کو صدقہ کا کرنا حکماً ہدیہ ہے" لیکن اس کو اس لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ اس میں دو روایتیں ہیں ترجیحی روایت اس کے خلاف ہے ـــــ یعنی راجح یہ ہے کہ غنی کو صدقہ حکماً صدقہ ہی ہے، پس غنی کو صدقہ کرنے میں وہی سب احکام جاری ہوں گے جو فقیر کو صدقہ کرنے میں ہیں۔ [۲]

۴۳۰- **ضابطہ**: پیشہ ور مانگنے والے جن کا حال معلوم نہ ہو ان کو صدقہ دینے میں غالب گمان کا اعتبار ہوگا، اگر (قرائن سے) غالب گمان ان کے محتاج ہونے کا ہے تو دینے میں حرج نہیں، اور اگر مالدار ہونے کا ہے تو دینا مکروہ ہے۔ [۳]

---

(۱) لو كان الموهوب كرماً وشرط أن ينفق عليه من ثمرة تصح الهبة ويبطل الشرط .(هنديه: ۳۹٦/٤)

(۲)(لعلهما قولان)في التتمة عن المنتقى لارجوع في الصدقة وإن كانت على الغنى استحساناً لأن التنصيص على الصدقة دليل على أن غرضه الثواب والصدقة على الغنى قد تكون سبباً للثواب بأن كان له نصاب وله عيال لايكفيه اهـ ومقتضى كونه استحساناً ترجيحه على القول بأن الصدقة على الغنى هبة تأمل.(تقريرات الرافعي على الشامي:۸/۲۵۵)

(۳)وسئل بعضهم عن التصدق على المكدين الذين يسألون الناس ←

تشریح: کیونکہ جب مالدار ہے تو ان کے لئے سوال حرام ہے، تو دینے میں اعانت علی المعصیت لازم آئے گی۔

استدراک: اعانت علی المعصیت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ ان کو دینا مکروہ نہیں بلکہ حرام ہونا چاہئے، جیسا کہ بعض فقہاء نے لکھا ہے، لیکن چونکہ ایک روایت کے مطابق مالدار کو صدقہ دینا ہدیہ کے حکم میں ہوتا ہے، نیز اس میں معصیت کی ابتداء ان مانگنے والوں کی طرف سے ہے اس لئے بالکل حرام نہیں کہیں گے، البتہ کراہت ضرور آئے گی۔ (۱)

نوٹ: واضح رہے یہ نفلی صدقہ کی بات ہے، واجب صدقہ، جیسے زکوۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ ایسے مالدار پیشہ وروں کو (یعنی جن کے متعلق مالدار ہونے کا غالب گمان ہے) دینا بالکل جائز نہیں، اگر دیا تو ادا نہ ہوگا۔

← الحافاویأکلون اسرافاً قال مالم یظهر لك أن ماتتصدق علیه ینفق فی المعصیة أو هو غنی لاباس بالتصدق علیه وهو ماجور بما نوی من سد خلته كذا فی الحاوی. (هندیه: ٤٠٨/٤)

(۱)(مستفاد: شامی: ٣٠٦/٣)

الخرائط الثمينة فی المسائل الفقهية المهمة

یعنی

اہم فقہی مسائل کے قیمتی شجرات

شجرہ (۱): بیع کی اقسام باعتبار انعقاد
بیع
ناجائز
جائز
موقوف
نافذ
جس میں مبیع سے کسی کا حق متعلق ہو، جیسے نابالغ ونا سمجھ بچہ نے بیع کی تو وہ اس کے باپ کی اجازت پر موقوف ہوگی کیونکہ باپ کا بحیثیت ولی اس کے مال سے حق متعلق ہے۔
جو رکن، وصف ہر لحاظ سے صحیح ہو اور مبیع سے کسی کا حق متعلق نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:
غیر لازم
لازم
جس میں خیار شرط یا خیار رویت وغیرہ موجود ہو تو جب تک خیار ختم ہو کر عقد پختہ نہ ہو بیع غیر لازم ہوگی
عاقدین میں سے کسی کو کسی قسم کا خیار نہ ہو
فاسد
باطل
مکروہ
جو رکن میں تو صحیح ہو لیکن دوسری وجہ سے فساد آیا ہو جیسے بائع یا مشتری نے کوئی ایسی شرط لگائی جس میں اس کا فائدہ ہے (لیکن جو شرط مروج ہو اس میں حرج نہیں تفصیل ''بیع میں شرط کا بیان'' میں ہے)
جس کے رکن یعنی ایجاب وقبول میں فساد ہو، یا تو وہ غیر اہل سے صادر ہو جیسے نا سمجھ بچہ کی بیع یا غیر محل میں صادر ہو جیسے سور کی یا شراب کی بیع، کہ اسلام میں یہ بیع کا محل نہیں۔
جو رکن وشرائط کے لحاظ سے تو صحیح ہو لیکن کسی خارجی چیز کی بنا پر ناپسندیدہ ہو جیسے کسی کے سودے پر سودا کرنا، یا مسجد میں یا جمعہ کی اذان کے بعد بیع کرنا
نوٹ: بیع فاسد اور باطل کا حکم کتاب میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۲):بیع کی اقسام باعتبار مبیع وثمن
بیع
باعتبار مبیع
باعتبار ثمن
بیع مقایضہ
بیع صرف
بیع مطلق
یہ وہ بیع ہے جس میں ہر دو طرف مال ہو، ثمن یعنی سونا چاندی یا رقم کسی طرف نہ ہو(عربی میں جس لفظ پر ''ب'' داخل ہوتی ہے وہ ثمن ہوتا ہے جیسے بعت الکتاب بالقلم تو اس میں قلم ثمن اور کتاب مبیع ہے)
یہ وہ بیع ہے جس میں دونوں طرف ثمن ہو جیسے چاندی چاندی کے بدلہ یا سونا کے بدلہ؛ یا سونا سونے کے بدلہ (اس میں دونوں عوضوں کا مجلس میں قبضہ شرط ہے)
یہ وہ بیع ہے جس میں ایک طرف مال اور دوسری طرف ثمن ہو (جیسا کہ عام طور پر ہوا کرتا ہے) مثلاً چاول روپیوں کے بدلہ میں۔
وضعیہ
تولیہ
مرابحہ
مساومہ
خسارہ میں بیچنا مثلاً دس روپے میں خریدا اور آٹھ میں بیچا
جتنے میں خریدا اتنے میں ہی بیچنا
نفع سے بیچنا، مثلاً دس روپے میں خریدا اور بارہ میں بیچا
آپس میں بھاؤ تاؤ سے طے کرنا خواہ نفع ہو نقصان ہو یا برابر کا معاملہ ہو(مساومہ میں خرید قیمت کا ذکر نہیں ہوتا جبکہ بقیہ تینوں میں اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ اتنے میں خریدا اور اتنے میں بیچ رہا ہوں)
فائدہ: ''بیع صرف'' ثمن خلقیہ میں جاری ہوتی ہے ثمن اعتباریہ میں نہیں، تفصیل کتاب میں ہے۔

شجرہ (۳):بیع میں خیارات

خیار

تصریحی (۱)

تشریعی (۲)

خیارِ شرط

خیارِ رویت

خیارِ عیب

یہ مہلت کی شرط کا خیار ہے یعنی احد العاقدین (یا دونوں) یہ شرط لگادے کہ مجھے اس سودے کو باقی رکھنے یا رد کرنے کے سلسلہ میں غور وفکر کی مہلت دی جائے، پھر مہلت لینے کی مختلف صورتیں ہیں:

یہ بن دیکھے خریدے ہوئے سامان میں دیکھنے کے بعد کا اختیار ہے (یہ صرف خریدار کو حاصل ہے اور دیکھنے کے بعد رضامندی سے ساقط ہوجاتا ہے خواہ دلالۃً رضامندی ہو جیسے سامان پر قبضہ کرنا یا تصرف کرنا)

تین دن یا کم کی مہلت لی

تین دن سے زائد کی مہلت لی

ہمیشہ کی مہلت لی

مطلق مہلت لی

یہ خیار صحیح ہے، اس میں مذکور مدت میں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا، اگر نہیں کیا تو مدت گذرنے پر خیار ختم ہوکر بیع لازم ہوجائے گی (۱)

ان تینوں صورتوں میں خیار فاسد ہے، اگر من لہ الخیار نے تین دن میں خیار ختم کرکے بیع نافذ کردی تو ٹھیک ہے ورنہ بیع فاسد ہوجائے گی (۲)

آگے صفحہ پر

حاشیہ: ۱-۲ ''تصریحی'' کا مطلب جو عاقدین کی صراحت سے حاصل ہو اور ''تشریعی'' سے مراد جو من جانب شریعت ہو خواہ صراحت کرے یا نہ کرے۔

پچھلے صفحہ کا
شرائط
تعریف
حصول خیار کے شرائط
بقاء خیار کے شرائط
یہ مبیع میں عیب نکل آنے پر سودے کو باقی رکھنے یا نہ رکھنے کا اختیار ہے (یہ بلا کسی شرط کے ثابت ہوتا ہے اور اس میں کوئی مدت مقرر نہیں (۳)
بیع کے وقت یا قبضہ کے وقت اس میں عیب موجود ہو (اگر پہلے عیب تھا اور قبضہ کے وقت نہیں رہا، یا قبضہ کے بعد پیدا ہوا تو اس میں خیار نہیں) (۴)
بائع کے پاس جو عیب تھا اور مشتری کے پاس جو ظاہر ہوا دونوں کا سبب ایک ہو۔
مشتری خریدتے وقت اس عیب سے واقف نہ ہو۔ (۵)
بائع نے برأت کی شرط نہ لگائی ہو (یعنی عیب نکل آیا تو میں ذمہ دار نہیں ہوں یہ نہ کہا ہو) (۶)
عیب سے واقف ہونے کے بعد اس پر صراحتاً یا دلالتاً رضامندی ظاہر نہ کی ہو، دلالتاً جیسے سامان میں تصرف کرنا (۸)
سامان موجود ہو، اس کو بیچا یا ہدیہ نہ کیا ہو اور نہ ضائع کیا ہو (البتہ اگر خود ضائع ہوا ہو تو عیب کا ہرجانہ وصول کیا جا سکتا ہے) (۹)
خریدنے کے بعد اس کے یہاں کوئی نیا عیب پیدا نہ ہوا ہو (لیکن اس میں۔ اور بعد والی صورت میں۔ صرف مبیع کی واپسی کا خیار ختم ہوتا ہے ہرجانہ وصول کر سکتا ہے) (۱۰)
خریدنے کے بعد مبیع میں کوئی اضافہ نہ کیا ہو یا نہ ہوا ہو، جیسے کپڑے کو رنگنا، جانور کو بچہ پیدا ہونا یا درخت کو پھل آنا وغیرہ (البتہ عمر کا اضافہ یا موٹاپا وغیرہ میں حرج نہیں، خیار باقی رہے گا) (۱۱)
نوٹ: مسائل شجرہ کے حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں

شجرہ (۴): شرائط بیع سلم
شرائط
عقد (یعنی معاملہ) سے متعلق
رأس المال (یعنی ثمن) سے متعلق
مسلم فیہ (یعنی مبیع) سے متعلق
بیع لازم ہو، اس میں کسی قسم کا خیار نہ ہو
جنس بیان کردی گئی ہو، کہ رأس المال روپے ہوں گے یا اناج وغیرہ۔
نوع بیان کردی گئی ہو مثلاً باسمتی چاول
صفت (یعنی اعلی یا ادنی) بتلادی گئی ہو
مکیلی، موزونی اور عدد متقاربہ جیسے انڈا وغیرہ میں مقدار بھی بیان کردی گئی ہو (عدد متفاوتہ جانور وغیرہ میں اشارہ کافی ہے)
رأس المال پر مجلس ہی میں قبضہ ہو (ورنہ دونوں عوض ادھار ہو کر بیع الکالی بالکالی ہوجائے گی جو ممنوع ہے)
جنس مثلاً چاول ہے یا گیہوں متعین ہو
نوع مثلاً باسمتی چاول وغیرہ متعین ہو
صفت یعنی اعلی یا ادنی یا اوسط متعین ہو
مقدار متعین ہو
مسلم فیہ نقد نہ ہو، بلکہ ادھار ہو
ایسی چیز سے مقدار متعین نہ کی گئی ہو جس کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو (مثلاً کسی خاص برتن وغیرہ سے)
سامان ادا کرنے کی مدت متعین ہو
سامان کی منتقلی میں اگر اخراجات ہوں تو پہنچانے کی جگہ بھی متعین ہو
جس سامان پر عقد ہوا ہے وہ عقد سے لے کر ادائیگی تک بازار میں دستیاب ہو
مستفاد: بدائع: ۴/ ۴۴۶ –شامی: ۷/ ۴۵۹ – البحر: ۶/ ۴۲۶

شجرہ (۵): ربا (سود) کا بیان
معاوضتین
وہ چیزیں جن میں قدر جنس دونوں علتیں ہوں
وہ چیزیں جن میں صرف علت قدریت ہو
وہ چیزیں جن میں صرف علت جنسیت ہو
وہ چیزیں جن میں ایک بھی علت نہ ہو
جیسے گیہوں گیہوں کے یا تیل تیل کے عوض بیچا
جیسے گیہوں چاول کے بدلہ یا تیل گھی کے عوض بیچا
جیسے بکری بکری کے عوض یا زمین زمین کے عوض بیچی
جیسے گیہوں کو تیل کے یا چاندی کو گھی کے بدلہ بیچا☆
نقد بیچا
ادھار بیچا
نقد بیچا
ادھار بیچا
برابر سرابر بیچا
کمی بیشی سے بیچا
جائز ہے
جائز نہیں
جائز ہے مطلقاً یعنی خواہ برابر بیچے یا کمی بیشی سے
جائز نہیں مطلقاً یعنی خواہ برابر بیچے یا کمی بیشی سے
جائز ہے مطلقاً، یعنی خواہ نقد ہو یا ادھار، کمی بیشی سے ہو یا برابر طریقہ پر سب جائز ہے
جائز نہیں مطلقاً یعنی خواہ برابر بیچے یا کمی بیشی سے
فائدہ: قدر سے مراد کیلی یا وزنی ہونا ہے، پس جانور، زمین، کپڑا وغیرہ میں قدر نہیں اور جنس سے مراد جن کی اصل بھی ایک ہو اور مقصود بھی ایک، جیسے گیہوں گیہوں کے عوض، پس جن کی اصل الگ الگ ہو جیسے گائے کا گوشت اور بکرے کا گوشت، یا مقصود الگ ہو جیسے بکری کے بال اور دنبہ کا اون تو وہ الگ الگ جنس متصور ہوگی (۵)
☆قدریت کیلئے ضروری ہے کہ دونوں وزنی ہوں یا دونوں کیلی، ایک وزنی اور دوسرا کیلی ہو تو ان میں قدریت شمار نہ ہوگی (۶)
نوٹ: حوالجات کتاب میں ''باب الربا'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۶): اجارہ کا بیان
اجارہ
صحیحہ
فاسدہ
باطلہ
وہ اجارہ ہے جو فریقین کی رضامندی سے ہو اور اس میں کوئی ناجائز امر نہ ہو جیسے خلاف عرف چیز کا اجارہ، ناجائز وحرام چیز کا اجارہ یا ناممکن یا غیر مقبوض چیز کا اجارہ۔
وہ اجارہ ہے جو فی نفسہ جائز ہو لیکن خارجی امر پیش آنے سے اس میں فساد آگیا ہو مثلاً مالک نے یہ شرط لگائی کہ یہ مکان آج سے کرایہ پر دیا لیکن دس دن میں اس میں رہوں گا۔
اس چیز کا اجارہ جو شرعاً ناجائز ہو یا اس پر اجرت لینا ناجائز ہو، جیسے ناچ گانے پر اجرت طے کرنا، یا مندر کیلئے زمین اجرت پر دینا، یا جیسے نر جانور کا مادہ سے جفتی کی اجرت وصول کرنا
لازمہ
غیر لازمہ
حکم
حکم
جس میں معاملہ ختم کرنے کا کوئی خیار نہ ہو اور نہ بعد عقد ایسا عیب ظاہر ہو کہ مستاجر کیلئے استفادہ مشکل ہو
جس میں کوئی خیار ثابت ہو
حکم
اس میں عقد کی پختگی من لہ الخیار پر موقوف ہوگی۔
ایسے عقد کو فسخ کرنا لازم ہے لیکن اگر فسخ نہیں کیا اور مستاجر نے فائدہ اٹھالیا تو اجرت مثل واجب ہوگی (۱)
حکم
ایسا عقد لازم ہے اس میں کسی کو یک طرفہ معاملہ ختم کرنے کا اختیار نہ ہوگا۔
یہ عقد سرے سے صحیح ہی نہیں اس میں کوئی اجرت واجب نہ ہوگی نہ اجرت مسمی اور نہ اجرت مثل اگرچہ مستاجر نے فائدہ اٹھالیا ہو (۲)
نوٹ: حوالجات کتاب میں ''کتاب الہبہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۷): کفالت بالمال کی اقسام واحکام
کفالت
مطلق کفالت
مقید کفالت
مشروط کفالت
منسوب کفالت
جس میں کسی وصف، مدت یا شرط وغیرہ کی قید نہ ہو
جو مدت یا وصف وغیرہ کے ساتھ مقید ہو مثلاً کہا یہ دین میں ایک سال میں ادا کروں گا
جو کسی شرط کے ساتھ مشروط ہو
ایسی شرط جو مقتضی عقد کے مناسب ہو جیسے اس مال میں کوئی مستحق نکل آیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں
ایسی شرط جو مقتضی عقد کے خلاف ہو جیسے بارش ہوئی یا سورج گہن ہوا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں
حکم
حکم
حکم
حکم
اگر دین موجل ہے تو کفالت میں بھی وہ مدت ملحوظ رہے گی اور اگر فوری ہو تو کفیل کے ذمہ فوراً ادا کرنا ہوگا(۱)
خواہ اصل مدیون کی مدت سے کم مدت بیان کی یا زیادہ یا برابر یہ کفالت بہر صورت درست ہے، پھر اگر زیادہ مدت بیان کی تو ظاہر الروایت میں مدیون کو بھی فائدہ اٹھانے کا حق ہوگا(۲)
یہ کفالت درست ہے شرط پائے جانے پر کفیل ذمہ دار ہوگا(۳)
ایسی کفالت درست نہیں(۴)
مستقبل کی طرف منسوب کفالت جیسے فلاں نے اگر تمہیں قرض واپس نہیں کیا تو میں اس کا ذمہ دار ہوں یا فلاں کو تم جو کچھ بیچو گے اس کی قیمت میرے ذمہ(۵)
حکم
ایسی کفالت درست ہے اگر وہ بات پائی گئی تو کفیل ذمہ دار ہوگا
مجموعی حکم
ان تمام کا مجموعی حکم یہ ہے کہ اگر مدیون کی خواہش پر کفالت قبول کی تھی تو دین کی ادائیگی کے بعد کفیل کو اس سے رجوع کا حق ہوگا اور اگر بطور خود قبول کی تھی تو رجوع کا حق نہ ہوگا(۶)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ہیں۔

شجرہ (۸): وکالت کا بیان
توکیل
حقوق اللہ میں
حقوق العباد میں
وہ حقوق جن میں دعویٰ شرط ہے
وہ حقوق جن میں دعویٰ شرط نہیں
وہ جو شبہ سے ساقط ہو جاتے ہیں
وہ جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتے
جیسے حد قذف، حد سرقہ
جیسے حد زنا، حد خمر وغیرہ
جیسے قصاص وغیرہ
یعنی مالی حقوق مثلاً دین وغیرہ
اس میں وکیل بنانا صحیح ہے کہ وہ مؤکل کی طرف سے عدالت میں دعویٰ دائر کرے
ان کے ثبوت کیلئے توکیل جائز نہیں
اس میں توکیل جائز ہے البتہ بوقت قصاص مؤکل (مقتول کا ولی) کا موجود ہونا ضروری ہے ورنہ وکالت معتبر نہ ہوگی
اس میں توکیل مطلقاً درست ہے پھر اس قسم میں خرید و فروخت سے متعلق توکیل کی دو قسمیں ہیں:
وکالت عامہ
وکالت خاصہ
جس میں وکیل کو یہ اختیار دیا کہ وہ کچھ بھی خریدے یا کوئی معین چیز اپنی مرضی کے موافق خریدے
جس میں مخصوص چیز خریدنے کو کہا اور یہ نہ کہا کہ اپنی مرضی کے موافق خریدو
جہالت کثیرہ ہو: مثلاً یہ بھی نہیں کہا کس نوع کا کپڑا ہے سوتی یا ریشمی وغیرہ تو ایسی کفالت درست نہیں
جہالت قلیلہ ہو: یعنی جو مفضی الی المنازعہ نہ ہو مثلاً کہا تین ہزار تک کا بکرا خریدو تو یہ کفالت درست ہے
یہ صحیح ہے خواہ اس میں کتنا ہی ابہام ہو (اور تمام امور کا وکیل بنایا تو وہ تبرعات اور طلاق کے علاوہ سب کا وکیل ہے)
نوٹ: حوالجات کتاب میں "کتاب الوکالت" میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۹): ہبہ (ہدیہ) کا بیان
ہبہ
شرائط
حکم
للعقد
للواہب
للموہوب لہ
للشیء الموہوب
(۱) شرط محتمل کے ساتھ مشروط نہ ہو جیسے فلاں آ گیا تو ہبہ ہے ورنہ نہیں
(۲) وقت کی طرف منسوب نہ ہو کہ فلاں وقت میں ہبہ (بلکہ فی الفور ہو)
واہب تبرع کا حق رکھتا ہو (پس نابالغ اور پاگل کا ہبہ صحیح نہیں)
(۱) شی حلال ہو (پس مردار شراب وغیرہ کا ہدیہ صحیح نہیں)
(۲) مال واہب کی ملکیت ہو (پس سرکاری گھاس وغیرہ کا ہدیہ صحیح نہیں)
(۳) شی بنہ موجود ہو (پس معدوم جیسے متوقع مال کا ہدیہ صحیح نہیں، البتہ اس کی وصیت صحیح ہے)
(۴) شی موہوب پر موہوب لہ نے قبضہ کر لیا ہو (قبضہ سے قبل ہدیہ تام نہیں ہوتا)
(۵) شی موہوب غیر موہوب کے ساتھ مشغول نہ ہو (جیسے گھر ہدیہ کیا اور اس میں واہب کا سامان ہے تو ہدیہ صحیح نہیں)
(۶) اگر قابل تقسیم شی ہو تو وہ تقسیم شدہ ہو (چند افراد میں مشترک نہ ہو)
موہوب لہ میں قبضہ کی اہلیت موجود ہو (پس بے شعور بچہ اور پاگل شخص کو ہدیہ دینے سے ادا نہ ہوگا البتہ ان کا والی ان کی طرف سے نیابتاً قبضہ کرے تو ہدیہ صحیح ہے)

آگے صفحہ پر

ہدیہ سے موہوب لہ کی ملکیت قائم ہو جاتی ہے لیکن لازم نہیں ہوتی، واہب رجوع کر سکتا ہے البتہ سات صورتیں مستثنیٰ ہیں، وہ یہ ہیں:

شرط فاسد سے ہدیہ فاسد نہیں ہوتا مثلاً کہا یہ جانور ہدیہ ہے اس شرط پر کہ تم اس پر بوجھ نہ لادنا تو شرط فاسد ہے ہدیہ صحیح ہے

سات مستثنیٰ صورتیں جن میں واہب ہدیہ دیکر رجوع نہیں کر سکتا

(۱) موہوب لہ نے سامان میں ایسی زیادتی کردی جو اس سے متصل ہے جیسے زمین میں درخت لگالیا، یا کپڑے کو سی لیا وغیرہ (منفصل زیادتی رجوع کیلئے مانع نہیں جیسے جانور کو بچہ پیدا ہوا، اسی طرح بجائے اضافہ کے نقص پیدا ہو گیا تو بھی مانع نہیں)

(۲) واہب یا موہوب لہ دونوں میں سے کسی ایک کی موت واقع ہونا (پس موت سے رجوع کی گنجائش باقی نہیں رہتی)

(۳) ہدیہ بالعوض ہو یعنی موہوب لہ نے اس ہدیہ کا کوئی عوض صراحتاً عوض کہہ کر یا واہب کے شرط لگانے پر دیدیا ہو (خیال رہے کہ بلا شرط یا بلا صراحت کے ویسے ہی دی ہوئی کوئی چیز عوض شمار نہ ہو گی)

(۴) موہوب لہ کی ملک میں وہ چیز باقی نہ رہی ہو یعنی اس نے کسی اور کو ہبہ کر دی ہو یا اس کو بیچ دی ہو یا استعمال کر کے ختم کر دی ہو

(۵) دونوں میں رشتۂ زوجیت ہو، یعنی شوہر نے بیوی کو یا بیوی نے شوہر کو ہبہ کیا ہو

(۶) دونوں ذی رحم محرم رشتہ دار ہوں (صرف محرمیت کا رشتہ ہو، رحم کا نہ ہو جیسے ساس، سوتیلی اولاد اور رضاعی رشتہ دار؛ یا صرف رحم کا رشتہ ہو محرمیت کا نہ ہو جیسے چچا یا خالا کا لڑکا تو وہ رجوع میں مانع نہیں)

(۷) ہدیہ کی ہوئی چیز ہلاک یا ضائع ہو گئی ہو (کہ اب اس میں رجوع کی گنجائش نہیں)

نوٹ: حوالجات کتاب میں ''کتاب الھبہ'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

حوالجات شجرات

حوالجات شجره (۳): بیع میں خیارات

(۱-۲) صح شرطه للمتباعين أو لأحدهما...ثلاثة أيام أو أقل وفسد عند اطلاق أوتابيد ...... غير أنه يجوز إن أجاز من له الخيار في الثلاثة فينقلب صحيحاً على الظاهر (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۸/ ۱۰۸تا۱۴۴)

(۳) ثم إن خيار العيب يثبت بلا شرط ولايتوقت (شامی :۸/۱۶۷)

(۴) فمنها ثبوت العيب عند البيع أو بعده قبله التسليم حتى لو حدث بعد ذالك لايثبت الخيار.(بدائع الصنائع : ۴/۵۴۶)

(۵) واختلاف السبب يوجب اختلاف الحكم فكان الموجود في يد المشترى بعد البلوغ غير الموجود في يد البائع فكان عيباً حادثاً ويمنع الرد بالعيب (بدائع : ۴/۵۴۷)

(۶) ومنها:جهل المشترى بوجوب العيب عند العقد والقبض. (بدائع: ۴/۵۴۸)

(۷) ومنها عدم اشتراط البراء ت عن العيب في البيع عندنا حتى لو اشترط فلاخيار للمشترى .(هنديه :۳/۶۷)

(۸) ومنها عدم الرضا بالعيب صريحاً ودلالة وهي أن يتصرف في المبيع بعد العلم بالعيب تصرفاً يدل على الرضا بالعيب فإن ذالك يمنع ثبوت حق الرد والرجوع جميعاً.(بدائع : ۴/۵۵۷)

(۹) ومنها أن یکون امتناع الرد لامن قبل المشتری فإن کان من قبله لایرجع بالنقصان لأنه یصیر حابسا المبیع بفعله ممسکا عن الرد وهذا یوجب بطلان الحق أصلا ورأساً وعلی هذا یخرج ماإذا هلك المبیع.....ثم علم أنه یرجع ...... ولوباعه المشتری أو وهبه ثم علم بالعیب لم یرجع بالنقصان الخ . (بدائع : ٥٦٨/٤)

(۱۰) وإذا حدث عند المشتری عیب وطلع علی عیب کان عند البائع فله أن یرجع بالنقصان ولایرد للمبیع...الخ (هدایه :۴۱/۳)

(۱۱) ......لامتناع الرد بسبب الزیادة ...... لأن الزیادة لیس بمبیعه فامتنع أصلاً.(هدایه :۴۲/۳)ومتولدة من المبیع کالسمن والجمال وانجلاء البیاض وإنها لاتمنع الرد بالعیب فی ظاهر الروایة .(هندیه : ۴۸/۳–۷۷، بدائع: ٥٦٠/٤)

حوالجات شجره (۵):ربا کابیان

(۱-۲-۳-۴)	فإن وجد الوصفان حرم الفضل والنسأ وإن عدما حلا وإن احدهما فقط حل التفاضل لاالنسأ.(ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر:۳/ ۱۲۱–اللباب فی شرح الکتاب : ۲۲۱/۱)
(۵)	......والحاصل أن الاختلاف باختلاف الأصل أوالمقصود الخ (الدرالمختار) (باختلاف الأصل).ك ..لحم البقر مع لحم الضأن (ا والمقصود) کشعر المعز وصوف الغنم .(شامی: ۴۱۸/۷)
(۶)	......"وعلته القدر" هو القدر المتفق کبیع موزون بموزون أو مکیل بمکیل بخلاف المختلف کبیع مکیل بموزون نسیئة فإنه جائز ......الخ (شامی :۴۰۵/۷)

حوالجات شجرہ (۶): اجارہ کابیان

(۲-۱) وحكم الأول وهو الفاسد وجوب أجر المثل بالإستعمال ...... بخلاف الثاني وهو الباطل فإنه لاأجر فيه بالإستعمال(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۶۲/۹)

حوالجات شجرہ (۷): کفالت بالمال کی اقسام

(۱) فإن كان مطلقاً فلاشك في جوازه إذا استجمع شرائط الجواز وهي مانذكر إن شاء الله تعالىٰ غير أنه إن كان الدين على الأصيل حالاً كانت الكفالة حالة وإن كان الدين عليه مؤجلاً كانت الكفالة مؤجلة (بدائع: ۶۰۱/۴)

(۲) ثم إن كان الدين على الأصيل مؤجلاً إلى أجل مثله يتاجل إليه في حق الكفيل أيضاً وإن سمى الكفيل أجلاً أزيد من ذالك أو نقص جاز......وإن كان الدين عليه حالاً جاز التاجيل إلى الأجل المذكور ويكون ذالك تأجيلاً في حقهما جميعاً في ظاهر الرواية.(بدائع: ۶۰۱/۴)

(۳-۴) أو علقت بشرط صحيح ملائم أي موافق للكفالة بأحد أمور ثلاثة: بكونه شرطاً للزوم الحق نحوقوله إن استحق المبيع أو جحدك المودع ......فعلى الدية......أو شرطاً لإمكان الاستيفاء نحو إن قدم زيد فعليّ ماعليه الدين ......وهو مكفول عنه ......أو شرطاً لتعذره أي الاستيفاء نحو إن كان غاب زيد عن المصر فعلى ، وأمثلته كثيرة، فهذه جملة الشروط التي يجوز تعليق الكفالة بها،

ولاتصح إن علقت بغير ملائم نحو إن هبت الريح أو جاء المطر لأنه تعليق بالخطر فتبطل، ولايلزم المال،ومافى الهداية سهو كما حرره ابن كمال(الدر المختار على هامش رد المحتار:۵۸۷/۷)

(۵) والكفالة المضافة إلى وقت فى المستقبل جائزة لتعامل الناس فى ذالك —ولوقال رجل مابايعت فلاناً فهو علىّ جاز......الخ (هنديه:۳/ ۲۵۶،بدائع:۶۰۴/۴) —رجل قال لأخر إن لم يعطيك فلان مالك فهو علىّ فتقضاه الطالب فلم يعطه المطلوب لزم الكفيل استحساناً (هنديه :۲۷۵/۳)

(۶) وللطالب مطالبة اى شاء من كفيله وأصيله ...فإن كفل بلاأمره لايرجع عليه بما أدى عنه وإن أجازها المكفول عنه وإن كفل بأمره رجع.(ملتقى الأبحر على المجمع :۱۸۳/۳–۱۸۴)

قال المؤلف عفى الله عنه: قد تم المجلد الثانى بحمد الله تعالىٰ وتوفيقه ويتلوه إن شاء الله تعالىٰ المجلدالثالث وأوله "كتاب الشهادات" وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وبارك وسلم تسليماً كثيراً.
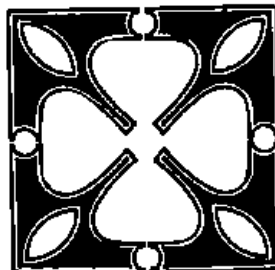
مطابع المراجع

	مراجع	مطابع
۱	سنن ابوداؤد	مکتبہ اشرفیہ دیوبند
۲	سنن ترمذی	مکتبہ شاملہ (سی ڈی)
۳	مشکوۃ المصابیح	یاسر ندیم دیوبند
۴	ابن ماجہ	یاسر ندیم دیوبند
۵	ہدایہ	یاسر ندیم دیوبند
۶	ردالمحتار (معروف بالشامی)	مکتبہ زکریا دیوبند
۷	الدرالمختار (علی ہامش الشامی)	مکتبہ زکریا دیوبند
۸	تقریرات الرافعی علی الشامی	مکتبہ زکریا دیوبند
۹	التاتارخانیۃ (جدید)	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۰	مجمع الانہر	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
۱۱	ملتقی الابحر	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
۱۲	الدرالمنتقی	مکتبہ فقیہ الامت دیوبند
۱۳	البحرالرائق	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۴	منحۃ الخالق	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۵	فتاوی ھندیہ (عالم گیری)	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۱۶	فتاوی قاضیخاں علی ہامش الہندیہ	مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ، پاکستان
۱۷	بدائع الصنائع	مکتبہ زکریا دیوبند
۱۸	کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ	دارالکتاب العلمیہ بیروت

۱۹ البنایہ فی شرح الہدایہ　　مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۲۰ امداد الفتاویٰ　　مکتبہ زکریا دیوبند
۲۱ فتاویٰ دار العلوم　　مکتبہ دار العلوم دیوبند
۲۲ فتح القدیر　　مکتبہ حقانیہ پشاور
۲۳ قدوری علی ہامش الجوہرۃ　　مکتبہ میر محمد کراچی
۲۴ النتف فی الفتاویٰ　　دار الکتاب العلمیہ بیروت
۲۵ الاشباہ والنظائر　　دار الکتاب العلمیہ بیروت
۲۶ کفایت المفتی　　مکتبہ زکریا دیوبند
۲۷ نظام الفتاویٰ　　اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی
۲۸ عنایہ علی ہامش فتح القدیر　　مصطفیٰ البابی الحلبی، مصر
۲۹ نفع المفتی والسائل　　مکتبہ رحیمیہ دیوبند
۳۰ الفتاویٰ الکاملۃ　　مکتبہ حقانیہ پشاور
۳۱ کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ　　دار الکتاب العلمیہ بیروت
۳۲ فتاویٰ محمودیہ　　ادارہ صدیق ڈابھیل
۳۳ فتاویٰ رحیمیہ　　دار الاشاعت کراچی
۳۴ جواہر الفقہ　　مکتبہ تفسیر القرآن دیوبند
۳۵ خلاصۃ الفتاویٰ　　امجد اکیڈمی لاہور
۳۶ مرقاۃ المفاتیح (شرح مشکوٰۃ)　　مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۳۷ اسلام اور جدید معاشی مسائل　　فیصل، دیوبند دہلی
۳۸ فقہی مقالات　　زمزم بکڈپو دیوبند
۳۹ نئے مسائل اور فقہ اکیڈمی کے فیصلے　　ایفا پبلکیشنز دہلی
۴۰ اللباب فی شرح الکتاب　　دار الکتاب دیوبند

۴۱	ایضاح النوادر	مکتبہ علمیہ سہارنفور
۴۲	اعلاء السنن	ادارۃ القرآن کراچی
۴۳	الاختیار لتعلیل المختار	مکتبۃ الشاملۃ
۴۴	تنقیح الفتاویٰ الحامدیہ	مکتبہ میمنہ مصر
۴۵	درر الحکام شرح غرر الاحکام	مکتبہ شاملۃ
۴۶	تبیین الحقائق	مکتبہ شاملۃ
۴۷	درر الحکام فی شرح المجلۃ	مکتبہ شاملۃ
۴۸	بحوث قضایا معاصرۃ	مکتبہ دار العلوم کراچی
۴۹	الجوہرۃ النیرۃ	مکتبہ میر محمد کراچی
۵۰	نظام الفتاویٰ	اسلامک فقہ اکیڈمی دہلی
۵۱	قاموس الفقہ	کتب خانہ نعیمیہ دیوبند
۵۲	قواعد الفقہ	دارلکتاب دیوبند
۵۳	احسن الفتاویٰ	دار الاشاعت دیوبند
۵۴	آپ کے مسائل اور ان کا حل	دار الکتاب دیوبند
۵۵	تبیین الحقائق	مکتبہ شاملۃ
۵۶	حاشیۃ الطحاوی علی الدر المختار	دار المعرفۃ بیروت
۵۷	المحیط البرھانی	غفاریہ کوئٹہ
۵۸	التعریفات الفقھیة علی ھامش قواعد الفقه	دار الکتاب دیوبند
۵۹	النہر الفائق	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
۶۰	الفقہ الاسلامی وادلتہ	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

❁ ❁ ❁

من یرد اللہ بہ خیرا یفقہہ فی الدین

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری ڈینڈرولوی

خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

حصہ سوم

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

من يرد الله به خيرا يفقهه في الدين

فقہی ضوابط

تشریحات، تفریعات، تمثیلات

حصہ سوم

تالیف

مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈرولوی)

خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی

حضرت اقدس مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

ناشر

مکتبہ حجاز دیوبند

نام کتاب : فقہی ضوابط (تشریحات، تفریعات، تمثیلات)

تالیف : مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈرولوی)
خادم الافتاء والحدیث دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور

نظر ثانی : حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری
شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم دیوبند

طباعت : جمادی الاولیٰ ۱۴۳۴ھ مطابق اپریل ۲۰۱۳ء

باہتمام : قاسم احمد پالن پوری

سیٹنگ : مولوی حسن احمد پالن پوری فاضل دار العلوم دیوبند
09979993070

ناشر : مکتبہ حجاز دیوبند

مطبوعہ : ایچ۔ ایس۔ آفسیٹ پرنٹرس، دریا گنج نئی دہلی

ملنے کے پتے

MAKTABA HIJAZ
Urdo Bazar Jama Masjid Deoband
247554 (U.P.) India M.09997866990

گجرات میں ملنے کا پتہ: مفتی اسامہ پالن پوری (ڈینڈرولوی)
دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور۔ 09979993070

فہرست مضامین

فہرست ضوابط وفوائد

[کتاب الدعویٰ]

ضابطہ

[کتاب الشهادة والاخبار]

[باب الإخبار]

[كتاب الإقرار]

[كتاب القضاء]

[تحکیم یعنی ثالثی کا بیان]

[کتاب الصلح]

[کتاب الإبراء]

[کتاب المضاربة]

[کتاب الشرکة]

[كتاب المزارعة]

[كتاب الأيمان]

[کتاب النذر]

[کتاب اللقطة]

[کتاب اللقیط]

[کتاب الوقف]

پیش لفظ

فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث وناظم: المعہد العالی اسلامی حیدرآباد؛ جنرل سیکریٹری
اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا؛ رکن رکین آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلامی علوم میں فقہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے؛ کیونکہ فقہ کتاب اللہ سنت رسول، آثار صحابہ اور اجماع امت کا عطر اور خلاصہ ہے اور اسلامی تاریخ کی بہترین ذہانتیں اس علم کی آبیاری میں صرف ہوئی ہیں، فقہ کی اسی اہمیت کی وجہ سے اس سے مربوط مختلف ذیلی علوم وفنون بھی مدون ہوئے ہیں، جو استنباط احکام، نصوص کی تطبیق وترجیح اور شریعت کی مصالح وحکم کی رعایت میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں، ان علوم میں اصول فقہ اور قواعد فقہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں۔

اصول فقہ استنباط احکام کا ذریعہ ہیں اور قواعد فقہ مستنبط شدہ احکام کو سامنے رکھ کر مرتب کئے جانے والے اصول وقضایا ہیں، اصول فقہ کا تعلق زیادہ تر عربی زبان کے قواعد اور طریقۂ استنباط سے ہوتا ہے اور قواعد کا تعلق زیادہ تر شریعت کی مصالح اور حکمتوں سے، اصول فقہ کی جہاں اس پہلو سے اہمیت ہے کہ اس کے ذریعہ استنباط احکام کا سلیقہ پیدا ہوتا ہے، وہیں قواعد فقہ کی اس لحاظ سے اہمیت ہے کہ اس کے ذریعہ شریعت کے مقاصد مصالح کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور شریعت اسلامی کے فلسفہ پر روشنی پڑتی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زیادہ تر قواعد فقہ کی بنیادیں براہ راست کتاب وسنت میں موجود ہیں، مثلاً فقہ کا ایک قاعدہ ہے: ''الامور بمقاصدها'' اس کی بنیاد حدیث نبوی: انما الأعمال بالنيات'' ہے فقہ کا ایک اور قاعدہ ہے: ''الحرج مدفوع'' اس کی اساس اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ''وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ'' (الحج: ٧٨) ہے ــــ یوں تو قواعد کا لفظ ان قواعد پر بھی بولا جاتا ہے جن کا تعلق مختلف فقہی ابواب سے ہو اوران قواعد پر بھی جن کا تعلق کسی ایک ہی فقہی باب سے ہو؛ لیکن یہ اطلاق لغوی معنی کے اعتبار سے ہے؛ اہل علم نے اصطلاح کے اعتبار سے دونوں میں فرق کیا ہے، پہلی قسم کے قواعد کو اصطلاح میں ''قاعدہ'' کہتے ہیں اور دوسری قسم کے قواعد کو ''ضابطہ'' جیسے ''أيما إهاب دبغ فقد طهر'' اس کا تعلق احکام طہارت سے ہے؛ اس لئے اصطلاح اعتبار سے اسے ضابطہ کہیں گے؛ یا جیسے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ''البينة على المدعي واليمين على المدعى عليه'' اس کا تعلق قضاء کے باب سے ہے، اس لئے ضابطہ کہلائے گا۔

غور کیا جائے تو قواعد اور ضوابط دونوں کی مثالیں قرآن مجید اور خاص کر حدیثوں میں بھی ملتی ہیں، صحابہ کے یہاں خصوصاً حضرت عمر فاروقؓ کی ہدایات میں ایسے متعدد فقرے ملتے ہیں، جن پر قاعدہ اور ضابطہ کا اطلاق ہوسکتا ہے، بعد کے فقہاء میں امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کی تالیفات میں ضمنی طور پر بہت سے قواعد آ گئے ہیں، لیکن اس علم کی باضابطہ تدوین چوتھی صدی ہجری میں پائی گئی ہے، ابوطاہر دباسی اسی صدی کے تھے، انہوں نے سترہ قواعد مرتب کئے تھے، اوران پر فقہ حنفی کی تمام جزئیات کو منطبق کرتے تھے، پھر امام ابوالحسن کرخیؒ (متوفی: ٣٤٠ھ) کی 'اصول کرخی' قاضی ابوزید دبوسیؒ (متوفی: ٤٣٠ھ) کی 'تاسیس النظر' اور علاء الدین سمرقندی (متوفی: ٥٤٠ھ) کی 'ایضاح القواعد' کا ذکر آتا ہے، یہ سب کے سب احناف ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ یہ فن فقہاء احناف کی اولیات میں سے ہے۔

زیادہ تر قواعد فقہ پر تالیفات اس طرح مرتب کی گئی ہیں کہ ایک قاعدہ بیان کیا گیا ہے اور اس کے ذیل میں کچھ ضابطے آ گئے ہیں جو مختلف ابواب فقہیہ سے تعلق رکھتے تھے، اس بات پر زیادہ توجہ نہیں دی گئی کہ ہر باب فقہی سے متعلق ضوابط الگ الگ ذکر کئے جائیں، جیسے 'کتاب الطہارت' سے متعلق ضوابط کتاب الطہارت کے تحت، کتاب الصلوٰۃ سے متعلق ضوابط 'کتاب الصلاۃ' میں کے تحت؛ البتہ یاد آتا ہے کہ مفتی دمشق شیخ محمود حمزہ حنفی کی 'الفوائد البهيه في الفوائد و القواعدالفقهيه' (ط: ۱۹۲۸ء) میں اس پر توجہ دی گئی ہے۔

مجھے بے حد مسرت ہے کہ محبی فی اللہ جناب مفتی اسامہ پالن پوری (استاذ حدیث ومفتی دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور) نے دو حصوں پر فقہی ضوابط کے نام سے اس موضوع پر بہت ہی قابل تحسین کام کیا ہے، ہمار اردو تالیفات کثرت اور چھپنے کی عجلت کا دور ہے، اس لئے بہت سی رطب و یابس چیزیں شب و روز سامنے آتی رہتی ہیں؛ لیکن مؤلف کی یہ کاوش 'تالیف برائے تالیف' نہیں ہے؛ بلکہ واقعی اس سے ایک ایسے گوشہ کی تکمیل ہوتی ہے جس پر کام کی ضرورت تھی، مؤلف نے اس کتاب میں طہارت سے لے عبادات، مناکحات اور معاملات تک تمام ان ابواب کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے، جن میں فقہاء نے کوئی ضابطہ بیان کیا ہے، ان ضوابط کو بھی ذکر کیا ہے جن کا فقہ کی کتابوں میں بطور ضابطہ ذکر آیا ہے اور ان ضوابط کا بھی جن کو ضابطہ کی زبان میں بیان نہیں کیا گیا ہے؛ لیکن جزئیات کو سامنے رکھا جائے تو وہ ضابطہ ان میں کارفرما نظر آتا ہے، یعنی مؤلف عزیز نے صرف نقل ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے؛ بلکہ استنباط سے بھی کام لیا ہے۔

ہر ضابطہ کی تشریح کی گئی ہے، جو نہ بہت طویل ہے اور نہ تشنہ، پھر تفریعات اور مثالوں کے ذریعہ انھیں واضح کر دیا گیا ہے، قواعد کی تطبیق میں بہت سے نئے مسائل بھی آ گئے ہیں، اس کے علاوہ مؤلف نے مدرسین اور طلبہ کی سہولت کے لئے احکام

فقہیہ کے چارٹ (خرائط) بھی مع حوالہ بنادئے ہیں، غالباً اردو زبان میں اس طرح کی یہ پہلی کوشش ہے، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کے اساتذہ وطلبہ کے لئے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے، اس حقیر کا اپنا تجربہ ہے کہ اس نے ہدایہ ثانی کی تدریس کے دوران کوشش کی تھی کہ مختلف مباحث سے متعلق کچھ فقہی قواعد وضوابط سامنے رکھے اوراس پر مسائل کی تفریع کرے، چنانچہ پہلے اس قاعدہ یا ضابطہ کو بیان کردیتا پھر اصل مسئلہ پر گفتگو کرتا، طلبہ اس سے بہت اطمینان اور خوشی محسوس کرتے؛ بلکہ نوجوان اساتذہ بھی اس سبق میں آکر بیٹھنے کی کوشش کرتے، اس لئے اگر اساتذہ اس کتاب کو اپنے سامنے رکھیں گے تو انشاء اللہ نفع محسوس کریں گے۔

یہ بات بھی بہت اطمینان کی ہے کہ اس کتاب پر حدیث وفقہ کے میدان کی مشہور شخصیت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری دامت برکاتہم (شیخ الحدیث وصدر مدرس دارالعلوم دیوبند) نے نظر ثانی کی ہے اور مؤلف نے ان کی نگرانی میں اس کام کو انجام دیا ہے ـــــ دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤلف کی اس کاوش کو قبول فرمائے، اس کے نفع کو عام وتام فرمائے اوران سے دین اور علم دین کی مزدی خدمت لے۔ واللہ ہو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی

(خادم المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد)

۹ رشعبان ۱۴۳۳ھ

۲۹ رجون ۲۰۱۲ء

تقریظات

①

حضرت مولانا مفتی حبیب الرحمن صاحب خیرآبادی دامت برکاتہم
(صدر مفتی دارالعلوم دیوبند)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

انسانی زندگی میں عبادات ومعاملات اوراعمال واخلاق کی ہزاروں بلکہ لاکھوں جزئیات ایسی ہیں جن کے اصول وضوابط اگرچہ مکمل طور پر قرآن وحدیث اور فقہی اصول وقواعد میں بیان کردئے گئے ہیں لیکن ان ضوابط کاافراد پر منطبق کرنااوراصول سے جزئیات کا استخراج کرنا یہ ہر شخص کا کام نہیں ہے اورنہ ہر شخص اس کی صلاحیت واستطاعت رکھتاہے۔

انسانی زندگی کے مختلف شعبوں میں جس طرح مختلف جدید مسائل پیدا ہوتے ہیں فقہاء اسلام قرآن وحدیث اوردیگر فقہی اصول وضوابط کی روشنی میں مستنبط کرتے رہتے ہیں، اس میں نہ کوئی جمود ہوا ہے نہ کوئی تساہل، آج بھی دنیا کی رنگارنگ بوقلمونیوں اور معاشرت کے عجیب وغریب اور حیران کن مسائل کوحل کرنے کے لئے انہی فقہی ضوابط کو سامنے رکھتے ہیں اور پھر لوگوں کی علمی پیاس بجھاتے ہیں اورآئندہ بھی بجھاتے رہیں گے۔

اس میں دورائے نہیں کہ جب کسی متبحر عالم کوفقہی ضوابط پرعبور ہوجاتا ہےتواسے اس کے متعلق تمام مالہ وماعلیہ مسائل پر دسترس حاصل ہوجاتی ہے اوران مسائل کو وہ اس طرح بیان کرتا ہے جیسے کوئی بیرسٹر قوانین کی روشنی میں بیباکی کے ساتھ گفتگو کرتا ہے اوراشکالات کرنے والوں کے اشکالات کوبھی حل کرتا ہے، اسے پیش آمدہ جزئیات

کو بیان کرنے کے لئے دلائل تلاش کرنے کی حاجت نہیں ہوتی، وہ اصول پر ایسا حاوی ہوتا ہے کہ وہ دلائل سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ ہر مسئلہ ہر جزئیہ انہی اصول کی روشنی میں سمجھتا جاتا ہے پھر تمام فروعی مسائل کو آسانی کے ساتھ دوسروں کو بھی سمجھا دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزاء خیر دے عزیز محترم مفتی اسامہ سلمہ کو جو اس وقت دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور گجرات میں حدیث وافتاء کی خدمت انجام دے رہے ہیں، انہوں نے فقہ اسلامی کے گہرے سمندر میں غوطہ زنی فرمائی اور بہت سارے قیمتی موتی نکال لائے اور فقہی ضوابط کے نام سے انہیں جمع فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت شاقہ کو قبول فرمائے اور علم فقہ پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کے لئے اسے نفع بخش بنائے اور مفتی صاحب موصوف کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین۔

حبیب الرحمن خیر آبادی عفا اللہ عنہ
مفتی دار العلوم دیو بند
۱۶ر شعبان ر ۱۴۳۳ھ

④

حضرت مولانا مفتی شبیر احمد صاحب قاسمی دامت برکاتہم
(شیخ الحدیث و مفتی مدرسہ شاہی مرادآباد)

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

حضرت مولانا مفتی اسامہ صاحب پالن پوری "مدظلہ" مفتی دار العلوم مرکز اسلامی انکلیشور کی کتاب "فقہی ضوابط" دیکھنے کی سعادت حاصل ہوئی احقر نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے ماشاء اللہ ہر ضابطہ کو مثالوں سے واضح کر دیا گیا ہے اور یہ کتاب (فی الحال ہمارے سامنے) دو جلدوں میں ہے ہر جلد کے آخر میں جدول اور نقشہ کے ذریعہ سے ہر موضوع کے مسائل کو اچھی طرح واضح کیا گیا ہے احقر کو یہ امید ہے کہ یہ کتاب "تعریفات جرجانی" سے بھی برصغیر کے علماء اور طلبہ کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوگی اسی طرح "لغۃ الفقہاء" اس میں معمولی نظیر ہوتی ہے لیکن زیر نظر کتاب کے اندر جزئیات کے ذریعہ سے اصولوں کو بہت شاندار انداز سے واضح کیا گیا ہے اس لئے زیادہ مفید ثابت ہونے کی امید ہے، اللہ تعالیٰ اس کتاب کو عند اللہ اور اہل علم کے حلقہ میں قبول فرمائے اور مؤلف محترم کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، آمین

شبیر احمد قاسمی عفا اللہ عنہ

خادم مدرسہ شاہی مرادآباد یوپی

۷ رشعبان ۱۴۳۳ھ

④

حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری مدظلہ العالی

(شیخ الحدیث ومفتی مدرسہ شاہی مرادآباد)

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد!

اس وقت احقر کے سامنے ایک نہایت مفید اور طلبہ وعلماء اور مفتیان کے لئے نفع بخش کتاب ''فقہی ضوابط'' ہے جسے ایک نوجوان محنتی اور محقق عالم جناب مولانا مفتی اسامہ صاحب پالن پوری ''زید علمہ وفضلہ'' استاذ فقہ وحدیث دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور گجرات نے مرتب کیا ہے۔

یہ کتاب بڑی دیدہ ریزی کے ساتھ لکھی گئی ہے جس میں کتاب الطہارت سے لے کر کتاب الہبہ تک ہر باب سے متعلق چار سوتیس ضوابط جمع کر کے ہر ضابطہ کے تحت ضروری اور عام فہم جزئیات درج کردی گئی ہیں اس کتاب کے مطالعہ سے بالخصوص فقہ وفتاوی میں مشغول طلبہ واساتذہ کو بھرپور رہنمائی ملے گی، فقہی کتابوں کا سمجھنا آسان ہوگا اور علم میں بصیرت اور جلاء پیدا ہوگی۔

راقم الحروف نے بالخصوص ہدایہ آخرین کی تدریس کے دوران اس بات کو محسوس کیا تھا کہ صاحب ہدایہ کی پوری گفتگو کسی نہ کسی اصول کے اردگرد گھومتی ہے اور پھر وہ اپنے انداز میں اسی اصول کی تفریع کرتے چلے جاتے ہیں اور یہ اصول ان کی طرف سے پیش کردہ دلائل سے بآسانی سمجھے جاسکتے ہیں، پس اگر طالب علم ہر باب وفصل کے بنیادی اصولوں کو پیش نظر رکھ کر ہدایہ کا مطالعہ کرے گا تو اس کے لئے یہ مشکل کتاب حد درجہ آسان ہوجائے گی، اسی لئے احقر نے سالوں تک ہدایہ کی تدریس کے دوران طلبہ کو ہر

باب کے بنیادی اصول اردو میں نوٹ کرانے کا اہتمام رکھا، تاہم ہجوم کار اور گونا گوں مشاغل کی وجہ سے الگ سے ان کو ترتیب دینے کا موقع نہ مل سکا، بہر حال اب تقریبا اسی سے ملتی جلتی یہ کتاب ''فقہی ضوابط'' سامنے آنے پر ایک گونہ خوشی ہوئی اور فاضل مرتب کے لئے دل سے دعا نکلی، اللہ تعالیٰ موصوف کو بے حد جزائے خیر عطا فرمائے۔

اصول پر فقہی جزئیات کی تفریع کے سلسلہ میں علامہ بن نجیمؒ کی کتاب ''الاشباہ والنظائر'' بے نظیر تالیف ہے، لیکن عموماً اس کو دارالافتاء میں جلدی جلدی رواروی میں پڑھا دیا جاتا ہے، حالانکہ یہ اکیلی ایسی کتاب ہے کہ پورے سال اس کے مسائل کی تخریج اور اصول پر انطباق کی تمرین میں محنت کرائی جاسکتی ہے، اس کا کچھ تجربہ دارالافتاء مدرسہ شاہی میں تکمیل افتاء کے طلبہ پر کرایا گیا تو اس کے اچھے نتائج سامنے آئے، اور طلبہ کو اصول سے مناسبت پیدا ہوئی، اگر دیگر جگہوں پر بھی اس جانب توجہ دی جائے تو بے نظیر فائدہ کی امید ہے انشاء اللہ تعالیٰ۔

فقط واللہ الموفق

احقر محمد سلمان منصور پوری
خادم مدرسہ شاہی مراد آباد
۵-۸-۱۴۳۳ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب الدعوی

۱۳۳۱- **ضابطہ:** گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور مدعلیہ کے ذمہ قسم کھا کر دعوے سے براءت ظاہر کرنا ہے (۱)۔

تشریح: اولا مدعی کے ذمہ گواہوں کو پیش کرنا ہے اگر وہ گواہ پیش کرنے سے عاجز رہ جائے تو مدعی علیہ کے ذمہ قسم کھا کر دعوے سے براءت ظاہر کرنا ہے (بشرطیکہ مدعی اس سے قسم کا مطالبہ بھی کرے کیونکہ قسم لینا مدعی کا حق ہے)

فائدہ: پھر اگر مدعی علیہ نے مدعی کے مطالبہ پر قسم کھالی یا مدعی کی طرف سے قسم کا مطالبہ ہی نہیں کیا گیا تو قاضی مدعی علیہ کا حق ثابت کردے گا اور مدعی کو اس سے معارضہ کرنے سے روک دے گا۔ اور اگر مدعی علیہ نے جبکہ اس سے مطالبہ کیا گیا قسم سے انکار کر دیا جس کو عربی میں "نکول عن الحلف" کہتے ہیں تو قاضی مدعی کے حق میں فیصلہ کرے گا۔ پھر قاضی کے فیصلے کے بعد اگر مدعی علیہ کہے کہ میں قسم کھاتا ہوں تو اب اس کی بات کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی اور قاضی کا فیصلہ بحال رہے گا۔ (۲)

---

(۱) البينة للمدعي و اليمين على من أنكر (قواعد الفقه ص: ٦٦ قاعده: ٦٥)

(۲) المادة (۱۸۱۸): إن أثبت المدَّعِي دعواه بالبينة حكم القاضِي له بذلك وإن لم يثبت يبق له حق اليمين فإن طلبه كلَّف القاضِي المدعى عليه اليمِين بناءً على طلبه۔

المادة (۱۸۱۹): فإن حلف المدعى عليه اليمين أو لم يُحلِّفه المدَّعِي منع القاضي المدَّعِي من معارضة المدعى عليه۔

←

۴۳۲-**ضابطہ**: مدعی وہ ہے جو مقدمہ سے دستبردار ہو جائے تو اسے مجبور نہ کیا جا سکے، اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو مقدمہ کی پیروی نہ کرے تو اسے مجبور کیا جائے۔

تشریح: علم قضا میں مدعی اور مدعیٰ علیہ کی پہچان بڑی اہمیت کی حامل ہے، کیونکہ اسی پر مقدمہ کے فیصلے کا مدار ہے، پھر یہ جس قدر اہم ہے اسی قدر نازک و مشکل بھی ہے —— اس سلسلہ میں فقہاء کے یہاں بطور ضوابط مختلف تعبیرات ملتی ہیں، مثلاً جو خلاف ظاہر کا دعویٰ کرے وہ مدعی ہے اور جو ظاہر کے موافق دعویٰ کرے وہ مدعیٰ علیہ ہے، یا جو ملکیت یا حق کو ثابت کرتا ہو وہ مدعی ہے اور جو اس کی نفی کرتا ہو وہ مدعیٰ علیہ ہے وغیرہ —— مگر ان میں سب سے اچھی اور جامع تعبیر وہ ہے جو ضابطہ میں ذکر کی گئی، یہ امام قدوریؒ کی بیان کردہ ہے اور اس کے متعلق صاحب ہدایہؒ فرماتے ہیں: ”ھو حد عام صحیح“ یعنی یہ ایک جامع اور صحیح تعریف ہے۔[1]

۴۳۳-**ضابطہ**: سبب کا دعویٰ اس سے ثابت ہونے والے حکم کے دعویٰ کے مانند ہے۔[2]

← المادة (۱۸۲۰): إذا نكل المدعى عليه عن اليمين حكم القاضي بنكوله وإذا قال بعد حكم القاضي بنكوله أحلِف لا يلتفت إلى قوله۔ (مجلة الأحكام العدلية: ۱/۳۷۰، المكتبة الشاملة)

---

(۱) قال: (المدعي من لا يجبر على الخصومة اذا تركها والمدعى عليه من يجبر على الخصومة) ومعرفة الفرق بينهما من أهم ما يبتني عليه مسائل الدعوى، وقد اختلفت عبارات المشايخ رحمهم الله فيه، فمنها ما قال في الكتاب وهو حد عام صحيح (هدايه على هامش العناية: ۱۱/۲۵۲، كتاب الدعوى، المكتبة الشاملة)

(۲) دعوى السبب كدعوى الحكم الثابت بالسبب۔ (قواعد الفقه ص: ۸۱، قاعده: ۱۳۴)

تفریع: پس حکم کے دعویٰ میں جن شرائط کا ہونا ضروری ہے سبب کے دعویٰ میں بھی ضروری ہوگا، جیسے خریدنا سبب ہے ملکیت کا اور ملکیت اس کا حکم ہے پس جس طرح ملکیت کے دعویٰ میں بینہ پیش کرنا ضروری ہے، اسی طرح اگر کوئی شخص دوسرے کے قبضے میں موجود کسی چیز کے خریدنے کا دعویٰ کرے تو اس میں بھی بینہ پیش کرنا مدعی پر ضروری ہوگا۔

اسی طرح میاں بیوی کے درمیان رضاعت کا دعویٰ سبب ہے ملک نکاح کے بطلان کا یعنی نکاح صحیح نہ ہونے کا اور نکاح صحیح نہ ہونے کے دعویٰ میں باقاعدہ نصاب شہادت (یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت) ضروری ہے تو میاں بیوی میں حرمت رضاعت کے ثبوت کے لئے بھی نصاب شہادت ضروری ہوگا، تنہا عورتوں کی شہادت سے رضاعت ثابت نہ ہوگی۔[۱]

۴۳۴- **ضابطہ**: عرصۂ دراز تک دعویٰ نہ کرنے سے حق ساقط نہیں ہوتا۔[۲]

تشریح: پس فقہاء کی عبارتوں میں مختلف دعاویٰ میں پندرہ سال، تیس سال یا چھتیس سال وغیرہ کی جو تحدید ہے یعنی اس مدت تک مدعی دعویٰ نہ کرے تو اس کے بعد دعویٰ کی سماعت نہیں ہوگی وہ بطور انسداد حیلہ وتزویر ہے، لہٰذا اگر اس بات کا یقین ہوجائے کہ مدعی واقعۃً حق پر ہے تو خواہ کتنا ہی عرصہ گزر جائے اس کا دعویٰ قابل سماعت ہوگا یہی صحیح ہے جیسا کہ شامی، درر وغیرہ میں اس کی صراحت ہے۔[۳]

۴۳۵- **ضابطہ**: جو جرم حقوق اللہ سے متعلق ہو ان میں کسی کی طرف سے دعویٰ ضروری نہیں (بغیر دعویٰ کے قاضی تعزیر کرسکتا ہے) اور جو حقوق العباد سے متعلق

---

(۱) (شرح السیر: ۵/۲۸، هدایه: ۲/۳۴۵)

(۲) الحق لا یسقط بتقادم الزمان۔ (الاشباہ والنظائر:)

(۳) (مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۷/۲۱۰، فتاویٰ دارالعلوم: ۱۵/۱۸۶، ردالمحتار: ۲۱/ ۱۱۷-۱۱۷، درر الحکام فی شرح المجلۃ: ۱۱/۲۶۴)

ہو اس میں دعویٰ ومطالبہ ضروری ہے (اس کے بغیر قاضی تعزیر نہیں کرسکتا ہے)[۱]

کتاب الشہادۃ والإخبار

۴۳۶- **ضابطہ:** شہادت میں لفظ شہادت (میں شہادت دیتا ہوں یا گواہی دیتا ہوں) کا ہونا ضروری ہے۔[۲]

تفریع: پس اگر کہے کہ میں خبر دیتا ہوں یا اطلاع دیتا ہوں وغیرہ تو یہ شہادت نہ کہلائے گی اور اسلامی عدالت میں اس کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔

اسی بنا پر اخرس (گونگے) کی گواہی معتبر نہیں، کیونکہ لفظ شہادت اس سے ادا نہ ہوگا جبکہ صحت شہادت کے لئے اس لفظ کا ہونا ضروری ہے۔[۳]

استدراک: اور جن امور میں لفظ شہادت ضروری نہیں جیسے پانی کی طہارت، ذبیحہ کی حلت وحرمت وغیرہ میں تو وہ اخبار (خبر دینے) کے قبیل سے ہیں، شہادت کے قبیل سے نہیں ہیں۔[۴]

۴۳۷- **ضابطہ:** گواہ کا بالغ، آزاد، مسلمان اور عادل ہونا ادائے شہادت کی

---

(۱) ویملک اقامة التعازیر ما کان حقا لله تعالی بلا طلب أحد وما کان حق عبد بطلبه (البحر الرائق: ۲۹۶/۶، کتاب القضاء، فصل تقلید من شاء من المجتهدین، شاملة)

(۲) ومنها لفظ الشهادة فلا تقبل بغیرها من الألفاظ، کلفظ الإخبار والإعلام۔ (بدائع: ۴۱۱/۵)

(۳) ومنها النطق فلا تقبل شهادة الأخرس، لأن مراعاة لفظ الشهادة شرط صحة أدائها ولا عبارة للأخرس أصلاً فلا شهادة له (بدائع: ۴۰۲/۵)

(۴) وکل مالا یشترط فیه هذا اللفظ کطهارة ماء ورؤیة هلال فهو اخبار لاشهادة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۱۷۸/۸)

شرط ہے،تحمل شہادت کی نہیں۔ [۱]

تشریح:تحمل شہادت سے مراد واقعہ پیش آنے کے وقت اس کا مشاہدہ کرنا ہے تاکہ بوقت ضرورت اس کا بیان دے سکے۔اورادائے شہادت سے مراد دیکھے ہوئے واقعہ کا قاضی کے سامنے اظہار کرنا ہے تاکہ قاضی اس کی روشنی میں فیصلہ کرسکے۔

پس واقعہ کے مشاہدہ کے وقت کوئی نابالغ تھا اور ادائے شہادت کے وقت بالغ ہوچکا ہے،یا فاسق تھا اور عادل ہوگیا یا کافر تھا اور مسلمان وعادل ہوگیا تو اب وہ شخص عدالت میں مقبول ہے اور اس کی گواہی معتبر ہوگی،لیکن برعکس صورت میں یعنی تحمل کے وقت عادل تھا اور ادا کے وقت فاسق ہوگیا یا مسلمان تھا اور کافر ہوگیا (نعوذ باللہ) تو اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔

۴۳۸-**ضابطہ**:شہادت کے لئے واقعہ کا معائنہ ضروری ہے۔

تشریح:البتہ بعض مخصوص چیزیں جیسے نکاح ،موت ،نسب، وقف،قاضی کی ولایت وغیرہ جن کا تعلق سماع سے ہے اور شہرت پر اعتماد کیا جاتا ہے ان میں سماع کی بنیاد پر یعنی لوگوں سے سن کر بھی شہادت دی جاسکتی ہے۔ [۲]

تفریع:پس اگر کسی نے طلاق،ہبہ،اقرار وغیرہ کو دیوار یا مکان کے باہر سے سنا اور اس کے متعلق شہادت دی تو مقبول نہ ہوگی،کیونکہ ایک آواز دوسری آواز کے مشابہ ہوتی ہے پس جب تک براہ راست واقعہ کا مشاہدہ نہ کرے قطعی علم حاصل

---

(۱)وأما البلوغ والحرية والإسلام والعدالة :فليس من شرط التحمل، بل من شرائط الأداء۔۔الخ (بدائع:۵/۳۹۸)

(۲)الثالث :أن يكون التحمل بمعاينة المشهود به بنفسه لابغيره،إلا في أشياء مخصوصة يصح التحمل فيها بالتسامع من الناس...فلاتطلق الشهادة بالتسامع إلافي أشياء مخصوصة وهي:النكاح والنسب والموت .الخ (بدائع الصنائع:۵/۳۹۸-تاتارخانية:۱۱/۴۱۱)

نہ ہوگا۔[۱]

البتہ اس مسئلہ میں ایک خاص صورت جس کا تحقق بہت نادر ہے مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ پہلے سے کوئی گھر خالی ہو اور ایک شخص اس گواہ کے روبرو اس کے اندر گیا اور بجز اس دروازہ کے اور کوئی آنے کی جگہ بھی اس میں نہ ہو اور ایسی حالت میں اندر سے کوئی مضمون طلاق غیرہ کا سنائی دے تو یقین کیا جائے گا کہ اس جانے والے ہی کی آواز ہے، پس اس صورت میں شہادت جائز ہے۔[۲] (امداد الفتاویٰ میں ہے کہ اس زمانہ کے اعتبار سے یہ بھی شرط ہوگی کہ اس مکان میں گراموفون بھی نہ ہو[۳]۔ راقم الحروف عرض کرتا ہے کہ فی زمانہ موبائل، آئی پیڈ، کمپوٹر وغیرہ بھی نہ ہونے کی شرط ہوگی)

فائدہ: نابینا کی شہادت مقبول نہیں یعنی قاضی اس پر فیصلہ نہیں کرے گا [تاہم اگر کرلیا تو نافذ ہوجائے گا] اگرچہ تحمل شہادت کے وقت -یعنی واقعہ کے مشاہدہ کے وقت- وہ بینا ہو، اور اگرچہ اس کی شہادت ان امور سے متعلق ہو جن کا تعلق سماع سے ہے کیونکہ نابینا مشہود لہ اور مشہود علیہ میں کما حقہ تمیز نہیں کرسکتا ہے جو کہ ادائے شہادت میں ایک ضروری امر ہے، یہ حکم طرفین کے نزدیک ہے جبکہ امام ابو یوسف کے نزدیک اگر واقعہ کے مشاہدہ کے وقت بینا ہو پھر نابینا ہوگیا ہو تو اس کی شہادت معتبر ہے کیونکہ اس کو یہ علم معاینہ سے حاصل ہوا ہے۔[۴]

---

(۱) ولو سمع من وراء الحجاب لایجوز له أن یشهد ولو فسّر للقاضین لایقبله، لأن النعمة تشبه النعمة فلم یحصل العلم۔ (ہدایہ: ۳/۱۵۸)

(۲) إلا إذا کان دخل البیت وعلم أنه لیس فیه أحد سواه ثم جلس علی الباب ولیس فی بیته مسلک غیره فسمع اقرار الداخل ولایراه، له أن یشهد لأنه حصل العلم فی هذه الصورة۔ (ہدایہ: ۳/۱۵۸)

(۳) (امداد الفتاویٰ: ۳/۴۳۷)

(۴) (لا) تقبل (من أعمی) أی لایقضی بها ولو قضی صح وعم قوله ←

۴۳۹-**ضابطہ**: ہر ایسی شہادت جو شاہد کے لئے نفع کھینچ کر لائے یا اس سے کسی تاوان کو دور کرے وہ مقبول نہیں (کیونکہ اس میں تہمت کذب کی گنجائش ہے)[1]

تفریعات:

(۱) پس اصول (ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اوپر تک) کی شہادت اپنے فروع (بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی نیچے تک کی تمام اولاد) کے حق میں قبول نہ ہوگی، اسی طرح فروع کی شہادت اپنے اصول کے حق میں قبول نہ ہوگی۔[2]

(۲) زوجین (میاں بیوی) کی شہادت ایک دوسرے کے حق میں قبول نہ ہوگی۔[3]

اور اصول وفروع کے علاوہ دوسرے اقرباء جو شاخوں میں پھیلے ہوئے ہیں جیسے بھائی، بہن، چچا، پھوپھی خالہ، ماموں، وغیرہ ان کے حق میں شہادت معتبر ہے، کیونکہ ان کے مال کا نفع مذکور رشتہ داروں کی طرح عرفاً وعادتاً عام نہیں پس ان کو اجانب کے ساتھ لاحق کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ ان رشتہ داروں کو زکوۃ دینا درست ہے برخلاف اصول وفروع کے۔[4]

← (مطلقاً) مالو عمي بعد الأداء قبل القضاء و ماجاز بالسماع، خلافاً للثاني۔ (الدر المختار) وفي الشامية: قوله: (أي لايقضي بها) خلافاً لأبي يوسف فيما إذا تحمله بصير أفإنها تقبل لحصول العلم بالمعاينة۔ (شامی: ۸/ ۱۹۳، زکریا دیوبند، اللباب في شرح الكتاب: ۴/ ۶۰، شاملة)

(۱) وأصله أن كل شهادة جرت مغنماً أو دفعت مغرماً لم تقبل لأنها تمكنت فيها تهمة الكذب، والشهادة المتهمة مردودة۔ (معين الأحكام للطرابلسي: ۸۴- هكذا في قاضيخان على الهنديه: ۲/ ۴۶۶)

(۲) (بدائع الصنائع: ۵/ ۴۰۹) (۳) (الحوالة السابقة)

(۴) وأما سائر القرابات كالأخ والعم والخال ونحوهم: فتقبل شهادة بعضهم لبعض لأن هؤلاء ليس لبعضهم تسلط في مال البعض عرفا وعادة فالتحقوا بالأجانب۔ (بدائع: ۵/ ۴۰۹ هكذا في الهنديه: ۳/ ۴۷۰)

(۳) کاروبار میں دو شریک (پارٹنرز) کی شہادت مال شرکت سے متعلق ایک دوسرے کے حق میں معتبر نہ ہوگی۔ [1]

(۴) اجیر کی شہادت مستاجر کے حق میں اجرت سے متعلق معاملہ میں معتبر نہیں۔ [2]

(۵) مقدمہ میں وکیل کی شہادت موکل کے حق میں معتبر نہیں۔ [3]

(۶) یتیم کی پرورش کرنے والے کی شہادت یتیم کے حق میں قابل قبول نہیں۔ [4]

(۷) اسی طرح اگر ورثاء سب نابالغ ہوں یا کچھ نابالغ ہوں تو وصی کی شہادت اس بات پر کہ میت کا فلاں کے ذمہ قرض ہے معتبر نہیں۔ [5]

کیونکہ ان سب صورتوں میں شہادت سے خود شاہد کو نفع پہنچتا ہے۔

اور تاوان دور کرنے سے متعلق تفریعات یہ ہیں:

(۸) کفیل بالمال کی شہادت اس بات پر کہ اصیل (مدیون) نے مال مکفولہ بہ ادا کر دیا ہے قابل قبول نہ ہوگی، کیونکہ اس شہادت سے وہ اور اصیل دونوں دین سے بری ہو جاتے ہیں، تو گویا کفیل شہادت کے ذریعہ خود کو ضمان سے بچانا چاہتا ہے۔ [6]

---

(۱) ولا تقبل شهادة أحد الشريكين لصاحبه في مال الشركة۔ (بدائع: ۴۱۰/۵-هكذا في الهنديه: ۴۷۱/۳)

(۲) و كذا لاتقبل شهادة الأجير له في الحادثة اللتي استأجره فيها لما فيه من تهمة جر النفع إلى نفسه۔ (الحوالة السابقة)

(۳،۴) وعلى هذا تخرج شهادة الوصي للميت واليتيم اللذى في حجره لأنه خصم فيه، و كذا شهادة الوكيل لموكله۔ (الحوالة السابقة)

(۵) إذا شهد الوصي بدين للميت والورثة صغار أو بعضهم صغار لاتقبل شهادته لأنه يثبت بشهادته حق نفسه۔ (قاضيخان على الهنديه: ۴۶۶/۲)

(۶) لاتقبل شهادة الكفيل بالمال للأصيل على كون المكفول به قد تأدى الواردة في هذه المادة حيث إن الأصيل بهذه الشهادة والكفيل بموجب المادة (۶۶۵) يبرأ من الدين فيكون قد خلّص نفسه من الضمان بالشهادة۔ (درر ←

(۹) ایک شخص نے دعویٰ کیا کہ میت کے ذمہ میرے ایک لاکھ روپے ہیں، اور ابھی اس نے اپنا دعویٰ بینہ کے ذریعہ ثابت نہیں کیا کہ ورثاء میت میں سے دو وارثوں نے دیگر وارثین کی اجازت کے بغیر اسے ایک لاکھ روپے دیدئے، پھر یہ دونوں وارث مدعی کے مذکور دعویٰ پر گواہی دینے لگے تو ان کی گواہی معتبر نہ ہوگی، کیونکہ اثبات دعویٰ سے پہلے ان دو وارثوں کا مشترک ترکہ میں سے رقم ادا کرنا موجب ضمان ہے یعنی باقی ورثاء کے حصہ کا ان پر ضمان آتا ہے، تو اب مدعی کے حق میں ان کا شہادت دینا اس بات کا اتہام پیدا کردے گا کہ یہ دونوں اپنے اوپر آنے والے ضمان کو دفع کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی (ہاں اگر مدعی کو قرض ادا کرنے سے پہلے شہادت دیتے تو ان کی شہادت مقبول ہوتی، کیونکہ ادا سے قبل ضمان نہ آتا تو جو مانع شہادت ہے یعنی دفع ضمان کا اتہام وہ نہ پایا جاتا) [1]

۴۴۰- **ضابطہ:** دشمن کے خلاف گواہی میں اگر دشمنی دنیوی امور (مال، منصب، جاہ وغیرہ) سے متعلق ہے تو معتبر نہیں، اور اگر دینی امور سے متعلق دشمنی ہے (مثلاً وہ بدعت کرتا ہے یا کوئی خلاف شرع کام کرتا ہے اس لئے جائز حد تک اس سے عدم تعلق وعداوت رکھتا ہے) تو معتبر ہے۔ [2]

← الحکام فی شرح مجلۃ الأحکام: ۱۲ / ۱۴۸)

---

(۱) إذا دعی الدائن ألف درهم من المتوفی وقبل أن یثبت دعواه بالشهود أدی اثنان من الورثة ذالک المبلغ للدائن من الترکة ثم شهدا علی دعواه المذکورة فلا تقبل شهادتهما، لأن إعطاهما المبلغ المذکور من الترکة بلا إثبات یوجب علیهما ضمان حصة باقی الورثة فکان فی هذه الشهادة دفع مغرم عنهما أما إذا شهدا علی ذالک قبل أداء الدین فتقبل شهادتهما۔ (درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام: ۱۲ / ۱۴۸)

(۲) ولا تجوز الشهادة الرجل علی الرجل إذا کان بینهما عداوة، قالوا هذا ←

۴۴۱- **ضابطہ**: کافر کی گواہی مسلمان کے خلاف قابل قبول نہیں۔ [۱]

تشریح: کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: {وَلَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكَافِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا} البتہ کافر کی گواہی کافر کے خلاف معتبر ہے۔

۴۴۲- **ضابطہ**: جو شہادتیں حقوق اللہ سے متعلق ہیں (جیسے طلاق، ایلاء، ظہار، عتق، اسباب حرمت، حد زنا، حد خمر، وقف، ثبوت رمضان وغیرہ) ان میں دعویٰ ضروری نہیں، مدعی کے دعویٰ کے بغیر بھی شاہد شہادت دے سکتا ہے۔ اور جو شہادتیں حقوق العباد سے متعلق ہیں (جیسے کسی کی کچھ ملکیت ثابت کرنا وغیرہ) ان میں دعویٰ ضروری ہے، مدعی کے دعویٰ کے بغیر ان میں شاہد کی شہادت معتبر نہ ہوگی۔ [۲]

تشریح: حقوق العباد بندوں کے مطالبہ پر موقوف ہیں اور مطالبہ دعویٰ سے ظاہر ہوگا پس ان میں دعویٰ ضروری ہے، برخلاف حقوق اللہ کے کہ ہر شخص ان کو بجالانے کا مکلف ہے اور ہر ایک ان میں خصم ہے، پس گویا ان میں ہر وقت دعویٰ غیر حسی طور پر موجود رہتا ہے۔ [۳]

۴۴۳- **ضابطہ**: تنہا عورتوں کی شہادت بغیر مرد کے مقبول نہیں اگر چہ عورتیں

← إذا كانت العداوة بينهما بسبب شيء من الدنيا فأما إذا كانت بسبب شيء من أمر الدين فإنه تقبل شهادته عليه (قاضی خاں مع الہندیہ: ۲/ ۴۶۱ - شامی: ۸/ ۱۹۸- ۱۹۹)

---

(۱) شهادة أهل الذمة ليست بحجة على المسلمين۔ (قواعد الفقہ ص: ۸۵ قاعدہ: ۱۵۵) (۲) الشهادة على حقوق العباد لاتقبل بلادعوى بخلاف حقوق الله (قواعد الفقہ، ص: ۸۶، قاعدہ: ۱۵۷- شامی: ۸/ ۱۷۵)

(۳) تقدم الدعوى فى حقوق العباد شرط قبولها لتوقفها على مطالبتهم ولو بالتوكيل، بخلاف حقوق الله لوجوب إقامتها على كل أحد، فكل احد خصم فكأن الدعوى موجودة۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۲۱۶)

کثیر تعداد میں ہوں۔[1]

استثناء: مگر عورتوں کے مخصوص امور جن پر عموماً مرد آگاہ نہیں ہوسکتے مثلاً پردۂ بکارت کا باقی یا زائل ہونا، حیض کا جاری و بند ہونا، حمل کا ہونا نہ ہونا یا جسم میں ستر کے حصے میں کوئی عیب ہونا وغیرہ مستثنیٰ ہیں کہ ان میں تنہا ایک عورت کی گواہی بھی (جبکہ عادل ہو) معتبر ہے، اور دو عورتیں ہونا احوط ہے —— اسی طرح تنہا دائی کی شہادت بچے کے نسب کے متعلق یا بچے کے رونے اور حرکت کے متعلق [تاکہ اس پر نماز جنازہ پڑھی جاسکے] معتبر ہے، کہ یہ اخبار کے قبیل سے ہے۔

البتہ میراث اور حرمت رضاعت کے سلسلہ میں تنہا دائی کی گواہی معتبر نہیں، اس میں نصاب شہادت شرط ہے۔[2]

فائدہ: عورتوں کے مخصوص امور میں مرد کی گواہی بھی معتبر ہے، چنانچہ اگر کوئی مرد کہے کہ میری اتفاقی نظر اس کے ستر پر عورت پر پڑ گئی اور میں نے اس میں یہ عیب دیکھا تو اگر وہ عادل ہے تو اس کی بات معتبر ہوگی۔[3]

---

(۱) ولا تقبل شهادة النساء بانفرادهن الخ (تاتارخانیہ: ۱۱/۳۱۹، م: ۱۶۴۹۰)

(۲) ومنها الشهادة في الولادة والبكارة وعيوب النساء فيما لا يطلع عليه الرجال وتقبل فيها شهادة امرأة واحدة مسلمة حرة عدلة والثنتان احوط، هكذا في فتح القدير۔ (هنديه: ۳/۴۵۱) إلا شهادة القابلة على الولادة فإنها مقبولة في حق النسب دون الميراث، وكذالك شهادة القابلة على الاستهلال مقبولة في حق الصلاة عليه دون غيره لمكان الضرورة (قاضيخان مع الهنديه: ۲/۴۵۹) ولا تقبل في الرضاع شهادة النساء منفردات وإنما يثبت بشهادة رجلين أو رجل وامرأتين۔ (قدوری: ۱۷۰)

(۳) ولو شهد بذالك رجل بأن قال فاجأتها فاتفق نظري فالجواب أن لا يمتنع قبول شهادته إذا كان عدلا في مثل هذا الموضوع۔ (هنديه: ۳/۴۵۱)

۴۴۴-**ضابطہ**: حدود وقصاص کی شہادت میں گواہوں کا مرد ہونا ضروری ہے۔ (۱)

تشریح: پس حدود وقصاص میں عورتوں کی گواہی معتبر نہ ہوگی، کیونکہ حدود وقصاص میں ایک گونہ دہشت وسختی ہے، اور عورت فطرتاً کمزور ہے اس لئے شریعت نے اس کی رعایت میں اس پر شہادت کا بوجھ نہیں ڈالا ہے۔

فائدہ: حدود وقصاص کے علاوہ باقی تمام شہادات جیسے نکاح، طلاق، عدت، رجعت، خلع، اسلام، ارتداد، ثبوت نسب، خرید وفروخت، شرکت، حوالہ، کفالہ، وکالت اور تمام مالی امور میں دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی قابل قبول ہوگی۔ (۲)

۴۴۵-**ضابطہ**: گواہ کا عادل ہونا وجوب شہادت کے لئے شرط ہے نہ کہ صحت شہادت کے لئے۔ (۳)

تشریح: یعنی گواہ جب عادل ہوں تو قاضی پر ان کی گواہی قبول کرنا واجب ہے، انکار نہیں کرسکتا۔ لیکن صحت شہادت کے لئے گواہ کا عادل ہونا شرط نہیں، بلکہ اگر قاضی تحری کرکے فاسق کی شہادت پر بھی فیصلہ کردے تو نافذ ہوجائے گا (مگر یہ کہ امام المسلمین قاضی کو اس سے منع کردے تو پھر اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا) (۴)

(۱) وأما اقسام الشهادة فمنها الشهادة على الزنا... ومنها الشهادة ببقية الحدود القصاص تقبل فيها شهادة رجلين ولا تقبل في هذين القسمين شهادة النساء هكذا في الهداية۔ (هنديه: ۳/ ۴۵۱)

(۲) (تاتارخانیہ: ۱۱/ ۴۱۹، م: ۱۶۴۸۹، البحر الرائق: ۷/ ۱۰۴)

(۳) والعدالة لوجوبه لا لصحته۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۸/ ۱۷۸)

(۴) فلو قضى بشهادة فاسق نفذ وأثم، إلا أن يمنع منه أي من القضاء بشهادة الفاسق الإمام فلا ينفذ۔ (الدر المختار) قال في جامع الفتاوى: وأما شهادة الفاسق فإن تحرى القاضي الصدق في شهادته تقبل وإلا فلا۔ (شامی: ۸/ ۱۷۸، بدائع: ۵/ ۴۰۷)

درمختار میں بزازیہ کے حوالہ سے امام ابویوسف کا یہ مسلک منقول ہے کہ اگر عادل گواہ نہ ہونے کی وجہ سے حق تلفی کا اندیشہ ہو اور فاسق شخص ذی وجاہت ہو جس کے صدق کا ظن غالب ہو تو قاضی اس کی شہادت قبول کرلے اور یہ قبول کرنا واجب ہے۔(۱)

فائدہ: عدالت کے معنی عام فقہاء کے یہاں یہ ہیں کہ اس نے کبھی گناہ کبیرہ نہ کیا ہو اور اگر کیا ہو تو اس سے توبہ کرلی ہو اور اس کے حالات سے پتا چلتا ہو کہ وہ اپنی توبہ میں صادق ہے، نیز صغیرہ پر اصرار نہ کرتا ہو، کیونکہ صغیرہ پر اصرار سے وہ گناہ کبیرہ ہوجاتا ہے، پس جس شخص میں یہ چیز ہو وہ عادل ہے۔(۲)

اور مراد عدالت سے عمل میں عدالت ہے عقائد میں نہیں، پس بدعتی، غیر مقلد، مودودی وغیرہ کی شہادت - باوجودیکہ وہ عقائد میں فاسق ہیں - جبکہ عملاً عادل ہوں مقبول ہے، البتہ اس میں شرط ہے کہ وہ خلاف حق عقیدہ موجب کفر نہ ہو۔(۳)

۴۴۶- **ضابطہ:** حدود وقصاص میں گواہوں کا تزکیہ ضروری ہے، دیگر امور میں ضروری نہیں۔

(یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک تمام امور میں تزکیہ ضروری ہے)(۴)

---

(۱)واستثنى الثاني الفاسق ذالجاه والمروءة فانه يجب قبول شهادته ـ (الدر المختار: ۸/۲۶ والتفصيل في الشامية)

(۲)(شامی: ۸/۱۷۸، بدائع: ۵/۴۰۲)

(۳)وتقبل من أهل الهواء أي اصحاب بدع لاتكفر كجبر ـ الخ (الدر المختار) وفي الشامية: انما تقبل شهادتهم لأن فسقهم من حيث الاعتقاد وما أوقعهم فيه الا التعمق والغلو في الدين والفاسق انما ترد شهادته بتهمة الكذب ...فمن وجب اكفاره منهم فالأكثر على عدم قبوله ـ (شامی: ۸/۱۸۸)

(۴)(بدائع الصنائع: ۵/۴۰۵، الدر المختار: ۸/۱۷۹، ھندیہ: ۳/۵۲۷)

تشریح: تزکیہ سے مراد: گواہوں کے متعلق جبکہ قاضی کو شک ہو یا خصم دعویٰ کرے یہ تحقیق کرنا ہے کہ وہ عادل ہیں یا نہیں؟۔ یہ تحقیق حدود وقصاص میں تو بالاتفاق ضروری ہے، کیونکہ حدود وقصا کا معاملہ بہت احتیاط چاہتا ہے، دیگر امور میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ضروری نہیں، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک تمام معاملات میں تزکیہ وتحقیق ضروری ہے۔

یہ اختلاف: اختلاف زمانی ہے نہ کہ برہانی، کیونکہ امام صاحبؒ کا زمانہ قرن ثالث ہے جو حدیث کی رو سے خیر القرون ہے، اس میں دیانت عام تھی اس لئے گواہان کے تزکیہ کی ضرورت نہیں تھی، صرف ظاہر پر اعتماد کافی تھا، برخلاف صاحبینؒ کا زمانہ کہ وہ قرن رابع ہے، خیر القرون میں سے نہیں ہے، ان کے زمانہ میں لوگوں کی دیانت میں کافی فرق آگیا تھا اس لئے صاحبینؒ نے تمام امور میں تزکیہ ضروری قرار دیا، اب فتویٰ اسی قول پر ہے۔[(۱)]

پھر جاننا چاہئے کہ تزکیہ دو طرح سے ہوتا ہے ایک: 'تزکیہ سر' دوسرا: 'تزکیہ علانیہ' تزکیہ سریہ ہے کہ: قاضی خاموشی سے گواہوں کے قرب وجوار میں کسی معتبر وبااہل شخص کو بھیج دے جو گواہوں کی عدالت وثقاہت کی تحقیق کرے اور آکر اپنی خفیہ رپورٹ قاضی کو پیش کرے۔ اس تحقیق کے لئے دو شخصوں کا ہونا ضروری نہیں، ایک معتبر شخص

---

(۱) وقيل هذا اختلاف عصر وزمان والفتوىٰ على قولهما في هذا الزمان۔ (ہدایہ: ۳/۱۵۷-) هذا اختلاف عصر وزمان لا اختلاف حجة وبرهان، لأن عصره مشهور بالخير لكونه قرنا ثالثا وعصرهما مسكوت عنه لكونه قرنا رابعا إذ فشا فيه الكذب لتغير أحوال الناس (وبه) أي بقول الإمامين (يفتى في زماننا) لأن الفساد في هذا العصر أكثر كما في أكثر المعتبرات ۔ مجمع الانهر: ۲/ ۱۸۹، الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۱۷۹، المبسوط للسرخسي: ۱۶/ ۸۸، شاملة)

بھی کافی ہے، البتہ احتیاط یہ ہے کہ دو شخص سے کم نہ ہو۔[1] اور تزکیہ علانیہ یہ ہے کہ: قاضی بر سر عام گواہوں کی ثقاہت کے متعلق شہادت طلب کرے اور کچھ لوگ آ کر یہ شہادت دیں کہ وہ ثقہ و معتبر ہے۔ اس تزکیہ میں مزکیین میں شہادت کی تمام شرائط (سوائے لفظ شہادت کے) پایا جانا، نیز نصاب شہادت یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا ضروری ہے۔[2]

پھر بعد کے زمانہ میں چونکہ تزکیہ علانیہ میں فتنہ کا اندیشہ تھا، اس لئے فقہاء نے تزکیہ سر پر اکتفاء کا حکم دیا اور تزکیہ علانیہ سے منع کیا۔[3]

۴۴۷- **ضابطہ**: محدود فی القذف کی شہادت توبہ کے بعد بھی مقبول نہیں، برخلاف دیگر محدودین کے۔[4]

تشریح: قذف کے معنی پھینکنے کے ہے، اصطلاح میں قذف کے معنی کسی پر زنا کی تہمت لگانا ہے، پس محدود فی القذف: وہ شخص ہے جس نے کسی پاک دامن مرد یا عورت پر زنا کی جھوٹی تہمت لگائی ہو جس کی وجہ سے اس پر ۸۰ کوڑے حد جاری کی

---

(۱) یکفی فی التزکیة السریة مزکٍّ واحد إلا أنه رعایة للاحتیاط یجب أن لایکون المزکّی أقل من اثنین۔ (درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام: ۲ / ۲۵۷، مادة: ۱۷۲۱)

(۲) التزکیة العلنیة من قبیل الشهادة وتعتبر فیها شروط الشهادة ونصابها ولکن لایلزم علی المزکین ذکر لفظ الشهادة (الحوالة السابقة: ۲/۲۵۸، مادة: ۱۷۲۲)

(۳) وقد کانت العلانیة وحدها فی الصدر الأول ووقع الاکتفاء فی السر فی زماننا تحرزاً عن الفتنة ویروی عن محمد تزکیة العلانیة بلاء وفتنة (ہدایہ: ۳/۱۵۷)

(۴) ومنها أن لایکون محدوداً فی قذف عندنا وهو شرط الأداء....وأما المحدود فی الزنا والسرقة والشرب فتقبل شهادته بالإجماع إذا تاب لأنه صار عدلاً۔ (بدائع: ۵/۴۰۷-۴۰۹)

گئی ہو۔

شرعاً ایسے شخص کی گواہی بالکل مقبول نہیں اگرچہ توبہ کرلے، کیونکہ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ولا تقبلوا لهم شهادة ابدا (ایسوں کی شہادت کبھی قبول نہ کرنا) پس اس کی شہادت قبول نہ کرنا اس کی سزا کا جزء ہے۔

برخلاف اگر کسی کو زنا، چوری یا شراب کے جرم میں حد لگائی گئی ہو، تو اس کی شہادت توبہ کے بعد مقبول ہے۔[1]

البتہ محدود فی القذف کو نکاح میں (یعنی انعقاد نکاح میں) گواہ بنایا جاسکتا ہے، کیونکہ اس وقت مقصود نکاح کی تشہیر ہے جو اس سے حاصل ہوجاتی ہے، اسی وجہ سے نکاح میں تو اندھا اور فاسق شخص بھی گواہ بن سکتا ہے۔ البتہ اثبات نکاح میں (یعنی نکاح کے انکار کے وقت قاضی کی عدالت میں نکاح کو ثابت کرنے میں) اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی۔[2]

۴۴۸-**ضابطہ**: شہادت کو جبکہ حق ضائع ہوتا ہو چھپانا جائز نہیں، مگر حدود میں چھپانا بہتر ہے۔[3]

تشریح: یعنی اگر واقعہ کی تحقیق اس کی شہادت پر موقوف ہو اور وہ شہادت نہ دے تو بندے کا یا اللہ کا حق ضائع ہوگا تو شہادت دینا واجب ہے، اگر نہیں دے گا تو گنہ گار ہوگا، خصوصاً جبکہ اس سے مطالبہ بھی کیا جائے۔[4]

---

(۱)(بنایہ فی شرح الہدایہ:۸/ ۱۶۳) (۲)(البحر الرائق: ۳/ ۱۵۸)

(۳)(الدر المختار علی ہامش رد المحتار:۸/ ۱۷۴-۱۷۶-بنایہ فی شرح الہدایہ:۸/ ۱۲۱)

(۴)إذا شهد على شيء ثم امتنع عن اداء الشهادة إن علم أنه لو لم يشهد يذهب حق المشهود له فلم يشهد يصير فاسقاً۔ (تاتارخانیہ: ۱۱/ ۳۹۹) وتلزم بطلب المدعي أي يلزم أدائها الشاهد إذا طلبه المدعي فيحرم كتمانها لقوله تعالى {ولا تكتموا الشهادة ومن يكتمها فإنه آثم قلبه} [البقرة: ۲۸۳] (البحر الرائق: ۷/ ۹۶)

البتہ وہ جرائم جن میں حد واجب ہوتی ہے، جیسے زنا، چوری، شراب نوشی، اتہام تو ان میں ایک مسلمان کے ساتھ ستر اور پردہ پوشی سے کام لینا شہادت دینے سے بہتر ہے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے حضرت ہزالؓ کو فرمایا تھا کہ اگر تم اپنے بھائی کو اپنے کپڑے میں چھپا لیتے (یعنی اس کے جرم پر پردہ ڈالتے) تو وہ تمہارے لئے بہتر ہوتا۔ [1]

فائدہ: چوری کے معاملہ میں فقہاء نے لکھا ہے، قاضی کے پاس جا کر چور کے متعلق کہے اس نے فلاں کا مال لیا ہے، تا کہ صاحب حق (جس کا مال چوری ہوا ہے) کا حق ضائع نہ ہو نیز چوروں کی حوصلہ شکنی بھی ہو، لیکن یہ نہ کہے کہ اس نے چوری کی ہے تا کہ حد جاری نہ ہو اور حدود میں ستر۔ جو کہ افضل ہے۔ پر عمل ہو جائے، نیز اس لئے بھی کہ اگر چوری کی شہادت دے گا تو قطع ید ہوگا اور چور پر ضمان نہیں آئے گا، کیونکہ قطع اور ضمان دونوں جمع نہیں ہوتے تو صاحب حق کو اپنا حاصل نہ ہوگا۔ [2]

۴۴۹- **ضابطہ**: شہادت علی الشہادت ان تمام چیزوں میں جائز ہے جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتیں اور جو شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں [اور وہ حدود و قصاص ہیں] ان میں جائز نہیں۔ [3]

تشریح: شہادت علی الشہادت کا مطلب ہے: اصل گواہ کا دوسرے کو گواہ بنانا

---

(۱) وسترها في الحدود أحب لقوله عليه الصلاة والسلام للذى شهد عنده "لو ستره بثوبک لكان خيراً لک" والمخاطب هزال۔ (البحر الرائق: ۹۹/۷)

(۲) ويقول في السرقة أخذ لا سرق إحياء الحق المسروق منه ولا يقول سرق محافظة على الستر ولأنه لو ظهرت السرقة لوجب القطع والضمان لا يجامع القطع فلا يحصل إحياء حقه (البحر الرائق: ۱۰۱/۷، تاتارخانیہ: ۳۹۹/۱۱)

(۳) والشهادة على الشهادة جائزة في كل حق لا يسقط بالشبهة، ولا تقبل في الحدود والقصاص، لأنها تسقط بالشبهة۔ (اللباب فی شرح الکتاب: ۱۵۱/۲)

تا کہ وہ قاضی کی مجلس میں جا کر اس کی طرف سے گواہی دے۔

قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ یہ بالکل جائز نہ ہو کیونکہ شہادت کا ادا کرنا عبادت بدنیہ ہے اور عبادت بدنیہ میں نیابت جاری نہیں ہوتی، لیکن فقہاء نے استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے کیونکہ بسا اوقات اصل گواہ کی موت، یا سخت بیماری، یا سفر میں ہونے یا پردہ نشین خاتون ہونے کی وجہ سے اس کی ضرورت پڑتی ہے، ورنہ لوگوں کے بہت سے حقوق ضائع ہو جائیں گے، پس مذکور مجبوری میں شہادت علی الشہادت جائز ہے۔

لیکن چونکہ شہادت علی الشہادت میں بدلیت کا شبہ بھی ہے اس لئے یہ ان چیزوں میں جو شبہ سے ساقط ہو جاتی ہیں [اور وہ حدود و قصاص ہیں] جائز نہیں۔ (۱)

فائدہ: شہادت علی الشہادت میں ضروری ہے کہ اصل گواہ اپنی طرف سے دو مرد (یا ایک مرد اور دو عورتوں) کو گواہی کیلئے مقرر کریں جب ہی نیابت معتبر ہوگی، اور ان دو کی بالواسطہ شہادت سے اب بھی ایک ہی گواہ کی ضرورت پوری ہوگی۔

البتہ دو گواہوں کی طرف سے چار شخصوں کا ہونا ضروری نہیں، دو کی گواہی بھی کافی ہے، کیونکہ اس صورت میں شہادت جملہ حقوق پر ہوگی، گویا ان دو نائبوں نے اولاً ایک گواہ کی طرف سے حق ادا کیا پھر دوسرے کی طرف سے حق ادا کیا اور دو شخصوں کا دو حق پر شہادت دینا جائز ہے۔ برخلاف ایک کی طرف سے ایک کی شہادت، کہ وہ کافی نہیں کیونکہ فرد کی گواہی حق ثابت نہیں کر سکتی۔ حاصل یہ کہ دو گواہوں کی طرف سے دو شخصوں کی نیابت تو جائز ہے، لیکن ایک گواہ کی طرف سے ایک کی نیابت جائز نہیں، اس میں بھی دو کا ہونا ضرور ہے۔ (۲)

---

(۱) (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲۹۲/۸-الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲۲۵/۸)

(۲) ويجوز شهادة شاهدين أو رجل وامرأتين على شهادة شاهدين لأن نقل الشهادة من جملة الحقوق وقد شهدا بحق ثم بحق آخر فتقبل، لأن شهادة ←

۴۵۰- **ضابطہ**: دعویٰ سے زیادہ کی شہادت باطل ہے- خواہ زیادتی حقیقتاً ہو یا معناً- برخلاف دعویٰ سے کم کی شہادت کہ وہ مقبول ہے۔ (۱)

جیسے:

(۱) مدعی نے کسی کے ذمہ ایک ہزار کا دعویٰ کیا اور اس کے گواہوں نے دو ہزار کی گواہی دی تو مقبول نہ ہوگی کہ اس میں حقیقتاً دعویٰ سے زیادہ کی شہادت ہے (البتہ اگر اس صورت میں مدعی شہادت اور دعویٰ میں تطابق پیدا کردے- مثلاً میرے دو ہزار باقی تھے مگر ایک ہزار وصول ہو گئے اور اب ایک ہزار ہی باقی ہے، یا کہے میں نے ایک ہزار معاف کردئے تھے- تو پھر وہ گواہی مقبول ہوگی)

اور اگر دعویٰ سے کم کی شہادت ہو جیسے دو ہزار کا دعویٰ کیا اور شہادت ایک ہزار کی دی تو ایک ہزار کی حد تک شہادت مقبول ہوگی۔

(۲) کسی نے گھر پر مطلق ملکیت کا دعوی کیا یعنی کہا اس گھر کا میں مالک ہوں اور ملکیت کا سبب بیان نہیں کیا یعنی میں نے اس کو خریدا ہے یا وراثت میں ملا ہے یا ہدیہ میں آیا ہے وغیرہ کوئی سبب ملکیت کا ذکر نہیں کیا اور اس کے شاہدوں نے گواہی دی کہ یہ گھر اس نے فلاں سے خریدا ہے (یعنی ملک بسبب کی گواہی دی) تو یہ شہادت مقبول ہے، کیونکہ دعویٰ میں معناً زیادتی ہے اور شہادت میں کمی ہے؛ اس طرح کہ شاہدوں کی شہادت ملک کے ایک سبب (خریدنے) پر منحصر ہے، جبکہ مدعی کا دعویٰ کسی ایک سبب کے ساتھ مخصوص نہیں، وہ سبب بھی ہوسکتا ہے جو شاہدوں نے ذکر کیا ہے اور اس کے علاوہ کوئی اور سبب بھی —— اور اگر امر برعکس ہو یعنی مدعی ملک بسبب کا دعویٰ کرے اور

← الشاهدين على حقين جائزة- ولا تقبل شهادة واحد على شهادة واحد، لأن شهادة الفرد لا تثبت الحق- (اللباب في شرح الكتاب: ۲/ ۱۵۱)

---

(۱) الشهادة باكثر من المدعى باطلة بخلاف الأقل- (قواعد الفقہ، ص: ۸۶، قاعدہ: ۱۵۶- شامی: ۸/ ۱۷۵)

گواہان ملک مطلق کی گواہی دیں تو شہادت مقبول نہ ہوگی، کیونکہ دعویٰ میں معناً کمی اور شہادت میں زیادتی ہے (البتہ سبب ارث اس سے مستثنیٰ ہے یعنی مدعی بسبب وراثت ملکیت کا دعویٰ کرے اور گواہان ملک مطلق کو بیان کرے تو یہ گواہی مقبول ہے اس لئے کہ سبب وراثت بمقابل دوسرے اسباب کے قوی ہے پس دعویٰ اور شہادت میں معناً برابری ہوگئی)(۱)

(۳) اسی طرح اگر کسی نے نتاج کا دعویٰ کیا یعنی یہ بچہ اسی بھینس نے جنا ہے اور اس بھینس پر اس کی ملکیت مسلم ہو اور گوہان ملک مطلق کی گواہی دیں تو ان کی گواہی معتبر ہوگی، کیونکہ نتاج کے دعویٰ میں جبکہ بھینس کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے بچہ پر ملکیت بالیقین ثابت ہوگی، اور مطلق شہادت میں اتنا یقین کا معنیٰ نہیں ہے، پس دعویٰ میں معناً زیادتی اور شہادت میں کمی پائی گئی اس لئے شہادت مقبول ہے —— اور اگر برعکس صورت ہو یعنی مدعی مطلق ملک کا دعویٰ کرے اور گواہان نتاج کی گواہی دیں تو حکم بھی برعکس ہوگا۔(۲)

۴۵۱- **ضابطہ**: دونوں گواہوں کی شہادت میں لفظاً ومعناً موافقت ضروری ہے۔(۳)

(۱-۲) ومنه إذا دعى ملكاً مطلقاً أو بالنتاج فشهدوا في الأول بالملك بسبب وفي الثاني بالملك المطلق قبلت ، لأن الملك بسبب أقل من المطلق لأنه يفيد الأولوية بخلافه بسبب فإنه يفيد الحدوث، والمطلق أقل من النتاج لأن المطلق يفيد الأولوية على الاحتمال والنتاج على اليقين، وفي قلبه: وهو دعوى المطلق فشهدوا بالنتاج لاتقبل، ومن الأكثر مالو ادعى الملك بسبب فشهدوا بالمطلق لاتقبل إلا إذا كان السبب الإرث۔ (شامی: ۸/ ۲۱۵)

(۳) تجب موافقة الشهادتين لفظا ومعنى۔ (قواعد الفقه: ۷۷، قاعدہ: ۷۷- بدائع الصنائع: ۵/ ۴۱۱)

تشریح: معناً موافقت تو ظاہر ہے، لفظاً موافقت سے مراد: امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک دونوں لفظ اپنی وضع کے اعتبار سے ایک معنی میں متحد ہوں، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک باعتبار وضع موافقت ضروری نہیں، بلکہ تضمناً بھی اگر دونوں لفظ معنی کے موافق ہوں تو کافی ہے۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس اگر ایک گواہ نے تزویج کا لفظ کہا اور دوسرے نے نکاح کا یا ایک نے ہبہ کا اور دوسرے نے عطیہ کا لفظ کہا تو بالاتفاق یہ شہادت مقبول ہوگی، کیونکہ تزویج اور نکاح اسی طرح ہبہ اور عطیہ آپس میں مترادف الفاظ ہیں جو ایک ہی معنی کیلئے وضع کئے گئے ہیں، اور لفظوں کا ایسا اختلاف درحقیقت اختلاف شمار نہیں ہوتا۔ (۲)

(۲) اور اگر ایک نے شہادت دی کہ فلاں کے ذمہ اس کے دو ہزار روپے ہیں اور دوسرے نے کہا پندرہ سو ہے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، کیونکہ دو ہزار اور پندرہ سو دونوں وضع کے اعتبار سے مختلف معنی کو شامل ہیں تو دونوں کی شہادت میں موافقت نہ رہی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک یہ شہادت پندرہ سو کے حق میں مقبول ہوگی، کیونکہ دو ہزار کا لفظ پندرہ سو کو متضمن ہے اس کے ضمن میں پندرہ سو آجاتے ہیں پس گو وضع کے اعتبار سے دونوں میں موافقت نہیں ہے، لیکن تضمناً موافقت موجود ہے اور اتنا کافی ہے (یہی حکم ہوگا جبکہ طلاق کی تعداد کے سلسلہ میں گواہوں میں اس طرح کا اختلاف ہو، یعنی امام صاحبؒ کے نزدیک وہ شہادت مقبول نہ ہوگی اور صاحبینؒ کے

---

(۱) وتجب موافقة الشهادتين لفظا ومعنى۔ (الدر المختار) والذي يظهر من هذا أن الإمام اعتبر توافق اللفظين على معنى واحد بطريق الوضع وأن الإمامين اكتفيا بالموافقة المعنوية ولو بالتضمن ولم يشترطا المعنى الموضوع له كل من اللفظين۔ (شامی: ۸/۲۱۷-البحر الرائق: ۷/۱۴۲)

(۲) (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/۲۱۸)

نزدیک مقبول ہے)[۱]

استدراک: لیکن شہادت علی القول مثلاً بیع، طلاق، وصیت وغیرہ میں زمان ومکان میں موافقت ضروری نہیں، صرف نفس واقعہ میں موافقت کافی ہے۔ چنانچہ اگر ایک گواہ کہے کہ اس نے اپنی بیوی کو کل طلاق دی تھی اور دوسرا کہے اس نے آج طلاق دی ہے، یا ایک کہے اس نے اپنے گھر میں طلاق دی تھی دوسرا کہے گھر سے باہر طلاق دی تھی یا ایک نے گواہی دی کہ فلاں مرنے والے نے جمعرات کو وصیت کی تھی اور دوسرا کہے اس نے جمعہ کو وصیت کی تھی تو (شہادت علی القول میں) اس طرح زمان ومکان کا اختلاف مضر نہیں، اس سے دونوں کا کلام مختلف نہ سمجھا جائے گا۔[۲]

ہاں مگر یہ زمان ومکان کا اختلاف ایسا فاحش ہو کہ تطبیق دینا ممکن ہی نہ ہو تو پھر یہ اختلاف بھی معتبر ہوگا اور شہادت باطل ہوگی۔ جیسے دو شاہدوں میں سے ایک نے گواہی دی کہ اس نے اپنی بیوی کو یوم النحر میں دہلی میں طلاق دی تھی، اور دوسرے نے شہادت دی کہ اس نے اسی دن فلاں جگہ طلاق دی تھی اور کوئی ایسی جگہ بتائی جس کی مسافت دہلی سے (بذریعہ سواری بھی) ایک دن سے زائد ہے تو یہ شہادت باطل ہوگی کیونکہ یہ اختلاف فاحش ہے، اس میں تطبیق ممکن نہیں۔[۳]

---

(۱)(البحر الرائق: ۱۸۴/۷- الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۲۱۸/۸)

(۲)وذكره في الكافي فقال: وإذا اختلف الشاهدان في المكان أو الزمان في البيع والشراء والطلاق والعتق والوكالة والوصية ...تقبل الخ، والأصل ان المشهود به إذا كان قولاً كالبيع ونحوه فاختلاف الشاهدين فيه في الزمان أو المكان لايمنع قبول الشهادة لأن القول ممايعاد ويكرر۔ (البحر الرائق: ۱۹۰/۷)

(۳)وفي فتح القدير قبيل باب تفويض الطلاق معزياً إلى كافي الحاكم: لو اختلفا في الوقت أو المكان أو الزمان بأن شهد أحدهما أنه طلقها يوم النحر بمكة والآخر أنه طلقها في ذالك اليوم بالكوفة فهي باطلة لتيقن كذب أحدهما ←

۴۵۲-**ضابطہ:** ایک گواہ قول کی اور دوسرا فعل کی شہادت دے تو قابل قبول نہیں۔ (۱)

تشریح: جیسے ایک نے گواہی دی کہ اس نے غصب کیا ہے اور دوسرے نے کہا اس نے میرے سامنے غصب کا اقرار کیا ہے، تو یہ شہادت مقبول نہ ہوگی، کیونکہ غصب کرنا ایک فعل ہے اور غصب کا اقرار قول ہے تو ایک کی شہادت فعل سے اور دوسرے کی قول سے متعلق ہوئی اور یہ قبول کے لئے مانع ہے۔ (۲)

یا جیسے زید نے ایک ہزار کا کسی پر دعویٰ کیا اور دو گواہوں نے زید کے حق میں گواہی دی، لیکن ایک گواہ نے کہا کہ زید نے اس کو قرض دیا تھا اور دوسرے نے کہا اس نے زید کے لئے قرض کا اقرار کیا تھا تو یہ شہادت معتبر نہ ہوگی، کیونکہ قرض دینا فعل ہے اور قرض کا اقرار قول ہے، تو دونوں کی شہادت میں اختلاف ہو گیا۔ (۳)

۴۵۳-**ضابطہ:** نفی کی شہادت قابل قبول نہیں۔ (۴)

تشریح: کیونکہ شہادت دعویٰ کے اثبات کے لئے ہوتی ہے، اور نفی میں یہ مقصود حاصل نہیں ہوتا۔ نیز نفی کی شہادت استصحاب حال پر مبنی ہوتی ہے یعنی گواہان یہ گواہی اس لئے دے رہے ہیں کہ وہ اس میں نفی کو جانتے تھے تو اب بھی اس میں نفی ہی ہوگی،

← ولو شهدا بذالک فی یومین متفرقین بینهما فی الأیام قدر مایسیر الراکب من الکوفة إلی مکة جازت شهادتهما... وهذا أیضاً مقید لقولهم إن الاختلاف فی الزمان لایضر فی الأقوال فیقال إلا إذا ذکر أمکانین متباعدین۔ (البحر الرائق: ۷/ ۱۹۲)

---

(۱) وکذا لاتقبل فی کل قول جمع مع فعل۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۸/ ۲۱۸)

(۲) (ہندیہ: ۳/ ۵۰۳)

(۳) (درر الحکام شرح مجلة الأحکام: ۱۲/ ۲۱۱-الدر المختار: ۸/ ۲۱۸)

(۴) الشهادة علی النفی لاتقبل۔ (قواعد الفقه، ص: ۸٦، قاعدہ: ۱۵۸)

جبکہ بات اس کے خلاف بھی ہوسکتی ہے جو گواہوں کے علم میں نہ ہو اور استصحاب حال احناف کے یہاں حجت نہیں۔

نفی کی مثال: جیسے گواہوں نے یہ گواہی دی کہ فلاں نے اس کو قرض نہیں دیا ہے کیونکہ وہ جس دن جس جگہ قرض دینے کا دعویٰ کرتا ہے اس دن وہ اس جگہ موجود ہی نہیں تھا بلکہ ایک لمبے سفر پر تھا تو یہ گواہی معتبر نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر گواہوں نے کہا ہم نے اس مدعی سے کبھی جھوٹ نہیں سنا، یا مدعی علیہ نے وہ بات نہیں کہی یا وہ کام نہیں کیا جس کا اس پر دعویٰ کیا گیا ہے تو ان سب میں نفی کی شہادت ہے جو قابل قبول نہ ہوگی۔

البتہ اگر نفی متواتر ہو یعنی تمام لوگوں کو نفی ہی کا علم ہو اس کے خلاف کا علم نہ ہو مثلا سبھی لوگ یہ جانتے ہو کہ فلاں اس وقت اس جگہ موجود نہیں تھا بلکہ دوسری جگہ تھا اور شاہدوں نے اس نفی کی شہادت دی تو بوجہ تواتر یہ شہادت مقبول ہوگی (پس نفی بالتواتر کی صورت مستثنیٰ ہے)[1]

شہادت سے رجوع کا بیان

۴۵۴- ضابطہ: شہادت سے رجوع قاضی کے فیصلہ سے پہلے معتبر ہے،

---

(۱) المادة (۱۶۹۹): إنما جعلت البينة مشروعة لإظهار الحق فعليه لا تقبل الشهاد بالنفي الصرف كقول الشاهد: فلان ما فعل هذا الأمر والشيء الفلاني ليس لفلان، وفلان ليس بمدين لفلان، ولكن بينة النفي المتواتر مقبولة. مثلا لو ادعى أحد بأني أقرضت فلانا في الوقت الفلاني في المحل الفلاني كذا مقدارا من الدراهم وأثبت المدعى عليه بالتواتر أنه لم يكن في الوقت المذكور في ذلك المحل بل كان في محل آخر تقبل بينة التواتر ولا تسمع دعوى المدعي. (درر الحكام في شرح مجلة الأحكام: ۴۲۳/۱۲ مادة:- ۱۶۹۹ وهكذا في شرح الحموي على الأشباه: ۱۹۰/۲)

فیصلہ کے بعد معتبر نہیں۔

تشریح: پس فیصلہ سے پہلے رجوع کیا تو قاضی اس شہادت پر فیصلہ نہیں کرے گا، کیونکہ یہ رجوع معتبر ہے، البتہ اس تضاد بیانی اور جھوٹی شہادت کی وجہ سے وہ گواہ سزا کا مستحق ہوگا، یہاں تک کہ معاملہ کے کسی ایک جز سے رجوع کیا تو باقی اجزاء کے متعلق بھی اس کی گواہی معتبر نہ ہوگی کیونکہ خود اس نے اپنی اس تضاد بیانی سے اپنا فاسق ہونا ظاہر کر دیا۔

اور قاضی کے فیصلہ کے بعد رجوع کیا تو اس کا کوئی اعتبار نہیں، فیصلہ علی حالہ باقی رہے گا، اب رجوع سے قاضی کا فیصلہ نہیں ٹوٹے گا، البتہ اس صورت میں بھی وہ گواہ تعزیر کا مستحق ہے۔(۱)

۴۵۵- **ضابطہ**: جھوٹی شہادت سے گواہوں پر تاوان اس وقت واجب ہوگا جبکہ بعینہ مال تلف ہوا ہو، منافع کے تلف پر تاوان لازم نہ ہوگا۔(۲)

تشریح: قاضی کے فیصلہ کے بعد اگر گواہوں نے شہادت سے رجوع کر لیا تو اب چونکہ ان کے رجوع سے قاضی کا فیصلہ ٹوٹ نہیں سکتا، اس لئے اس جھوٹی شہادت کی وجہ سے مدعیٰ علیہ کا جو کچھ نقصان ہوا اس کا تاوان گواہوں کے ذمہ ہوگا، کیونکہ اس نقصان کا وہ سبب بنے، لیکن یہ تاوان مطلقاً واجب نہ ہوگا، بلکہ اس وقت واجب ہوگا جبکہ بعینہ مال تلف ہوا ہو جیسے اس شہادت کی وجہ سے مدعیٰ علیہ کو کوئی مال مدعی کو ادا کرنا پڑا ہو تو اس مال کا تاوان گواہوں پر آئے گا، اسی طرح قبل الدخول طلاق کی گواہی دی تو اگر مہر مسمّی ہو تو ان گواہوں پر نصف مہر لازم ہوگا اور اگر مہر مسمّی نہ ہو تو متعہ لازم ہوگا۔

(۱) (فإن رجعا قبل الحكم بها سقطت ولا ضمان) وعزر ولو عن بعضها لأنه فسق نفسه۔ جامع الفصولين (وبعده لم يفسخ) الحكم (مطلقاً) لترجحه بالقضاء۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۸/ ۲۳۲، البحر الرائق: ۷/ ۲۱۶-۲۱۷)

(۲) وكون المتلف بها عيناً فلا ضمان لو رجع عن منفعة۔ (البحر الرائق: ۷/ ۲۱۵)

اور اگر بیع کی گواہی دی تو سامان کی قیمت میں بائع کا جس قدر نقصان ہوا اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا، جبکہ بائع کے خلاف گواہی دی ہو اور اگر مشتری کے خلاف گواہی دی تو مشتری کو جس قدر زیادہ قیمت دینی پڑی ہو اس کا تاوان ان پر لازم ہوگا، اسی طرح اگر نکاح کی گواہی دی تو مہر مثل سے جس قدر مہر انہوں نے زیادہ بتایا ہو اس کا ضمان لازم ہوگا (مہر مثل یا اس سے کم مہر کی شہادت دی ہو تو اس میں ضمان نہیں ہے، کیونکہ یہ پورا مہر منفعت بضع کا عوض ہے اور جو اتلاف بالعوض ہو وہ درحقیقت اتلاف نہیں)[1]

اور اگر جھوٹی شہادت سے منافع کا نقصان ہوا جیسے نکاح کی گواہی دی اور شوہر نے دخول بھی کرلیا تو اس میں عورت کیلئے منفعت کا نقصان ہوا، یا اجرت مثل سے کم اجرت میں گھر کرایہ پر دینے کی گواہی دی تو مالک کیلئے گھر کی منفعت میں نقصان ہوا، تو اس میں گواہوں پر رجوع کے بعد کوئی تاوان لازم نہ ہوگا، کیونکہ منافع کے تلف پر کوئی تاوان نہیں آتا۔[2]

۴۵۶- **ضابطہ:** تاوان لازم کرنے کے سلسلہ میں اعتبار ان گواہوں کا ہوگا جو باقی ہیں (یعنی جنہوں نے رجوع نہیں کیا) نہ کہ ان گواہوں کا جنہوں نے رجوع کرلیا ہے۔[3]

---

(۱) ولا یضمن راجع فی النکاح شهد بمهر مثلها أو أقل إذ الإتلاف بعوض کلا إتلاف، وإن زاد علیه ضمناها ... وضمنا فی البیع والشراء مانقص عن قیمته المبیع لوالشهادة علی البائع أو زاد لو الشهادة علی المشتری للإتلاف بلاعوض... وفی الطلاق قبل وطء وخلوة ضمنا نصف المال المسمی أو المتعة إن لم یسم۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۸/ ۲۳۵)

(۲) فلا ضمان لو رجع عن منفعة: کالنکاح بعد الدخول، ومنفعة دار شهدا علی المؤجر للمستأجر بإجارتها بأقل من أجر مثلها ثم رجعا۔ (البحر الرائق: ۷/ ۲۱۵)

(۳) العبرة فیه لمن بقی لا لمن رجع۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۸/ ۲۳۳)

تفریع: پس اگر دو میں سے ایک گواہ نے رجوع کیا تو [اس کی شہادت سے جو کچھ مدعیٰ علیہ کا نقصان ہوا اس نقصان میں] وہ نصف کا ضامن ہوگا، اور اگر تین میں سے ایک نے رجوع کیا تو اس پر ضمان نہ آئے گا، کیوں کہ باقی رہنے والے دو گواہ ہیں اور وہ شہادت کے لئے کافی ہے، لیکن اگر دوسرے نے بھی کچھ دیر بعد رجوع کرلیا تو اب پہلا اور یہ دوسرا دونوں نصف کے ضامن ہوں گے، دوسرے کا ضامن ہونا تو ظاہر ہے، پہلا کا ضامن ہونا اس لئے کہ اس کے رجوع کا اثر مانع کی وجہ سے ظاہر نہیں ہوا تھا اور وہ مانع ہے باقی رہنے والوں کی تعداد کا نصاب شہادت کیلئے کفایت کرنا اور اعتبار انہی باقی رہنے والوں کا تھا، لیکن جب دوسرے نے بھی رجوع کرلیا تو اب مانع (نصاب شہادت کا باقی رہنا) زائل ہوگیا تو پہلے کے رجوع کا اثر بھی ظاہر ہوگا، اور تلف دونوں کی طرف منسوب ہوگا اور دونوں ضامن ہوں گے۔

اسی طرح اگر ایک مرد اور دو عورتوں میں سے ایک عورت نے رجوع کرلیا تو وہ ربع کی ضامن ہوگی، اور اگر دو عورتوں نے رجوع کیا تو وہ دونوں نصف کی ضامن ہوں گی۔ اور اگر ایک مرد اور دس عورتوں میں سے آٹھ عورتوں نے رجوع کیا تو ان پر ضمان نہ آئے گا، کیونکہ باقی رہنے والوں کی تعداد نصاب شہادت کے لئے کافی ہے، لیکن اگر ان باقی میں سے ایک اور عورت نے بھی رجوع کرلیا تو اب کل رجوع کرنے والی نو عورتوں پر ایک ربع کا ضمان آئے گا، ایک ربع اس لئے کہ نصاب کا تین ربع باقی ہے جنہوں نے رجوع نہیں کیا۔ اور اگر تمام رجوع کرلیں تو ان پر تاوان اسداس کے اعتبار سے آئے گا ایک سدس مرد پر اور پانچ سدس دس عورتوں پر کیونکہ ان میں ہر دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہے۔[1]

فإن رجع أحدهما ضمن النصف وإن رجع أحد ثلاثة لم يضمن وإن رجع آخر ضمنا النصف، وإن رجعت امرأة من رجل وامرأتين ضمنت الربع وإن رجعتا فالنصف، وإن رجع ثمان نسوة من رجل وعشر نسوة لم يضمن فإن رجعت ←

۴۵۷- **ضابطہ:** شہادت سے رجوع قاضی کی مجلس ہی میں معتبر ہے، عام مجلس میں معتبر نہیں۔ (۱)

تفریع: پس اگر مدعیٰ علیہ عدالت میں جاکر گواہوں کے رجوع کا دعویٰ کرے، کہ انہوں نے لوگوں کے سامنے اپنی شہادت سے رجوع کرلیا ہے، اور اس بات پر وہ ان سے یمین کا مطالبہ کرے تو اس کی شنوائی نہ ہوگی اور گواہوں سے قسم نہ لی جائے گی، اس لئے کہ مدعیٰ علیہ رجوع غیر معتبر کا دعویٰ کر رہا ہے اور ایسا دعویٰ باطل ہے۔

اسی طرح مذکور دعویٰ پر مدعیٰ علیہ کوئی بینہ پیش کرے تو وہ بھی قبول نہ ہوگا۔ (۲)

← أخرى ضمن التسع ربعه لبقاء ثلاثة أرباع النصاب، فإن رجعوا فالغرم بالأسداس (الدرالمختار) وفي الشامية: (بالأسداس) السدس على الرجل وخمسة الأسداس على النسوة، لأن كل امرأتين تقوم مقام رجل واحد (شامی: ۸/۴۴۳)

(۱) ولا يصح الرجوع إلا عند القاضي۔ (البحرالرائق: ۸/۲۱۶)

(۲) وادعى المشهود عليه رجوعهما وأراد يمينهما لا يحلفان، وكذا لا تقبل بينته عليهما، لأنه ادعى رجوعاً باطلاً۔ (البحرالرائق: ۸/۲۱۷)

باب الإخبار

(خبر دینے کا بیان)

۴۵۸- **ضابطہ:** امور غیر ملزمہ میں ایک باتمیز شخص کی خبر کافی ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، چھوٹا ہو یا بڑا۔ اور امور ملزمہ میں شہادت اپنی تمام شرائط (عدد، عدالت وغیرہ) کے ساتھ ضروری ہے۔ اور وہ امور جن میں من وجہ الزام ہو اور من وجہ الزام نہ ہو ان میں دو چیزوں میں سے ایک ضروری ہے یا تو عدد ہو (دو شخص ہوں) یا عدالت ہو (مخبر عادل ہو) [1]

تشریح: امور غیر ملزمہ: وہ امور ہیں جن میں کسی قسم کا کوئی الزام نہ ہو جیسے بائع کا کہنا کہ میں فلاں کا وکیل ہوں یا مضارب ہوں [2] یا کسی کا کوئی چیز پیش کر کے یہ خبر دینا کہ فلاں نے آپ کو یہ چیز ہدیہ دی ہے یا عاریت یا ودیعت کے طور پر دی ہے

---

(۱) ثم اعلم أن المعاملات على ما في كتب الأصول ثلاثة أنواع. الأول: ما لا إلزام فيه كالوكالات والمضاربات والإذن بالتجارة، والثاني: ما فيه إلزام محض كالحقوق التي تجري فيها الخصومات. والثالث: ما فيه إلزام من وجه دون وجه كعزل الوكيل وحجر المأذون، فإن فيه إلزام العهدة على الوكيل وفساد العقد بعد الحجر وفيه عدم إلزام لأن المؤكل والمولى يتصرف في خالص حقه فصار كالإذن. ففي الأول يعتبر التمييز فقط. وفي الثاني شروط الشهادة وفي الثالث إما العدد وإما العدالة عنده خلافا لهما۔ (شامی: ۹/۴۹۸، البحر الرائق)

(۲) (خانیہ علی ہامش الہندیہ: ۳/۴۱۹)

دغیرہ: ان میں شہادت ضروری نہیں، صرف ایک باتمیز شخص کی خبر کافی ہے، خواہ وہ خبر دینے والا عادل ہو یا غیر عادل، مسلمان ہو یا کافر، بالغ ہو یا نابالغ سمجھ دار بچہ سب کی خبر قابل قبول ہوگی۔

اور امور ملزمہ سے مراد وہ امور ہیں جن میں بندے پر کسی چیز کو لازم کرنا یا اس کی ملکیت کو زائل کرنا ہو مثلاً اس کے ذمہ فلاں کا اتنا دین ہے، یا اس کا نسب بجائے اس کے فلاں شخص سے ثابت ہے یا اس نے یہ جرم کیا ہے جس کی وجہ سے اس پر یہ حد لازم ہے، یا اس نے فلاں کا مال چوری یا غصب کیا ہے، یا کوئی عورت کہے ان دو میاں بیوی کو میں نے دودھ پلایا ہے لہٰذا ان کا نکاح صحیح نہیں ہوا وغیرہ جن میں خصومات جاری ہوتی ہیں شہادت اپنی تمام شرائط کے ساتھ ضروری ہے محض خبر کافی نہ ہوگی۔

اور من وجہ الزام اور من وجہ عدم الزام کی مثال ہے وکیل کو معزول کرنا، یا جس کو تجارت کی اجازت دی گئی ہے اس پر روک لگانا۔ پس اس میں وکیل کو معزول کرنے اور ماذون کو تجارت سے منع کرنے کے اعتبار سے الزام کا معنی ہے، اور اس اعتبار سے کہ مالک خالص اپنے حق میں تصرف کر رہا ہے کوئی الزام نہیں ـــــ لہٰذا اس جیسی خبر میں عدد یا عدالت دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے، دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں، مخبر یا عادل شخص ہو یا عادل نہ ہو تو خبر دینے والے کم از کم دو افراد ہوں۔

فائدہ: علامہ ابن نجیمؒ نے اشباہ اور بحر میں شہادت اور خبر کے مابین شرائط واحکام کے اعتبار سے کچھ فروق بیان کئے ہیں، جن میں اہم اور بنیادی یہ ہیں:

(۱) شہادت میں عدد (دو مرد، یا ایک مرد اور دو عورتوں کا ہونا) شرط ہے، خبر میں یہ شرط نہیں۔ (۱)

(۲) حدود وقصاص کی شہادت میں تمام گواہان کا مذکر ہونا شرط ہے، جبکہ خبر میں مطلقاً یہ شرط نہیں۔ (۲)

(۳) اپنے اصول وفروع کے حق میں شہادت مقبول نہیں، جبکہ خبر مقبول ہے۔ (۳)

(۴) شہادت علی الشہادت کی صحت کے لئے شرط ہے کہ اصل کی شہادت متعذر رہو، برخلاف خبر علی الخبر کے کہ اس میں یہ شرط نہیں۔ (۴)

(۵) محدود فی القذف کی شہادت توبہ کے بعد بھی مقبول نہیں، برخلاف اس کی خبر کہ وہ مقبول ہے۔ (۵)

علاوہ ازیں:

(۶) شہادت کا قاضی کی مجلس میں ہونا شرط ہے، خبر میں یہ شرط نہیں (پس فون کے ذریعہ بھی خبر دی جاسکتی ہے)

(۷) اور نصاب شہادت کی تکمیل کے بعد آگے گواہوں کی کثرت سے ثبوت میں قوت پیدا نہیں ہوتی، جبکہ خبر میں مخبروں کی کثرت سے تقویت آتی ہے، اگر ایک معتبر شخص حلال کی اور دو اشخاص حرام ہونے کی خبر دیں تو دو کی خبر کو ترجیح ہوگی۔ (۶)

۴۵۹- **ضابطہ:** دیانات کی خبر میں مخبر کا عادل ہونا ضروری ہے، جبکہ معاملات کی خبر میں صرف ایک باتمیز شخص کی خبر کافی ہے۔ (۷)

تشریح: جن امور میں خبر کافی ہوتی ہے اگر وہ دیانات کے قبیل سے ہیں جیسے یہ پانی ناپاک ہے یا یہ ذبیحہ حرام ہے وغیرہ: ان میں مخبر کا مسلمان اور عادل ہونا ضروری

(۵،۴،۳،۲،۱) یشترط العدد فیها دون الروایة، لاتشترط الذکورة فی الروایة مطلقاً وتشترط فی الشهادة بالحدود والقصاص ...لاتقبل الشهادة لأصله وفرعه ورقیقه بخلاف الروایة...لاتقبل الشهادة علی الشهادة إلاعند تعذر الأصل بخلاف الروایة ...لاتقبل شهادة المحدود فی قذف بعد التوبة وتقبل روایته (الأشباه والنظائر: ۳۲۶، بیروت لبنان)

(۶) وکذا لو أخبره عدلان الصدق یترجح بزیادة العدد فی المخبر بخلاف الشهادة (البحر الرائق: ۸/ ۲۱۳ کتاب الکراهیة فی الأکل والشرب متکئاً، شاملة)

(۷) (الدر والشامی: ۹/ ۴۹۸-۴۹۹)

ہے، پس فاسق یا کافر کی خبر ان میں معتبر نہ ہوگی ـــــ اور اگر مخبر مستور الحال ہو یعنی اس کا عادل یا غیر عادل ہونا معلوم نہ ہو تو تحری کر کے غالب گمان پر عمل کیا جائے گا، اگر غالب گمان عادل ہونے کا ہے تو اس کی خبر معتبر ہوگی ورنہ معتبر نہ ہوگی۔

جبکہ معاملات کی خبر میں جیسے مضاربت، وکالت یا ارسال ہدیہ وغیرہ کی خبر میں مخبر کا عادل ہونا ضروری نہیں، بلکہ کافر، اور نابالغ کی خبر بھی - بشرطیکہ وہ باشعور ہو - معتبر ہے۔[1]

۴۶۰- **ضابطہ**: خبر کے اعتبار میں اصل اور فرع کے مابین فرق کیا جائے گا۔[2]

تشریح: یعنی اصل کے متعلق خبر کا اعتبار نہ ہوگا، جبکہ فرع کے متعلق خبر معتبر ہوگی۔

جیسے کسی مرد یا عورت نے زوجین کے درمیان رشتۂ رضاعت کی خبر دی مثلاً کہا: یہ دونوں میاں بیوی رضاعی بھائی بہن ہیں تو اس سے میاں بیوی میں تفریق نہ کی جائے

---

(۱) (وأصله أن المعاملات يقبل فيها خبر كل مميز حرا كان أو عبدا مسلما أو كافرا صغيرا أو كبيرا العموم الضرورة الداعية إلى سقوط اشتراط العدالة (تبيين الحقائق: الجزء ١٦/١/٣٣١، كتاب الكراهية، المكتبة الشاملة) (وشرط العدال في الديانات) هي التي بين العبد والرب (كالخبر عن نجاسة الماء فيتيمم) ولا يتوضأ الخ (الدر المختار على هامش رد المحتار: ٤٩٨/٩- ٤٩٩، كتاب الحضر والإباحة، مكتبه زكريا ديوبند- الاختيار لتعليل المختار: ٤٩/١، المكتبة الشاملة) ولا يقبل في الديانات قول المستور في ظاهر الرواية، وعن ابى حنيفة أنه يقبل قوله فيها بناء على ما شاهد من أهل عصره؛ لأن الصلاح كان غالبا فيه ولهذا جاز القضاء بشهادته والظاهر أنه كالفاسق حتى يعتبر في خبره في الديانات أكبر الرأي كما في خبر الفاسق لظهور الفساد في زماننا . (تبيين الحقائق: الجزء ١٦/ ٣٣٢، كتاب الكراهية، المكتبة الشاملة)

(۲) يفرق في الاخبار بين الاصل والفرع۔ (قواعد الفقہ: ۱۴۳، قاعدہ: ۴۱۹)

گی کیونکہ اس خبر کا منشاء نکاح کے عدم جواز کو بتلانا ہے یعنی ان دونوں کا نکاح سرے سے صحیح نہیں ہوا، اور نکاح اصل ہے لہٰذا یہ خبر معتبر نہ ہوگی، اس میں شہادت کاملہ یعنی دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی باقاعدہ شہادت ضروری ہے۔

برخلاف اگر کسی نے طلاق یا خلع کی خبر دی یعنی عورت کو کہا کہ تمہارے شوہر نے تم کو طلاق دیدی ہے یا تم سے خلع کرلیا ہے، تو یہ خبر معتبر ہوگی اور اس کی وجہ سے دونوں میں تفریق کردی جائے گی، کیونکہ طلاق اور خلع نکاح کی فرع ہیں اور فرع کے متعلق شخص واحد کی خبر معتبر ہے۔ (۱)

فائدہ: خانیہ میں ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر غائب ہو اور کوئی عادل شخص آ کر خبر دے کہ اس کا شوہر مر گیا ہے اور خود میں نے اس کی لاش دیکھی ہے یا اس کے جنازہ میں حاضر تھا یا خبر دے کہ اس کے شوہر نے اسے تین طلاق دی ہے تو اس شخص کی بات معتبر ہوگی، پس عورت عدت گذارے گی اور دوسری شادی کرسکتی ہے ——— برخلاف اگر فاسق نے آ کر یہ خبر دی، یا عادل نے خبر دی لیکن شوہر موجود ہے، غائب نہیں ہے تو پھر اس خبر کا اعتبار نہ ہوگا۔ ہاں اگر فاسق نے طلاق نامہ پیش کیا اور کہا یہ تمہارے کے شوہر کی طرف سے ہے تو اس میں عورت غالب رائے پر عمل کرے گی، اگر غالب گمان یہ ہو کہ اس کے شوہر کی طرف سے ہے تو طلاق تصور کرے ورنہ نہیں۔ (۲)

---

(۱) قال (أى صاحب العقائد النسفية: ابو حفص عمر) من مسائله: ان المرأة اذا أخبرت بالرضاع بين الزوجين لم يفرق بينهما ويفرق فى الفرع بطلاق أو خلع (حاشيه اصول الكرخى مع قواعد الفقه: ۱۵-ہدایہ: ۲/ ۳۵۴-و: ۴/ ۴۶۴ ملخصاً)

(۲) وكذا لو أن امرأة غاب عنها زوجها فأخبرها مسلم ثقة أن زوجها طلقها ثلاثاً أو مات عنها أو كان غير ثقة فاتاها بكتاب من زوجها بالطلاق وهى لاتدرى أن الكتاب كتاب زوجها أم لا إلا أن أكبر رأيها أنه حق لابأس بأن تعتد وتزوج۔ (خانية على هامش الهندية: ۳/ ۴۲۱)

کتاب الاقرار

۴۶۱-**ضابطہ:** اقرار اخبار ہے، انشاء نہیں۔ (۱)

تشریح: اقرار کا لغوی معنی ہے اثبات یعنی کسی چیز کو ثابت کرنا، اصطلاح میں اقرار کہتے ہیں: دوسرے کا حق اپنے ذمہ ہونے کی خبر دینا، پس اس طرح اقرار سے کوئی حق ثابت نہیں ہوتا بلکہ پہلے سے ثابت شدہ کسی "حق" کی خبر واطلاع اس کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ اس پر یہ احکام متفرع ہوں گے۔

تفریعات:

(۱) اگر کسی نے جھوٹا اقرار کیا مثلاً کہا میرے ذمہ فلاں کے اتنے روپے ہیں تو مقرلہ (جس کے لئے اقرار کیا گیا ہے) کے لئے وہ روپے لینا حلال نہ ہوگا، کیونکہ محض اقرار سے آدمی کسی چیز کا مستحق نہیں ہوتا جب تک کہ پہلے سے اس شیء پر اس کا حق ثابت نہ ہو (ہاں اگر اقرار کے بعد وہ شخص بہ طیب خاطر وہ روپے دیدے تو پھر مقرلہ کے لئے لینا جائز ہوگا، کہ گویا یہ از سر نو "ہبہ" ہے) (۲)

(۲) اگر شوہر سے جبراً طلاق دلوائی جائے تو حکم یہ ہے طلاق واقع ہوجاتی ہے لیکن اگر جبر واکراہ سے طلاق کا اقرار کرایا گیا یعنی اس سے کہلوایا گیا تو اس بات کا اقرار کر کہ

---

(۱) الاقرار اخبار لا انشاء فلا یطیب للمقر له لو کان کاذباً۔ (قواعد الفقہ: ۶۰، قاعدہ: ۴۰)

(۲) ولهذا قلنا من أقر لغیره بمال والمقر له یعلم أنه کاذب فی إقراره فإنه لا یحل بینه وبین الله تعالى إلا أن یسلم بطیب نفسه فیکون تملیکاً مبتدأ منه على سبیل الهبة۔ (تاتارخانیہ: ۱۴/۵، مسئلہ: ۲۰۱۱۱، مکتبہ زکریا دیوبند)

میں طلاق دے چکا ہوں یا طلاق دئے جانے کا اقرار کرتا ہوں تو طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ اقرار کسی چیز کو وجود میں نہیں لاتا بلکہ پہلے سے ثابت شدہ چیز کو ظاہر کرتا ہے، اور شوہر نے پہلے طلاق دی نہیں ہے اس لئے یہ اقرار باطل ہے۔(۱)

(۳) اسی طرح اگر کسی نے اپنے مکان کے نصف حصہ کا کسی کے لئے اقرار کیا تو یہ اقرار معتبر ہے اور نصف حصہ اس کو سپرد کرنا ضروری ہوگا، کیونکہ اقرار کے ذریعہ اس نے گھر کے نصف حصہ میں پہلے سے اس کی شراکت موجود ہونے کی خبر دی ہے، اور اقرار اخبار ہے، اگر انشاء ہوتا تو یہاں نصف مکان کا قبل تقسیم ہبہ کرنا لازم آتا، اور مشاع چیز کا ہبہ قبل تقسیم صحیح نہیں ہے۔(۲)

۴۶۲- **ضابطہ**: اقرار خاص مقر کے حق میں ثابت ہوگا غیر پر مؤثر نہ ہوگا (کیونکہ اقرار حجت قاصرہ ہے، برخلاف شہادت کے کہ جو امر شہادت سے ثابت ہوتا ہے وہ تمام لوگوں پر حجت ہوتا ہے)(۳)

تفریعات:

(۱) پس اگر کسی نے زنا کا اقرار کیا تو خاص مقر پر حد جاری کی جائے گی، جس عورت کے ساتھ مقر نے زنا کرنا بتلایا اس عورت پر (بلا ثبوت کے) حد جاری نہ کی جائے گی،

(۱) ولا یصح إقراره بطلاق وعتاق مکرهاً الخ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۸/ ۳۵۱)

(۲) الإقرار بالمشاع صحیح سواء کان المشاع قابلا للقسمة أو غیر قابلة لأن الإقرار إخبار ولیس بإنشاء فإن التمایک بلا بدل هبة فلو کان الإقرار إنشاء لما جاز الإقرار بمشاع قابل القسمة۔ (درر الحکام فی شرح مجلة الأحکام: ۱۱/ ۴۶، المادة: ۱۵۸۵)

(۳) اقرار المقر إنما یثبت فی حقه خاصة (قواعد الفقه: ۶۱، قاعده: ۴۳) الإقرار حجة قاصرة (قواعد الفقه: ۶۶، قاعده: ۶۴)

کیونکہ مقر کا اقرار خاص اسی کے حق میں ثابت ہوتا ہے غیر پر موثر نہیں ہوتا۔ (۱)

(۲) کسی وارث نے اپنے مورث کے ذمہ دین کا اقرار کیا اور دوسرے ورثاء نے انکار کیا تو خاص اقرار کرنے والے کے حصۂ میراث سے دین ادا کیا جائیگا، دوسرے ورثاء کے ذمہ یہ دین نہ آئے گا، کیونکہ اقرار غیر کے حق پر اثر نہیں کرتا۔ (۲)

(۳) کسی عورت نے قسم کھا کر کہا کہ میرے خسر نے میرے ساتھ فلاں وقت میں زنا کیا ہے لیکن میں نے شرم کی وجہ سے اب تک افشاء نہیں کیا اور اس کا خسر بحلف کہتا ہے کہ میں نے ایسے فعل کا کبھی ارتکاب نہیں کیا، تو محض عورت کے اقرار سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی جب تک کہ شوہر اس کی تصدیق نہ کرے کیونکہ یہ اقرار شوہر سے متعلق ہے کہ اب وہ اس کی بیوی نہیں رہی لہذا یہ اقرار مؤثر نہ ہوگا برخلاف شہادت معتبرہ کے۔ (۳)

(۴) اسی طرح اگر کسی نے غیر معروف النسب شخص کیلئے بھائی ہونے کا اقرار کیا تو وہ غیر معروف شخص مقر کی میراث میں تو شریک ہوگا، لیکن بھائی ہونا یعنی نسب اس وقت تک ثابت نہ ہوگا جب تک کہ مقر کا باپ اس کی تصدیق نہ کرلے، کیونکہ میراث کا تعلق تو خود مقر کی ذات سے ہے، لیکن نسب کا تعلق اس کے باپ سے ہے اس لئے کہ مقر کا یہ کہنا کہ یہ میرا بھائی ہے اس کا مطلب ہے میرے باپ کا لڑکا ہے اور اقرار صرف مقر کے حق میں مؤثر ہوتا ہے غیر کے حق میں مؤثر نہیں ہوتا۔ (۴)

---

(۱) (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۸/ ۱۳۳)

(۲) أحد الورثة أقر بالدين المدعى به على مورثه وجحده الباقون يلزمه الدين كله يعني إن وفى مارثه به۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۳۶۹)

(۳) (فتاویٰ دار العلوم: ۱۵/ ۱۵۲)

(۴) حتى لو أقر مجهول النسب بالرق لرجل جاز ذلك على نفسه وماله ولم يصدق على أولاده وأمهاتهم ومدبريه ومكاتبيه إذ ثبت حق الحرية واستحقاقها

۴۶۳-**ضابطہ**: جو شخص انشاء کا مالک ہوتا ہے وہ اخبار (یعنی اقرار) کا مالک ہوتا ہے۔(۱)

تفریعات:

(۱)شوہر نے طلاق رجعی کی عدت میں کہا کہ میں نے چند دن پہلے بیوی سے رجوع کر لیا تھا تو اس کی بات معتبر ہوگی اور رجوع تسلیم کر لیا جائے گا، کیونکہ عدت موجود ہونے سے فی الحال وہ انشاء رجوع کا مالک ہے تو اقرار کا بھی مالک ہوگا۔ لیکن اگر عدت ختم ہونے کے بعد یہ قرار کیا کہ میں نے عدت کے زمانہ میں فلاں دن رجوع کیا تھا تو یہ اقرار معتبر نہ ہوگا کیونکہ جس وقت وہ اقرار کر رہا ہے اس وقت عدت موجود نہ ہونے سے وہ انشاء رجوع کا مالک نہیں ہے (یعنی فی الحال رجوع کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا ہے) تو اب اس کے اقرار کا بھی مالک نہ ہوگا، لہذا رجوع ثابت نہ ہوگا، مگر یہ کہ شوہر اپنے دعویٰ پر بینہ پیش کر دے۔(۲)

(۲)اسی طرح اگر شوہر طلاق کا اقرار کرتا ہے مثلاً میں نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے یا نکاح سے الگ کر دیا ہے وغیرہ تو اس کا یہ اقرار معتبر ہوگا اور طلاق واقع ہو جائے گی اگرچہ اس نے ماضی میں طلاق نہ دی ہو اور جھوٹا اقرار کیا ہو کیونکہ وہ فی الحال انشاء کا مالک ہے تو اقرار کا بھی مالک ہوگا پس اس کا اقرار خواہ صحیح ہو یا غلط معتبر ہوگا، اور چونکہ انشاء فی الماضی انشاء فی الحال ہوتا ہے اس لئے اقرار کے وقت سے طلاق واقع ہوگی۔ (البتہ مکرہ سے طلاق کا اقرار کروایا گیا تو طلاق واقع نہ ہوگی جیسا کہ گذرا کیونکہ اقرار

لهؤلاء فلا يصدق عليهم۔ (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۸/۱۳۳)

(۱)من ملک الانشاء ملک الاخبار۔ (قواعد الفقہ: ۱۳۰، قاعدہ: ۳۵۷)

(۲)ولو أقام بينة بعد العدة أنه قال في عدتها قد راجعتها .... كذا في المبسوط قيد بقوله بعد العدة لأنه لو قال في العدة كنت راجعتك أمس ثبتت، وإن كذبته لملكه الإنشاء في الحال. (البحر الرائق: ۴/۵۶، شاملة)

میں رضامندی شرط ہے پس وہ اس ضابطہ کے تحت داخل ہوگا کہ "اقرار اخبار ہے انشاء نہیں"۔ (۱)

۴۶۴- **ضابطہ**: مکرہ کا اقرار باطل ہے۔ (۲)

تشریح: یعنی جس سے زبردستی اقرار کروایا جائے اس کا اقرار باطل ہے، کیونکہ اقرار میں رضامندی لازم ہے۔

تفریع: پس اگر کسی پر زبردستی کر کے اپنے ذمہ کوئی حق کے ہونے کا اقرار کروایا گیا یا اقرار نامہ پر دستخط کروایا گیا یا جبر و اکراہ سے طلاق کا اقرار کروایا گیا تو اس کا کچھ اعتبار نہ ہوگا، مقر پر نہ کوئی حق ثابت ہوگا اور نہ اس کی طلاق واقع ہوگی۔

لیکن مکرہ کا انشائی کلام صحیح ہوتا ہے، چنانچہ اگر اس سے کہلوایا گیا کہ ایسا کہہ: "میری بیوی کو طلاق ہے" یا "میں طلاق دیتا ہوں" تو طلاق واقع ہوجائے گی، کیونکہ یہ انشاء ہے، اقرار نہیں ہے۔ (۳)

۴۶۵- **ضابطہ**: مرض وفات میں مریض کا اجنبی کے لئے دین کا اقرار صحیح ہے اور وارث کے لئے اقرار باطل ہے۔ (۴)

(۱) ولو قيل له: طلقت امرأتك فقال: نعم أو بلى بالهجاء طلقت بحر... (أنت طالق واحدة أو لا أو مع موتي أو مع موتك لغو) أما الأول فلحرف الشك، وأما الثاني فلإضافته لحالة منافية للإيقاع أو الوقوع (كذا أنت طالق قبل أن أتزوجك أو أمس و) قد (نكحها اليوم) ولو نكحها قبل أمس وقع الآن لأن الإنشاء في الماضي إنشاء في الحال. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۳/۲۶۶، ۲۴۹ شاملہ)

(۲) اقرار المكره باطل۔ (قواعد الفقہ: ۶۱، قاعدہ: ۴۴)

(۳) وكذا لا يصح الإقرار بالطلاق والعتاق مع الإكراه، والإنشاء يصح مع الإكراه الخ (تاتارخانیہ: ۱۴/۵، مسئلہ: ۲۰۱۱۱، مکتبہ زکریا دیوبند)

(۴) قال في الأصل: إذا أقر الرجل في مرضه بدين لغير وارث فإنه يجوز، وإن أحاط ذلك بماله، وإن أقر لوارث فهو باطل الخ (شامی: ۸/۳۸۰، مکتبہ زکریا دیوبند)

تشریح: مرض وفات میں اجنبی کے لئے اقرار خواہ تمام مال کا کیا ہو صحیح ہے، کیونکہ اقرار کے ذریعہ اس نے کوئی حق ثابت نہیں کیا ہے بلکہ پہلے سے ثابت شدہ حق کی خبر دی ہے [لیکن اگر متعدد قرض خواہ ہوں تو پہلے صحت کے زمانہ کے دین کو اور اس دین کو ادا کیا جائے گا جس کی وجہ معلوم ہو پھر جائداد باقی رہے تو ان لوگوں کا دین ادا کیا جائے گا جن کے لئے مرض وفات میں اقرار کیا ہے، کیونکہ صحت کے زمانہ کا دین مرض وفات کے دین سے قوی ہے، مرض وفات میں تو یہ احتمال ہے کہ اس نے اپنے صحیح حقداروں کو محروم کرنے کے لئے غلط اقرار کرلیا ہوگا، اس لئے اس کو مؤخر کیا جائے گا][1]

اور وارث کے لئے اقرار بالکلیہ باطل ہے، کیونکہ اس نے اگر وراث سے کوئی چیز لی ہوتی تو دوسرے ورثاء سے یہ مخفی نہ ہوتا یہاں اتہام اجنبی کے لئے اقرار کی بنسبت زیادہ ہے پس یہ اقرار باطل ہوگا [لیکن اگر دوسرے ورثاء اس کی تصدیق کرلیں تو پھر یہ اقرار صحیح ہوگا، اور اقرار کے موافق اس وارث کو پہلے وہ سامان دیا جائے گا، پھر وراثت تقسیم کی جائے گی]

۴۶۶- **ضابطہ**: مرض موت میں صحت کے زمانہ کی طرف منسوب کرکے کچھ اقرار کرنا مرض ہی میں اقرار کے حکم میں ہے۔

تفریعات:

(۱) پس اگر مرض موت کے مریض نے کہا کہ میں نے اپنے فلاں وارث سے صحت کے زمانہ میں اتنا قرض لیا تھا تو یہ اقرار صحیح نہیں جیسا کہ زمانہ مرض میں قرض لینے کا اقرار صحیح نہیں۔ مگر یہ کہ دوسرے ورثاء اس کی تصدیق کرلیں تو بنا بر تصدیق یہ اقرار

---

(۱) ودين الصحة مطلقا وما لزمه في مرضه بسبب معروف ببينة و بمعاينة قاض قدم على ما أقر به في مرض موته... والسبب المعروف۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۳۸۰/۸، مکتبہ زکریا دیوبند)

معتبر ہوگا۔

(۲) اسی طرح اگر اقرار کیا کہ میں نے فلاں زمین یا مکان اپنے اس وراث کو صحت کے زمانہ میں ہدیہ کردیا تھا تو یہ اقرار نافذ نہ ہوگا۔ مگر یہ کہ بینہ سے یہ بات ثابت ہوجائے، یا دیگر وارثین اس کی تصدیق کرلیں۔ (۱)

۴۶۷- **ضابطہ**: ہر ایسا تصرف جس کی صحت وتحقق کے لئے جہالت مانع نہیں اس میں مجہول اقرار صحیح ہے، اور جو تصرف ایسا نہ ہو اس میں مجہول اقرار صحیح نہیں۔

جیسے غصب، ودیعت اور ان کے مثل کوئی چیز کہ ان کی صحت وتحقق کے لئے جہالت مانع نہیں یہی وجہ ہے کہ اگر مثلاً بیگ غصب کرلیا اور اس میں سامان کیا ہے وہ معلوم نہیں یا اس کو کسی کے پاس امانت رکھوایا اور اس میں موجود مال کی وضاحت نہیں کی تو باوجود جہالت کے یہ غصب اور ودیعت صحیح ہیں اور ان کا حکم ثابت ہوجاتا ہے، تو ان کا اقرار بھی جہالت کے ساتھ صحیح ہوگا چنانچہ اگر اقرار کیا کہ میں نے ایک بیگ غصب کیا تھا یا کہا آپ نے میرے پاس ایک بیگ ودیعت رکھا تھا تو یہ اقرار صحیح ہوگا، گو اس نے وضاحت نہ کی ہو کہ اس بیگ میں مال کیا اور کتنا ہے؟

اور اگر ایسے تصرف کا اقرار کیا جو جہالت کے ساتھ صحیح نہیں ہوتا ہے جیسے بیع، شراء، اجارہ وغیرہ، مثلاً اقرار کیا کہ فلاں کو میں نے کچھ بیچا ہے، یا اس سے کچھ خریدا ہے، یا اس کو اجرت پر دیا ہے اور وضاحت نہیں کی کہ وہ چیز کیا ہے تو یہ اقرار صحیح نہیں، اور مقر کو کسی

(۱) (المادة: ۱۶۰۰) إقرار المريض في مرض موته بالإسناد إلى زمن الصحة في حكم الإقرار في زمن المرض، فلو أقر أحد في مرض موته بأنه قد استوفى دينه الذي على وارثه في زمان صحته لا ينفذ إقراره ما لم يجز باقي الورثة، كذلك لو أقر أحد في مرض موته بأنه قد وهب ماله الفلاني حال صحته لأحد ورثته فلان، وأنه سلمه إياه لا ينفذ إقراره ما لم يثبت ببينة، أو يجزه باقي الورثة۔ (درر الحكام في شرح مجلة الأحكام: ۱۱۳/۱۱، المادة: ۱۶۰۰)

چیز کے دینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔[1]

۴۶۸۔ **ضابطہ:** حقوق العباد میں اقرار کے بعد رجوع صحیح نہیں، حقوق اللہ میں صحیح ہے۔

تشریح: حقوق العباد جیسے قصاص، دیت، طلاق، عتاق، حق شفعہ یا دوسرے کے لئے مال ثابت کرنا وغیرہ: ان میں اقرار کے بعد رجوع صحیح نہیں، کیونکہ مقر لہ کے لئے وہ چیز مقر کے اقرار سے پہلے ہی ثابت ہو چکی ہے، مقر نے تو اقرار کے ذریعہ صرف اس کی خبر دی ہے، پس اب اس سے رجوع کرنا صحیح نہ ہوگا۔

اور حقوق اللہ جیسے زنا، سرقہ، شرب خمر وغیرہ: ان کے اقرار کے بعد رجوع صحیح ہے، یعنی رجوع کے بعد مقر پر اس جرم کی کوئی حد جاری نہ کی جائے گی، کیونکہ شبہات سے حدود ساقط ہو جاتی ہیں، اس نے جب اقرار کے بعد اس سے رجوع کر لیا تو اس سے ایک گونہ شبہ پیدا ہو گیا جو حد جاری کرنے کے لئے مانع ہوگا۔[2]

---

(۱) كل تصرف لايشترط لصحته وتحققه إعلام ماصادفه ذالك التصرف فالاقرار به مع الجهالة صحيح، وذالك كالغصب والوديعة وأشباههما فإن الجهالة لاتمنع صحة الغصب والوديعة وتحققهما فإن من غصب من رجل مالامجهولا في كيس أو أودعه مالامجهولا في كيس فإنه تصح الوديعة والغصب ويثبت حكمهما۔ وكل تصرف ليشترط لصحته وتحققه اعلام ماصادفه ذالك التصرف فالاقرار مع الجهالة لايصح وذالك كالبيع والشراء والإجارة فإن من أقر أنه باع من فلان شيئاً أو آجر من فلان شيئاً أو اشترى من فلان كذا وكذالايصح إقراره ولايجبر المقر على تسليم شيء ۔ (تاتار خانیہ: ۱۴/ ۵۷، مکتبہ زکریا دیوبند)

(۲) إذاأقر البالغ العاقل بشيء ثم رجع لايصح رجوعه فيما هو من حقوق العباد ... وماوجب حقاًالله تعالى مجرداًعن حقوق العباد كالزناوالسرقة ←

فائدہ : اقرار کے بعد مکر جانا یعنی انکار کردینا کہ میں نے اقرار کیا ہی نہیں تو اس کا حکم یہ ہے کہ مقر سے قسم لی جائے گی کہ میں نے ایسا اقرار بالکل نہیں کیا جس کا وہ دعوی کررہا ہے، اگر قسم کھالی تو ٹھیک ہے ورنہ اس کا انکار کرنا صحیح نہ ہوگا، یہ حکم عین یعنی مال کے اقرار کا ہے ـــــ عین کے علاوہ میں جیسے طلاق کے اقرار کے بعد انکار کیا تو اس میں شوہر سے قسم نہ لی جائے گی، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۱) بلکہ اس میں شوہر کا قول معتبر ہوگا جب تک کہ بینہ سے اس کا اقرار بالطلاق ثابت نہ ہوجائے، لیکن اگر عورت نے خود سن لیا ہو تو اس کو اپنے آپ پر شوہر کو قدرت دینا حلال نہ ہوگا، جیسا کہ کتاب الطلاق میں یہ مسئلہ گذر چکا ہے۔

۴۶۹- **ضابطہ:** ہر وہ چیز جس میں حق کسی ایک کے لئے ہوتا ہے مقرلہ کے رد کرنے سے اس میں اقرار باطل ہوجاتا ہے اور جہاں دونوں جانب حق ہوتا ہے مقرلہ کے رد کرنے سے اقرار باطل نہیں ہوتا۔

تشریح: ایک جانب حق ہونا جیسے ہبہ اور صدقہ کہ اگر اس کا کسی نے اقرار کیا یعنی کہا میں نے یہ چیز تمہیں ہدیہ کردی ہے یا صدقہ کی ہے اور مقرلہ نے اس کو رد کردیا اور کہا آپ نے ہدیہ وصدقہ کچھ نہیں کیا تو یہ اقرار باطل ہوگیا، اب مقرلہ پھر اس کی تصدیق کرے تو اس کی بات قبول نہ ہوگی اور ہدیہ یا صدقہ اس کے لئے ثابت نہ ہوگا کیونکہ اس میں حق صرف ایک کے لئے ہے (مگر یہ کہ مقر پھر سے اقرار کرے اور وہ اس کی

← وشرب الخمر يصح رجوعه قبل الاستيفاء۔ (تاتارخانیہ: ۱۴/۴-۵، مکتبہ زکریا دیوبند)

(۱) رجل اقر بعين لرجل ثم أنكر اختلف المشائخ فيه قال ابو نصر الدبوسى يحلف بالله ما اقررت له بكذا (تاتارخانیہ: ۱۴/۱۷۱، مسئلہ: ۲۰۱۶۰، مکتبہ زکریا دیوبند)

اثم لو أنكر الاقرار هل يحلف؟ الفتوى أنه لا يحلف على الإقرار بل على المال۔

(الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/۳۵۱، مکتبہ زکریا دیوبند)

تصدیق کرے تو یہ از سر نو اقرار ہوگا اور درست ہوگا)

اور دو جانب حق ہونا جیسے بیع، نکاح وغیرہ، جیسے اگر کسی نے کہا میں نے یہ شیء تم کو ایک ہزار میں بیچ دی ہے دوسرے نے کہا میں نے اس کو خریدا ہی نہیں ہے، پھر بائع خاموش رہا یہاں تک کہ مشتری نے مجلس میں یا مجلس کے بعد کہا جی ہاں مجھے یاد آیا میں نے اس کو خریدا ہے تو یہ جائز ہے اور رد کے بعد تصدیق درست ہے، اسی طرح نکاح وغیرہ ہر ایسی چیز جس میں جانبین سے حق ہوتا ہے مقرلہ کے رد کرنے سے اقرار باطل نہیں ہوتا رد کے بعد بھی اس کی تصدیق معتبر ہے۔ (۱)

کتاب القضاء

۴۷۰- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جو شہادت کا اہل ہے وہ قضاء کا اہل ہے اور جو شہادت کا اہل نہیں ہے وہ قضاء کا اہل نہیں ہے۔ (۲)

تفریع: پس مجنون، نابالغ بچہ، کافر، غلام، اندھا، گونگا، اور محدود فی القذف کو قاضی بنانا درست نہیں کیونکہ قضاء کا تعلق باب ولایت سے ہے بلکہ اعظم ولایت سے ہے اور یہ سب لوگ ادنی ولایت- اور وہ شہادت ہے- کے اہل نہیں ہیں تو اعلی ولایت (قضاء) کے بدرجہ اولی اہل نہ ہوں گے۔

اور عورت کا حدود و قصاص کے مقدمات میں قاضی بننا درست نہیں، بقیہ مقدمات

---

(۱) وبخط السائحاني عن الخلاصة لو قال لآخر : كنت بعت العبد بألف فقال الآخر : لم اشتره منک فست البائع ، حتى قال المشترى في المجلس أو بعده بل اشتريته منک بألف فهو الجائز وكذا النكاح وكل شيء يكون لهما جميعا فيه حق ، وكل شيء يكون فيه الحق لو احد مثل الهبة والصدقة لا ينفعه إقراره بعد ذلک (شامی: ۸/ ۳۵۲، مکتبہ زکریا دیوبند)

(۲) فكل من كان أهلا للشهادة يكون أهلا للقضاء الخ (ہدایہ: ۳/ ۱۰۱، مکتبہ شاملہ)

میں وہ قاضی ہو سکتی ہے، کیونکہ حدود وقصاص میں وہ شہادت کی اہل نہیں ہے اس کی شہادت ان میں غیر معتبر ہے تو ان مقدمات میں اس کا قاضی بننا بھی درست نہیں، اور حدود وقصاص کے علاوہ مقدمات میں وہ شہادت کی اہل ہے تو ان میں اس کا قاضی بننا بھی درست ہے یہ حکم امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، جبکہ اکثر فقہاء کے یہاں عورت کا ہر طرح کے مقدمات میں قاضی بننا درست نہیں ہے۔ اور امام صاحب کے نزدیک بھی گو بعض مقدمات میں عورت قاضی بن سکتی ہے لیکن بلا ضرورت اس کو عہدۂ قضاء سپرد کرنا گناہ سے خالی نہیں۔

اور فاسق شخص کا قاضی بننا درست ہے کیونکہ فاسق نفس شہادت کا اہل ہے (جیسا کہ کتاب الشہادت میں گزر چکا) تو قضاء کا بھی اہل ہوگا۔ اور فاسق خواہ اس کا فسق عملاً ہو یا اعتقاداً حکم میں برابر ہے پس بدعتی، مودودی، غیر مقلد وغیرہ کا بھی قاضی بننا درست ہوگا، بشرطیکہ ان کا عقیدہ موجب کفر نہ ہو۔ البتہ امیر وسلطان کی ذمہ داری ہے کہ فاسق کو عہدۂ قضا سپرد نہ کرے ورنہ وہ ماخوذ ہوگا۔[1]

---

(۱) فلا يجوز تقليد المجنون والصبى والكافر والعبد والأعمى والأخرس والمحدود فى القذف لأن القضاء من باب الولاية بل هو أعظم الولايات وهؤلاء ليست لهم أهلية أدنى الولايات -وهي الشهادة- فلأن لا يكون لهم أهلية أعلاها أولى۔ وأما الذكورة فليست من شرط جواز التقليد فى الجملة لأن المرأة من أهل الشهادات فى الجملة الا أنها لا تقضى بالحدود والقصاص لأنه لا شهادلها فى ذلك، وأهلية القضاء تدور مع أهلية الشهادة۔ (بدائع الصنائع: ۳/۷ مکتبہ شاملہ) ما اتفقت كلمتهم عليه فى كتبهم المعتمد من أن اهل الشهادة فمن صلح لها صلح له ومن لا فلا (شامی: ۲۸/۸) وتقبل من أهل الهواء أى اصحاب بدع لا تكفر كجبر الخ (الدر المختار) وفى الشامية: انما تقبل شهادتهم لأن فسقهم من حيث الاعتقاد وما أوقعهم فيه الا التعمق والغلو فى الدين والفاسق انما ترد ←

۱۷۴- **ضابطہ:** عہدۂ قضاء تقیید اور تعلیق کو قبول کرتا ہے۔ (۱)

تشریح: پس اگر امیر وسلطان نے کہا جب تو فلاں شہر میں پہنچے تو تو وہاں کا قاضی ہے؛ یا فلاں شخص کا انتقال ہو جائے اس کے بعد قاضی ہے؛ یا اتنے وقت کے بعد قاضی ہے؛ یا مخصوص وقت تک قاضی ہے پھر معزول ہے؛ یا تو تمام مقدمات کا قاضی ہے مگر فلاں قضیہ: کہ وہ قضیہ تو حل نہیں کرے گا؛ تو یہ تمام قیود وشرائط عہدۂ قضا میں صحیح ہیں اور قاضی کو ان کا لحاظ کرنا ضروری ہے کیونکہ امارت وعہدہ تقیید اور تعلیق کو قبول کرتا ہے؛ دلیل اس پر غزوۂ موتہ میں لشکر بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے: کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر تمہارے امیر ہیں اور جعفر شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ امیر ہوں گے، پس اس سے معلوم ہوا کہ امارت کو کسی امر یا وقت پر معلق کرنا جائز ہے۔ (۲)

← شهادته بتهمة الكذب ....فمن وجب اكفاره منهم فالأكثر على عدم قبوله۔ (شامی:۸/۱۸۸)

---

(۱) الولاية تقبل التقييد و التعليق بالشرط (فتح القدير :۷/۲۵۴ في اول كتاب القضاء، شاملة-شامی:۸/۱۱۳ مطلب القضاء يقبل التقييد و التعليق)

(۲) قوله:(ويتخصص بزمان ومان وخصوم) عزاه في الاشباه الى الخلاصة وقال في الفتح من اول كتاب القضاء: الولاية تقبل التقييد و التعليق بالشرط كقوله: اذا وصلت الى بلدة كذا فأنت قاضيها و اذا وصلت الى مكة فأنت أمير الموسم، و الاضافة: كجعلت قاضيا في رأس الشهر، و الاستثناء منها كجعلتك قاضيا الا في قضية فلان و لا تنظر في قضية كذا، و الدليل عل جواز تعليق الامارة و اضافتها قوله صلى الله عليه و سلم حين بعث البعث الى مؤنة و أمر عليهم زيد بن حارث ان قتل زيد بن حارث فجعفر امير كم و ان قتل جعفر فعبد الله بن رواحة۔ و هذه القصة مما اتفق عليها جميع أهل السير و المغازی (شامی:۸/۱۱۳، زکریا)

۲۷۴- **ضابطہ**: ایسے اجتہادی مسائل جن میں نزاع کسی دنیوی مصلحت کی خاطر واقع نہیں ہوسکتا قضاء کا محل نہیں۔ (۱)

جیسے عبادات اوران کے اسباب وشرائط: یہ فتویٰ کا محل ہیں قضاء کا نہیں، پس یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ کسی نماز کے بارے میں قاضی فیصلہ کرے کہ کونسی نماز صحیح ہے اورکونسی فاسد اورکون سا پانی نجس ہے اورکون ساطاہر، پس ان معاملات میں قاضی کا حکم ''حکم'' نہیں بلکہ خبر ہے، دوسرے مفتی کوقاضی کے رائے کے خلاف فتویٰ دینے کا اختیار ہوگا۔

اسی طرح تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ میں ائمہ کے درمیان جن مسائل میں اختلاف ہوا ہے ان میں قاضی کا فیصلہ ''رافع خلاف'' نہیں ہوگا بلکہ یہ قاضی کی ایک رائے اوراس کا ذاتی فیصلہ سمجھا جائے گا۔ مثلاً قرآن نے عدت تین قروء بتائی ہے، بعض ائمہ اس سے حیض اوربعض طہر مراد لیتے ہیں اب یہ نہیں ہوسکتا کہ قاضی کے فیصلے کے ذریعہ ان میں سے ایک متعین ہوجس کی پابندی سارے ہی لوگوں پر ضروری ہو، یعنی اگر قاضی کسی مقدمہ خاص میں عدت گذرجانے یا عدت کے باقی رہنے کا حکم حیض یا طہر کی بنیاد پر دے تواس کی یہ تشریح اسی مخصوص مقدمہ کے ساتھ خاص ہوگی، دوسرے لوگوں پر اس کی پابندی لازم نہ ہوگی۔ اسی طرح عقائد کے متعلق جواختلافات ہیں: ان مختلف فیہ عقائد کے بارے میں قاضی یہ حکم نہیں دے سکتا کہ فلاں عقیدہ صحیح ہے اورفلاں عقیدہ فاسد۔

البتہ بعض دفعہ عبادات کے بارے میں یا عقائد کے بارے میں دومختلف رائے رکھنے والے دوگرہوں کے درمیان اختلاف مسلک اوراختلاف رائے پہلے مناظرہ پھر مجادلہ اورآخرمیں تنازع کی شکل اختیار کرلے، تو یہاں پر چونکہ رفع نزاع فریضۂ قضاء ہے اس لئے قاضی ایسا حکم دے سکتا ہے جس سے تنازع ختم ہو۔ یہ علاحدہ امر ہے کہ ان فقہی یا کلامی اختلافات کے اندرکسی رائے کی ترجیح کا وہ حکم نہیں دے گا۔ مثلاً کسی مسجد میں دومسلک وخیال کے لوگ نماز پڑھتے ہیں اوروہاں اس مسجد کی امامت کے

(۱)(اسلامی عدالت: ۱۶۴)

مسئلہ میں کوئی نزاع پیدا ہوجائے اور یہ نزاع جماعت کے ٹوٹنے اور باہمی فتنہ وفساد کا ذریعہ بنے تو ایسی صورت میں قاضی ایسا حکم دے سکتا ہے جو اس کے نزدیک جماعت مسلمین کو انتشار سے بچانے والا اور فتنہ وفساد کو دور کرنے والا ہو۔ (۱)

۴۷۳-**ضابطہ**: قضاء بعلم القاضی معتبر نہیں۔ (۲)

تشریح: یعنی اگر قاضی کو مدعی یا مدعی علیہ کے سچا ہونے کا ذاتی طور پر علم ہے تو۔ مدعی سے بینہ یا مدعی علیہ سے قسم لئے بغیر۔ محض اپنے علم کی بنیاد پر کسی کے حق میں فیصلہ نہیں کرسکتا ہے اگر کیا تو وہ معتبر نہ ہوگا متاخرین کے نزدیک یہی معتمد ہے۔

ہاں قاضی اپنے علم کی بنیاد پر حدود کے مقدمات میں مجرم کو تنبیہ وتعزیر کرسکتا ہے جیسے کسی شرابی کو نشہ کی حالت میں دیکھ لیا تو اس کی تعزیر (سزا) جاری کرسکتا ہے لیکن حد نہیں لگائے گا کیونکہ حد 'شرعی وجہ' سے ثابت ہوتی ہے۔اسی طرح طلاق اور غصب کے معاملہ میں جب تک شرعی وجہ سے ثبوت نہ ہو حیلولت ثابت کرسکتا ہے یعنی طلاق دینے والے اور اس کی بیوی کے درمیان اسی طرح غاصب اور مال مغصوب کے درمیان حیلولت (رکاوٹ) پیدا کردے گا پس بیوی کو شوہر کے پاس جانے سے منع کردے گا اور مال مغصوب کو کسی امین کے پاس رکھوادے گا یہاں تک کہ شرعی وجہ سے اس مقدمہ کا ثبوت ہوجائے اور یہ سب طلب ثواب کے لئے کرے گا تاکہ شوہر عورت سے وطی نہ کرے اور غاصب مال مغصوب کو ہلاک نہ کردے؛ قضاء نہیں کرے گا یعنی طلاق اور غصب کو لازم کرنے کے طریقہ پر یہ حکم نہیں دے گا۔ (۳)

(۱) (ماخوذ: اسلامی عدالت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی: ۱۶۶-۱۶۴ ملخصاً، بحوالہ الفروق للقرافی: ۴/۴۸-۴۸ تعلیق عبد الفتاح ابو غدة علی الاحکام:-۶۴ فتاوی لابن تیمیہ تعلیق ابو غدة: ۲۵-۲۴) (۲) (الدر المختار: ۸/۱۴۰)

(۳) أن المعتمد عدم حكمه بعلمه في زماننا، اشباه (الدر المختار) وقال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ تحت قوله (ان المعتمد) أي عند المتأخرين ←

۴۷۴-**ضابطہ:** جو چیز ادائے شہادت کو مانع ہوتی ہے وہ قضاء کو بھی مانع ہوتی ہے۔ (۱)

تفریع: پس اگر ادائے شہادت کے بعد قاضی کے فیصلہ سے قبل کوئی گواہ گونگا ہو گیا یا اندھا ہو گیا، یا فاسق ہو گیا، یا مرتد ہو گیا (نعوذ باللہ) تو اب قاضی اس گواہ کی گواہی پر فیصلہ نہیں کر سکتا، کیونکہ ان چیزوں کے ہوتے ہوئے شہادت کا ادا کرنا درست نہیں اور جو چیز ادا کو مانع ہوتی ہے وہ قضا کو بھی مانع ہوتی ہے۔ (۲)

← لفساد قضاة الزمان وعبارة الأشباه الفتوىٰ اليوم على عدم العمل بعلم القاضي في زماننا كما في جامع الفصولين (وبعد سطرين) هذا موافق لما مر عن الفتح من الفرق بين الحد الخالص لله تعالىٰ وبين غيره ففي الأول لا يقضي اتفاقاً بخلاف غيره فيجوز القضاء فيه بعلمه وهذا على قول المتقدمين وهو خلاف المفتي به كما علمت۔ (شامی: ۸/ ۱۴۰-۱۴۱)

لا يقضي بعلمه في الحدود الخالصة لله تعالى كزنا وخمر مطلقا غير أنه يعزر من به أثر السكر للتهمة وعن الامام ان علم القاضي في طلاق وعتاق وغصب يثبت الحيلولة على وجه الحسبة لا القضاء (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله يثبت الحيلولة) أي بأن يأمر بأن يحال بين المطلق وزوجته والمعتق وأمته أو عبده والغاصب وما غصبه بأن يجعله تحت يد أمين الى أن يثبت ما علمه القاضي بوجه شرعي۔ (قوله على وجه الحسبة) أي الاحتساب وطلب الثواب لئلا يطأها الزوج أو السيد أو الغاصب۔ (قوله لا القضاء) أي لا على طريق الحكم بالطلاق أو العتاق أو الغصب۔ (شامی: ۸/ ۱۴۱)

(۱) (بنایہ فی شرح الہدایہ: ۸/ ۱۶۲)

(۲) وصار كما إذا خرس أو جن أو فسق بعد الأداء قبل العقد لا يقضي القاضي بشهادته، والأمر الكلي هذا أن ما يمنع الأداء منع القضاء، لأن المقصود ←

۴۷۵-ضابطہ: قضاء کا تعلق صرف مقضی علیہ سے ہوگا غیر کی طرف متعدی نہ ہوگا۔[1]

تشریح: جیسے قاضی نے صاحب قبضہ کے حق میں گھر کی ملکیت ثابت کردی اور مدعی کے لئے عدم ملکیت کا فیصلہ کیا تو یہ عدم ملکیت کا فیصلہ صرف مدعی کے ساتھ خاص ہوگا غیر کی طرف متعدی نہ ہوگا کیونکہ یہ ضروری نہیں کہ مدعی کی ملکیت ثابت نہ ہوسکی تو کسی اور کی ملکیت بھی ثابت نہیں ہوسکتی، چنانچہ اگر کوئی دوسرا شخص آکر اس گھر کا دعویٰ کرے اور ثبوت پیش کردے تو قاضی اس کے حق میں فیصلہ کردے گا۔

اسی طرح صحیح یہ ہے کہ کسی زمین یا مکان کے متعلق قاضی نے وقف کا فیصلہ کیا تو وہ بھی غیر کی طرف متعدی نہ ہوگا پس قاضی کے اس فیصلے کے بعد اگر کوئی شخص (فریق ثالث) اس موقوفہ شیء میں ملکیت کا دعویٰ کرے اور ثبوت پیش کردے تو قاضی اس کے حق میں فیصلہ کردے گا۔[2]

استثناء: مگر حریت اصلیہ، نسب، ولاء اور نکاح کے متعلق قاضی کا فیصلہ تمام لوگوں کی طرف متعدی ہوگا یعنی اگر قاضی نے کسی شخص کو اصلاً آزاد قرار دیا یا کسی مجہول النسب شخص کا نسب کسی معین شخص سے ثابت کیا یا ولاء عتاقہ کسی کے لئے ثابت کردی یا کسی عورت کا نکاح کسی مرد کے ساتھ ہونے کا فیصلہ کیا تو ان چار صورتوں میں قاضی کا

← من أدائها القضاء وهذه الأشياء تمنع الأداء بالإجماع فمنع القضاء. والعمى بعد التحمل يمنع الأداء عندهما (أى عند الطرفين) فيمنع القضاء. (بنایہ فی شرح الہدایہ: ۸/ ۱۶۲)

(۱) القضاء يقتصر على المقضى عليه ولا يتعدى إلى غيره (قواعد الفقہ: ص: ۹۸، قاعدہ: ۲۱۲؛ الأشباه والنظائر ص: ۱۸۴، بیروت)

(۲) ولا يتعدى في الوقف على الأصح وقدمناه في باب الاستحقاق من البيوع. (البحر الرائق: ۶/ ۲۸۲، شاملہ)

فیصلہ تمام لوگوں کی طرف متعدی ہوگا پس پہلی صورت میں کوئی شخص مقضی لہ پر غلام ہونے کا اور دوسری صورت میں نسب کا اور تیسری صورت میں ولاء عتاقہ کا اور چوتھی صورت میں اس عورت کے ساتھ نکاح کا دعویٰ نہیں کرسکتا ہے، کیونکہ قاضی کا مذکور فیصلہ سب کے حق میں لازم ہوچکا ہے۔ (۱)

۴۷۶- **ضابطہ:** قاضی کا فیصلہ اپنے حق میں اور ہر اس شخص کے حق میں جائز نہیں جس کے لئے اس کی شہادت معتبر نہیں۔

تشریح: آدمی کی شہادت اپنے اصول، فروع، بیوی اور تجارتی پارٹنرز وغیرہ کے حق میں قبول نہیں ہوتی (جیسا کہ کتاب الشہادت میں ضابطہ: ۴۳۹ رمیں تفصیل گزر چکی ہے) اور قضاء کی بنیاد شہادت پر ہے لہٰذا ان رشتہ داروں و متعلقین کے حق میں قضاء (فیصلہ) بھی صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس میں تہمت کا امکان ہے [ہاں ان کے خلاف فیصلہ کیا تو فیصلہ صحیح ہے جیسا کہ شہادت ان کے خلاف صحیح ہے]

اور اصول فروع کے علاوہ دیگر قرابت دار جیسے بھائی، بہن وغیرہ کے حق میں شہادت معتبر ہے تو ان کے حق میں فیصلہ بھی معتبر ہوگا۔ (۲)

۴۷۷- **ضابطہ:** قضاء ضمنی کے لئے دعویٰ وخصومت شرط نہیں۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس جب گواہوں نے خصم کے خلاف کسی حق کی شہادت دی اور اس میں اس کا

---

(۱) ويتعدى في القضاء بالحرية والنسب والولاء والنكاح۔ (البحر الرائق: ۶/ ۲۸۲، شاملہ- الأشباه والنظائر: ۱/ ۱۸۴، شاملہ)

(۲) ولا يجوز قضاؤه لنفسه ولا لمن لا تقبل شهادته له، لأن مبنى القضاء على الشهادة، ولا يصح شاهدا لهؤلاء فلا يصح قاضيا لهم لمكان التهمة، ويجوز أن يقضي عليهم، لأنه لو شهد عليهم جاز فكذا القضاء. (معين الحكام: ۱/ ۳۵)

(۳) القضا الضمني لا يشترط له الدعوى والخصومة الخ (شامی: ۸/ ۱۲۰)

نام اور اس کے باپ اور دادا کا نام بیان کیا اور قاضی نے مدعی کے لئے اس حق کا فیصلہ کرلیا تو-اگرچہ یہ مقدمہ نسب کا نہیں ہے-ضمناً نسب کا بھی فیصلہ متصور ہوگا، کیونکہ ضمناً جو چیز ثابت ہوتی ہے اس میں دعویٰ اور خصومت کی ضرورت نہیں رہتی، ہاں اگر نسب کا مقدمہ اصالۃً ہوتا تو بغیر دعویٰ اور خصومت کے نسب کا فیصلہ درست نہ ہوتا-- لیکن حمویؒ نے وضاحت کی ہے کہ مذکورہ نسب کا ثبوت اس وقت ہوگا جبکہ مشہود علیہ (جس کے خلاف شہادت پیش کی گئی ہے) غیر مشار الیہ ہو اگر مشار الیہ ہے تو اس کا نسب ثابت نہ ہوگا، کیونکہ اشارہ سے جب معین کردیا جاتا ہے تو اس وقت تسمیہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا ہے (فافہم)[1]

(۲) اسی طرح گواہوں نے کہا: فلانی عورت فلاں کی بیوی ہے اور اس نے اپنے شوہر کو فلاں مقدمہ میں خصم منکر کے خلاف وکیل مقرر کیا ہے اور قاضی نے اس کی توکیل کا فیصلہ کرلیا تو ساتھ میں دونوں کی زوجیت کا بھی ضمناً فیصلہ ہوجائے گا۔[2]

(۳) مدعی نے کسی شخص پر کفالت بالمال کا دعویٰ کیا اور کہا کہ: یہ شخص فلاں کا اس کی اجازت سے کفیل ہے، اس شخص نے کفالت کا اقرار کیا لیکن دین کا انکار کیا یعنی کہا میں کفیل تو ہوں مگر یہ شخص جس دین کا دعویٰ کرتا ہے وہ صحیح نہیں، تو مدعی نے دین پر ثبوت پیش کردیا اور قاضی نے اس کفیل کے خلاف فیصلہ کردیا تو قاضی کا یہ فیصلہ کفیل کے

(۱) فاذا شهدا على خصم بحق وذكرا اسمه واسم أبيه وجده، وقضى بذلك الحق كان قضاء بنسبه ضمنا وان لم يكن في حادثة النسب اه أي اذا كان المشهود عليه غير مشار ليه، فلو مشارا ليه لا يثبت نسبه كما وضحه الحموى (شامی:۸/۱۲۰)

(۲) ثم قال في الأشباه: وعلى هذا لو شهدا بأن فلانة زوج فلان، وكلت زوجها فلانا في كذا على خصم منكر، وقضى بتوكيلها كان قضاء بالزوجية بينهما۔ (شامی:۸/۱۲۱)

خلاف قصداً (اصالۃً) ہوگا اور اصیل کے خلاف ضمناً ہوگا، پس اب کفیل جو مال ادا کرے گا وہ اصیل سے بعد میں رجوع کرے گا، اس میں اصیل کو قاضی کے مذکور فیصلہ کی وجہ سے انکار کا کوئی حق نہ ہوگا۔ (۱)

۴۷۸- **ضابطہ**: قاضی کو اپنے فیصلے سے -جبکہ فیصلہ موافق شرع ہو- رجوع جائز نہیں۔ (۲)

تشریح: پس اگر قاضی نے شرعی شرائط کے موافق فیصلہ کرلیا تو اس کے بعد اس کا یہ کہنا کہ میں اپنے فیصلہ سے رجوع کرتا ہو، یا مجھے گواہوں میں التباس ہوگیا ہے، یا اپنا فیصلہ باطل کرتا ہوں تو یہ صحیح نہیں اور اس کا فیصلہ جاری رہے گا۔ (۳)

مستثنیات: مگر تین صورتوں میں قاضی اپنے فیصلے سے رجوع کرسکتا ہے:

۱- قاضی نے اپنے علم کی بنیاد پر فیصلہ کیا پھر بعد میں اس کے خلاف ظاہر ہوا مثلاً ایک شخص نے قاضی کے پاس دوسرے کے لئے کچھ رقم کا اقرار کیا پھر دونوں (مقر اور مقر لہ) غائب ہوگئے اس کے بعد دوسرے دو شخص ایسا ہی مقدمہ لے کر قاضی کے پاس آئے اور قاضی نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ پہلے ہی دو شخص ہیں ایک کے خلاف فیصلہ کردیا پھر بعد میں معلوم ہوا کہ وہ معترف کوئی اور شخص تھا تو اپنے اس فیصلے سے رجوع کرسکتا ہے [لیکن اب فساد زمان کی وجہ سے متاخرین کا فتویٰ اس بات پر ہے کہ

---

(۱) واصل القضاء الضمنی ما ذکرہ أصحاب المتون من أنہ لو ادعی کفالۃ علی رجل بمال باذنہ فأقر بھا، وأنکر الدین فبرھن علی الکفیل بالدین وقضی علیہ بھا کان قضاء علیہ قصدا وعلی الأصیل الغائب ضمناً۔ (شامی: ۱۲۱/۸)

(۲) لایصح رجوع القاضی عن قضائہ اذا کان مع شرائط الصحۃ (قواعد الفقہ ص: ۱۱۱، قاعدۃ: ۲۷۵)

(۳) فلو قال رجعت عن قضائی و وقعت فی تلبیس الشھود و بطلت حکمی لم یصح والقضاماض کما فی الخانیۃ۔ (شامی: ۱۱۹/۸، زکریا)

قضاء بعلم القاضی معتبر نہیں یعنی قاضی نے اپنے علم کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کیا تو معتبر نہ ہوگا جیسا کہ ماقبل میں گزر چکا، پس اس اعتبار سے یہ صورت مستثنیٰ میں داخل نہ ہوگی کیونکہ جب قاضی کا یہ فیصلہ معتبر نہیں تو رجوع کا سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن اصل مسلک کے اعتبار سے اس کو مستثنیٰ کیا گیا ہے][۱]

۲- قاضی نے طلاق کا یا مال وغیرہ کا فیصلہ کیا اور یہ فیصلہ بینہ سے یا مقضی لہ کے اقرار سے غلط ثابت ہوا مثلا یہ ظاہر ہوا کہ گواہ غلام تھے یا کافر تھے یا محدود فی القذف تھے یا مقضی لہ نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا یعنی کہا میں غلطی پر ہوں اور فریق مخالف حق پر ہے تو ایسی صورت میں قاضی اپنے فیصلے سے رجوع کرلے گا کیونکہ اس صورت میں اس کا فیصلہ باطل ہوجاتا ہے، پس عورت کو شوہر کے حوالہ کردے گا اور مال جس سے لیا تھا اس کو واپس کردے گا (لیکن یہ اسی وقت ہے جبکہ قاضی کی خطا بینہ سے یا مقضی لہ کے اقرار سے ثابت ہو جیسا کہ بیان ہوا خود قاضی کے اقرار سے ثابت ہو تو اس میں رجوع کا حق نہیں ہے، اس کی نظیر شاہدین کا شہادت سے رجوع کرنا ہے کہ اس میں قاضی کا فیصلہ برقرار رہتا ہے ٹوٹتا نہیں ہے ہاں نقصان کی صورت میں شاہدین پر ضمان آتا ہے اسی طرح یہاں پر بھی خود قاضی جب خطا کا اقرار کرے تو اس کا فیصلہ ٹوٹے گا نہیں لیکن اگر جان بوجھ کر غلط فیصلہ کیا ہے تو نقصان کا ضمان اس پر لازم ہوگا بلکہ ایسا قاضی معزول کئے جانے کا مستحق ہے)[۲]

---

(۱) قوله (ولو بعلمه) كما اذا اعترف عنده شخص لآخر بمبلغ وغابا عنه، ثم تداعى عنده اثنان فحكم على أحدهما ظانا أنه ذلك المعترف، ثم تبين له أنه غيره له نقضه وتمامه في شرح الوهباني، وهذا مبني على أن للقاضي العمل بعلمه والفتوى على عدمه في زماننا ما نقله في الأشباه عن جامع الفصولين، وقيد بزماننا لفساد القضاة فيه، وأصل المذهب الجواز۔ (شامی: ۸/۱۱۹، زکریا)

(۲) فان أخطأ... بأن قضى بمال أو صدقة أو بطلاق أو عتاق ثم ظهر أن ←

۴- مجتہد قاضی جب مختلف فیہ مسئلہ میں اپنے مذہب کے خلاف فیصلہ کرے تو اس میں اس کا رجوع صحیح ہے بلکہ رجوع ضروری ہے کیونکہ مذہب کے خلاف قاضی کا فیصلہ نافذ ہی نہیں ہوتا خواہ قاضی مجتہد ہو یا مقلد جیسا کہ علامہ شامیؒ نے اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کرتے ہوئے اخیر میں اسی کو راجح قرار دیا ہے۔ (۱)

۴۷۹- **ضابطہ:** قسم سے انکار پر قاضی کا فیصلہ جھوٹی شہادت پر فیصلہ کے مانند ہے۔ (۲)

تشریح: مدعی کے پاس گواہ نہیں تھے اور مدعی علیہ سے جب قسم کا مطالبہ کیا تو وہ قسم سے باز رہا یعنی خاموش رہا یا صراحتاً قسم سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے قاضی نے

← الشهود عبيد أو كفار أو محدودون في القذف فانه يبطل ذلك القضاء ويرد العبد رقيقا ويرد المرأة الى زوجها ويرد المال الى من أخذ منه...وهذا كله اذا ظهر خطأ القاضي بالبينة و باقرار من المقضى له۔ فاما اذا ظهر ذلك باقرار القاضي لا يظهر ذلك في حق المقضي له حتى لا يبطل قضائه في حق المقضي له، لأن حق المقضي له قد تعلق بذلك و القاضي بما قال يريد ابطاله۔ وهو نظير الشاهد اذا رجع عن شهادته لا يعمل رجوعه في حق المقضي له لا ينقضي القضاء ولكن الشاهد يضمن كذا هنا (المحيط البرهاني: ۸/ ۵۲- ہندیہ: ۳/ ۳۴۲- شامی: ۸/ ۱۱۲-۱۱۹)

(۱) قضى في مجتهد فيه بخلاف رأيه أي مذهبه لا ينفذ مطلقاً (الدر المختار) وفي الشامية تحت قوله لا ينفذ مطلقا:...."قال في الفتح :.....عندهما لا ينفذ... والفتوى على قولهما و ذكر في الفتاوى الصغرى أن الفتوى على قوله فقد اختلف في الفتوى والوجه في هذا الزمان أن يفتي بقولهما .....اذ قصارى الأمر أن هذا منزل منزلة الناسي لمذهبه و قد مر عنهما في المجتهد أنه لا ينفذ فالمقلد أولى"۔ (شامی: ۸/ ۹۷-۱۱۹)

(۲) القضاء بالنكول كالقضاء بشهادة الزور۔ (قواعد الفقہ ص: ۹۸، قاعدہ: ۲۱۳)

مدعی کے حق میں فیصلہ کردیا تو قاضی کا یہ فیصلہ ایسا متصور ہوگا گویا جھوٹی شہادت پر فیصلہ کیا گیا ہو یعنی جس طرح انجانے میں جھوٹی شہادت کے ذریعہ فیصلہ عقود (بیع، نکاح) اور فسوخ (اقالہ اور طلاق) میں ظاہراً و باطناً نافذ ہو جاتا ہے اسی طرح قسم سے باز رہنے کی وجہ سے بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً و باطناً نافذ ہو جائے گا۔

ظاہراً نفاذ کا مطلب ہے کہ مثلاً کسی عورت کے لئے کسی مرد کی بیوی ہونے کا فیصلہ کیا تو قاضی اس عورت کو مرد کے حوالہ کردے گا اور اس کیلئے نفقہ وغیرہ کا فیصلہ کرے گا، اور باطناً نفاذ سے مراد ہے قاضی کے اس فیصلے کے بعد مرد کے لئے اس عورت سے وطی کرنا جائز ہوگا اور عورت کے لئے بھی اپنے پر شوہر کو قدرت دینا حلال ہوگا اور اولاد ثابت النسب ہوگی یہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے، جبکہ صاحبینؒ، امام زفرؒ اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک فیصلہ کا نفاذ صرف ظاہراً ہوگا باطناً نہ ہوگا صاحب درمختار نے شرنبلالیہ کے حوالہ سے اس پر فتویٰ نقل کیا ہے لیکن علامہ شامی نے اس پر رد کیا ہے اور امام صاحب کا قول راجح قرار دیا ہے۔ (۱)

---

(۱) فنکل فقضی علیه بالنکول تحل الجارية للمدعی دیانة و قضاء کما فی شهاد الزور اه، فعل هذا القضاء بالنکول کالقضاء بشهادة الزور اه.

قوله: (ظاهرا و باطنا) المراد بالنفاذ ظاهرا أن يسلم القاضی المرأة إلى الرجل، ويقول سلمی نفسک إليه فإنه زوجک ويقضی بالنفقة والقسم وبالنفاذ باطنا أن يحل له وطؤها ويحل لها التمکين فيما بينهما وبين الله تعالى (شامی: ۸/ ۹۴)

(وينفذ القضا بشهاد الزور ظاهرا و باطنا) حيث کان المحل قابلاً و القاضی غير عالم بزورهم (فی العقود) کبيع و نکاح (والفسوخ) کإقالة و طلاق، لقول علی رضی الله عنه لتلک المرأة: شاهداک زوجاک، وقالا وزفر والثلاثة ظاهرا فقط وعليه الفتوى شرنبلالية عن البرهان۔

←

لیکن خیال رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے نزدیک باطناً نفاذ کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آخرت میں کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، آخرت کا مطالبہ دوسری چیز ہے اس کو آخرت میں ضرور سزا ملے گی مگر دنیوی احکام میں عورت اس کے لئے حلال ہوجائیگی، اسی طرح قاضی نے اس کے لئے کسی چیز کا فیصلہ کیا ہو تو وہ شخص دنیا میں اس چیز کا مالک ہوجائے گا اور اسی اعتبار سے احکام جاری ہوں گے مگر آخرت میں مؤاخذہ ضرور ہوگا۔

فائدہ: مدعی علیہ کے قسم سے باز رہنے پر مناسب ہے کہ قاضی فوراً اس کے خلاف فیصلہ نہ کرے بلکہ اس سے کل تین مرتبہ (یعنی پہلی بار کے بعد اور دو دفعہ) یمین کا مطالبہ کرے اور ہر مرتبہ کہے کہ اگر تم نے قسم نہیں کھائی تو تمہارے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا اگر تینوں مرتبہ قسم سے باز رہتا ہے تو اب اس کے خلاف فیصلہ کردیا جائے گا۔ اور یہ تین مرتبہ کا مطالبہ احتیاط کی بنا پر اور اتمام حجت کیلئے ہے ورنہ پہلی ہی دفعہ قسم سے باز رہنے پر قاضی اس کے خلاف فیصلہ کرسکتا ہے یہی صحیح ہے۔[1]

۴۸۰-**ضابطہ:** قضاء الزام میں قاضی نے جس کے خلاف فیصلہ کیا اس کا کوئی دعویٰ اور بینہ اس واقعہ میں قبول نہیں کیا جائے گا۔[2]

← وفی الشامیة:قوله: (وعلیه الفتویٰ)نقله أیضا فی القهستانی عن الحقائق، وفی البحر عن أبی اللیث لکن قال: وفی الفتح من النکاح، وقول أبی حنیفةهو الوجه۔

قلت: وقد حقق العلام قاسم فی رسالته قول الإمام بما لا مزید علیه ثم أورد علیه إشکالا، وأجاب عنه وعلیه المتون. (شامی:۸/۹۴)

(۱) وینبغی للقاضی أن یقول له إنی أعرض علیک الیمین ثلاثافإن حلفت وإلا فقضیت علیک بماادعاه...إلی قوله فأماالمذهب أنه لوقضی بالنکول بعد العرض مرة جاز لماقدمناه هو الصحیح والأول أولی۔ (ہدایہ:۳/۲۰۴)

(۲)المقضی علیه فی حادثة لاتسمع دعواه ولابینة۔ (قواعد الفقہ ص: ۱۲۸، قاعدہ:۳۴۵)

تشریح: جیسے بائع نے بینہ سے یہ ثابت کردیا کہ مشتری نے مجھے ثمن ادا نہیں کیا ہے اور قاضی نے مشتری کے خلاف فیصلہ کردیا تو اب مشتری کا کوئی دعویٰ اور بینہ ثمن کی ادائیگی کے بابت قبول نہیں جائے گا، اسی طرح زمین، دکان، مکان وغیرہ میں اختلاف ہوا اور قاضی نے ایک کے حق میں اور دوسرے کے خلاف فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ کیا ہے اس کی اب کوئی شنوائی نہ ہوگی۔

لیکن یہ حکم قضاء الزام میں ہے یعنی قاضی نے جس کے خلاف فیصلہ کیا اس پر کوئی چیز لازم کی ہو جیسے مذکورہ بالا مثال میں مشتری پر ثمن لازم کیا گیا ہے اس قضاء کو "قضاء استحقاق اور قضاء ملک" بھی کہا جاتا ہے؛ قضاء ترک کا یہ حکم نہیں ہے۔ قضاء ترک یہ ہے کہ مثلاً قاضی نے فیصلہ مدعیٰ علیہ کے حق میں کیا اور مدعی کو کہا کہ تیرا اس پر کوئی حق نہیں ہے اب اس سے تو کوئی معارضہ نہیں کرے گا یعنی گویا اس میں مدعی سے مقدمہ کے ترک کا حکم کرتا ہے کوئی چیز اس پر لازم نہیں کرتا ہے۔ اس میں قاضی کے فیصلے کے بعد بھی مقضی علیہ یعنی جس کے خلاف فیصلہ کیا گیا ہے کیلئے حق مخاصمت باقی رہتا ہے۔

ان دو قضاء میں وجہ انحصار یہ ہے کہ مدعی یا محق ہوگا یا مبطل (یعنی اپنا حق ثابت کرسکا ہوگا یا نہیں کرسکا ہوگا) پس اگر محق ہے تو قاضی کا فیصلہ (مدعیٰ علیہ کے خلاف) "قضاء الزام" ہوگا اور اگر مبطل ہے تو قاضی کا فیصلہ (مدعی کے خلاف) "قضاء ترک" ہوگا۔ آسان الفاظ میں: قاضی نے مدعیٰ علیہ کے ذمہ کوئی چیز لازم کی تو یہ قضاء الزام ہے اور اگر مدعی سے مقدمہ ترک کرنے کو کہا تو یہ قضاء ترک ہے۔

اور حکم کے اعتبار سے قضاء الزام اور قضاء ترک میں فرق یہ ہے کہ قضاء الزام میں جو مقضی علیہ ہوا ہے وہ کبھی بھی اس حادثہ میں مقضی لہ نہیں بن سکتا ہے قاضی کا فیصلہ اس کے حق میں اٹل رہتا ہے، جبکہ قضاء ترک میں مقضی علیہ مقضی لہ بن سکتا ہے؛ دوسرا فرق یہ ہے کہ فریق ثالث اگر یہ دعویٰ کرے کہ جس مال کا اس کیلئے فیصلہ کیا گیا ہے وہ میرا ہے تو قضاء ترک میں تو اس کا یہ دعویٰ سنا جائے گا، قضاء الزام میں سنا

نہیں جائے گا۔[1]

۴۸۱- **ضابطہ:** قاضی کا فیصلہ جب اجماع کے خلاف ہوتو نافذ نہ ہوگا۔[2]

فائدہ: اگر قاضی اپنے مذہب کے مرجوح قول پر فیصلہ کرے تو نافذ ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں اختلاف ہے علامہ شامیؒ نے رسم المفتی اور شامی میں بحث وتمحیص کے بعد لکھا ہے کہ اگر قاضی مجتہد ہے تو اس کا یہ فیصلہ نافذ ہوجائے گا؛ مقلد محض قاضی کا فیصلہ مرجوح قول پر نافذ نہ ہوگا، گویا مرجوح قول پر اس کا فیصلہ اجماع کے خلاف

---

(۱)وهو على قسمين:القسم الأول : هو الزام القاضى المحكوم به على المحكوم عليه بكلام قوله حكمت أو أعط الشي الذى ادعى به عليك ويقال له قضاء الالزام وقضاء الاستحقاق۔ والقسم الثانى : هو منع القاضى المدعى عن المنازعة بكلام كقوله ليس لك حق أو أنت ممنوع عن المنازعة ويقال لهذا قضاء الترك۔

وهذا الحكم على قسمين ووجه الانحصار هو ان المدعى اما أن يظهر محقا فى دعواه أو مبطلا فاذا ظهر محقا يقضى له بقضاء الاستحقاق , واذا ظهر مبطلا يقضى له بقضاء الترك۔

والفرق بين قضاء الاستحقاق وقضاء الترك على وجهين:الوجه الاول:ان المقضى عليه بقضاء الاستحقاق فى حادثة لا يكون مقضيا له أبدا فى تلك الحادثة, أما المقضى عليه بقضاء الترك فى حادثة فيجوز أن يقضى له اذا أثبت دعواه بالبينة فى تلك الحادثة۔۔الوجه الثانى :اذا ادعى الشخص الثالث بأن المحكوم به هو ماله فتسمع دعواه۔(درر الحكام فى شرح المجلة : ۱۳/۴-۲۲-۲۳ مكتبه شاملة)

(۲)اذا قضى بشىء مخالف للإجماع لا ينفذ۔ (قواعدالفقه ص: ۵۷, قاعده: ۲۴-شامى: ۹۸/۸)

فیصلہ شمار ہوگا۔ (۱)

۴۸۲-**ضابطہ**: قاضی کا کسی ایسے اجنبی سے ہدیہ قبول کرنا جو قضا سے پہلے ہدیہ نہیں دیتا تھا جائز نہیں اور اپنے قرابت داروں سے قبول کرنا جائز ہے۔ (۲)

تشریح: ضابطے میں اجنبی کے ساتھ "جو قضا سے پہلے ہدیہ نہیں دیتا تھا" کی قید لگائی گئی، کیونکہ جو شخص عہدۂ قضا سے پہلے ہدیہ دیا کرتا تھا تو اس سے قبول کرنے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر عدالت میں اس کا کوئی مقدمہ ہے تو قاضی اس کا بھی ہدیہ قبول نہیں کرے گا اور اگر کوئی مقدمہ اس کا نہیں ہے تو اتنا ہی ہدیہ جتنا کہ پہلے دیا کرتا تھا یا اس سے کم ہدیہ قبول کرسکتا ہے، زیادہ قبول کرنا جائز نہیں یعنی اگر زیادہ ہے تو جس قدر زیادہ ہے وہ واپس کردے۔

اور قاضی اپنے قرابت دار یعنی ذی رحم محرم سے مطلقاً ہدیہ قبول کرسکتا ہے اس میں

(۱) و تقييد السلطان له بذلك غير قيد لما قاله العلامة قاسم في تصحيحه من أن الحكم و الفتوى بماهو مرجوح خلاف الاجماع اه ـ و قال العلامة قاسم في فتاواه: و ليس للقاضي المقلد أن يحكم بالضعيف لأنه ليس من أهل الترجيح فلا يعدل عن الصحيح الا لقصد غير جميل و لو حكم لا ينفذ لأن قضاءه قضا بغير الحق لأن الحق هو الصحيح و ما وقع من أن القول الضعيف يتقوى بالقضاء المراد به قضاء المجتهد كما بين في موضعه اه۔ وقال ابن الغرس و أما المقلد المحض فلا يقضي الا بما عليه العمل و الفتوى اه۔ و قال صاحب البحر في بعض رسائله: أما القاضي المقلد فليس له الحكم الا بالصحيح المفتى به في مذهبه و لا ينفذ قضاؤه بالقول الضعيف اه۔ و مثله ما قدمه الشارح أول كتاب القضاء و قال: و هو المختار للفتوى كما بسطه المصنف في فتاويه و غيره الخ (شامی: ۸/ ۹۸- ۹۹، مکتبہ زکریا- رسم المفتی: ۱۶۹ تا ۱۷۲، دار الکتاب دیوبند)

(۲) لا يقبل الهدى من الأجنبي إذا كان لا يهدى إليه قبل القضاء۔ (معين الحكام: ۱/ ۱۵، المكتبة الشاملة، شامی: ۸/ ۴۸)

کوئی حرج نہیں ہے، محیط میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

لیکن قاضی علاء الدین طرابلسی نے اپنے زمانہ کے حالات دیکھتے ہوئے لکھا ہے کہ اصوب یہ ہے کہ ہمارے زمانہ میں مطلقاً ہدیہ قبول نہ کیا جائے کیونکہ "ہدیہ" مہدی کی چاپلوسی اور مہدی الیہ کی چشم پوشی کو پیدا کرتا ہے جس کا فساد ظاہر ہے۔ بعض محققین کا کہنا ہے کہ ہدیہ حکمت کے نور کو بجھا دیتا ہے، مشہور محدث حضرت ربیعہ۔ امراء وقضاۃ کو نصیحت کرتے ہوئے۔ فرماتے ہیں: ہدیہ سے بچا کرو کیونکہ یہ رشوت کا ذریعہ ہے اور نبی کریم ﷺ جو ہدیہ قبول فرماتے تھے تو یہ آپ کی خصوصیات میں سے ہے کیونکہ آپؐ معصوم تھے ان قبائح سے بچے ہوئے تھے جو دوسروں کو پیش آتی ہیں۔

حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کو جب ہدیہ پیش کیا گیا تو آپ نے رد فرما دیا، سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ تو ہدیہ قبول فرماتے تھے اور آپ کیوں رد کر دیتے ہیں؟ تو جواب دیا: وہ آپ ﷺ کے لئے تو ہدیہ تھا لیکن یہ ہمارے لئے رشوت ہے کیونکہ نبی ﷺ کو نذرانہ آپ کی نبوت کی وجہ سے پیش کیا جاتا تھا اور ہمیں ہماری ولایت (عہدہ) کی وجہ سے پیش کیا جاتا ہے۔

نیز حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا جس میں ہدیہ کے نام سے رشوت کو حلال سمجھا جائے گا۔ (انتہی کلام الطرابلسی)[1]

فائدہ: یہی حکم دعوت قبول کرنے کا ہے پس جن کے ساتھ سابقہ معرفت ہے یا

---

(۱) وإن كان يهدى إليه قبل القضاء فإن كان له خصومة لا ينبغي له أن يقبل، نص عليه الخصاف، فإن لم يكن له خصومة فإن كانت هذه الهدية مثل تلك أو أقل فإنه يقبلها؛ لأنه لا يكون آكلا بقضائه؛ لأن سابقة المهاداة دلت على الإهداء للتودد والتحبب لا للقضا، وإن كان أكثر يرد الزيادة؛ لأنه إنما زاد لأجل القضاء ليميل إليه متى وقعت الخصومة ويقبل الهدية من ذى الرحم المحرم، من المحيط قلت: والأصوب في زماننا عدم القبول مطلقا لأن الهدى تورث ←

عام دعوت ہے اس کو قاضی قبول کرسکتا ہے اور عام دعوت یہ ہے کہ قاضی شریک ہو یا نہ ہو دعوت وقت پر ہوگی اور جو دعوت قاضی کی شرکت پر موقوف ہو وہ خاص دعوت ہے اس کو قبول نہیں کرنا چاہئے۔[1]

۴۸۳- **ضابطہ**: قضاء علی الغائب بضرورت جائز ہے (اور ضرورت کا مدار قاضی کی صواب دید پر ہے)

تشریح: احناف کا اصل مسلک یہ ہے قضاء علی الغائب جائز نہیں مدعیٰ علیہ کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری ہے اس کے بغیر قاضی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا ہے، لیکن متاخرین علماء نے بدلے ہوئے حالات کے پیش نظر بوقت ضرورت قضاء علی الغائب کو جائز قرار دیا ہے۔

اور ضرورت کا مدار قاضی کی صوابدید پر ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے" ولا یجوز القضاء علی الغائب الا اذار أی القاضی مصلحة فی الحکم له وعلیه فحکم" پس جہاں قاضی قضاء علی الغائب میں مصلحت سمجھے کہ فیصلہ نہ کرنے میں مدعی کا حق ضائع ہونے کا یا معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے تو فیصلہ کرے۔ لیکن اولا مدعی

← إدلال المهدى وإغضاء المهدى إليه، وفى ذلك ضرر القاضى ودخول الفساد عليه۔ وقيل إن الهدى تطفئ نور الحكمة۔ قال ربيعة: إياك والهدية فإنها ذريعة الرشوة وكان النبى عليه الصلاة والسلام يقبل الهدية وهذا من خواصه والنبى عليه الصلا والسلام معصوم مما يتقى على غيره منها. ولما رد عمر بن عبد العزيز الهدية قيل له: كان رسول الله يقبلها. فقال: كانت له هدية ولنا رشوة لأنه كان يتقرب إليه لنبوته لا لولايته، ونحن يتقرب إلينا للولاية. وقال عليه الصلا والسلام يأتى على الناس زمان يستحل فيه السحت بالهدية الخ (معين الحكام: ۱/۱۵)

(۱) (تحفة الالمعی: ۳/ ۲۶۲- درر الحکام فی شرح المجلة: ۱۳/ ۱۰۵)

علیہ کے پاس حکم (سمن) بھیجے گا اگر وہ باوجود حکم کے حاضری سے گریز کرتا ہے تو اسے رفع الزام سے عاجز تصور کر کے مدعی سے اس کے دعویٰ پر ثبوت کا مطالبہ کرے گا اگر مدعی اپنا ثبوت بینہ کے ذریعہ پیش کر دیتا ہے اور ادھر کوشش بلیغ کے باوجود مدعی علیہ کو حاضر کرنا متعذر ہو چکا ہو تو ایسی صورت میں قاضی مقدمہ کا فیصلہ کر لے گا اور یہ فیصلہ بوجہ ضرورت جائز ہے۔ لیکن فیصلہ سے قبل قاضی مدعی علیہ کی طرف سے کسی ایسے شخص کو وکیل مقرر کرے گا جس کے متعلق امید ہو کہ وہ اس کے حقوق ومفادات کی حفاظت کرے گا ایسے شخص کو فقہ کی اصطلاح میں ''وکیل مسخر'' کہا جاتا ہے۔[1]

اگر مدعی علیہ کہیں دور دراز ایسی جگہ غائب ہے کہ وہاں حکم بھیجنا ممکن نہ ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے کہ بغیر حکم بھیجے قاضی حسب سابق مذکور کاروائی کرے۔[2]

عہدۂ قضاء سے معزولی کا بیان

۴۸۴- **ضابطہ**: ہر وہ عیب جو ابتداءً عہدۂ قضاء کے لئے مانع ہے انتہاءً بھی مانع ہے۔[3]

تشریح: پس نابینا ہونا، بہرا ہونا، یا ایسا دائمی مرض پیدا ہونا جو کار قضاء کے انجام دہی سے معذور کر دے، یہ سب عیوب ابتداءً مانع ہیں تو انتہاءً بھی مانع ہوں گے یعنی عہدۂ قضا کے بعد طاری ہونے سے قاضی خود بخود معزول ہو جائے گا۔

لیکن عارضی مرض یعنی جس مرض سے صحت یاب ہونے کی توقع ہے اس سے معزول نہ ہوگا کیونکہ یہ مرض ابتداءً قضا کے لئے مانع نہیں ہے تو انتہاءً بھی مانع نہ ہوگا۔ اسی طرح فسق سے بھی معزول نہ ہوگا، کیونکہ احناف کے یہاں فسق ابتداءً مانع نہیں

(۱) (مستفاد: شامی: ۸/ ۱۰۷، زکریا- اسلامی عدالت: ۳۸۲- احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۱۴-۱۹۷/۷)

(۲) (احسن الفتاوی: ۵/ ۴۱۴ کتاب النکاح، حکم غائب غیر مفقود)

(۳) (مستفاد: البحر الرائق: ۶/ ۲۸۲، شاملہ)

فاسق بھی قاضی بنایا جاسکتا ہے تو انتہاء بھی مانع نہ ہوگا، البتہ امیر المؤمنین کا فریضہ ہے کہ فاسق کو قاضی نہ بنائے اور عہدۂ قضا کے بعد کوئی فاسق ہوا ہے تو اس کو معزول کردے، اگر امیر نے - باوجود عدم مجبوری وحرج کے - ایسا نہیں کیا تو وہ گنہگار ہوگا۔ (۱)

۴۸۵- **ضابطہ**: ہر وہ چیز جس سے وکیل معزول ہوجاتا ہے قاضی معزول ہوجاتا ہے۔ (۲)

جیسے:

(۱) موکل نے وکیل کو وکالت سے معزول کردیا تو وکیل معزول ہوجاتا ہے تو اسی طرح سلطان نے قاضی کو مستعفی کردیا تو قاضی معزول ہوجائے گا (لیکن اس صورت میں قاضی اس وقت معزول شمار ہوگا جب کہ اس کو معتبر ذرائع سے معزولی کی اطلاع پہنچے، اس سے پہلے اس نے جو مقدمات حل کئے ہوں گے وہ صحیح شمار ہوں گے جیسا کہ وکیل کا حکم ہے) (۳)

(۲) موت سے وکیل معزول ہوجاتا ہے تو قاضی بھی اپنی موت سے معزول ہوجائے گا۔

(۴) جنون (پاگل پن سے) وکیل معزول ہوجاتا ہے تو قاضی بھی معزول ہوجائے گا۔

---

(۱) والفاسق أهل للقضاء حتى لو قلد يصح الا أنه لا ينبغي أن يقلد كما في حكم الشاهدة... ولو أن القاضي عدلا ففسق بأخذ الرشوة وغيره لا ينعزل ويستحق العزل وهذا هو ظاهر المذهب وعليه مشايخنا رحمهم الله تعالى (هدايه على هامش البناية: ۹/۷- مكتبه شاملة)

(۲) كل ما يخرج به الوكيل عن الوكالة يخرج به القاضي عن القضاء (بدائع الصنائع: ۷/۱۶، شامله)

(۳) واذا عزل السلطان القاضي لا ينعزل مالم يصل اليه الخبر كالوكيل- (البحر الرائق: ۶/۲۸۲، شامله)

(۵) مرتد ہو کر دار الحرب میں چلے جانے سے وکیل معزول ہو جاتا ہے تو قاضی بھی معزول ہو جائے گا (لیکن نفس ارتداد سے قاضی معزول نہ ہوگا بلکہ دار الحرب میں چلے جانے کے بعد معزول ہوگا پس اس سے پہلے دوبارہ اسلام لے آیا تو اپنے عہدہ پر برقرار رہے گا جیسا کہ وکیل کا حکم ہے یہی قول صحیح ہے، ہاں ارتداد کے زمانہ کے اس کے فیصلے معتبر نہ ہوں گے)[1]

(۶) موکل کے خود تصرف کرنے سے وکیل معزول ہو جاتا ہے، اسی طرح کسی مقدمہ میں سلطان خود فیصلہ کرے تو اس مقدمہ کے حق میں قاضی معزول شمار ہوگا۔[2]

لیکن ایک چیز میں دونوں (یعنی وکیل اور قاضی) مختلف ہیں وہ کہ موکل جب مرجائے یا اس پر روک (بین) لگ جائے جیسے وہ عبد ماذون تھا پھر مجور قرار دیا گیا تو اس کا وکیل معزول ہو جاتا ہے؛ لیکن سلطان وخلیفہ کا جب انتقال ہو یا منصب سے علاحدہ ہو جائے یا علاحدہ کر دیا جائے تو اس کے قضاۃ اور ولاۃ معزول نہیں ہوتے ہیں۔[3]

۴۸۶- **ضابطہ**: کسی محدود حلقے کے قاضی کی وفات سے اس کے مقرر کردہ نائبین اپنے عہدوں سے معزول ہو جائیں گے، جبکہ امیر المؤمنین اور قاضی القضاۃ کی موت سے ان کے متعین کردہ نائبین معزول نہ ہوں گے۔[4]

---

(۱) وفی الولو الجیة: اذا ارتد القاضی و فسق ثم صلح فھو علی حالہ لأن المرتد أمرہ موقوف و لأن الارتداد فسق و بنفس الفسق لا ینعزل الا أن ماقضی فی حالة الردة باطل...وفی الواقعات الحسامیة الفتوی علی أنه لا ینعزل بالردة الخ۔ (البحر الرائق: ۶/ ۲۸۳، شاملہ)

(۲) (مستفاد بدائع: کتاب الوکالة، باب مایخرج به الوکیل عن الوکالة)

(۳) لایختلفان الا فی شی واحد: وھو أن الموکل اذا مات او خلع ینعزل الوکیل والخلیفة اذا مات أو خلع لاتنعزل قضاته و ولاته۔ (بدائع الصنائع: ۷/ ۱۶، شاملہ)

(۴) (قاموس الفقہ: بحوالہ: معین الاحکام ۳۷)

کتاب القاضی الی القاضی

یعنی

مقدمہ کی ترسیل کا بیان

۴۸۷-**ضابطہ**:ایک قاضی کا خط دوسرے قاضی کی طرف ان مقدمات میں جو شبہ سے ساقط نہیں ہوتے حجت ہے۔اور جو مقدمات شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں(اور وہ حدود وقصاص ہیں)ان میں معتبر نہیں۔[1]

تشریح:خط بھیجنے سے مراد:ایک حلقہ کے قاضی کا دوسرے حلقے کے قاضی کی طرف مقدمات کی کاراوئی کی ترسیل کرنا ہے،یہ اپنے قیاس کے لحاظ سے جائز نہیں ہے کیونکہ جب خود قاضی کی خبر دوسرے حلقہ کے قاضی کے لئے حجت نہیں ہے تو اس کا خط بدرجہ اولیٰ حجت نہیں ہونا چاہئے لیکن متاخرین فقہاء نے حاجت کی بنا پر چند شرائط کے ساتھ استحساناً اس کو جائز قرار دیا ہے۔[2] مگر حدود وقصاص میں اس ترسیل کو معتبر نہیں مانا ہے کیونکہ حدود وقصاص شبہ سے ساقط ہوجاتے ہیں اور اس خط کی ترسیل میں ایک گونہ شبہ ہے،دوسری وجہ یہ ہے کہ حدود وقصاص میں اصل امکانی حد تک ان کو ساقط کرنا ہوتا ہے اور خطِ قاضی قبول کرنے میں ان کو ثابت کرنا لازم آتا ہے؛حدود وقصاص

---

(۱)کتاب القاضی علی القاضی حجة فی الأحکام(قواعد الفقہ ص:۱۰۰،قاعدہ:۲۲۱)ویقبل کتاب القاضی الی القاضی فی الحقوق ای التی تثبت مع الشبہات بخلاف الحدود والقصاص۔(فتح القدیر:۲۸۶/۷-مُعین:۱۲۰/۱-تحفة الفقہاء:۳۷۱/۳) (۲)(فتح القدیر:۲۸۶/۷شاملہ)

کے علاوہ باقی تمام مقدمات میں خواہ وہ منقول اشیاء سے متعلق ہوں یا غیر منقول اشیاء سے اور خواہ اعیان سے تعلق رکھتے ہوں یا دیون سے قاضی کا خط حجت ہے یہ امام محمد رحمہ اللہ سے مروی ہے اور اسی پر متاخرین ہیں اور ضرورت کی وجہ سے اسی پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔(۱)

لیکن فقہاء نے از راہ احتیاط کتاب القاضی میں یہ شرطیں لگائی ہیں کہ قاضی خط کا مضمون عنوان اور تاریخ درج کر کے کم از کم دو گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنائے اور ان کے سامنے ہی مہر لگائے پھر اس مہر شدہ تحریر کو ان گواہوں کے ساتھ مکتوب الیہ قاضی کے پاس بھیجے، جب یہ گواہ وہاں پہنچے تو مکتوب الیہ قاضی مہر کو ملاحظہ کرے اور گواہوں سے دریافت کرے کہ یہ تحریر کس کی ہے اور اس میں کیا لکھا ہے، اگر وہ پورے طور پر شہادت دیں کہ فلاں قاضی نے یہ تحریر ہمارے سامنے لکھی ہے اور اس میں یہ مضمون ہے تو پھر خصم (فریق مخالف) کو طلب کرے اور اس فریق اور گواہان کے سامنے یہ تحریر پڑھے اور گواہان اس کی تصدیق کریں اب جا کر اس تحریر کا اعتبار کیا جائے گا اور قاضی مقدمہ کی کاروائی کرے گا۔(۲)

البتہ امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے نزدیک خط کے مضمون کا گواہوں کے سامنے پڑھنا ضروری نہیں، نیز مہر لگانا بھی شرط نہیں، بس صرف اتنا کافی ہے کہ شاہدین خط لے جا کر یہ شہادت دیں کہ یہ تحریر فلاں قاضی صاحب نے لکھی ہے اور انہوں نے آپ

(۱)ولا يقبل كتاب القاضي الى القاضي في الحدود و القصاص لأن فيه شبه البدلية عن الشهادة فصار كالشهادة ولأن مبناها على الاسقاط وفي قبوله سعي في اثباتها (اللباب: ۸۷/۴، شاملة) قوله (كل حق) من نكاح وطلاق وقتل موجبه مال وأعيان ولو منقولة وهو المروى عن محمد وعليه المتأخرون، وبه يفتى للضرورة (شامی: ۴۳۲/۵، شاملہ)

(۲)(مستفاد: الدر المختار: ۴۳۴/۵- فتح القدير: ۲۹۱/۷-۲۹۵ شاملہ)

کے پاس ہم کو لے کر بھیجا ہے، شمس الائمہ سرخسیؒ نے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کی رائے کو ترجیح دی ہے کیونکہ یہ مسئلہ قضاء سے متعلق ہے، علامہ ابن الہمامؒ نے بھی اسی کو صحیح کہا ہے اور لکھا ہے کہ اگر یہ خط گواہوں کے ساتھ بھیجا جاتا ہے تو ان کے سامنے پڑھنا اور مہر لگانا ضروری نہیں کیونکہ اس میں مقصود شاہدوں کی عدالت کے ساتھ یہ بات پہنچنا ہے کہ یہ خط فلاں قاضی کا ہے پس اس شہادت کے ہوتے ہوئے خط کا غیر مختوم ہونا وغیرہ مضر نہ ہوگا، لیکن اگر قاضی خط کو مدعی کے ساتھ بھیجتا ہے تو اس میں مہر لگانا شرط ہوگا کیونکہ اس میں تغییر کا احتمال ہے مگر یہ کہ گواہ اس میں موجود مضمون کو محفوظ کر لیں اور گواہی دیں کہ یہ وہی مضمون ہے جو اس کو سپرد کیا گیا تھا تو پھر اس وقت بھی مہر لگانا شرط نہ ہوگا۔ (۱)

فائدہ: کیا آج کے زمانہ میں ڈاک، تار، فیکس وغیرہ کے ذریعہ مقدمہ کی ترسیل معتبر ہوگی یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں مفتیان کرام کے درمیان اختلاف ہے، قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''اسلامی عدالت'' میں ایک مفصل اور چشم کشا حاشیہ تحریر کیا ہے جو قابل ملاحظہ ہے، اس کے کچھ اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:

''بہر حال حسن بصری، سوار بن عبداللہ، عبیداللہ بن حسن عنبری، امام ابوثور، اسحاق

---

(۱)(وقال بو یوسف رحمه الله آخرا: شي من ذلک ليس بشرط فالشرط أن يشهدهم أن هذا كتابه وختمه) بعدما كان أو لا يقول كقول أبي حنيفة وعن أبي يوسف ايضا أن الختم ليس بشرط أيضا رخص في ذلک لما ابتلي بالقضاو ليس الخبر المعاينة وهذا اختيار شمس الأئمة السرخسي، ولاشک عندى في صحته فان الفرض اذا كان عدالة الشهود وهم حملة الكتاب فلايضره كونه غير مختوم مع شهادتهم أنه كتابه، نعم اذا كان الكتاب مع المدعي ينبغي أن يشترط الختم لاحتمال التغيير الا أن يشهدوا بما فيه حفظا۔ الخ (فتح القدير: ۷/ ۲۹۲-۲۹۳)

بن راہویہ، ابوعبید القاسم بن سلام، ابوسعید الاصطخری، امام مالک (ایک روایت کے مطابق) اور امام احمد بن حنبل (ایک روایت کے مطابق) کتاب القاضی کی قبولیت کے لئے شہادت کو ضروری قرار نہیں دیتے بلکہ خط اور مہر کی شناخت کو کافی سمجھتے ہیں۔ عام طور پر جو ائمہ کا مسلک ہے اس پر عمل دشوار ہے بلکہ ان شرائط کی پابندی میں حق ضائع ہونے اور عام مقدمات میں حصول انصاف کے ناممکن ہوجانے کا یقین ہے"۔

اخیر میں تحریر فرماتے ہیں: "ہمارے یہاں دار القضاء میں یہ معمول ہے کہ عام طور پر ایک قاضی دوسرے قاضی کو جب مسل ارسال کرتا ہے تو اس پر دار القضاء کی مہر لگاتا ہے، اپنے دستخط کرتا ہے اور رجسٹرڈ ڈاک کے ذریعہ ارسال کرتا ہے، عام طور پر دستی فریق کے معرفت بھیجنے کا رواج نہیں۔ بعض غیر اہم معاملات میں جہاں کوئی فوری ضرورت درپیش ہو کسی معتبر شخص کے معرفت اور کبھی کسی فریق کے معرفت سربمہر لفافہ بھیجا جاتا ہے اور ایسا بہت شاذ ہے۔ برسہابرس کے تجربہ کی روشنی میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ طریقہ کار قابل اطمینان ہے، اور حصول انصاف کو سہل بنانے والا ہے، اسی لئے ہم نے "متن کتاب" میں ائمہ اربعہ کے مسلک سے ہٹ کر مالکیہ اور حنابلہ کی ایک روایت اور حسن بصری، سوار، عنبری، ابوثور، اور امام شعبی وغیرہ کی رائے کو اختیار کیا ہے"۔[1]

یہی مضمون حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب دامت برکاتہم کے مخصوص دمقبول انداز میں ملاحظہ فرمائیں جو مذکور کتاب ہی کے حوالہ سے منقول ہے:

"آج کی دنیا میں تعلقات اور معاملات کے دائرے بہت وسیع ہوگئے ہیں، بعض اوقات فریقین کا تعلق دو الگ الگ ملکوں سے ہوتا ہے، یا ایک ہی ملک کے دو ایسے شہروں سے ہوتا ہے جو طویل مسافت پر واقع ہوتے ہیں، ایسی صورت میں اگر مقدمہ کی کاروائی ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کے لئے دو آدمیوں کو بھیجنا پڑے تو اتنا کثیر صرفہ آئے گا کہ انصاف کا حصول محض آرزو بن کر رہ جائے گا، دوسری طرف

(۱) (اسلامی عدالت، ص: ۴۴۳ تا ۴۴۳)

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں ڈاک کا ایسا نظم قائم ہوگیا ہے جو بہ مقابلہ قدیم زمانہ کے کافی ترقی یافتہ بھی ہے اور محفوظ وقابل اطمینان بھی، فقہاء کا مقصود اصل میں صرف اتنا ہے کہ مکتوب الیہ کو اس بات کا اطمینان حاصل ہوجائے کہ جس شخص کی طرف تحریر کی نسبت کی گئی ہے فی الواقع یہ اس کی تحریر ہے، آج کل رجسٹری اور انشورنس کے ذریعہ محفوظ طریقہ پر ڈاک کا جو نظم قائم کیا گیا ہے وہ مناسب حد تک قابل اطمینان ہے اور اس پر تجربات اور آئے دن کے واقعات شاہد ہیں، اگر کوئی معاملہ مشکوک نظر آئے تو دوبارہ مراسلت یا فون کے ذریعہ اس کی تحقیق بھی ممکن ہے، اس لئے موجودہ حالات میں ان ذرائع سے مقدمات کی کاروائی بھیجنے میں کوئی مضائقہ نہیں"۔ (۱)

تحکیم (ثالثی) کا بیان

تمہید: فریقین کا اپنے باہمی نزاع کے حل کے لئے کسی فرد یا جماعت کو ثالث مقرر کرنا اور اس کے فیصلہ پر رضامندی کا اظہار کرنا تحکیم کہلاتا ہیں، اور جس کو ثالث مقرر کیا اس کو "حَکَم" کہا جاتا ہے، اس سلسلہ میں چند ضوابط ملاحظہ فرمائیں۔

۴۸۸- **ضابطہ**: ہر وہ شخص جس کی شہادت اس نوع کے مقدمہ میں قبول کی جاتی ہو اس کو حکم بنانا جائز ہے اور جس کی قبول نہ کی جاتی ہو اس کو حکم بنانا جائز نہیں۔ (۲)

تشریح: حکم (ثالث) کی حیثیت چونکہ قاضی کی ہوتی ہے اس لئے اس کے تقرر میں وہی اہلیت ضروری ہوگی جو ایک قاضی کے لئے ضروری ہے اور کتاب القضاء کی ابتداء میں گزر چکا ہے کہ قاضی میں اہلیت شہادت ضروری ہے پس حکم بھی اسی کو مقرر کیا جاسکتا ہے جو مقدمہ میں شاہد بننے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ (۳)

(۱) (قاموس الفقہ: ۴/۵۲۲) (۲) کل من تقبل شہادته فی امر جاز أن یکون حکما فیه ومن لا فلا (معین الحکام: ۲۷)

(۳) وشرطه من جهة المحكم بالفتح صلاحيته للقضاء (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/۱۲۶، اللباب فی شرح الکتاب: ۴/۸۸، شاملة)

پس نابالغ بچہ، غلام، مجنون، اندھا، گونگا، کافر اور محدود فی القذف کو حکم بنانا جائز نہیں کیونکہ ان میں اہلیت شہادت نہیں ہے۔ اور فاسق کو حکم بنانا جائز ہے کیونکہ اس میں اہلیت شہادت موجود ہے۔ (تفصیل کتاب القضاء میں ضابطہ: ۴۲۷ میں ملاحظہ فرمائیں)

۴۸۹- **ضابطہ:** تحکیم کو کسی شرط پر معلق کرنا یا زمانہ کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، برخلاف قضاء کے۔ [1]

جیسے اگر کہا فلاں شخص آجائے اس کے بعد تم حکم ہو، یا فلاں وقت کے بعد حکم ہو تو یہ جائز نہیں ایسی تحکیم کا کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ برخلاف قضاء کے کہ اس میں تعلیق وتقیید درست ہے جیسا کہ گزر چکا۔

۴۹۰- **ضابطہ:** تحکیم حقوق العباد میں جائز ہے، حقوق اللہ میں جائز نہیں۔

تشریح: اصل یہ ہے کہ تحکیم تفویض ہے پس جن امور میں فریقین خود اختیار رکھتے ہیں یعنی خود انجام دینے کے اہل ہیں ان میں وہ کسی کو حکم بنا سکتے ہیں اور جو امور فریقین کے دائرۂ اختیار سے باہر ہیں ان میں وہ کسی کو حکم نہیں بنا سکتے ہیں اول امور کا تعلق حقوق العباد سے ہیں اور ثانی کا تعلق حقوق اللہ سے ہیں پس مالی نزاعات، طلاق، عتاق، نکاح مال مسروقہ کے ضمان میں حکم (ثالث) مقرر کرنا جائز ہے۔ اور حد زنا، حد سرقہ، حد قذف اور دیت میں کسی کو حکم بنانا جائز نہیں۔ [2]

---

(۱) قال ابو یوسف: لایجوز تعلیقه بالشرط و اضافته الی وقت، بخلاف القضاء لکونه صلحاً من وجه، بحر۔ (شامی: ۱۲۵/۸) ولا یصح التحکیم معلقا بالخطب ولا مضافاً الی المستقبل (معین الحکام: ۲۷)

(۲) یصح التملیک فی مایملکان فعل ذالک بانفسهما هو حقوق العباد ولایصح فی مالایملکان وهو حقوق الله تعالیٰ حتی یجوز التحکیم فی الأموال والطلاق والعتاق والنکاح والقصاص وتضمین السرقة ولایجوز ←

اور قصاص کے متعلق صحیح یہ ہے کہ اس میں تحکیم درست نہیں یہ امام خصاف رازیؒ کا قول ہے اور شامی میں اسی کو صحیح کہا ہے اور محیط کی روایت کو ضعیف قرار دیا ہے کیونکہ قصاص میں حق اللہ بھی ہے۔[1]

۴۹۱-**ضابطہ:** حکم کا فیصلہ ہر اس شخص کے حق میں معتبر نہیں جس کے حق میں اس کی شہادت معتبر نہیں جیسا کہ قضاء قاضی کا حکم ہے۔

تشریح: پس حکم کا فیصلہ اپنے اصول، فروع، بیوی، تجارتی شریک وغیرہ ان تمام کے حق میں جن کی شہادت شرعاً معتبر نہیں صحیح نہ ہوگا، البتہ ان کے خلاف میں فیصلہ درست ہوگا جیسا کہ شہادت اور قضاء قاضی کا حکم ہے۔

اور بھائی بہن وغیرہ کے حق میں حکم کا فیصلہ درست ہے کیونکہ ان کے حق شہادت معتبر ہے۔[2]

نوٹ: شہادت کن کے حق میں معتبر نہیں اس سلسلہ میں تفصیل کتاب الشہادت

← فی حد الزنا و السرقة و القذف لأن التحکیم تفویض و التفویض یصح فی مایملک المفوض فیه بنفسه و لایصح فی مالایملک (معین الحکام: ۲۷-۲۸) (صح لوغیر حد وقود و دیة علی عاقلة) الاصل أن حکم المحکم بمنزلة الصلح (الدر المختار علی هامش ردالمحتار: ۱۲۷/۸- اللباب فی شرح الکتاب: ۸۹/۴)

(۱) وماذکره من منعه فی القصاص تبعاً للکنز وغیره هو قول الخصاف وهو الصحیح کما فی الفتح، وماذکره فی المحیط من جوازه فیه لأنه من حقوق العباد ضعیف روایة و درایة لأن فیه حق الله تعالیٰ ایضاً۔ (شامی: ۱۲۷/۸)

(۲) وحکم الحاکم لأبویه و زوجته و ولده باطل و المولی و المحکم فیه سواء وهذا لأنه لا تقبل شهادته لهؤلاء لمکان التهمة فکذلک لا یصح القضاء لهم، بخلاف ما اذا حکم علیهم لأنه تقبل شهادته علیهم لانتفاء التهمة فکذا القضاء (ہدایہ: ۱۰۸/۳، شاملہ)

میں ضابطہ:۴۳۹ ملاحظہ فرمائیں۔

۴۹۲- **ضابطہ:** حکم کا ایسا فیصلہ جس میں کسی نابالغ کو ضرر پہنچتا ہو صحیح نہ ہوگا، برخلاف قضاء قاضی کے وہ درست ہے۔(۱)

تفریع: پس اگر حکم نے نابالغ کے وصی کے خلاف کوئی ایسا فیصلہ کیا جس میں نابالغ کا نقصان ہے مثلاً نابالغ کی زمین کم قیمت بیچنے کا فیصلہ کیا یا زیادہ قیمت میں اس کے لئے کسی چیز کے خریدنے کا فیصلہ کیا تو ایسا فیصلہ درست نہ ہوگا۔

اسی طرح اگر حکم نے نابالغ کا نکاح فسخ کردیا تو یہ فیصلہ صحیح نہ ہوگا، جبکہ قاضی کے یہ تمام فیصلے درست ہوں گے۔(۲)

۴۹۳- **ضابطہ:** فیصلہ سے پہلے فریقین میں سے ہر ایک کو تحکیم سے رجوع جائز ہے؛ فیصلہ کے بعد رجوع کا اختیار نہیں۔(۳)

تشریح: پس جب تک فیصلہ نہ ہوا ہو فریقین میں سے ہر ایک کو تحکیم سے رجوع کا اختیار ہوتا ہے یعنی اگر چاہے تو حکم کو معزول کرسکتے ہیں۔ لیکن فیصلہ کے بعد دونوں فریق کو وہ فیصلہ تسلیم کرنا لازم ہوگا حکم کو معزول کر کے اس کے فیصلہ کو باطل نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس فیصلہ کا صدور ان پر ولایت شرعیہ سے ہوا ہے۔(۴)

۴۹۴- **ضابطہ:** حکم کا فریقین سے فیصلہ پر اجرت لینا جائز ہے، ہدیہ لینا جائز نہیں۔

---

(۱) لا یصح حکمه بما فیه ضرر علی الصغیر بخلاف القاضی (شامی: ۸/۱۲۹)

(۲) (شامی: ۸/۱۲۹ از کریا، البحر الرائق: ۷/۱۶، شاملہ)

(۳) ولکل واحد من الحکمین أن یرجع ما لم یحکم علیهما، فاذا حکم لزمهما (اللباب فی شرح الکتاب: ۴/۸۹، شاملة)

(۴) ولا یبطل حکمه بعزلهما عن ولایة شرعیة۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۸/۱۲۹)

تشریح: حکم چونکہ مثل قاضی کے ہے اور فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر قاضی کو بیت المال سے کچھ نہ ملتا ہو تو اس کو اجرت مثل کے بقدر لینا جائز ہے تو حکم (ثالث) کا بھی یہی حکم ہوگا۔ اور قاضی کے لئے ہدیہ لینا جائز نہیں کیونکہ ہدیہ اس کے لئے رشوت ہے تو حکم کے لئے بھی ہدیہ لینا جائز نہ ہوگا۔ (۱)

۴۹۵- **ضابطہ:** حکم کے لئے دوسرے شخص کو حکم بنانا درست نہیں، مگر فریقین کی اجازت سے درست ہے۔ (۲)

۴۹۶- **ضابطہ:** کسی واقعہ میں ایک سے زیادہ حکم ہوں تو فیصلہ میں سب حکموں کا اتفاق ضروری ہے۔ (۳)

تفریع: پس اگر مرد نے عورت کو کہا تو مجھ پر حرام ہے اور اس سے تین طلاق سے کم طلاق کی نیت کی، پھر میاں بیوی نے دو شخصوں کو حکم بنایا تو ان میں سے ایک حکم نے ایک طلاق بائن کا فیصلہ کیا اور دوسرے نے تین طلاق کا فیصلہ کیا تو کسی کا فیصلہ درست نہ ہوگا کیونکہ ایک بات پر دونوں نے اتفاق نہیں کیا ہے جبکہ اتفاق ضروری تھا (اب یہ فیصلہ دوسرے حکم یا قاضی پر موقوف ہوگا) (۴)

---

(۱) (مستفاد: فتاویٰ دار العلوم: ۱۵/ ۹۹- ۱۰۰- شامی: ۸/ ۱۳۱، مطلب فی هدية القاضي - ۸/ ۱۳۱، آخر باب التحکیم)

(۲) وليس للمحكم تفويض التحكيم الى غيره (الدر المختار) وفي الشامية: فلو فوض وحكم الثاني بلا رضاهما فأجازه القاضي لم يجز الا ان يجيزهما۔ الخ (شامی: ۱۳۰ و هكذا فی فتاوىٰ دار العلوم: ۱۵/ ۱۰۷)

(۳) حكما رجلين فلابد اجتماعهما على المحكوم به (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/- ۱۲۹ العناية شرح الهداية: ۷/ ۳۲۰)

(۴) فلو حكم احدهما و اختلفا لم يجز كما في البحر عن الولو الجيه وفيه عن الخصاف لو قال لامرته انت على حرام، ونو الطلاق دون الثلاث فحكما ←

۴۹۷- **ضابطہ:** حکم کا فیصلہ قاضی کے پاس گیا تو وہ فیصلہ قوانین شرعیہ کے موافق ہوگا تو قاضی اس کو جاری رکھے گا ورنہ رد کردے گا۔ (۱)

کتاب الصلح

۴۹۸- **ضابطہ:** مسلمانوں کے درمیان ہر صلح جائز ہے سوائے اس صلح کے جو حرام کو حلال اور حلال کو حرام کرنے والی ہے۔

تشریح: یہ حدیث شریف ہے جو حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اس میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال کرنے والی صلح کے علاوہ ہر صلح کی مشروعیت کو بتلایا گیا ہے۔ (۲)

صلح کی مشروعیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد بھی ہے: "فاصلحوا بینھما" (۳) تم ان کے درمیان صلح کرادو، اور ایک موقع پر فرمایا "والصلح خیر" (۴) اور صلح بہتر ہے۔ پس فریقین کو صلح کی طرف پھیرنا ان کو خیر کی طرف پھیرنا ہے، اس لئے فقہاء نے لکھا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قاضی وغیرہ کے لئے بہتر یہ ہے کہ فریقین میں صلح کروانے کی کوشش کرے، اس سلسلہ میں سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ارشاد قابل ذکر ہے کہ:

رجلین، فحکم أحدھما بأنھا بائن و حکم الآخر بأنھا بائن بالثلاث لم یجز لأنھما لم یجتمعا علی أمر واحد (شامی: ۸/۱۲۹)

(۱) اذا عرض حکم المحکم علی القاضی المنصوب من قبل السلطان فاذا کان موافقا للأصول صدقه و الا نقضه۔ (شرح المجلة: ۱/۳۷۶)

(۲) (کل صلح جائز فیما بین المسلمین الا صلحا أحل حراما أو حرم حلالا۔ المغنی: ۴/۳۰۸ - ترمذی حدیث: ۱۳۵۲ باب ماذکر عن رسول اللہ)

(۳) (النساء: ۱۲۸)

(۴) (الحجرات: ۹)

مخاصمین کو واپس لوٹاؤ یہاں تک کہ وہ صلح کرلیں کیونکہ فیصلہ آپس میں کینہ وکدورت پیدا کرتا ہے۔[۱]

فائدہ : فقہاء نے خصوصیت کے ساتھ چند صورتیں بیان کی ہیں جن میں قاضی کے لئے حکم ہے کہ حق کے انکشاف کے باوجود فریقین میں صلح کی تاکید کرے:

۱-جبکہ اس کا اندیشہ ہو کہ فیصلہ کی صورت میں فریقین میں عداوت کی آگ بھڑک اٹھے گی، اور جھگڑا ختم ہونے کی بجائے طول پکڑ لے گا۔

۲-فریقین اہل فضل وکمال ہوں کہ فیصلہ کی صورت میں رازہائے سربستہ کے منکشف ہونے اور ہتک عزت کا اندیشہ ہو۔

۳-فریقین باہم قریبی رشتہ دار ہوں کہ ایسی صورت میں باہمی مفاہمت کے ذریعہ جو کچھ طے ہو گا وہ فریقین کے باہمی تعلقات کو قائم رکھنے میں مدد دے گا۔

۴-فریقین کے دلائل اور دونوں کے ثبوت :قوت وضعف کے اعتبار سے قریب قریب برابر ہوں (یہ علاحدہ بات ہے کہ ایک فریق کا طرز تعبیر دوسرے کے مقابلہ میں بلیغ تر ہو)

۵-دعوے کا تعلق ایسے امور یا واقعات سے ہو جن کے نقوش قدامت وکہنگی کی وجہ سے مٹ چکے ہوں اور اس وجہ سے ایسا اشتباہ پیدا ہو گیا ہو کہ کسی یقینی نتیجہ تک پہنچنا دشوار ہو۔

البتہ صلح میں ایک فریق کا ظلم اور دوسرے کی مظلومیت بالکل واضح ہو تو اس وقت قاضی قطعی فیصلہ کا پابند ہے، صلح نہیں کرے گا۔[۲]

---

(۱)قال عمر: ردوا الخصوم حتی یصطلحوا فان فصل القضاء یورث بین القوم الضغائن (مصنف ابن أبی شیبة: ۴/۵۳۴)

(۲)(یہ فائدہ کا مضمون معمولی فرق کے ساتھ حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قدس سرہ کی کتاب: اسلامی عدالت: ۳۰۳-۳۰۵ سے بحوالہ معین الحکام ماخوذ ہے)

۴۹۹- **ضابطہ:** حقوق اللہ میں صلح جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: پس زنا، تہمت زنا، چوری، شراب وغیرہ کی حدود میں۔ جن کا تعلق حقوق اللہ سے ہے۔ صلح کا اعتبار نہ ہوگا، مثلاً کسی شخص نے زانی یا شرابی یا دوسرے کا مال چوری کرنے والے کو پکڑا پھر اس مجرم سے کوئی مال لے کر صلح کر لی اس شرط پر کہ وہ حاکم کے پاس نہیں لے جائے گا تو یہ صلح صحیح نہیں یہ مال لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا کیونکہ یہ سب حقوق اللہ میں سے ہیں اور حقوق اللہ میں صلح درست نہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ صلح کرنے والا صلح کے ذریعہ اپنی ذات کے حق میں تو تصرف کرسکتا ہے اس طرح کہ اپنے حق کی وصولی کے لئے کچھ معاوضہ دیدیا یا کچھ حق ساقط کر دیا وغیرہ لیکن غیر کے حق میں تصرف کا اختیار اس کو نہیں ہے، اور مذکور صورتوں میں غیر کے حق میں تصرف کرنا لازم آتا ہے۔

حد قذف کا بھی یہی حکم ہے چنانچہ اگر کسی نے کسی شخص پر تہمت لگائی پھر اس سے صلح کی کہ اتنا مال دیتا ہوں مجھے معاف کر دے تو یہ صلح صحیح نہیں کیونکہ اگر چہ اس میں بندے کا حق ہے لیکن غالب اللہ تعالیٰ کا حق ہے اور اعتبار غالب کا ہوتا ہے، برخلاف تعزیرات کے یعنی جن جرائم میں حد کی بجائے تعزیر ثابت ہوتی ہے تو ان میں صلح درست ہے کیونکہ تعزیر بندے کا حق ہے اور برخلاف قصاص کے کیونکہ قصاص بھی بندے کا حق ہے خواہ قصاص بالنفس ہو یا قصاص بالمال۔ (۲)

---

(۱) ولا یجوز الصلح عن حقوقه تعالی (درر الحکام شرح غرر الأحکام: ۲/ ۳۹۶، مکتبہ شاملة)

(۲) لا یجوز ان یکون المصالح عنه حقا الله سواء کان مالا عینا و دینا و حقا لیس بمال حتی لا یصح الصلح عن حد الزنا و السرقة و شرب الخمر بأن أخذ زانیا أو سارقا من غیره أو شارب خمر فصالحه علی مال علی أن لا یرفعه الی ولی الأمر لأنه حق الله ولا یجوز الصلح عن حقوقه تعالی لأن المصالح بالصلح ←

۵۰۰-ضابطہ: صلح عن اقرار فریقین کے حق میں بیع متصور ہوگی جبکہ صلح عن انکار اور صلح عن سکوت صرف مدعی کے حق کے میں بیع ہوگی۔ (۱)

تشریح: صلح کی بنیادی تین قسمیں ہیں: صلح عن اقرار، صلح عن انکار اور صلح عن سکوت ـــــ صلح عن اقرار یہ ہے کہ مدعی علیہ کو مدعی کے دعویٰ کا اقرار ہو یعنی وہ اس کے دعویٰ کو صحیح تسلیم کرتا ہو اس کے باوجود مدعی کو مطلوبہ چیز دینے کی بجائے کوئی عوض دے کر اس سے صلح کرلے تاکہ مدعی عوض لے کر دعوے دستبردار ہو جائے۔ صلح عن انکار یہ ہے کہ مدعی علیہ کو مدعی کے دعویٰ سے انکار ہو اس کے باوجود وہ یمین سے چھٹکارے اور قطع نزاع کے لئے مدعی کو کچھ دے کر صلح کرلے۔ اور صلح عن سکوت کا مطلب یہ ہے مدعی کے دعوی پر مدعی علیہ خاموش ہو نہ کھل کر اقرار کرتا ہو اور نہ انکار کرتا ہو پھر بھی مدعی کو کوئی چیز دے کر اس سے صلح کرلے۔ صلح کی ان تین قسموں میں صلح عن اقرار بالاتفاق جائز ہے، جبکہ صلح عن انکار و صلح عن سکوت ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک جائز نہیں۔ (۲)

اس تمہید کے بعد اب ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ صلح عن اقرار میں اگر عوض میں کسی چیز کا دینا طے ہوا ہے تو چونکہ یہ مبادلۃ المال بالمال ہے اس لئے یہ صلح فریقین کے حق

← يتصرف في حق نفسه اما باستيفاء كل حقه أو استيفاء بعضه و اسقاط الباقي او بالمعاوضة و كل ذلك لا يجوز في غير حقه و كذا اذا صالح عن حد القذف بأن قذف رجلا فصالحه على مال على ان يعفو عنه لأنه و ان كان للعبد فيه حق فالغالب حق الله تعالى و المغلوب ملحق بالمعدوم شرعا، بخلاف التعزير حيث يصلح الصلح عنه لأنه حق العبد و القصاص في النفس و ما دونها لأنه أيضا حق العبد۔ (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲/ ۳۹۶، مكتبه شاملة)

(۱)(مستفاد: ہدایہ: ۳/ ۱۹۰- تاتارخانیہ: ۱۴/ ۲۲۸)

(۲)(المغني: ۴/ ۸-۰۳ تحفة الفقهاء ۳/ ۲۹۵، شاملة)

میں بیع متصور ہوگی اوراس میں دونوں کے حق میں بیع کے جملہ احکام خیار رویت، خیار عیب، حق شفعہ وغیرہ جاری ہوں گے۔ جبکہ صلح عن انکار و صلح عن سکوت چونکہ مدعی علیہ کے اقرار سے نہیں ہوتی ہے بلکہ انکار یا سکوت کے باوجود صرف یمین سے چھٹکارے یا قطع نزاع کے لئے مدعی سے وہ صلح کرلیتا ہے اس لئے یہ دونوں صلح صرف مدعی کے حق میں بیع ہوگی مدعی علیہ کے حق میں بیع نہ ہوگی۔

چنانچہ ان دو صلح (صلح عن انکار، صلح عن سکوت) میں عیب کی بنا پر واپس کرنے کا حق صرف مدعی کو ہوگا اسی طرح حق شفع صرف اس مکان میں حاصل ہوگا جو بدل صلح میں مدعی کو دیا گیا ہے، مدعی علیہ کے قبضہ میں جو مکان ہے یعنی جس مکان پر صلح ہوئی ہے اس میں حق شفعہ ثابت نہ ہوگا کیونکہ وہ تو درحقیقت مدعی علیہ ہی کا ہے اس نے اپنا دعویٰ اس سے ساقط نہیں کیا ہے۔ برخلاف صلح عن اقرار کے کہ اس میں عیب کی وجہ سے واپس کرنے کا حق مدعی اور مدعی علیہ دونوں کو ہوگا اور حق شفعہ دونوں ہی مکان میں حاصل ہوگا اس مکان میں بھی جو بدل صلح میں دیا گیا ہے اور اس مکان میں بھی جس پر صلح کی گئی ہے، کیونکہ صلح عن اقرار فریقین کے حق میں بیع ہے۔(۱)

---

(۱) الأصل فی ھذاأن ماصلح معاوضة ان کان عن اقرارفھو معاوضة المال بالمال من الجانبین وان کان عن انکار فھو معاوضة المال بالمال فی حق المدعی بزعمه (تاتارخانیۃ جدید: ۲۲۸/۱۴، مکتبہ زکریا) فان وقع الصلح عن اقرار اعتبر فیه مایعتبر فی البیاعات ان وقع عن مال بمال لوجود معنی البیع وھو مبادل المال بالمال بتراضیھما فی حق المتعاقدین بتراضھمافتجری فیه الشفع اذا کان عقاراویردبالعیب ویثبت فیه خیارالشرط والرؤیة....الصلح عن السکوت والانکار فی حق المدعی علیه لافتداالیمین وقطع الخصومة وفی حق المدعی لمعنی المعاوضة لمابینا (ھدایه: ۱۹۰-۳/ اللباب فی شرح الکتاب: ۱۶۴/۲)

۵۰۱- **ضابطہ**: صلح کو اس عقد صحیح پر محمول کرنا واجب ہے جو اس سے قریب تر ہو (پھر اس میں اس عقد کے شرائط واحکام جاری ہوں گے)[۱]

جیسے:

۱- مدعی نے کسی عین مثلاً گھر وغیرہ کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے کچھ رقم دے کر اس کو دعویٰ سے دستبردار ہونے پر آمادہ کیا تو یہ صلح حکماً بیع ہے، پس اس میں بیع کی شرائط واحکام جاری ہوں گے، مثلاً صلح میں جو چیز مبیع کے حکم میں ہے اس کا معین ومتقوم ہونا؛ اس میں خیار عیب اور خیار رویت کا ثابت ہونا؛ اور مصالح علیہ یا مصالح عنہ گھر یا زمین ہے تو اس میں حق شفع کا ثابت ہونا؛ وغیرہ شرائط واحکام بیع کے جاری ہوں گے۔

۲- مدعیٰ علیہ نے مدعی سے کہا تم اپنے دعویٰ وحق سے دستبردار ہو جاؤ اس کے بدلہ میں ایک سال کے لئے میں اپنا مکان یا گاڑی استعمال کے لئے دوں گا تو یہ صلح عقد اجارہ ہے اس میں اجارہ کی شرائط واحکام جاری ہوں گے، پس اس میں ایجاب وقبول کے ساتھ تاجیل (مدت) بیان کرنا ضروری ہے کہ کتنی مدت تک مدعی اس گھر یا گاڑی سے نفع اٹھائے گا اور اس مدت میں فریقین میں سے کسی کی موت ہو جائے تو صلح باطل ہو جائے گی جیسا کہ اجارہ کا حکم ہے۔

۳- مدعیٰ علیہ نے مدعی سے کہا میں آپ کی یہ مطلوبہ چیز مثلاً گھر یا گاڑی کو واپس کر دوں گا مگر فی الحال نہیں بلکہ ایک سال کے بعد دوں گا تب تک اس سے نفع اٹھانے کا مجھے موقع دیا جائے تو یہ صلح عاریت کے معنی میں ہوگی اور اس میں عاریت کی شرائط واحکام جاری ہوں گے، چنانچہ مدعی جب چاہے اپنے گھر یا گاڑی کا مطالبہ کر سکتا ہے کیونکہ عاریت غیر لازم معاملات میں سے ہے اور وہ چیز مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں بغیر تعدی کے ضائع ہو جائے تو اس پر کوئی تاوان نہ آئے گا جیسا کہ سامان عاریت کا حکم ہے۔

---

(۱) یجب حمل الصلح علی العقد الذی یکون قریبا منہ، ویجب وجود شروط ذلک العقد (درر الحکام فی شرح المجلۃ: ۱۰/ ۳۸۷)

۴-مدعیٰ علیہ کے قبضہ میں کوئی چیز تھی مدعی نے اس سے کہا میں اپنی اس چیز کے بعض حصہ سے دستبردار ہوجاتا ہوں بشرطیکہ اس کا باقی حصہ تم ادا کردو تو وہ حصہ جس سے مدعی دستبردار ہوگیا مدعیٰ علیہ کے لئے ہدیہ ہوگا، پس اس میں ہدیہ کی شرائط واحکام جاری ہوں گے، چنانچہ مدعیٰ علیہ کا قبول کرنا شرط ہے نیز وہ چیز قابل تقسیم ہونا ضروری ہے کیونکہ مشترک چیز کا ہدیہ قابل تقسیم میں درست نہیں۔

۵-مدعی نے کچھ رقم کا دعویٰ کیا اور مدعیٰ علیہ نے اعتراف کرتے ہوئے اس بات پر صلح کرلی کہ اس کے بدلہ میں ایک مہینے کے بعد گیہوں دیدوں گا تو یہ صلح بیع سلم کے حکم میں ہوگی اور اس میں سلم کی شرائط واحکام جاری ہوں گے (بیع سلم یہ ہے کہ ثمن نقد ہو اور سامان ادھار ہو اور اس صلح میں یہی بات ہے)[1]

پس صلح کو جس عقد پر محمول کرنا ممکن ہوگا اس پر محمول کیا جائے گا اور اس میں اسی عقد کی تمام شرائط واحکام جاری ہوں گے جیسا کہ مثالوں سے واضح ہوا کیونکہ عاقل بالغ کا تصرف حتی الامکان صحت کی طرف پھیرنا واجب ہے۔

اسی وجہ سے ضابطہ میں عقد کے ساتھ "صحیح" کی قید لگائی گئی کیونکہ اگر صلح میں کوئی عقد فاسد بنتا ہو تو اس عقد پر صلح کو محمول نہیں کیا جائے گا، مثلاً مدعی نے دوہزار روپے کا دعویٰ کیا، مدعیٰ علیہ نے اقرار کرتے ہوئے کہا: میں ایک مہینے کے بعد ادا کردوں گا لیکن شرط یہ ہے کہ فی الحال مجھے پانچ سو روپے نقد ادا کرو، مدعی نے منظور کرلیا اور صلح ہوگئی تو یہ پانچ سو روپے کو دوہزار کا معاوضہ قرار نہیں دیں گے کیونکہ ایسا کرنے میں عقد ربا (سود) ہوجاتا ہے اور یہ جائز نہیں، بلکہ اس پانچسو کو صرف بدل صلح تصور کریں گے اور عقد کو اس بات پر محمول کریں گے کہ گویا مدعی نے دوہزار میں سے پندرہ سو وصول کئے اور پانچ سو ساقط کردئے کیونکہ عاقل بالغ کے تصرف کو حتی الامکان فساد سے بچا کر صحت پر محمول کرنا واجب ہے۔ چنانچہ صاحب ہدایہ وغیرہ نے اس سلسلہ میں یہ ضابطہ

(۱) (هذا التفصيل كله ماخوذ من "الفقه الاسلامي وادلته": ۵/۲۹۷)

بیان کیا ہے کہ: کل شی وقع علیه الصلح وھو مستحق بعقد المداینة لم یحمل علی المعاوضة، وانما یحمل علی انه استوفی بعض حقه وسقط باقیه۔

(هدایه: ۳/۴-۱۹۴ مجلة الأحکام: ۱/۳۰۲)

۵۰۲- **ضابطہ:** ہر وہ حق جو قابل معاوضہ نہیں جیسے حق شفعہ، حق خلو (پگڑی) حد قذف وغیرہ ان میں صلح علی بدل جائز نہیں۔ (۱)

تشریح: یعنی شفیع کا مشتری یا مکان مالک سے کوئی معاوضہ لے کر حق شفع سے دست بردار ہو جانا یا کرایہ دار کا حق خلو میں کوئی معاوضہ طلب کر کے صلح صفائی کرنا یا قاذف کا مقذوف کو مال دے کر حاکم یا قاضی کے پاس جانے سے روکنا یہ جائز نہیں، کیونکہ حق شفعہ اور حق خلو اور حد قذف وغیرہ قابل معاوضہ نہیں ہے یعنی ان کا کوئی عوض لینا جائز نہیں۔

البتہ مدعی علیہ یمین سے چھٹکارے اور قطع نزاع کے لئے ان حقوق کے بدلہ میں کچھ مال دے کر صلح کرے تو یہ صحیح ہے یعنی دنیوی احکام میں ختم نزاع کے لئے صحیح ہے لیکن مدعی نے جانتے ہوئے ناحق مال لیا ہے تو وہ آخرت میں مؤاخذہ سے نہیں بچ سکے گا مگر یہ کہ دونوں میں معافی تلافی ہو جائے تو امید ہے مؤاخذہ نہ ہو۔ (۲)

۵۰۳- **ضابطہ:** صلح میں ہر وہ چیز جس میں قبضہ کی حاجت ہوتی ہے اس کا معین ہونا ضروری ہے اور جس میں قبضہ کی حاجت نہیں ہوتی اس کا معین و معلوم ہونا ضروری نہیں۔ (۳)

---

(۱) لایصح لو المصالح عنه مما لایجوز الاعتیاض... کحق شفعة وحد قذف الخ (الدر المختار علی رد المحتار۔ ۸/۴۰۶)

(۲) یصح الصلح باعطاء البدل لاجل الخلاص من الیمین فی دعاوی الحقوق کدعوی حق الشرب والشفعة والمرور۔ (مجلة الأحکام العدلية: ۱/۳۰۳)

(۳) کل ما یحتاج الی قبضه لا بد ان یکون معلوما، لأن جهالته تفضی الی ←

تشریح: معین ومعلوم ہونے سے مراد اس شیء کی مقدار اور وصف کا بیان کرنا ہے کہ میں اس قسم کے وصف کی اتنے وزن یا ناپ کی فلاں چیز دوں گا۔ اگر وصف ومقدار سے اس کی تعیین نہ ہوسکتی ہو جیسے صلح میں کوئی جانور دینا طے ہوا تو صلح کے وقت اس جانور کا سامنے حاضر ہونا ضروری ہے۔

تفریعات:

(۱) پس مجہول کی طرف سے مجہول پر صلح جائز نہیں۔ مثلاً مدعی نے مجہول مکان کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس کے عوض مجہول مکان دینے پر صلح کی۔

(۲) معلوم کی طرف سے مجہول پر صلح جائز نہیں۔ جیسے مدعی نے معلوم کپڑے وغیرہ کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ اس کے بدلہ مجہول گیہوں وغیرہ پر مصالحت کی۔

کیونکہ ان دونوں میں مصالح علیہ یعنی جس پر صلح کی گئی ہے اس میں مدعی کو قبضہ کی حاجت ہوتی ہے اور وہ مجہول ہے جس کی وجہ سے نزاع کا اندیشہ ہے۔

(۳) اور معلوم کی طرف سے معلوم پر صلح جائز ہے۔ (مثال ووجہ ظاہر ہے)

(۴) اسی طرح مجہول کی طرف سے معلوم پر صلح جائز ہے جیسے نامعلوم مکان، زمین یا گھوڑے وغیرہ کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے معلوم ومعین مکان یا زمین یا جانور وغیرہ پر مصالحت کی، کیونکہ اس میں مصالح علیہ معلوم ہے اور مصالح عنہ اگرچہ مجہول ہے مگر اس میں قبضہ کی حاجت نہیں کیونکہ وہ پہلے سے مدعی علیہ کے قبضہ میں موجود ہے پس اس کی جہالت مفضی الی المنازعۃ نہ ہوگی۔ [1]

← المنازعة وما لا يحتاج الى قبضه يكون اسقاطا فلا يحتاج الى علمه به فانه لا يفضى الى المنازعة (مجمع الانهر: ۲/ ۳۱۱، شاملة)

---

(۱) الصلح على ربعة أوجه: عن معلوم على معلوم، وعن مجهول على معلوم وهما جائزان۔ وعن مجهول على مجهول، وعن معلوم على مجهول وهما فاسدان۔ (مجمع الانهر: ۲/ ۳۱۱- الجوهرة النيرة: ۱/ ۳۱۸ شاملة)

۵۰۴- **ضابطہ:** صلح جب معاوضہ کے حکم میں ہو تو فریقین کا باہمی رضامندی سے اس کا اقالہ اور فسخ جائز ہے، اور اگر معاوضہ کے معنی میں نہ ہو بلکہ اسقاط کو متضمن ہو تو اس میں فسخ صحیح نہیں۔ (۱)

تشریح: معاوضہ کے حکم میں ہونے سے مراد دونوں طرف عوض کا ہونا ہے، خواہ وہ عوض مال ہو یا منفعت مثلاً مدعی نے گھر کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے گاڑی دے کر اس سے مصالحت کرلی؛ یا مدعی نے زمین کا دعویٰ کیا اور مدعی علیہ نے اس کے عوض اپنے گھر میں دس سال تک سکونت پر صلح کی تو یہ دونوں صورتیں معاوضہ کی ہیں ان میں اول بیع اور دوم اجارہ کے حکم میں ہیں، پس ان کو فریقین باہمی رضامندی سے فسخ کرسکتے ہیں، جیسے بیع اور اجارہ کا حکم ہے۔

اور اگر معاوضہ کی صورت نہ ہو جیسے مدعی نے پچیس ہزار روپے کا دعویٰ کیا پھر مدعی علیہ کی ٹال مٹولی پر اس نے اس سے پانچ ہزار معاف کردئے اور بیس ہزار دینے پر مصالحت کرلی تو یہ صلح معاوضہ کے حکم میں نہیں ہے بلکہ اس میں اسقاط کی صورت ہے کہ مدعی نے اپنا بعض حق کو ساقط کیا ہے لہٰذا اس صلح کو فسخ کرنا مطلقاً صحیح نہیں نہ طرفین کی رضامندی سے نہ ایک جانب سے کیونکہ قاعدہ ہے: "الساقط لا یعود" پس مدعی کے لئے اب ختم صلح کا دعویٰ کرکے پچیس ہزار کا مطالبہ جائز نہیں۔

(۱) اذا کان الصلح فی حکم المعاوضة فللطرفین فسخه واقالته برضائهما واذا لم یکن فی معنی المعاوضة بل کان متضمنا اسقاط بعض الحقوق فلا یصح نقضه وفسخه مطلقا (مجلة الاحکام: ۱/۳۰۴-۳۰۴ الدر والشامی: ۸/۴۱۹، زکریا)

کتاب الإبراء

(بری کرنے کا بیان)

۵۰۵- **ضابطہ:** براءت میں ضروری ہے کہ جن کو بری کیا جارہا ہے معلوم و متعین ہوں۔

تفریع: پس اگر کہا میں نے اپنے تمام مقروضین کو بری کیا یا کہا کہ کسی کے ذمہ میرا کوئی حق نہیں تو یہ براءت صحیح نہیں، اس ابراء کے بعد بھی اگر کسی پر اس کا کوئی حق نکلتا ہو تو وصول کر سکتا ہے۔ لیکن اگر کہا میں نے فلاں محلہ والوں کو بری کر دیا اور اس محلہ کے افراد معین و مشخص ہیں جن کی گنتی معلوم ہے تو یہ براءت صحیح ہے پس اب اس محلہ کے کسی فرد سے کسی ایسے حق کا مطالبہ جو براءت سے پہلے تھا جائز نہیں۔ (۱)

۵۰۶- **ضابطہ:** براءت قبول پر موقوف نہیں، لیکن رد کرنے سے رد ہو جاتی ہے۔

تشریح: یعنی اگر کسی کو قرض وغیرہ سے بری کیا تو جس کو بری کیا جارہا ہے اس کے قبول پر موقوف نہیں وہ قبول کرے یا نہ کرے براءت صحیح ہو جاتی ہے، البتہ اگر مدیون اسی مجلس میں رد کر دے تو براءت رد ہو جائے گی اور بری کرنے والے کا حق

---

(۱) یجب أن یکون المبرؤن معلومین و معینین بناء علیه لو قال أحد: أبرأت کافة مدینی، أو لیس لی عند أحد حق لا یصح ابراؤہ و أما لو قال: أبرأت أهالی المحلة الفلانية، و کان أهل تلک المحلة معینین و عبارة عن أشخاص معدودین فیصح الابراء۔ (مجلة الاحکام العدلیة: ۱/۳۰۶)

بحال رہے گا۔

لیکن اگر قبول کے بعد رد کیا یا مجلس کے بعد رد کیا تو اب یہ رد کرنا صحیح نہ ہوگا اور براءت صحیح رہے گی۔[1]

۵۰۷-**ضابطہ:** مرض الموت میں وارث کو بری کرنا صحیح نہیں، اجنبی کو بری کرنا صحیح ہے۔[2]

تشریح: چونکہ وارث کے لئے وصیت صحیح نہیں اور مرض الموت میں کسی کو بری کرنا وصیت کے حکم میں ہے اس لئے وارث کو بری کرنا بھی صحیح نہ ہوگا اور اجنبی کے لئے وصیت صحیح ہے اس لئے اس کو بری کرنا بھی صحیح ہوگا لیکن اجنبی کو بھی صرف تہائی مال کے بقدر ہی بری کرسکتا ہے کیونکہ تہائی سے زیادہ کی وصیت باطل ہے تو براءت کا بھی یہی حکم ہوگا۔

(۱) لا یتوقف الابراء علی القبول ولکن یرتد بالرد فلذالک لو أبرء أحد آخر فلا یشترط قبوله ولکن اذا رد الابراء فی ذلک المجلس بقوله: لا أقبل الابراء یکون ذلک الابراء مردودا، یعنی لا یبقی له حکم۔ لکن لو رده بعد قبول الابراء فلا یرتد الابراء (مجلة الاحکام العدلیة: ۱/ ۳۰۶)

(۲) اذا ابرء احد الورثة فی مرض موته من دینه فلا یکون صحیحا و نافذا و أما لو ابرء أجنبیا لم یکن وارثا له من الدین فصحیح و یعتبر من ثلث ماله۔ (مجلة الاحکام العدلیة: ۱/ ۳۰۶)

كتاب المضاربة

تمہید: شریعت میں ''مضاربت'': نفع میں شرکت سے متعلق ایک ایسا عقد ہے جس میں ایک شخص کی طرف سے مال اور دوسرے کے ذمہ عمل وانتظام کی شرط ہوتی ہے جس کا مال ہوتا ہے اس کو ''رب المال'' اور کام وانتظام (مینجمنٹ) کرنے والے کو ''مضارب'' اور مال کو ''رأس المال'' اور اردو زبان میں ''سرمایہ'' کہا جاتا ہے۔

یہ عقد ابتداء میں جب تک کہ مضارب رأس المال میں تصرف نہ کرے ''عقد ودیعت'' ہے پس اس وقت مضارب کے پاس جو مال ہوگا وہ امانت ہوگا اور اس میں امانت کے احکام جاری ہوں گے؛ اور مال میں تصرف وعمل کے بعد ''عقد توکیل'' ہے پس تصرف کے بعد مضارب کی حیثیت وکیل کی ہوگی اور اس میں وکالت کے احکام جاری ہوں گے؛ اور نفع حاصل ہونے کے بعد یہ عقد ''عقد شرکت'' ہے؛ اور اگر مضارب نے مال میں رب المال کی ہدایت کے خلاف عمل کیا تو یہ غصب ہے اور وہ غاصب شمار ہوگا؛ اور اگر اس معاملہ میں رب المال کے لئے سارے نفع کی شرط لگائی تو یہ ''عقد بضاعۃ'' ہے پس مضارب کی طرف سے ایک تبرع ہوگا؛ اور اگر تمام نفع کی شرط مضارب کے لئے ہو تو یہ ''مقارضہ'' ہے یعنی گویا مضارب نے قرض لے کر اپنا ذاتی کاروبار کیا ہے۔(۱)

(۱) المضاربة: فی الشرع عقد شركة فی الربح بمال من رجل وعمل من آخر وهی ایداع اولا وتوكيل عند عمله وشركة ان ربح وغصب ان خالف وبضاعة ان شرط كل الربح للمالك ومقارضة ان شرط كل الربح للمضارب۔ (التعريفات الفقهية مع قواعد الفقه: ۲۹۳)

۵۰۸-ضابطہ: مضاربت میں سرمایہ کا نقد کرنسی کی شکل میں ہونا ضروری ہے (عروض یعنی سامان خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ کو بطور سرمایہ دینا صحیح نہیں)[1]

تفریع: پس اگر کسی شخص نے ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس بنا کر دوسرے کو دیا کہ اس کو چلاؤ نفع میں ہم دونوں اثلاثا (ایک ثلث و دو ثلث کے حساب سے) شریک رہیں گے تو یہ عقد صحیح نہیں کیونکہ اس میں سرمایا (ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس) عروض میں سے ہے جبکہ سرمایا کا کرنسی کی شکل میں ہونا ضروری ہے۔ پس اس صورت میں عامل (ہوٹل یا گیسٹ ہاؤس چلانے والا) اجرت مثل کا مستحق ہوگا اور نفع سارا مالک کا ہوگا۔

لیکن اگر مالک اس کو کرنسی دیتا اور کہتا کہ اس سے ہوٹل یا گیسٹ بنا کر چلاؤ اور ہم دونوں نفع میں شریک رہیں گے تو یہ درست ہوتا۔ اسی طرح اگر ہوٹل بنا کر دیتا اور ساتھ میں مال لانے کے لئے کچھ روپے (کرنسی) بھی دے دیتا اور کہتا کہ اس سے ضروری سامان خرید لو اور یہ ہوٹل چلاؤ اتنے فیصد تمہارا نفع تب بھی یہ معاملہ صحیح ہوتا [لیکن اس صورت میں یعنی ہوٹل بنا کر دینے میں مضارب عمارت کے نفع میں -جبکہ وہ ہوٹل بیچا جائے- شریک نہ ہوگا]

اور ضابطہ میں کرنسی کے ساتھ "نقد" کی قید اس لئے ہے کہ اگر رأس المال (سرمایہ) دین ہے تو مضاربت صحیح نہیں، جیسے زید نے خالد کو کہا اس دین میں جو میرا تمہارے ذمہ ہے مضاربت کرو اور اس نے اسی میں مضاربت کی تو یہ مضاربت درست نہیں اگرچہ وہ دین کرنسی کی شکل میں ہو۔

ملحوظہ: یہ جو لکھا گیا ہے وہ اصل مسلک کے اعتبار سے ہے یعنی احناف کا اصل مسلک یہی ہے کہ عروض (سامان) میں مضاربت و شرکت جائز نہیں، لیکن موجودہ دور

(۱) (ولا تصح المضاربة إلا بمال تصح به الشركة) من النقدين و التبر و الفلس النافق. (مجمع الانهر: ۳۲۲/۲، شاملة) وشرطها: كون رأس المال من الأثمان۔ (تنوير الأبصار على هامش الدر و الرد: ۶۴۷/۵، شاملة)

میں کاروباری مشکلات کے پیش نظر حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے مذہب مالکی کو اختیار کرتے ہوئے سامان میں بھی شرکت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے۔[۱]

پس ضرورت کے وقت اس پر عمل جائز ہوگا مثلاً مضارب کا انتقال ہوگیا اور اس کی جگہ اس کا لڑکا باپ کے حصہ مُضاربت کے بدلہ میں عمل (مینجمنٹ) کرنا چاہتا ہے تو سرمایاداروں کی اجازت سے یہ معاملہ جائز ہوگا اگرچہ سرمایا سامان کی صورت میں ہو کیونکہ یہاں اس کے باپ کے بسا ہوئے سامان کو کرنسی میں بدلنے میں حرج ہے۔ اسی طرح اگر کاروبار میں متعدد شرکا ہوں اور کسی شریک کا انتقال ہوجائے تو اس کے وارثین دیگر شرکاء اور مضارب کی اجازت سے اس کاروبار کو جاری رکھ سکتے ہیں یہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک ہے اور علماء احناف ضرورتاً اس پر فتویٰ دیتے ہیں۔[۲]

۵۰۹- **ضابطہ**: مضاربت میں ہر ایسی شرط جو نفع میں جہالت یا شرکت کے ختم کا موجب ہو مضاربت کو فاسد کردیتی ہے، اور جو شرط ایسی نہ ہو وہ خود باطل ہوجاتی ہے اور عقد صحیح رہتا ہے۔[۳]

جیسے:

(۱) شرط لگائی کہ رب المال مضارب کے گھر میں ایک سال تک رہے گا اور وہی اس کا نفع ہوگا تو یہ مضاربت فاسد ہے کیونکہ نفع میں جہالت ہے۔[۴]

(۱) (دیکھئے امداد الفتاویٰ: ۳/ ۴۹۵، کتاب الشرکۃ، مکتبہ زکریا دیوبند)

(۲) (مستفاد: ہوٹل کے مسائل ۶۸/ ۹۵/ ۹۶ حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری)

(۳) كل شرط يوجب جهالة في الربح أو بقطع الشركة فيه يفسدها وإلا بطل الشرط وصح العقد. (الدالمختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۴۳۳ - التاتارخانية: ۱۵/ ۳۹۷)

(۴) كل شرط فاسد في المضاربة يوجب جهالة الربح أو قطع الشركة في الربح يوجب فساد المضاربة، نحو أن يشترط المضارب أن يسكن رب المال داره سنة. (التاتارخانية: ۱۵/ ۳۹۷)

(۲) اسی طرح اگر شرط لگائی کہ ہر مہینے مضارب رب المال کو پانچ ہزار روپے دے گا یعنی نفع معین کرلیا تو مضاربت فاسد ہے کیونکہ اگر تجارت میں اتنا نفع نہ ہوا تو مضارب کو کچھ نہ ملے گا پس مآلاً یہ شرط نفع میں ختم شرکت کا موجب ہوگی (اس لئے مضاربت کی صحت کے لئے نفع کا تناسب مثلاً نصف، تہائی یا چوتھائی وغیرہ طے کرنا ضروری ہے، لگی بندھی رقم معین کرنا جائز نہیں)[۱]

اور جو شرط نفع میں جہالت یا شرکت کے ختم کا موجب نہ ہو تو اگرچہ وہ مضاربت کے اصول کے خلاف ہو لیکن اس سے مضاربت فاسد نہیں ہوتی بلکہ وہ شرط خود باطل ہوجاتی ہے، جیسے:

(۱) اگر رب المال نے شرط لگائی کہ نفع کا دو تہائی حصہ اور مزید ہر ماہ دو ہزار روپے لوں گا تو مضاربت صحیح ہوگی، رب المال دو تہائی نفع کا مستحق ہوگا اور دو ہزار کی شرط باطل ہوگی۔[۲]

(۲) اسی طرح اگر شرط مضارب کی طرف سے ہو کہ نفع کا ایک تہائی حصہ اور مزید پانچ ہزار روپے بطور تنخواہ لوں گا تو مضاربت درست ہوگی، مضارب کو نفع کا ایک تہائی ملے گا اور ایک ہزار کی شرط غیر معتبر ہوگی۔[۳]

(۳) یا یہ شرط لگائی گئی کہ مضارب نقصان (گھاٹا) میں بھی شریک ہوگا تو یہ شرط باطل ہوگی اور مضاربت صحیح رہے گی۔[۴]

---

(۱) وإذا شرط للمضارب ربح عشرة فسدت لا لأنه شرط فاسد لكن لأنه شرط ينتفي به الشركة في الربح. (التاتارخانية: ۱۵/ ۳۹۷) وشرطها.... كون الربح بينهما شائعا فلو عين قدرا فسدت. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۴۳۳)

(۲، ۳) إذا قال رب المال للمضارب: لك ثلث الربح وعشرة دراهم في كل شهر عملت فيه للمضاربة فالمضاربة جائز والشرط باطل. (هندية: ۴/ ۲۸۷)

(۴) وإلا بطل الشرط كشرط الخسران على المضارب. (شامی: ۸/ ۴۳۳)

(۴) مضارب اور رب المال کے علاوہ کسی اجنبی (یعنی تیسرے شخص) کے لئے بعض نفع کی شرط لگائی گئی جبکہ وہ اجنبی مال مضاربہ میں کوئی عمل بھی نہیں کرتا ہے تو یہ شرط باطل ہے اور مضاربت جائز ہے اور مشروط کو مسکوت عنہ قرار دیا جائے گا کہ گویا اس کا ذکر ہی نہیں ہوا پس جو نفع اجنبی کے لئے بیان کیا گیا وہ رب المال کے لئے ہوگا، اب اگر وہ اجنبی کو دینا چاہے تو دے سکتا ہے لیکن دینا لازم نہیں۔ (۱)

استثناء: البتہ یہ صورت ضابطہ سے مستثنیٰ ہے کہ: اگر رب المال کے لئے کام کی شرط لگائی گئی یعنی رب المال بھی مضارب کے ساتھ کام کرے گا تو- باوجود کہ یہ شرط نفع میں جہالت یا ختم شرکت کا موجب نہیں ہے لیکن- اس سے عقد فاسد ہو جاتا ہے کیونکہ یہ شرط مضاربت کے مقصد و ماہیت کے خلاف ہے، مضاربت نام ہی اسی کا ہے کہ ایک کی طرف سے سرمایا ہو اور دوسرے کی طرف سے عمل اور یہاں دونوں کی طرف سے عمل کی شرط ہے۔ (۲)

۵۱۰- **ضابطہ:** جو چیز تجار میں معروف ہو مضارب اس کا نفس عقد سے مالک ہوگا۔ (۳)

تفریعات:

(۱) پس کاروبار کی ترقی کے لئے دکان کی تعمیر، فرنیچر، دلالی، سرکاری کام کاج وغیرہ

---

(۱) واذا شرط في المضاربة بعض الربح لغير المضارب ورب المال فان شرط عمل الأجنبي فالمضاربة جائزة ...وان لم يشترط عمل الأجنبي فالمضاربة جائزة والشرط غير جائز ويجعل المشروط للأجنبي كالمسكوت عنه فيكون لرب المال۔ (ہندیہ: ۴/ ۲۸۹، رشیدیہ، کوئٹہ)

(۲) واشترط عمل رب المال مع المضارب مفسد للعقد. (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۸/ ۴۴۲)

(۳) ماهو من صنيع التجار يملكه المضارب بمطلق العقد. (مبسوط: ۲۲-۳۶)

میں خرچ کرنا تاجروں کے یہاں جس قدر معروف ہو مضارب رأس المال میں سے اتنا خرچ کرسکتا ہے۔اس میں اصل یہ ہے کہ جو چیز مبیع میں حقیقتاً یا حکماً زیادتی کا موجب ہو (یعنی کاروبار کی ترقی کا سبب ہو) مضارب اس میں رأس المال کو استعمال کرسکتا ہے۔[1]

(۲) جب تک رب المال کی طرف سے صراحتاً اجازت نہ ہو مضارب اس کاروبار میں قرض دینے یا لینے کا حق نہیں رکھتا ہے۔[2] لیکن کاروباری مفاد کے پیش نظر نوکروں کو جس قدر قرض دینے کا عام رواج ہو وہ رأس المال یا مشترک نفع میں سے دے سکتا ہے۔[3]

(۳) مضاربت کے مسائل میں ایک رب المال کے روپے کو دوسرے رب المال کے روپے سے یا اپنے روپے سے خلط کرنا دراصل ناجائز اور موجب ضمان ہے لیکن اگر تجار میں یہ معروف ہو اور موافق عرف کے ہر ایک رب المال کی طرف سے خلط کی اجازت ہو تو پھر جائز ہے اور اس خلط سے مضارب پر کوئی ضمان نہ آئے گا۔[4]

---

(۱) و کذا یضم إلی رأس المال ما یوجب زیادۃ فیہ حقیقۃ أو حکما أو اعتادہ التجار) کأجرۃ السمسار ھذا ھو الأصل نھایۃ. (الدر المختار)قد سبق في المرابحۃ أن العبرۃ في الضم لعادۃ التجار فإذا جرت بضم ذلك یضم ط. (شامي: ۸/ ۴۴۸--تاتارخانیہ:۱۵/ ۴۵۴)

(۲)ولیس لہ أن یضارب.... ولا أن یقرض أو یستدین أو یھب أو یتصدق إلا بتنصیص (ملتقی الابحر: ۱/ ۴۴۸شاملۃ)

(۳)(کاروباری مسائل: ۶۵ مفتی احمد صاحب خانپوری)

(۴)(فتاویٰ دار العلوم: ۱۳/ ۹۹)لا یکون المضارب في المضاربۃ مأذونا بمجرد عقد المضاربۃ بخلط مال المضاربۃ بمالہ و لا باعطائہ مضاربۃ, لکن إذا کان في بلدۃ من العادۃ فیھا أن المضاربین یخلطون مال المضاربۃ بمالھم فیکون المضارب مأذونا بذلك في المضاربۃ المطلقۃ أیضا.(مجلۃ الأحکام العدلیۃ: ۱/ ۲۷۴,شاملۃ)

(۳) تجار کے عرف میں نوکروں کو بطور تحفہ ان کے تہوار میں کوئی چیز دینے کا رواج ہو تو تجارت کے مفاد کے لئے دینے کی اجازت ہوگی۔[۱]

۵۱۱- **ضابطہ**: رب المال کی طرف سے لگائی گئی قیودات میں جو قید مفید ہو مضارب پر اس کی رعایت لازم ہوگی اور جو غیر مفید ہو اس کی رعایت لازم نہ ہوگی۔[۲]

جیسے کہا اس بازار کے علاوہ کسی اور بازار میں نہ بیچنا؛ یا اس شہر کے علاوہ کسی اور شہر میں کاروبار نہ کرنا؛ یا اسی مخصوص چیز کا کاربادر کرنا؛ یا اس کاروبار کے ساتھ اپنا کوئی دوسرا کاروبار نہ کرنا؛ تو یہ سب شرائط فی الجملہ مفید ہیں اس لئے مضارب پر ان کی رعایت لازم ہوگی،[۳] اگر رعایت نہیں کرے گا تو حکم یہ ہے کہ مضارب رأس المال کا ضامن ہوگا اور نفع اور نقصان اسی کے ساتھ متعلق ہوگا، البتہ اس کو چاہئے کہ اس نفع کا صدقہ کردیں یہ طرفین کا مسلک ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مضارب اس نفع کو استعمال کرسکتا ہے۔[۴]

اور جو شرط غیر مفید ہو جیسے نقد بیع نہ کرنا؛ دکان میں فلاں بزرگ کی تصویر رکھنا؛ یا سخت سردی یا گرمی میں دکان بند کرلینا حالانکہ اس موسم میں کاروبار سے کوئی نقصان نہیں ہوتا ہے؛ تو ان جیسی شرائط کی رعایت مضارب پر لازم نہیں۔

---

(۱) (کاروباری مسائل: ۶۹ مفتی احمد صاحب خانپوری)

(۲) والأصل فيه أن القيد إن كان مفيدا يثبت....وإن لم يكن مفيدا لا يثبت بل يبقى مطلقا، لأن ما لا فائدة فيه يلغو ويلحق بالعدم. (بدائع الصنائع: ۱۳۷/۵ فی بيان حكم المضاربة، مكتبه زكريا)

(۳) (ہندیہ: ۲۹۷/۴، مجمع الانہر: ۳۲۵/۲)

(۴) فإن فعل ضمن بالمخالفة وكان ذلك الشراء له (الدر المختار) وفي الشامية: (الشراء له) وله ربحه، وعليه خسرانه، ولكن يتصدق بالربح عندهما وعند أبي يوسف يطيب له. (شامی: ۴۳۷/۸)

۵۱۲-**ضابطہ:** مضارب سرمایہ کے تصرف میں رب المال کا وکیل ہوتا ہے (پس اس پر وکیل کے احکام جاری ہوں گے)(۱)

تشریح: اور وکیل کے حکم میں یہ تفصیل ہے:

۱- وکیل اپنے نفس اور اصول فروع سے عقد نہیں کرسکتا۔

۲- اگر موکل یہ کہدے کہ "جس سے چاہو معاملہ کرسکتے ہو" تو اصول وفروع سے عقد صحیح ہے مگر اپنے نفس اور اولاد صغار سے عقد صحیح نہیں۔

۳- اگر موکل عقد بالنفس اور الولد الصغیر کی بھی صراحتاً اجازت دیدے تو اس میں جواز اور عدم جواز دونوں قول ہیں۔(۲)

تفریعات:

(۱) پس جو شخص ہوٹل یا کمپنی کو بطور مضاربت چلا رہا ہے وہ اس ہوٹل، یا کمپنی کی گاڑی

---

(۱) ومن جهة تصرفه في رأس المال وكيل لرب المال (مجلة الاحكام العدلية: ۱/۲۷۳، المادة ۱۴۱۳ شاملة)

(۲) لا يعقد وكيل البيع والشراء والإجارة والصرف والسلم ونحوها (مع من ترد شهادته له) للتهمة وجوزاه بمثل القيمة (إلا من عبده ومكاتبه إلا إذا أطلق له الموكل) كبع ممن شئت (الدرالمختار) وفي الشامية: (قوله إلا من نفسه) وفي السراج: لو أمره بالبيع من هؤلاء فإنه يجوز إجماعا إلا أن يبيعه من نفسه أو ولده الصغير أو عبده ولا دين عليه فلا يجوز قطعا وإن صرح به الموكل اهـ منح. الوكيل بالبيع لا يملك شراءه لنفسه؛ لأن الواحد لا يكون مشتريا وبائعا فيبيعه من غيره ثم يشتريه منه، وإن أمره الموكل أن يبيعه من نفسه وأولاده الصغار أو ممن لا تقبل شهادته فباع منهم جاز بزازية كذا في البحر، ولا يخفى ما بينهما من المخالفة، وذكر مثل ما في السراج في النهاية عن المبسوط، ومثل ما في البزازية في الذخيرة عن الطحاوي، وكأن في المسألة قولين خلافا لمن ادعى أنه لا مخالفة بينهما. (شامي: ۸/۲۵۷)

کو اپنی ذاتی ضرورت میں کرایہ دے کر بھی استعمال نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس صورت میں وہ اپنے نفس سے عقد کرنے والا ہوگا اور مضارب کا اپنے نفس عقد کرنا جائز نہیں۔

(۲) مضارب جو ہوٹل چلا رہا ہے وہ اپنے گھر کے لئے کھانا قیمت دے کر بھی پارسل نہیں لے جاسکتا ہے کہ اس میں اپنے نفس (یا اصول وفروع یا اولاد صغار سے) عقد کرنا لازم آتا ہے۔

(۳) مضارب اپنی ذاتی دکان میں مال مضاربت رکھ کر اس دکان کا کرایہ مشترک نفع یا رأس المال میں سے وصول کرے تو اس طرح کرایہ لینا جائز نہیں کہ یہ بھی عقد بالنفس کی صورت ہے۔

البتہ ایک قول میں جیسا کہ اوپر بیان ہوا رب المال کی طرف سے صراحتاً اجازت ہو تو مضارب اپنے نفس سے عقد کرسکتا ہے، اس کی بنیاد پر ان تینوں مسائل میں صراحتاً اجازت کے بعد جواز کا حکم ہوگا، احسن الفتاویٰ میں کاروباری دشواریوں کے پیش نظر آخری مسئلہ میں اسی قول کو اختیار کیا ہے۔ (۱)

(۴) مضارب اپنے اصول (ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی) اور فروع (بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی) سے مضاربت کے مال کو نہ بیچ سکتا ہے اور نہ ان سے خرید سکتا ہے، مگر یہ کہ رب المال کی طرف سے صراحتاً اجازت ہو یا یوں کہا گیا ہو کہ "جس سے چاہے معاملہ کرسکتے ہو" تو پھر اصول وفروع سے عقد جائز ہوگا۔

۵۱۳- **ضابطہ:** نفع میں مضارب کا حق معاملہ ختم ہونے کے بعد متعلق ہوتا ہے۔

تشریح: پس نفع حاصل ہوتے ہی مضارب وہ نفع لینے کا حق دار نہ ہوگا، بلکہ اگر رب المال کی اجازت سے آپس میں نفع کی تقسیم کی گئی ہے تب بھی نقصان ہونے پر اس قدر نفع واپس کرنا ضروری ہوگا، مثلاً دو شخصوں کے درمیان تین سال تک مضاربت

(۱) (دیکھئے: احسن الفتاویٰ: ۷/۲۴۸)

کا معاہدہ ہوا اس کے بعد دو سال تک نفع ہوتا رہا اور ہر سال علی الحساب نفع کی تقسیم عمل میں آئی لیکن تیسرے سال بجائے نفع کے نقصان ہوگیا تو یہ تین سالہ مدت ایک ہی معاملہ مضاربت کی ہے لہذا تیسرے سال جو نقصان ہوا پہلے اس نقصان کی تلافی گذشتہ دو سالوں کے نفع سے کی جائے گی پھر اگر اس سے بھی نقصان کی تلافی نہیں ہوتی تو اصل سرمایہ سے تلافی کی جائے گی —— رأس المال ہلاک ہوجائے یا چوری ہوجائے تو بھی یہی حکم ہے کہ اولاً نفع سے اس کی تلافی کی جائے گی پھر نفع سے زیادہ ہو تو اس زائد میں مضارب ضامن نہ ہوگا۔ (۱)

۵۱۴- **ضابطہ**: مضارب کے تصرفات کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ: تصرفات تین قسم کے ہیں: ایک وہ جو باب مضاربت اور اس کے توابع میں سے ہیں جیسے خرید و فروخت کرنا، وکیل بنانا، رہن رکھنا، کرایہ پر لگانا کسی کو مزدور مقرر کرنا کسی کے پاس مال امانت رکھنا وغیرہ تو مضارب نفس عقد ہی سے ان تصرفات کا مجاز ہوگا خواہ رب المال کی طرف سے اجازت ہو یا نہ ہو —— دوسری قسم ان تصرفات کی ہیں جن کا مضارب نفس عقد سے مالک نہیں ہوتا ہے بلکہ اس وقت مالک ہوتا ہے جب کہا جائے کہ تم جو مناسب سمجھو کرو (إذا قیل له اعمل مابدالک) وہ تصرفات یہ ہیں: مضارب کا دوسرے کو مضاربت کے طور پر وہ سامان دینا یا کسی کو اس تجارت میں شریک کرنا یا

(۱) وما هلك من مال المضاربة صرف إلى الربح أولا فإن زاد الهالك على الربح لا يضمن المضارب، (إلى قوله:) وإن اقتسماه من غير فسخ ثم هلك المال كله أو بعضه (تراداه) أي المضارب والمالك الربح المقسوم حتى يتم رأس المال لأن الربح تابع فلا يسلم بدون سلامة الأصل فإن فضل شيء من الربح بعدما استوفى رأس المال (اقتسماه) أي ما فضل لأنه ربح. وإن لم يف أي ربح ما هلك من رأس المال (فلا ضمان على المضارب) لأنه أمين فيه. (مجمع الأنهر: ۲/۳۳۲)

اپنے یا دوسرے کے مال کے ساتھ اس مال کو خلط کرنا —— تیسری قسم ان تصرفات کی ہیں جن کا مضارب نہ نفس عقد سے مالک ہوتا ہے اور نہ مطلق اختیار دینے سے بلکہ ان میں صراحتاً اجازت ضروری ہے ان تصرفات میں قرض دینا، قرض لینا، ہبہ کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ ہے کیونکہ کاروباری نقطہ سے ان تصرفات میں نقصان ہونا یقینی ہے یا امکان زیادہ ہے۔(۱)

۵۱۵-**ضابطہ:** مضارب اگر تجارت کے لئے سفر کرے تو اس کا کھانا، پینا لباس، سواری، کپڑا دھلائی اور جتنا خرچ عادتاً تجار کا معمول ہو یہ سب مال مضاربہ سے ہوگا اور اگر اپنے شہر میں کام کرے (خواہ وہ شہر اس کی جائے پیدائش ہو یا اس کو وطن بنالیا ہو) تو نفقہ اس کا اپنے مال میں ہوگا۔ (البتہ علاج کا خرچ بہرحال مضارب خود کرے گا)(۲)

---

(۱)والأصل أن التصرفات في المضاربة ثلاثة أقسام: قسم: هو من باب المضاربة، وتوابعها فيملكه من غير أن يقول له: اعمل ما بدا لك كالتوكيل بالبيع والشراء والرهن والارتهان والاستئجار والإيداع والإبضاع والمسافرة وقسم: لا يملك بمطلق العقد بل إذا قيل اعمل برأيك كدفع المال إلى غيره مضاربة أو شركة أو خلط مالها بماله أو بمال غيره، وقسم: لا يملك بمطلق العقد، ولا بقوله: اعمل برأيك إلا أن ينص عليه، وهو ما ليس بمضاربة ولا يحتمل أن يلحق بها كالاستدانة عليها اهـ ملخصا. (شامی:۸/۴۳۵)

(۲)(وإذا سافر) ولو يوما (فطعامه وشرابه وكسوته وركوبه) بفتح الراء ما يركب ولو بكراء (وكل ما يحتاجه عادة) أي في عادة التجار بالمعروف (في مالها) لو صحيحة لا فاسدة.... (وإن عمل في المصر) سواء ولد فيه أو اتخذه دارا (فنفقته في ماله) كدوائه على الظاهر .(الدر المختار على هامش رد المحتار:۸/۴۴۶، الجامع الصغير مع شرحه النافع الكبير: ۱/۴۲۳)

تشریح: اور حالت سفر کا نفقہ بھی اولاً نفع میں سے محسوب ہوگا، اگر نفع نہ ہو تو پھر اصل سرمایہ میں سے ماخوذ ہوگا۔[۱]

اور تجارت کے لئے جس شہر میں سفر کرے اس میں خواہ ایک دن رکنے کی نیت کرے یا پندرہ دن کی نیت کرے نفقہ بہر صورت مال مضاربہ سے ہوگا۔ البتہ اگر اس شہر میں اس کے اہل رہتے ہوں تو پھر اس کا نفقہ مال مضاربہ سے ساقط ہو جائے گا اور خود کے ذمہ ہو جائے گا جیسا کہ شرح الطحاوی میں ہے۔[۲]

۵۱۶- **ضابطہ:** مضاربت فاسدہ مآل کے لحاظ سے اجارۂ فاسدہ ہے۔[۳]

تشریح: پس اگر مضاربت فاسد ہوگئی مثلاً شرط لگائی کہ روپیہ ایک کا ہوگا اور کام دونوں کریں گے، یا رب المال ہر ماہ ایک معین نفع مثلاً دو ہزار یا پانچ ہزار لیا کرے گا یا مضارب رأس المال میں بھی شریک رہے گا وغیرہ تو ان سب فاسد صورتوں میں مضاربت انجام کار اجارۂ فاسدہ ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ مضارب اس میں اجرت مثل (یعنی بصورت ملازمت کام کرنے کی صورت میں جو تنخواہ مل سکتی تھی) یا منافع مقررہ میں سے جو کم ہو اس کا حقدار ہوگا (اور سارا نفع یا نقصان رب المال کے لئے ہوگا) جیسا کہ

---

(۱) وسبيل النفقة أن تحسب من الربح إن كان وإن لم يكن له فهو من رأس المال. (تاتارخانیہ جدید: ۱۵/۴۵۱)

(۲) وفي شرح الطحاوي: فإن خرج من ذالک المصر فإن نفقته في مال المضاربة إذا خرج بنية التجارة سواء كان مدة السفر أو دونها فإذا وصل إلى المصر الذي قصده ينظر إن كان ذالک المصر مصر نفسه أو يكون له في ذلک المصر أهل سقطت نفقته متى دخله لأنه ليصير مقيما بدخوله، وإن لم يكن ذالک مصره ولم يكن له فيه أهل فإن نفقته لا تسقط مادام مقيما فيه لأجل المال وإن نوى اقامة خمسة عشر يوما. (تاتارخانیہ جدید: ۱۵/۴۴۵)

(۳) واجارة فاسدة إن فسدت (الدر المختار: ۸/۴۳۱)

اجارۂ فاسدہ میں مستاجر اجرت مثل یا مقررہ اجرت میں سے جو کم ہو اس کا حق دار ہوتا ہے۔[1]

۵۱۷- **ضابطہ**: جن چیزوں سے وکالت ختم ہو جاتی ہے عقد مضاربت (اور شرکت) بھی ختم ہو جاتا ہے۔[2]

تشریح: پس رب المال یا مضارب کی موت سے؛ یا کسی ایک کے جنون (پاگل پن) سے؛ یا سرمایہ کار کے نعوذ باللہ مرتد ہونے سے؛ یا سرمایہ کار کا مضارب کو معزول کرنے سے جب کہ مضارب کو معزولی کا علم بھی ہو جائے؛ عقد مضاربت ختم ہو جائے گا جیسا کہ ان سب صورتوں میں وکالت ختم ہو جاتی ہے۔[3]

البتہ معزولی کے وقت سرمایہ اگر سامان کی صورت میں ہو (یعنی مضارب نے سامان خرید لیا ہے) تو اس وقت تک معزول نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس سامان کو بیچ کر کرنسی کی صورت نہ دیدے اور نفع یا نقصان ظاہر نہ ہو؛ برخلاف وکیل کے کہ اس کا یہ حکم نہیں موکل جب بھی معزول کرے علم ہو جانے کے بعد وہ معزول ہو جاتا ہے۔[4]

(۱) فلا ربح للمضارب حينئذ بل له اجر مثل عمله مطلقاً ربح او لا بلا زيادة على المشروط (الدر المختار: ۸/ ۴۳۱)

(۲) وكل ما تبطل به الوكالة تبطل به المضاربة. (بدائع الصنائع: ۵/ ۱۵۷)

(۳) (مستفاد: بدائع: ۵/ ۱۵۸-۱۵۷ زكريا، شامی: ۸/ ۴۴۲-۴۴۳ زكريا البناية شرح الهداية: ۱۰/ ۷۵ شاملة، اللباب: ۲/ ۱۳۵ شاملة)

(۴) ومنها: أن المضارب إذا اشترى بمال المضاربة عروضا ثم عزله رب المال عن المضاربة لا يعمل عزله وإن علم به بخلاف الوكيل على ما يجيء. (البناية شرح الهداية: ۱۰/ ۷۶، شاملة)

کتاب الشرکة

۵۱۸- ضابطہ: مباحات میں شرکت کا معاملہ درست نہیں۔ (۱)

تشریح: مباحات یعنی جس کی عام اجازت ہوتی ہے جیسے شکار کرنا، سرکاری زمین سے گھاس کاٹنا، نہر یا تالاب سے مچھلی پکڑنا، سمندر سے جواہرات نکالنا وغیرہ ان میں شرکت کا معاملہ درست نہیں بلکہ اس چیز کو جو شخص پائے گا اور قبضہ کرے گا وہ اسی کی ہوگی دوسرا اس میں شریک نہ ہوگا (مگر یہ کہ پانے والا اپنے ساتھی کو کچھ ہدیۃً دینا چاہے تو دے سکتا ہے) کیونکہ ان چیزوں میں وکیل بنانا ہی درست نہیں جبکہ شرکت کی بنیاد وکالت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ جس شخص میں وکالت کی اہلیت نہیں ہوتی ہے جیسے نا سمجھ بچہ، مجنون وغیرہ اس کے ساتھ شرکت کا معاملہ درست نہیں۔ (۲)

۵۱۹- ضابطہ: عروض (سامان) میں عقد شرکت جائز نہیں۔ (۳)

تشریح: پس بوقت عقد سرمایہ کا کرنسی میں ہونا ضروری ہے، اگر ''سرمایہ'' سامان کی صورت میں ہے تو عقد درست نہیں، یہ احناف کے نزدیک ہے۔

البتہ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک عروض میں بھی عقد شرکت و مضاربت جائز ہے اور مضاربت کے باب میں گزر چکا ہے کہ حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ نے امداد الفتاویٰ میں بوجہ ابتلائے عام اس مسئلہ میں امام مالک کا قول اختیار کیا ہے، پس فی زمانہ کاروباری مشکلات کے پیش نظر ضرورتاً اس پر عمل کی گنجائش ہوگی۔ (۴)

---

(۱) (الدر المختار مع هامش رد المحتار: ۵/ ۵۰۱ فصل فی الشرکة الفاسدة)

(۲) (بدائع: ۵/ ۷۷) (۳) فلا تصح الشرکة فی العروض۔ (بدائع: ۵/ ۷۷)

(۴) (دیکھئے امداد الفتاویٰ: ۳/ ۴۹۵، کتاب الشرکت، مکتبہ زکریا دیوبند)

۵۲۰- **ضابطہ**: جہاں شرکت مفاوضہ صحیح نہ ہو لیکن شرکت عنان کے صحیح ہونے میں کوئی چیز مانع نہ ہو تو وہ شرکت ''شرکت عنان'' میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ (۱)

تشریح: شرکت مفاوضہ یہ ہے کہ دو آدمی اس طرح شریک ہوں کہ دونوں کا سرمایہ مساوی ہو اور تصرفات اور تجارتی واجبات میں دونوں کو برابر کا حق حاصل ہو گویا شرکت کی اس صورت میں حقوق کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے وکیل ہوتے ہیں جبکہ ذمہ داریوں کے عائد ہونے کے اعتبار سے دونوں ایک دوسرے کے کفیل ہوتے ہیں ——— اور شرکت عنان یہ ہے کہ: دو شخصوں کا مشترک سرمایہ ہو خواہ برابر ہو یا کم وبیش، پھر تجارت کی جائے اور نفع کی تقسیم طے شدہ تناسب سے عمل میں آئے، شرکت کی اس صورت میں سرمایہ کا مساوی ہونا ضروری نہیں اور نہ ہی ایک کی ذمہ داری دوسرے پر عائد ہوتی ہے اسی بنا پر اس میں کفالت کی اہلیت شرط نہیں صرف وکالت کی اہلیت کافی ہے۔ اس شرکت کے جواز میں سب کا اتفاق ہے اور اس میں بوجہ سہولت وآسانی کے اس کا وقوع بھی بکثرت ہے جبکہ شرکت مفاوضہ کے جواز میں ائمہ کا اختلاف ہے صرف احناف کے یہاں وہ جائز ہے ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں اور اس کا وقوع بہت نادر ہے۔ (۲)

اس تمہید کے بعد ضابطہ کی تشریح یہ ہے کہ: جہاں شرکت مفاوضہ صحیح نہ رہے۔ جیسے شرکت مفاوضہ کے کسی شریک کو ہدیہ یا صدقہ یا میراث میں کچھ مال مل جائے تو اس سے شرکت مفاوضہ ختم ہو جاتی ہے۔ تو اگر وہاں شرکت عنان کے لئے کوئی شرط مانع نہ

---

(۱) كل موضع لم تصح المفاوضة لفقد شرط ولا يشترط ذلك في العنان كان عناناً، لاستجماع شرائط العنان. (اللباب فی شرح الکتاب: ۲/۱۲۳، البحر الرائق ۵/۱۸۳)

(۲) (مستفاد: شامی: ۶/۴۷۵-۴۸۳، اللباب فی شرح الکتاب: ۲/۱۲۵-۱۲۲، الفقہ الاسلامی وأدلتہ: ۴/۸۱۵، بدائع الصنائع: ۵/۷۵-۸۲)

ہوتو وہ شرکت خود بخود ''شرکت عنان'' میں تبدیل ہوجائے گی اوراس میں شرکت عنان کے احکام جاری ہوں گے۔

لیکن اگر کوئی چیز مانع ہو جیسے اس ملک میں مختلف قسم کی کرنسایاں: ڈالر، روپیہ وغیرہ برابر طریقہ پر رائج ہوں تو نفع میں کرنسی کی تعیین نہ ہونے کی وجہ سے اس صورت میں شرکت مفاوضہ شرکت عنان میں تبدیل نہ ہوگی، بلکہ اب باقاعدہ کسی معین کرنسی پر مستقلاً شرکت عنان کا عقد ضروری ہوگا کیونکہ شرکت عنان میں کرنسی کی تعیین شرط ہے۔[1]

۵۲۱-**ضابطہ**: غیر عامل شریک کا سرمایہ کے تناسب سے زیادہ لینا جائز نہیں۔[2]

تشریح: شرکت میں اگر تمام سرمایہ دار عمل کرتے ہوں تو کم وبیش جو چاہے فیصد نفع متعین کرسکتے ہیں خواہ سرمایہ کے تناسب سے زیادہ ہو یا کم، لیکن اگر کوئی شریک عمل نہ کرتا ہو تو اس بے عمل شریک کے لئے سرمایہ کے تناسب سے زیادہ نفع لینا جائز نہ ہوگا مثلاً کسی شریک کا سرمایہ نصف ہے اور وہ کچھ عمل نہیں کرتا ہے تو شرح نفع میں سے نصف سے زیادہ لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا اس کے لئے نفع کا نصف یا اس سے کم کی تعیین ضروری ہے، کیونکہ زائد اس کے حق میں بلاعوض ہو کر سود ہو جاتا ہے۔

اور عمل کرنے والا شریک جس قدر چاہے نفع متعین کرسکتا ہے اس لئے کہ سرمایہ کے تناسب سے جو زیادہ نفع ہوگا وہ اس کی محنت کا عوض ہوگا پس اس صورت میں اس

---

(۱) قوله: (ولا يشترط ذلك في العنان) جملة حالية احترز بها عما يشترط في العنان أيضا كعدم اشتراط دراهم معلومة من الربح لأحدهما فلا تكون عنانا أيضا (شامی: ۶/ ۴۷۷)

(۲) مع التفاصل فى المال دون الربح وعكسه (درمختار) وإن شرط الربح للعامل أكثر من رأس ماله جاز (شامی: ۶/ ۴۸۴، زکریا)

کے حق میں یہ عقد "مضاربہ" اور "مشارکہ" دونوں کا مجموعہ ہوگا۔

فائدہ: شرکت میں بھی مضاربت کے مثل نفع کا فیصد یعنی چالیس فیصد، پچاس فیصد اس طرح طے کرنا ضروری ہے معین نفع جیسے ہر مہینے پانچ ہزار دیں گے یہ جائز نہیں، اس سے شرکت فاسد ہو جاتی ہے۔ (۱)

۵۲۲- **ضابطہ**: شریک کا ہر وہ تصرف جس میں مال تلف ہوتا ہو یا بلا عوض کسی کو مالک بنانا لازم آتا ہو بلا اجازت شرکاء جائز نہیں۔ (۲)

تفریع: پس شرکاء میں سے کوئی بھی شریک خواہ وہ سرمایہ میں عمل کرتا ہو یا نہ کرتا ہو سرمایہ یا اس کے نفع کو (جو مال مشترکہ ہے) نہ کسی کو ہدیہ وصدقہ کر سکتا ہے، نہ قرض دے سکتا ہے اور نہ رہن رکھ سکتا ہے ان تصرفات کے لئے اس کو دیگر شرکاء سے صراحتاً اجازت لینا ضروری ہوگا کیونکہ ہدیہ وصدقہ میں مال کا تلف اور قرض وغیرہ میں بلا عوض مال کا دینا لازم آتا ہے۔ (۳)

ان کے علاوہ باقی تصرفات جیسے مال کو اجرت پر دینا، ادھار بیچنا، یا کسی کے پاس امانت رکھنا، یا کام کے لئے ملازمین مقرر کرنا، یا کسی کو خرید وفروخت کا وکیل بنانا یا یا تجارتی مقاصد کے تحت کسی سے قرض لینا وغیرہ سب تصرفات شریک عامل کے لئے جائز ہے ان تصرفات میں مستقل اجازت کی ضرورت نہیں۔ (۴)

---

(۱) وتفسد باشتراط دراهم مسماة من الربح لأحدهما تقطع الشركة كما مر۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۴۸۹/۶)

(۲) وكذا كل ما كان اتلافا للمال أو كان تمليكاً للمال بغير عوض۔ (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۴۹۳/۶ زکریا، مجمع الأنهر: ۷۲۳/۱)

(۳) لا يملك الشريك الشركة .....ولا الرهن... ولا الهبة... ولا القرض إلا بإذن شريكه إذنا صريحا فيه. سراج. (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۴۹۲/۶)

(۴) ولكل من شريكي العنان والمفاوضة أن يستأجر ... ويبضع أي يدفع ←

استدراک: لیکن اگر کوئی شریک وہ مال کسی اور کو شرکت پر دے- تو اگرچہ اس میں مال کا تلف یا بلا معاوضہ دینا نہیں ہے مگر- یہ بلا اجازت جائز نہیں ہے، برخلاف اگر مضاربت پر دے تو یہ جائز ہے۔ کیونکہ عام اصول یہ ہے کہ شی ء ہمیشہ اپنے سے مافوق کے تابع ہوتی ہے اپنے مثل یا کم تر کے تابع نہیں ہوتی ہے اور مضاربت اور شرکت میں عقد شرکت مضاربت سے درجہ میں بڑھا ہوا ہے (کیونکہ وہ اصل اور فرع یعنی سرمایہ اور نفع دونوں میں شرکت کا موجب ہے جبکہ مضاربت صرف فرع یعنی نفع میں شرکت کا موجب ہے) لہٰذا عقد مضاربت میں مضارب دوسرے کو مال مضاربہ- بلا اجازت رب المال- نہ مضاربت پر دے سکتا ہے اور نہ شرکت پر کیونکہ مضاربت اس عقد کا مثل اور شرکت اس سے مافوق ہے لہٰذا تبعاً ان کی اجازت نہ ہوگی، جبکہ عقد شرکت میں شریک مال مشترک کو مضاربت پر تو دے سکتا ہے کیونکہ یہ شرکت سے کم درجہ ہے لیکن شرکت پر نہیں دے سکتا ہے کیونکہ وہ اس عقد کا مثل ہے، پس شرکت پر دینے کے لئے دیگر شرکاء سے مستقل اجازت کی ضرورت ہوگی، تبعاً اس کی اجازت نہ ہوگی۔ (۱)

← المال بضاعة بأن يشترط الربح لرب المال، ويودع ...ويضارب ويوكل أجنبيا ببيع وشراء...ويبيع بنقد ونسيئة (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۶/ ۴۹۱-۴۹۰)

(۱) وهل له أن يدفع مال الشركة مضاربة؟ ذكر محمد في الأصل عن أبي حنيفة أنه له ذلك، وروى الحسن عن أبي حنيفة أنه ليس له ذلك....والاستدلال بالشركة غير سديد؛ لأن الشركة فوق المضاربة؛ لأنها توجب الشركة في الأصل والفرع؛ والمضاربة توجب الشركة في الفرع لا في الأصل، والشيء يستتبع ما هو دونه ولا يستتبع ما هو فوقه أو مثله، ولهذا لا يملك المضارب أن يدفع المال مضاربة بمطلق العقد؛ لأن المضاربة مثل المضاربة ...الخ (بدائع الصنائع: ۵/ ۹۳، شامی: ۶/ ۴۹۲ مکتبہ زکریا)

۵۲۳-**ضابطہ:** ہر شرکت فاسدہ میں نفع بقدر مال تقسیم کیا جائے گا، اس میں زیادتی کی شرط معتبر نہ ہوگی۔ (۱)

تشریح: اگر شرکت کسی وجہ سے فاسد ہوگئی جیسے نفع کی تقسیم بجائے فیصد مقرر کرنے کے قطعی مقدار میں طے کی گئی مثلاً اس شریک کو ہر ماہ پانچ ہزار دینا ہوگا تو یہ شرکت فاسد ہے اس صورت میں نفع بقدر مال وسرمایہ کے تقسیم کیا جائے گا یعنی جس کا جتنا سرمایہ ہوگا اس کے تناسب سے نفع کی تقسیم عمل میں آئے گی اگر کسی کے لئے سرمایہ سے زیادہ کی شرط رکھی گئی ہو تو بر بنائے فساد اس کے لئے وہ زیادتی جائز نہ ہوگی، یہاں تک کہ عامل شریک بھی اپنے مال کے بقدر ہی نفع لے سکتا ہے اپنے کام کی اجرت کے نام پر کچھ زیادہ لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، کیونکہ شریک کے لئے اپنے عمل کی بنیاد پر کچھ زیادہ نفع لینا یعنی نفع کا فیصد کچھ بڑھا کر طے کرنا تو جائز ہے لیکن اس کا عمل کی اجرت (تنخواہ) لینا جائز نہیں کیونکہ مال مشترک میں (یعنی جس مال میں وہ خود شریک ہو اس میں) عمل کی اجرت لینا جائز نہیں جیسا کہ فقہاء نے قفیز طحان کے تحت اس کو بیان کیا ہے اور پھر یہاں تو چونکہ شرکت فاسد ہوگئی ہے اس لئے اجرت کے علاوہ نفع کی زیادہ مقدار بھی لینا اس کے لئے جائز نہ ہوگا، اب شرکت فاسدہ میں صرف ایک ہی صورت رہ جاتی ہے کہ: "ہر ایک کے سرمایہ کے حساب سے برابر نفع کی تقسیم عمل میں آئے"۔ (۲)

۵۲۴-**ضابطہ:** ہر وہ شخص جس کو مشترک چیز کی اصلاح ومرمت کے خرچ میں مجبور کیا جا سکتا ہو اگر بغیر اجازت کے اس کا دوسرا شریک تنہا وہ کام کردے، تو وہ

---

(۱) وكل شركة فاسدة فالربح فيها على قدر المال، ويبطل شرط التفاضل. (اللباب في شرح الكتاب: ۲/ ۱۳۰)

(۲) (قوله: والربح إلخ) .... ولم يذكر أن لأحدهم أجراً لأنه لا أجر للشريك في العمل بالمشترك كما ذكروه في قفيز الطحان. (شامی: ۶/ ۵۰۳)

(اصلاح کرنے والا) متبرع ہوگا ورنہ نہیں۔[1]

تشریح: جیسے چکی، حمام، کشتی، گاڑی وغیرہ ناقابل تقسیم چیز جب دو شخصوں کے درمیان مشترک ہو اور اس میں کوئی نقصان ہو جائے تو عام قاعدہ یہی ہے کہ دوسرے شریک کو اس کی اصلاح و مرمت کے خرچ پر مجبور کیا جاتا ہے اگر وہ انکار کر دے تو اس پر مقدمہ (کیس) دائر کیا جا سکتا ہے لیکن پہلے شریک نے دوسرے شریک کی یا قاضی کی اجازت کے بغیر تنہا وہ کام کر لیا تو اس میں وہ متبرع ہوگا اب اپنے شریک کے پاس سے اس کا تاوان و ہرجانہ وصول نہیں کر سکتا ہے کیونکہ جب اس کو یہاں چارہ جوئی حاصل تھی کہ وہ اپنے شریک کو مجبور کرے پھر بھی اس کی اجازت کے بغیر یہ کام کر لیا تو یہ اس کی طرف سے تبرع ہی مانا جائے گا۔

لیکن اگر اپنے شریک کی اجازت سے یا قاضی کے حکم سے اس نے تنہا یہ خرچ کیا ہے تو اس صورت میں وہ متبرع نہ ہوگا دوسرے شریک سے بقدر شرکت ہرجانہ وصول کر سکتا ہے۔[2]

اور اگر کام ایسا ہو کہ دوسرے شریک کو اس پر مجبور نہیں کیا جا سکتا ہے جیسے نیچے کی منزل ایسی خستہ ہو گئی کہ اوپر کی منزل گرنے کا اندیشہ ہے تو اوپر کی منزل والا نیچے والے کو اس کے صحیح کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا ہے، ایسی صورت میں اگر اوپر والے نے اپنے ساتھی سے پوچھے بغیر نیچے کی عمارت کو صحیح کر دیا تو یہ اس کی طرف سے تبرع نہ ہوگا وہ اپنے اس شریک (نیچے والے) سے اس کے خرچ کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ اسی طرح مشترک دیوار پر کسی ایک کی چھت کا بوجھ ہو اور دیوار خستہ ہو گئی ہو جس سے چھت گرنے کا اندیشہ ہو تو اگر چھت والا اپنے ساتھی سے پوچھے بغیر اس دیوار کی مرمت کر دے تو وہ

---

(۱) قلت: والضابط أن کل من أجبر أن یفعل مع شریکه إذا فعله أحدهما بلا إذن فهو متطوع وإلا لا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۶/ ۵۱۲)

(۲) (الدر والشامی: ۶/ ۵۱۵-۵۱۲)

اس مرمت کے خرچ کا بقدر حصہ مطالبہ کرسکتا ہے۔ (۱)

لیکن یہ (یعنی عدم اجبار کی صورت میں عدم تبرع) اس وقت ہے جبکہ کام کرنے والا اس میں مضطر ہو (جیسا کہ ان دو مثالوں سے واضح ہوا کہ اوپر کی منزل والا اور چھت والا کام کرنے پر مضطر تھا) اگر کام کرنے والا مضطر نہ ہو جیسے مثلاً کوئی مشترک مکان ایسا ہے کہ اس کو تقسیم کیا جاسکتا ہے یا دیوار ایسی ہے کہ وہ اپنی بنیاد کے ساتھ دو حصوں میں تقسیم ہوسکتی ہے اور اس میں کوئی نقصان ہوگیا ہے تو یہاں اگرچہ عدم جبر کی صورت ہے لیکن اگر اپنے ساتھی سے اجازت کے بغیر کام کرلیا تو اس میں وہ متبرع ہوگا چنانچہ اپنے ساتھی سے اس کا کوئی خرچ وصول نہیں کرسکتا ہے کیونکہ اس کے لئے ممکن تھا کہ اپنے حصے کو الگ کردے اور صرف اسی میں کام کرے۔ (۲)

۵۲۵- **ضابطہ:** وہ تمام چیزیں جن سے وکیل وکالت سے معزول ہوجاتا ہے ان سے عقد شرکت باطل (ختم) ہوجاتا ہے۔ (۳)

تشریح: پس جیسے موکل کے معزول کرنے سے وکیل معزول ہوجاتا ہے شرکت میں بھی کوئی ایک شریک یک طرفہ معاملہ ختم کردے تو وہ عقد فسخ ہوجاتا ہے البتہ اس

(۱) والثاني كما في سفل انهدم، فإن صاحبه لا يجبر على البناء على ما مر، فذو العلو مضطر إلى البناء وصاحبه لا يجبر، فإذا أنفق ذو العلو لا يكون متبرعا، ومثله الحائط المنهدم إذا كان عليه حمولة الآخر على ما يأتي بيانه. (شامی:۶/ ۵۱۲)

(۲) بخلاف ما إذا كان مريد الإنفاق غير مضطر وكان صاحبه لا يجبر كدار يمكن قسمتها وامتنع الشريك من العمارة فإنه لا يجبر، فلو أنفق عليها الآخر بلا إذنه فهو متبرع، لأنه غير مضطر إذ يمكنه أن يقسم حصته ويعمرها كما صرح به في الخانية. (شامی:۶/ ۵۱۲، زکریا)

(۳) وجميع ما يخرج به الوكيل عن الوكالة يبطل به عقد الشركة (بدائع الصنائع:۵/ ۱۰۶)

صورت میں فسخ کے لئے دوسرے شریک کواس فسخ کا علم ہونا ضروری ہے اس سے پہلے فسخ درست نہ ہوگا جیسا کہ وکیل کو جب تک معزولی کا علم نہیں ہوتا ہے وہ معزول نہیں ہوتا ہے اوراس کا تصرف صحیح رہتا ہے۔

اسی طرح شرکاء میں سے کسی ایک کی موت ہوجائے یا پاگل ہوجائے یانعوذ باللہ مرتد ہوکر دارالاسلام سے دارالحرب میں چلاجائے توان صورتوں میں جس طرح وکالت ختم ہوجاتی ہے شرکت بھی باقی نہ رہے گی خواہ دوسرے شریک کواس بات کا علم ہو یا نہ ہو جیسا کہ وکیل کواس کا علم ضروری نہیں۔[1]

نوٹ: شرکت کی اقسام واحکام کے متعلق ایک مفید شجرہ کتاب کے اخیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

---

(۱) (وإذا مات أحد الشريكين أو ارتد ولحق بدار الحرب) وحكم بلحاقه: لأنه بمنزلة الموت (بطلت الشركة) لأنها تتضمن الوكالة، ولابد منها لتحقق الشركة، والوكالة تبطل بالموت وكذا بالالتحاق مرتداً، وإذا بطلت الوكالة بطلت الشركة، ولا فرق بين ما إذا علم الشريك بموته وردته أو لم يعلم؛ لأنه عزل حكمي، بخلاف ما إذا فسخ أحد الشريكين الشركة حيث يتوقف على علم الآخر، لأنه عزل قصدي. قيدنا بالحكم بلحاقه لأنه إذا رجع مسلماً قبل أن يقضي بلحاقه لم تبطل الشركة. (اللباب في شرح الكتاب: ۱۳۰/۲ شاملة، بدائع الصنائع: ۱۰۶/۵ زکریا) لیکن ان سب صورتوں میں دوسرے شرکاء کی شراکت باقی رہے گی پس اگر متوفی یامرتد کے ورثہ یا پاگل کا ولی شرکت کو جاری رکھنا چاہیں توان کواس عقد کی تجدید کرنی ہوگی۔ فلو كانوا ثلاثة فمات أحدهم حتى انفسخت في حقه لا تنفسخ في حق الباقيين. بحر عن الظهيرية. (شامی: ۵۰۴/۶ زکریا)

کتاب المزارعة

تمہید: مزارعت زرع سے مشتق ہے جس کا معنی ہیں کھیتی کرنا، اور اصطلاح میں مزارعت کہا جاتا ہے پیداوار کے کچھ حصے پر شرعاً معین شدہ شرائط کے ساتھ بٹائی کا معاملہ کرنا۔ یہ عقد مزارعت امام اعظم ابوحنیفہؒ نزدیک جائز نہیں ہے یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے جبکہ صاحبینؒ (امام ابویوسف اور امام محمد) کے نزدیک جائز ہے اور بوجہ تعامل اور حاجت کے احناف کے یہاں فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔ (۱)

۵۲۶- **ضابطہ**: مزارعت میں مالک اور مزارع دونوں کے لئے پیداوار میں سے حصۂ شائع کا مقرر کرنا ضروری ہے۔

تشریح: حصہ شائع: یعنی نصف، تہائی، چوتھائی وغیرہ، اگر معین وزن یا کیل کی مقدار طے کی گئی مثلاً مالک زمین کے لئے پیداوار کا پچاس من ہوگا باقی مزارع کا ہوگا یا مزارع کے لئے پیداوار کا دس من ہوگا تو یہ صحیح نہیں، کیونکہ ممکن ہے پیداوار اتنی ہی ہو تو پہلی صورت میں مزارع اور دوسری صورت میں مالک کو کچھ نہیں ملے گا۔

مزارع کے لئے پیداوار کے علاوہ کوئی اور چیز دینا طے کیا گیا مثلاً گیہوں بوئے اور چاول دینا طے کیا گیا یا حاصل شدہ گیہوں کی بجائے بازار سے گیہوں خرید کر دینا طے کیا گیا تو یہ بھی صحیح نہیں، کیونکہ پھر یہ مزارعت نہ رہے گی مزارعت میں مزارع کے لئے پیداوار میں سے ہی کچھ حصہ بطور اجرت دینا ضروری ہے، تا کہ اجارۂ مطلقہ سے یہ الگ رہے۔ (۲)

---

(۱) (مستفاد: بدائع، ہدایہ، اللباب، البحر، شامی)

(۲) یشترط حین العقد تعیین حصة الزارع من الحاصلات جزءا شائعا ←

۵۲۷- **ضابطہ:** مزارعت میں ہر وہ کام جو کھیتی کی اصلاح کے لئے ہوتا ہے وہ مزارع کے ذمہ ہے۔

جیسے سینچائی کرنا، جانوروں سے کھیتی کی حفاظت کرنا، دوائی چھڑکنا وغیرہ سب مزارع کے ذمہ ہے کیونکہ یہ عقد کا مقتضاء ہے یعنی نفس عقد اس کو شامل ہوتا ہے اگرچہ بوقت عقد ان کو بیان نہ کیا گیا ہو۔(۱)

۵۲۸- **ضابطہ:** مزارعت میں (بیج اور آلۂ کاشت کے علاوہ) کھیتی سے متعلق تمام اخراجات میں فریقین اپنے حصہ کے تناسب سے شریک ہوں گے۔

تشریح: پس کھاد ڈالنے، خودرو پودوں کو اکھاڑنے، کٹائی کرنے، بار برداری کرنے اور گاہنے وغیرہ کے اخراجات دونوں پر ان کے حصوں کے تناسب سے عائد ہوں گے (مگر یہ کہ بوقت عقد کسی ایک کے لئے اس کی شرط لگائی جائے اور وہ منظور بھی کرلے تو پھر اسی پر یہ اخراجات لازم ہوں گے)(۲)

← كالنصف و الثلث فإذا لم تتعين حصته أو تعينت على إعطائه شيئا من غير الحاصلات أو قطعت على مقدار كذا كيلة من الحاصلات فالمزارعة غير صحيحة. (مجلة الأحكام العدلية: ۱/۲۷۷، شاملة) (ومنها): أن تكون حصة كل واحد من المزارعين بعض الخارج حتى لو شرطا أن يكون من غيره لا يصح العقد لأن المزارعة استئجار ببعض الخارج به تنفصل عن الإجارة المطلقة (بدائع: ۵/۲۵۸، زكريا)

---

(۱) ان كل ما كان من عمل المزارعة مما يحتاج إليه لإصلاحه فعلى المزارع؛ لأن العقد تناوله وقد بيناه. (بدائع: ۵/۲۶۴، زكريا)

(۲) ان كل ما كان من باب النفقة على الزرع من السرقين وقلع الحشاوة ونحو ذلك فعليهما على قدر حقهما، و كذلك الحصاد والحمل إلى البيدر و الدياس وتذريته، لما ذكرنا أن ذلك ليس من عمل المزارعة حتى يختص به المزارع. (بدائع: ۵/۲۶۴، زكريا)

۵۲۹- **ضابطہ:** مزارعت فاسدہ میں تمام پیداوار اس کی ہوگی جس کا بیج ہے اور دوسرا ساتھی اگر مالک زمین ہے تو اس کے لئے زمین کا کرایہ ہوگا اور اگر مزارع ہے تو اس کے لئے اس کی محنت کی اجرت مثل ہوگی۔ (۱)

تشریح: مزارعت فاسدہ جیسے پیداوار میں حصہ بجائے فیصد مقرر کرنے کے وزن یا پیمانہ کی قطعی مقدار سے متعین کیا گیا؛ یا حصہ میں جہالت رکھی؛ یا کیا بوئے گا اس کی وضاحت نہیں کی اور کلی اختیار بھی نہیں دیا؛ یا جیسے زمین مالک پر عمل کی شرط لگائی گئی؛ یا ساری پیداوار ایک کے لئے ہونا طے کیا گیا؛ تو ان سب صورتوں میں مزارعت فاسد ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ ساری پیداوار بیج والے کی ہوگی اور دوسرا فریق اگر مالک زمین ہے تو وہ زمین کے کرایہ کا اور مزارع ہے تو اجرت مثل کا مستحق ہوگا۔

پھر مذکور صورت میں ساری پیداوار کا مستحق اگر مالک زمین بنتا ہے تو وہ سب اس کے لئے حلال ہے کیونکہ بیج بھی اسی کا ہے اور زمین بھی اسی کی، لیکن اگر مزارع مستحق ہوتا ہے تو اس کے لئے وہ پیداوار اس قدر ہی حلال ہوگی جتنا اس کا بیج اور دوسری لاگت لگی ہے اس سے زائد پیداوار کا صدقہ کرنا اس پر لازم ہوگا۔ (۲)

فائدہ: اگر کسی ایک فریق کا انتقال ہو جائے تو اصولاً یہ عقد ختم ہو جانا چاہئے کیونکہ مزارعت ایک طرح کا اجارہ ہے اور اجارہ کسی ایک فریق کی موت پر ختم ہو جاتا

---

(۱) تكون جميع الحاصلات في المزارعة الفاسدة لصاحب البذر فإذا كان الآخر صاحب الأرض فيأخذ أجرة أرضه وإذا كان الزارع فيأخذ أجر المثل. (مجلة الأحكام العدلية: ۱/۲۷۷)

(۲) ويطيب الخارج كله لرب البذر إن كانت الأرض له لأنه نماء بذره وخراج أرضه وإن لم تكن الأرض لصاحب البذر تصدق بما زاد على البذر والمؤن كذا في البرهان (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲/۳۲۶، شاملة تحفة الفقهاء: ۳/۲۶۵، شاملة)

ہے لیکن یہاں فتویٰ اس پر ہے کہ اگر پودا اگ چکا ہے تو کھیت تیار ہونے تک یہ عقد باقی رہے گا۔ (۱)

نوٹ: مزارعت کے ارکان چار ہیں: زمین، عمل، بیج، آلہ کاشت اس لحاظ سے مزارعت کی مختلف اقسام ہو جاتی ہیں آسانی کے لئے ان اقسام اور ان کے احکام کو شجرہ میں بیان کیا گیا ہے جو کتاب کے اخیر میں ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

کتاب الأیمان

۵۳۰- **ضابطہ:** اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کی قسم کھانا جائز نہیں۔

تشریح: پس کسی پیغمبر یا بزرگ یا ماں باپ و اولاد یا زندگی اور موت یا کسی متبرک چیز مثلاً مسجد، کعبہ یا زم زم وغیرہ کی قسم کھانا جائز نہیں یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے اور بالاتفاق ایسی قسمیں معتبر نہیں۔ (۲)

پس ضروری ہے کہ قسم صرف اللہ کے اسم ذات سے ہو یا اللہ کی صفات سے ہو لیکن اللہ کی صفات سے قسم کے متعلق تفصیل ہے بعض صفات اللہ تعالیٰ کی ایسی ہیں کہ غیر اللہ میں ان کا استعمال غالب ہیں اس لئے ان سے قسم منعقد نہیں ہوتی ہے جیسے کہا اللہ کے علم کی قسم، اللہ کی رحمت، غضب، یا کلام کی قسم تو اس سے یمین منعقد نہ ہوگی لیکن

(۱) قال - رحمه الله -: (وتبطل بموت أحدهما) لأنها إجارة وهي تبطل بموت أحد المتعاقدين إذا عقدها لنفسه وقد بيناه في الإجارة وهذا الإطلاق جواب القياس، وفي الاستحسان إذا مات وقد نبت الزرع يبقى عقد الإجارة حتى يحصد الزرع (البحر الرائق: ۱۸۵/۸ فصل: تبطل المزارعة بموت احدهما، شاملة)

(۲) لا ينعقد القسم بغيره تعالى أي غير أسمائه وصفاته ولو بطريق الكناية كما مر، بل يحرم كما في القهستاني (شامی: ۷۱۲/۳، شاملہ)

بعض مشائخ سے اس سلسلہ میں یہ اصول منقول ہے کہ: ان میں اصل حیثیت عرف کی ہے عرف میں جس تعبیر اور جس صفت سے قسم مراد لی جاتی ہو ان سے قسم ہو جائے گی اور جن کے متعلق عرف ایسا نہ ہو ان سے قسم نہیں ہوگی۔ (۱)

پس قرآن مجید کہ وہ کلام الٰہی ہے اور اس سے قسم کھانا اب متعارف ہو گیا ہے اس لئے وہ معتبر ہے اور قسم ہو جائے گی (لیکن قسم کا لفظ بولے بغیر محض قرآن پر ہاتھ رکھنے سے قسم نہ ہوگی) (۲)

استدراک: اور یہ سوال کہ جب غیر اللہ کی قسم جائز نہیں تو پھر قرآن مجید میں غیر اللہ کی قسم کیوں ہے؟ تو اس کی مختلف توجیہات ہیں:

(۱) احکام شرعیہ مکلفین کے لئے ہیں اللہ تعالیٰ احکام کے مکلف نہیں، لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَ هُمْ یُسْئَلُوْنَ۔

(۲) ایسے مواضع میں مضاف لفظ "رب" ہے پس و الغدایت اصل میں و رَبِّ الغدٰیتِ ہے۔

(۳) کبھی قسم سے مقسم بہ کی تعظیم مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کی کسی عجیب حالت کا بیان اور اس سے استشہاد مقصود ہوتا ہے، مخلوق کی قسم اس صورت میں ناجائز ہے جبکہ اس کی تعظیم مقصود ہو۔

(۴) کبھی قسم سے صرف تزیین کلام مقصود ہوتا ہے قسم مقصود نہیں ہوتی، کما قالوا

---

(۱) والحاصل أن الحلف بالصفة سواء كانت صفة ذات أو صفة فعل إن تعورف الحلف بها فيمين وإلا فلا، لأن الأيمان مبنية على العرف (اللباب في شرح الكتاب: ۴/۵) وعن مشايخنا من قال ماتعارف الناس يمينا يكون يمينا إلا ماورد الشرع بالنهي عنه وما لم يتعارفوه يمينا لا يكون يمينا (بدائع: ۳/۶ شاملة)

(۲) وفي فتح القدير: ثم لا يخفى أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فيكون يمينا كما هو قول الأئمة الثلاثة (البحر الرائق: ۴/۳۱۱، شاملہ)

فی قولھم "ولعمری"۔ [1]

فائدہ: مطلق قسم کھائی یعنی کہا: "قسم ہے" یا "قسم کھاتا ہوں" ، اور یہ نہیں کہا: "اللہ کی قسم" یا "رحمٰن کی قسم" تب بھی قسم ہوجائے گی، کیونکہ قسم اللہ ہی کی مشروع ہے اور اس کے علاوہ کی ممنوع ہے لہذا مطلق قسم بولنے پر اللہ ہی کی قسم مراد ہوگی۔

اسی طرح اگر کہا "خدا گواہ ہے" یا "خدا شاہد ہے" تو بھی قسم ہوجائے گی، کیونکہ ان الفاظ سے قسم متعارف ہے، چنانچہ قرآن مجید میں منافقین کی اس طرح کی شہادت کو قسم پر محمول کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: [وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِي قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ] (البقرة:۲۰۴) ولی مقام آخر: {قَالُوا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ} [المنافقون:۱] ثم قال {اِتَّخَذُوا اَيْمَانَهُمْ جُنَّةً} [المنافقون:۲] [2]

۵۳۱- **ضابطہ**: قسم میں ہر جگہ کے عرف کا اعتبار کیا جائے گا۔ [3]

تفریعات:

(۱) چنانچہ اگر قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائے گا تو مچھلی کھانے سے حانث نہ ہوگا لیکن اگر وہ ایسے علاقہ کا ہو جہاں لوگ مچھلی کو بھی گوشت بولتے ہو جیسے خوارزم کا علاقہ تو

(۱) (هذا بحث الاستدراک کله ماخوذ من احسن الفتاوی: ۵/ ۴۹۴، دار الاشاعت دیوبند)

(۲) والشهادة يمين قال الله تعالى {قالوا نشهد إنك لرسول الله} [المنافقون:۱] ثم قال {اتخذوا أيمانهم جنة} [المنافقون:۲] والحلف بالله هو المعهود المشروع وبغيره محظور فيصرف إليه وأشار إلى أنه لو قال: حلفت، أو أقسمت، أو شهدت بالله، أو لم يقل بالله (البحر الرائق: ۴/ ۳۰۷، شاملہ)

(۳) وفي الأيمان يعتبر العرف في كل موضع (شامی: ۵/ ۵۷۰، زکریا- البحر الرائق: ۴/ ۳۸۴، شاملہ)

مچھلی کھانے سے حانث ہو جائے گا۔[۱]

(۲) اسی طرح قسم کھائی کہ روٹی نہیں کھائے گا تو چاول کی روٹی کھانے سے حانث نہ ہوگا لیکن اگر وہ ایسی جگہ کا رہنے والا ہو جہاں چاول کی روٹی کھائی جاتی ہو جیسے طبرستان میں تو چاول کی روٹی کھانے سے حانث ہو جائے گا۔[۲]

(۳) قسم کھائی کہ پھل نہیں کھائے گا تو ٹماٹر کھانے سے حانث نہ ہوگا لیکن اگر وہ ایسے علاقہ کا باشندہ ہو جہاں ٹماٹر کو پھلوں میں شمار کیا جاتا ہو اور بطور تفکہ لوگ کھاتے ہو جیسے یورپ کے بعض ممالک میں تو ٹماٹر کھانے سے حانث ہو جائے گا۔[۳]

۵۳۲- **ضابطہ:** قسم کا مدار الفاظ عرفیہ پر ہوتا ہے نہ کہ اغراض ومقاصد پر۔[۴]

تفریعات:

(۱) چنانچہ اگر قسم کھائی کہ گھر کے دروازے سے نہیں نکلے گا پھر اس کی کھڑکی یا چھت سے نکلا تو حانث نہیں ہوگا چاہے اس کی مراد اس کلام سے گھر میں قرار پکڑنا ہو اور

(۱) وفي البحر عن المحيط وفي الأيمان يعتبر العرف في كل موضع حتى قالوا لو كان الحالف خوارزميا فأكل لحم السمك يحنث لأنه يسمونه لحما. (شامی: ۵/۵۷۰، زکریا- البحر الرائق: ۴/۳۸۴، شاملہ)

(۲) ولوحلف لا يشتري خبزا فاشترى خبز الأرز لا يحنث إلا أن يكون بطبرستان. (البحر الرائق: ۴/۳۸۴، شاملہ)

(۳) (مستفاد الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۵/۵۷۶)

(۴) الأيمان مبنية على الألفاظ لاعلى الاغراض (الدر المختار على هامش ردالمحتار: ۵/۵۲۸- قواعد الفقه، ص: ۶۵، قاعده: ۶۰، الأشباه والنظائر: ۱۵۵، دار الكتاب بيروت لبنان) (قوله الأيمان مبنية على الألفاظ إلخ) أي الألفاظ العرفية بقرينة ماقبله (شامی: ۵/۵۲۸، زکریا)

کسی طرح سے خواہ دروازہ سے یا چھت سے یا کھڑکی وغیرہ سے باہر نہ نکلنا ہو اس لیے کہ اعتبار الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ مقصود کا۔ (۱)

(۲) قسم کھائی کہ اس شخص کو کوڑے سے نہیں مارے گا پھر اس کو عصا سے مارا تو حانث نہیں ہوگا اگر چہ اس کا مقصود اس کلام سے یہ ہو کہ میں اس کو تکلیف نہیں دوں گا کیونکہ کلام میں لفظ ''کوڑا'' ذکر کیا ہے لہٰذا اسی کا اعتبار ہوگا مقصد اور نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔ (۲)

(۳) قسم کھائی کہ ایک ہزار روپے کا کھانا کھائے گا پھر ایک ہزار کی محض ایک روٹی خریدی اور اس کو کھایا تو حانث نہیں ہوگا اگر چہ اس کی مراد اس سے یہ ہو کہ ایسے چیز کھائے گا جو بہت قیمتی ہو کیونکہ معتبر بیان کردہ الفاظ ہوتے ہیں نہ کہ مراد و مقصد اور الفاظ میں ایک ہزار کا کھانا کہا تھا اور اس نے اس پر عمل کر لیا ہے۔ (۳)

فائدہ: ضابطہ میں ''الفاظ عرفیہ'' کی قید سے لغت اور عرف قرآن سے احتراز ہو گیا چنانچہ اگر کوئی قسم کھائے کہ دابہ پر سوار نہیں ہوگا اور وہ کسی انسان پر سوار ہوا تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ انسان پر دابہ کا اطلاق لغت کے لحاظ سے ہے عرف عام میں نہیں ہے، اسی طرح اگر قسم کھائی کہ میخ پر نہیں بیٹھے گا اور وہ پہاڑ پر بیٹھے یا قسم کھائی فرش پر نہیں بیٹھے گا اور زمین پر بیٹھے تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ پہاڑ کو میخ اور زمین کو فرش

(۱) وكذا لو حلف لا يخرج من الباب، فخرج من السطح لا يحنث، وإن كان الغرض عرفا القرار في الدار وعدم الخروج من السطح أو الطاق أو غيرهما، ولكن ذلك غير المسمى ولا يحنث بالغرض بلا مسمى (شامی: ۵/۵۲۹، زکریا)

(۲) وكذا لا يضربه سوطا فضربه بعصا لأن العصا غير مذكورة، وإن كان الغرض لا يؤلمه بأن لا يضربه بعصا ولا غيرها (شامی: ۵/۵۲۹، زکریا)

(۳) وكذا ليغدينه بألف فاشترى رغيفا بألف وغداه به لم يحنث وإن كان الغرض أن يغديه بما له قيمة وافية (شامی: ۵/۵۲۹، زکریا)

کہنا عرف قرآن ہے عرف عام نہیں ہے۔[1]

استدراک: لیکن ضابطہ میں غرض اور نیت کے معتبر نہ ہونے سے مراد وہ نیت ہے جو لفظ کے محتمل سے زائد ہو یعنی اس میں لفظ کے عرفی معنی سے صرف نظر کر کے ایک ایسے زائد معنی کی نیت کی جائے جس کا لفظ احتمال نہ رکھتا ہو جیسا کہ اوپر کی مثالوں سے واضح ہے البتہ اگر لفظ مسمی کے تحت وہ نیت آتی ہو اور لفظ کے عرفی معنی سے تجاوز کرنا نہ ہوتا ہو تو پھر اس نیت کا اعتبار ہوگا چنانچہ قواعد الفقہ میں جہاں مذکور قاعدہ بیان کیا گیا ہے ساتھ میں یہ قاعدہ بھی مذکور ہے کہ: ''قسم میں کسی عام لفظ کو نیت سے خاص کرنا دیانتاً مقبول ہے'' جیسے کہے قسم بخدا میں کھانا نہیں کھاؤں گا پھر کہے میری مراد اس سے فلاں کھانا ہے نہ کہ دوسرا۔ یا کہے جس عورت سے میں نکاح کروں اس کو طلاق اور کہے میری نیت اس سے فلاں شہر کی عورت ہے نہ کے ہر شہر کی عورت تو دیانتاً اس کی یہ نیت معتبر ہوگی، کیونکہ اس نے اپنے کلام میں ایک عام لفظ استعمال کیا ہے اور نیت کے ذریعہ ایک ایسی چیز کی تخصیص کی ہے جس کا وہ لفظ احتمال رکھتا ہے، لہٰذا دیانتاً اس کی یہ نیت معتبر ہوگی۔[2]

---

(۱)واحترز به عن القول ببنائها على عرف اللغة أو عرف القرآن ففي حلفه لا يركب دابة ولا يجلس على وتد، لا يحنث بركوبه إنسانا وجلوسه على جبل وإن كان الأول في عرف اللغة دابة، والثاني في القرآن وتدا (شامی:۵/۵۲۸،زکریا)

(۲)فظهر أن مرادنا بانصراف الكلام إلى العرف إذا لم تكن له نية، وإن كان له نية شيء واللفظ يحتمله انعقد اليمين باعتباره......فصار الحاصل أن المعتبر إنما هو اللفظ العرفي المسمى، وأما غرض الحالف فإن كان مدلول اللفظ المسمى اعتبر وإن كان زائدا على اللفظ فلا يعتبر (شامی:۵/۵۲۸)تخصيص العام بالنية فی الأيمان مقبول ديانة۔ (قواعد الفقہ،ص:۶۹، قاعدہ:۷۹)(نية تخصيص العام تصح ديانة) إجماعا، فلو قال: كل امرأة أتزوجها فهي طالق ثم قال: نويت ←

اسی طرح لفظ کے معتبر ہونے سے مراد وہ لفظ ہے جو اپنی حقیقت میں مستعمل ہو عرف میں اس کو دوسرے معنی سے مجاز نہ کیا گیا ہو، اگر لفظ سے اس کا مجازی معنی مراد ہو جیسے کہے فلاں کے گھر میں قدم نہیں رکھوں گا تو عرف میں یہ مطلقاً دخول سے مجاز ہے، تو اب اس میں لفظ کا اعتبار نہ ہوگا یہاں تک کہ وہ گھر سے باہر بیٹھ کر یا لیٹ کر اپنے قدم گھر میں رکھے یا کھڑا کھڑا صرف ایک قدم رکھے اور داخل نہ ہو تو حانث نہیں ہوگا کیونکہ لفظ کا حقیقی معنی (قدم رکھنا) یہاں متروک ہے اور دوسرا مجازی معنی (داخل ہونا) مراد ہے۔[۱]

اور اگر لفظ اپنی حقیقت اور مجاز دونوں میں مستعمل ہو تو فقہاء نے یہ ضابطہ بیان کیا ہے کہ:

۵۲۳-ضابطہ: جب کسی چیز کی حقیقت بھی مستعمل ہو اور مجاز بھی متعارف ہو تو قسم میں اعتبار حقیقت کا ہوگا۔[۲]

تفریعات:

(۱) پس اگر کہا میں یہ گیہوں نہیں کھاؤں گا پھر اس کی روٹی کھائی تو حانث نہ ہوگا، کیونکہ گیہوں کو چبا کر کھانا یہ حقیقت ہے اور اس کی روٹی کھانا مجاز ہے اور یہاں مجاز اگرچہ متعارف ہے لیکن حقیقت بھی مستعمل ہے کیونکہ گیہوں کو بھون کر، یا ابال کر کھایا

← من بلد کذا (لا) یصدق (قضاء)....(الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵/ ۵۸۴)

(۱) ثم اعلم أن هذا كله حيث لم يجعل اللفظ في العرف مجازا عن معنى آخر كما في: لا أضع قدمي في دار فلان فإنه صار مجازا عن الدخول مطلقا كما سيأتي ففي هذا لا يعتبر اللفظ أصلا حتى لو وضع قدمه ولم يدخل لا يحنث لأن اللفظ هجر وصار المراد به معنى آخر (شامی: ۵/ ۵۳۰، زکریا)

(۲) اليمين اذا كانت لها حقيقة مستعملة ومجاز متعارف فالعبرة للحقيقة۔ (قواعد الفقہ ص: ۱۳۴، قاعدہ: ۴۲۴)

جاتا ہے اس لئے اعتبار حقیقت کا ہوگا پس کچے، بھونے ہوئے یا ابلے ہوئے گیہوں کھانے سے حانث ہوجائے گا اور اس کی روٹی کھانے سے جو کہ مجاز متعارف ہے حانث نہ ہوگا، یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک دونوں ہی صورتوں میں وہ حانث ہوجائے گا یعنی گیہوں چبا کر کھانے سے بھی اور اس کی روٹی کھانے سے بھی بوجہ عموم مجاز کے۔ (۱)

(۲) اسی طرح اگر کسی نے بطور قسم کہا کہ "مجھ پر فلاں کے گھر کا پانی حرام ہے" تو اس میں صرف پانی کی حرمت یہ حقیقت ہے، اور اس سے ہر قسم کا کھانا وغیرہ مراد ہونا یہ مجاز متعارف ہے، پس عند الامامؒ حقیقت پر عمل کیا جائے گا اور صرف پانی پینے سے حانث ہوگا دیگر چیزوں کے کھانے پینے یا استعمال سے حانث نہ ہوگا، جبکہ صاحبینؒ کے نزدیک عموم مجاز پر عمل کیا جائے گا، فتویٰ امام صاحبؒ کے قول پر ہے۔ (۲)

۵۳۴- **ضابطہ:** جس بات پر قسم کھائی جائے ضروری ہے کہ اس کا پورا کرنا فی نفسہ ممکن ہو، اگرچہ عادتاً محال ہو۔ (۳)

(۱) ومن حلف لا يأكل من هذه الحنطة لم يحنث حتى يقضمها ولو أكل من خبزها لميحنث عند أبي حنيفة رحمه الله وقالا إن أكل من خبزها حنث أيضا " لأنه مفهوم منه عرفا ولأبي حنيفة رحمه الله أن له حقيقة مستعملة فإنها تقلى وتغلى وتؤكل قضما وهي قاضية على المجاز المتعارف على ماهو الأصل عنده ولو قضمها حنث عندهما هو الصحيح لعموم المجاز كما إذا حلف لا يضع قدمه في دار فلان وإليه الإشارة بقوله في الخبز حنث أيضا (ہدایہ: ۲/ ۳۲۶، مکتبہ شاملہ)

(۲) (احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۹۳، دار الاشاعت)

(۳) (وأما) الذي يرجع إلى المحلوف عليه فهو أن يكون متصور الوجود حقيقة عند الحلف هو شرط انعقاد اليمين على أمر في المستقبل ..... قال أصحابنا الثلاثة: ليس بشرط فينعقد على ما يستحيل وجوده عادة بعد أن كان لا يستحيل وجوده حقيقة. (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۱، شاملہ)

تفریعات:

(۱) پس اگر قسم کھائی کہ اس گلاس میں موجود پانی پیونگا جبکہ اس میں پانی نہیں ہے اور اس کو پہلے سے علم بھی نہیں تھا کہ پانی نہیں ہے تو قسم معتبر نہ ہوگی۔[1]

(۲) اسی طرح قسم کھائی کہ فلاں شخص کو قتل کروں گا جبکہ وہ شخص مر چکا ہے اور یہ اس کی موت سے واقف نہیں تھا تو قسم کا اعتبار نہ ہوگا ——— (لیکن اگر پہلے سے جانتا ہو کہ گلاس میں پانی نہیں ہے یا فلاں شخص فوت ہو چکا ہے تو پھر قسم منعقد ہو جائے گی کیونکہ جب جانتا ہے تو اب قسم کا تعلق اس دوسرے پانی سے ہوگا جو فی الحال نہیں ہے اسی طرح میت کی دوسری زندگی سے ہوگا، اور دوسرے پانی اور دوسری زندگی کا وجود فی نفسہ ممکن ہے گو عادتاً محال ہے، برخلاف جبکہ پہلے سے واقف نہ ہو کیونکہ اس وقت قسم کا تعلق فی الحال موجود گلاس میں پانی سے ہوگا اسی طرح دوسرے مسئلہ میں انسان کی پہلی زندگی سے ہوگا اور وہی پانی اور وہی زندگی واقع میں موجود نہیں ہے اور نہ متصور الوجود ہے لہٰذا اس صورت میں قسم کا اعتبار نہ ہوگا)[2]

(۳) اور اگر قسم کھائی کہ میں آسمان پر چڑھوں گا یا آسمان کو چھوؤں گا تو یہ قسم معتبر ہوگی۔

(۴) اسی طرح قسم کھائی کہ میں اس پتھر کو سونے میں تبدیل کردوں گا تو قسم منعقد ہو جائے گی ——— کیونکہ آسمان کا چھونا اور پتھر کو سونے میں بدلنا گو عادتاً محال ہے لیکن فی نفسہ ممکن ہے۔ پس اس صورت میں موت سے پہلے پہلے قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔[3]

(۱-۲-۳) وأما كونه متصور الوجود عادة فهل هو شرط انعقاد اليمين؟. قال أصحابنا الثلاثة: ليس بشرط فينعقد على ما يستحيل وجوده عادة بعد أن كان لا يستحيل وجوده حقيقة. وقال زفر: هو شرط لا تنعقد اليمين بدونه وبيان هذه الجملة إذا قال: والله لأشربن الماء الذي في هذا الكوز فإذا لا ماء فيه لم تنعقد اليمين في قول أبي حنيفة ومحمد وزفر لعدم شرط الانعقاد وهو تصور ←

۵۳۵-ضابطہ: فعل غیر پر قسم جائز نہیں۔

تشریح: یعنی غیر کے فعل پر یہ قسم کھانا کہ اس نے یہ کام نہیں کیا ہے تو یہ جائز نہیں، جیسے زید پر قسم آئے لیکن اس پر اطمینان نہ ہو اس لئے یہ فیصلہ کیا گیا کہ اس کی طرف سے اس کے والد یا بھائی قسم اٹھائے اور کہے کہ زید نے یہ کام نہیں کیا تو یہ جائز نہیں، کیونکہ قسم قطعی اور یقینی بات پر ہوتی ہے اور غیر کے فعل کے متعلق یقینی علم نہیں ہوتا ہے اس لئے اس کے فعل پر قسم جائز نہیں۔

← شرب الماء الذي حلف عليه وعند أبي يوسف تنعقد لوجود الشرط وهو الإضافة إلى أمر في المستقبل وإن كان يعلم أنه لا ماء فيه تنعقد عند أصحابنا الثلاثة وعند زفر لا تنعقد وهو رواية عن أبي حنيفة أنه لا تنعقد علم أو لم يعلم وعلى هذا الخلاف إذا وقت وقال والله لأشربن الماء الذي في هذا الكوز اليوم ولا ماء في الكوز أنه لا تنعقد عند أبي حنيفة ومحمد وزفر وعند أبي يوسف تنعقد وعلى هذا الخلاف إذا قال والله لأقتلن فلانا وفلان ميت وهو لا يعلم بموته أنه لا تنعقد عندهم خلافا لأبي يوسف وإن كان عالما بموته تنعقد عندهم خلافا لزفر. ولو قال والله لأمسن السماء أو لأصعدن السماء أو لأحولن هذا الحجر ذهبا تنعقد عند أصحابنا الثلاثة..... والدليل على أن البر غير متصور الوجود من هذه اليمين حقيقة أنه إذا كان عنده أن في الكوز ماء وأن الشخص حي فيمينه تقع على الماء الذي كان فيه وقت اليمين وعلى إزالة حياة قائمة وقت اليمين والله تعالى وإن كان قادرا على خلق الماء في الكوز ولكن هذا المخلوق لا يكون ذلك الماء الذي وقعت يمينه عليه وفي مسألة القتل زالت تلك الحياة على وجه لا يتصور عودها بخلاف ما إذا كان عالما بذلك؛ لأنه إذا كان عالما به فإنما انعقد يمينه على ماء آخر يخلقه الله - تعالى - وعلى حياة أخرى يحدثها الله تعالى إلا أن ذلك على نقض العادة فكان العجز عن تحقيق البر ثابتا عادة فيحنث. (بدائع الصنائع: ۳/۱۱، شاملة)

البتہ عدم علم کی قسم جائز ہے یعنی یوں کہنا کہ مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تو یہ جائز ہے۔[۱]

۵۴۶- **ضابطہ:** اگر قسم کھانے والا مظلوم ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا اور اگر ظالم ہے تو قسم لینے والے کی نیت معتبر ہوگی۔[۲]

تشریح: ایک نے دوسرے کو قسم کھلائی خواہ اپنے طور پر یا قاضی کے واسطہ سے لیکن قسم کھانے والا ظاہری معنی چھوڑ کر ایسا غیر متبادر معنی مراد لیتا ہے جو قسم کھلانے والے کے منشاء کے خلاف ہے (لیکن اس لفظ کا محتمل ہے خواہ عرف عام میں یا لغت میں یا اصطلاح قرآن میں) جیسے چھت سے آسمان، فرش سے زمین اور لباس سے رات مراد لیتا ہے یا زید کا نام لیتا ہے اور اس سے کوئی اور اس کا ہم نام شخص مراد لیتا ہے یا اپنی آستین میں مدعی کے علاوہ کسی اور شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ مجھ پر اس کا کوئی حق نہیں تو اس میں اصول یہ ہے کہ اگر قسم کھانے والا مظلوم ہے تو اس کی نیت کا اعتبار ہوگا تاکہ اس کی دادرسی ہو سکے اور اگر ظالم ہے تو مستحلف (قسم کھلانے والے) کی نیت معتبر ہوگی۔[۳]

۵۴۷- **ضابطہ:** کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کرنا قسم ہے خواہ وہ چیز حلال ہو یا

---

(۱) (التحليف على فعل نفسه يكون على البتات) أي القطع بأنه ليس كذلك (و) التحليف (على فعل غيره) يكون (على العلم) أي إنه لا يعلم أنه كذلك لعدم علمه بما فعل غيره ظاهرا (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵/۵۵۲، في سبب الدعوى، شاملة۔ درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲/۳۳۸، في اركان الدعوى، شاملة)

(۲) اليمين على نية الحالف ان كان مظلوما و على نية المستخلف ان كان ظالما (قواعد الفقہ ص: ۱۴۴، قاعدہ: ۴۲۵)

(۳) (شامیہ: ۵/۵۸۶، زکریا)

(پہلے ہی سے) حرام ہو۔ (۱)

جیسے:

اگر کہا مجھ پر یہ کھانا حرام ہے، یا فلاں کے گھر جانا حرام ہے، یا فلاں سے بات کرنا حرام ہے تو یہ قسم ہے اس کے خلاف کرنے پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

بلکہ اگر کہا آئندہ مجھ پر شراب حرام ہے یا خنزیر کھانا حرام ہے یا سینما دیکھنا حرام ہے تو یہ چیزیں اگر چہ ویسے ہی حرام ہیں لیکن ان کو اپنے اوپر حلفاً حرام کرنے سے قسم ہوجاتی ہے، پس اگر خدانخواستہ آئندہ ان میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا تو گناہ کے علاوہ کفارہ بھی لازم ہوگا [البتہ اگر محض حرمت کی خبر دینا مقصود ہو یعنی شرعاً یہ چیز مجھ پر حرام ہے یہ بتلانا مقصود ہو تو پھر قسم نہ ہوگی] (۲)

اور حلال کو حرام کرنا گو قسم ہے مگر وہ چیز اس پر حرام نہیں ہوتی، قسم کے بعد بھی اس کے لئے اس کا استعمال جائز وحلال ہوتا ہے البتہ اس حرام کردہ چیز کو جب استعمال کرے گا تو کفارۂ قسم لازم ہوگا، بلکہ حکم یہ ہے کہ حلال کو حرام کرنے میں اگر معصیت کی یا کارِ خیر سے باز رہنے کی قسم ہو مثلاً فلاں سے بات کرنا یا اس کی مدد کرنا حرام کیا ہے تو اس میں حانث ہوجائے اور قسم کا کفارہ دیدے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔ (۳)

فائدہ: فلاں کام کروں تو اسلام سے بیزار ہوں یا کافر ہوجاؤں تو یہ بھی قسم ہے

---

(۱) (الدر المختار: ۵/ ۵۰۸، مکتبہ زکریا)

(۲) قال في التنویر: ومن حرم شیئا ثم فعله کفر وفي الشرح: ولو حراما أو ملك غیره کقوله الخمر أو مال فلان علي حرام فیمین ما لم یرد الإخبار خانیة (الدر المختار علی ہامش رد المحتار: ۵/ ۵۰۸، مکتبہ زکریا)

(۳) فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: من حلف علی یمین، فرأی غیرها خیرا منها، فلیأتها، ولیکفر عن یمینه (مسلم شریف: حدیث: ۱۶۵۰، شاملہ)

اور اس میں حکم ہے کہ اگر اس کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اس کلام کے بعد فلاں کام کرنے سے واقعۃً کافر ہو جائے گا اس کے باوجود وہ کام کر لیا تو یہ شخص کافر ہو گیا اور اگر یہ عقیدہ نہیں تھا بلکہ وہ اسے قسم سمجھتا تھا تو کافر نہیں ہوا، اس صورت میں اس پر قسم کا کفارہ واجب ہے۔ (۱)

کتاب النذر

(منت کا بیان)

۵۳۸- **ضابطہ**: نذر کے انعقاد کے لئے زبان سے تلفظ ضروری ہے محض دل میں نیت سے نذر منعقد نہ ہوگی۔

تشریح: نذر یعنی منت ماننا یہ زبان کا عمل ہے پس اس میں زبان سے صراحتاً تلفظ کرنا کہ میں روزے کی یا نماز کی یا اعتکاف کی یا حج کی یا اتنا مال صدقہ کرنے کی نذر (منت) مانتا ہو یا اس چیز کو اپنے اوپر لازم کرتا ہوں یہ ضروری ہے صرف دل دل میں کسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرنے سے نذر کا انعقاد نہیں ہوتا اور اس طرح کوئی چیز لازم نہیں ہوتی۔ (۲)

---

(۱)(و) القسم أيضا بقوله (إن فعل كذا فهو) يهودي أو نصراني أو فاشهدوا علي بالنصرانية أو شريك للكفار أو (كافر) فيكفر بحنثه لو في المستقبل، أما الماضي عالما بخلافه فغموس. واختلف في كفره (و) الأصح أن الحالف (لم يكفر) سواء (علقه بماض أو آت) إن كان عنده في اعتقاده أنه (يمين وإن كان) جاهلا. و (عنده أنه يكفر في الحلف) بالغموس وبمباشرة الشرط في المستقبل (يكفر فيهما) لرضاه بالكفر، بخلاف الكافر۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵/ ۴۹۰، مكتبه زكريا)

(۲) والنذر لا يكون إلا باللسان، ولو نذر بقلبه لا يلزمه بخلاف النية، لأن ←

۵۳۹- **ضابطہ:** صحت نذر کے لئے ضروری ہے کہ منذور بہ عبادت مقصودہ ہو اور اس کے جنس میں سے کوئی فرد واجب ہو، ورنہ نذر منعقد نہ ہوگی۔ (۱)

تفریعات:

(۱) پس اگر کھانے؛ یا پینے؛ یا بیوی سے جماع؛ وغیرہ کی نذر مانی تو یہ نذر منعقد نہ ہوگی کیونکہ ان چیزوں میں عبادت کا وصف نہیں ہے یہ محض مباح ہیں۔ (۲)

(۲) اسی طرح تبلیغ میں جانے؛ یا مریض کے عیادت کرنے؛ یا جنازہ کے پیچھے چلنے؛ یا وضو یا غسل کرنے؛ یا مسجد میں داخل ہونے؛ یا قرآن کو چھونے؛ یا اذان کرنے؛ یا مسجد یا مدرسہ کو تعمیر کرنے؛ یا رفاہ عام کے لئے مسافر خانہ وغیرہ بنانے؛ کی نذر مانی تو ان تمام صورتوں میں بھی نذر منعقد نہ ہوگی، کیونکہ یہ سب چیزیں اگرچہ قربت اور ثواب کی ہیں اور ان میں عبادت کا وصف موجود ہے لیکن وہ عبادت "عبادت مقصودہ" نہیں ہے، لہٰذا ایسی نذر کا ایفاء واجب نہیں، محض جائز ہے۔ (۳)

← النذر عمل اللسان والنية المشروعة انبعاث القلب على شأن أن يكون لله تعالى كذا في البزازية (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۲۱۲/۱؛ شامي: ۴۳۳/۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، مكتبه شاملة)

(۱) (قال في التنوير: ومن نذر نذرا مطلقا أو معلقا بشرط وكان من جنسه واجب وهو عبادة مقصودة وجد الشرط لزم الناذر (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۵۱۵/۳، زكريا)

(۲) وكذا النذر بالمباحات من الأكل والشرب والجماع ونحو ذلك لعدم وصف القربة لاستوائهما فعلا وتركا (بدائع الصنائع: ۸۲/۵، شاملہ)

(۳) فلا يصح النذر بعيادة المرضى وتشييع الجنائز والوضوء والاغتسال ودخول المسجد ومس المصحف والأذان وبناء الربلمات والمساجد وغير ذلك وإن كانت قربا، لأنها ليست بقرب مقصودة (بدائع الصنائع: ۸۲/۵، شاملہ)

(۳) اور اگر نماز پڑھنے؛ یا صدقہ کرنے؛ یا قربانی کرنے؛ یا حج یا عمرہ کرنے؛ یا اعتکاف کرنے؛ یا درود شریف پڑھنے؛ وغیرہ کی نذر مانی تو منعقد ہو جائے گی کیونکہ یہ تمام عبادت مقصودہ ہیں اور ان کی جنس میں سے فرض یا واجب موجود ہیں پس ایسی نذر کا ایفاء واجب ہے۔[1]

(۴) اور اگر تسبیح پڑھنے کی نذر مانی تو منعقد نہ ہوگی کیونکہ تسبیح اگرچہ عبادت مقصودہ ہے مگر اس کی جنس میں سے کوئی واجب نہیں ہے ـــــ البتہ اگر نماز کے بعد کی تسبیح کی نذر مانی تو نذر منعقد ہو جائے گی اور واجب الاداء ہوگی کیونکہ نماز کے بعد کی تسبیح تغلیباً تحمید وتکبیر کو بھی شامل ہے اور تحمید نماز میں سورۂ فاتحہ کی ابتداء میں فرض ہے اور تکبیر ابتداء نماز میں فرض ہے۔[2]

استدراک: اگر کسی نے پیدل حج کی نذر مانی تو یہ نذر صحیح ہے اور اس پر لازم ہے کہ حج شروع کرنے کے بعد جب تک طواف زیارت نہ کرلے سوار نہ ہو کیونکہ پیدل حج کرنا بوجہ مشقت کے ثواب میں زیادتی کا موجب ہے تو گویا اس نے صفت کمال کے ساتھ حج کی نذر مانی ہے پس وہ نذر معتبر ہوگی جیسا کہ مسلسل روزے کی نذر ماننے تو وہ نذر معتبر ہے یہاں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ پیدل چلنے کی یہ نذر کیسے معتبر ہوگی جبکہ صحت نذر کے لئے جہاں منذور بہ کا عبادۃ مقصودۃ ہونا ضروری ہے وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ شریعت میں اس کی کوئی نظیر موجود ہو یعنی اس کے جنس میں سے واجب یا فرض پایا جائے حالانکہ یہاں اس کی کوئی نظیر نہیں ہے تو جواب یہ ہے کہ یہاں نظیر موجود ہے وہ یہ کہ اہل مکہ اور ان کے اردگرد لوگوں پر وجوب حج کے لئے راحلہ کی شرط نہیں ہے بلکہ ان

---

(۱) ويصح النذر بالصلاة والصوم والحج والعمرة والإحرام بهما والعتق والبدنة والهدي والاعتكاف ونحو ذلك؛ لأنها قرب مقصودة (بدائع الصنائع: ۸۲/۵، شاملہ)

(۲) (احسن الفتاویٰ: ۴۸۱/۵، استنباطاً عن الشامیہ)

میں جو بھی شخص پیدل چلنے پر قادر ہو اس پر حج فرض ہو جاتا ہے پس جب پیدل چلنا صفت کمال ہے اور اس کی نظیر بھی موجود ہے تو اس کی نذر ماننا معتبر ہوگا۔ پھر اگر ناذر نے سوار ہو کر حج کیا تو نقص کی وجہ سے اس پر کم از کم ایک بکری بطور دم حرم میں ذبح کرنا واجب ہوگا۔ (۱)

فائدہ(۱): مسجد کے بناء کی نذر صحیح نہیں (جیسا کہ گذرا) لیکن وقف للفقراء کے لئے کوئی عمارت وغیرہ کی نذر مانی تو صحیح ہے کیونکہ مسجد کی بناء عبادت مقصودہ نہیں ہے، اور وقف للفقراء عبادت مقصودہ ہے اور اس کے جنس یعنی وقف میں سے بناء مسجد واجب ہے، پس وقف للفقراء عبادت مقصودہ ہے مگر واجب نہیں اور بناء مسجد واجب ہے مگر عبادت مقصودہ نہیں اور نذر کی صحت کے لئے شرط ہے کہ منذور عبادت مقصودہ ہو اور اس کی جنس میں سے کوئی فرد واجب ہو اور یہ شرط وقف للفقراء میں موجود ہے مگر بناء مسجد میں مفقود ہے لہذا وقف مسجد کی نذر صحیح نہیں اور وقف للفقراء کی صحیح ہے۔ (۲)

---

(۱) (ومن أوجب حجا ماشيا لا يركب حتى يطوف للركن) أي من أوجب على نفسه بالنذر أن يحج ماشيا لا يجوز له أن يركب حتى يطوف طواف الركن، وهو طواف الزيارة؛ لأنه التزم الحج على صفة الكمال؛ لأن المشي أشق على البدن فيجب عليه الإيفاء بما التزم كما لو نذر أن يصوم متتابعا ولا يقال: كيف يجب عليه المشي بالنذر وهو من شرطه أن يكون له نظير في الشرع وهذا لا نظير له؛ لأنا نقول: لا بل له نظير؛ لأن أهل مكة ومن حولها لا يشترط في حقهم الراحلة بل يجب المشي على كل من قدر منهم على المشي، ولو ركب أراق دما؛ لأنه أدخل فيه النقص، وكذا إذا ركب في أكثره، وإن ركب الأقل يجب عليه بحسابه من الدم وبطواف الزيارة ينتهي الإحرام فيمشي إليه (تبيين الحقائق: ۲/ ۹۳ كتاب الحج، شاملة)

(۲) فهذا صريح في أن الشرط كون المنذور نفسه عبادة مقصودة لا ما ←

فائدہ (۲): اگر کسی نے صرف اتنا کہا میں نذر (منت) مانتا ہوں اور اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا اور نہ اس شخص کی کوئی مخصوص نیت ہے تو قسم کا کفارہ (یعنی دس مساکین کو کھانا کھلانا اور اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن مسلسل روزے رکھنا) لازم ہوگا؛ اور اگر مطلق روزوں کی نذر مانی یعنی تعداد کا ذکر نہیں کیا تو تین روزے لازم ہوں گے؛ اور اگر مطلق صدقہ کی نذر مانی تو اطعام عشرۃ مساکین واجب ہوگا یعنی مقدار صدقۃ الفطر سے دس گنا زیادہ یا اس کی قیمت کے برابر نقد روپے یا کوئی دوسری چیز صدقہ کرنا واجب ہوگا۔ (۱)

۵۴۰- **ضابطہ**: نذر میں زمان، مکان، شیء منذور اور فقیر کی تعیین معتبر نہیں۔ (۲)

تشریح: پس اگر کسی نے نذر مانی کہ جمعہ کے دن مکہ مکرمہ میں فلاں فقیر کو یہ چیز دوں گا پھر اس نے جمعہ کو نہیں دیا بلکہ جمعرات یا سنیچر کو دیا، یا مکہ مکرمہ کے علاوہ کسی اور

← كان من جنسه، ولذا صححوا النذر بالوقف لأن من جنسه واجبا وهو بناء مسجد للمسلمين كما يأتي مع أنك علمت أن بناء المساجد غير مقصود لذاته (شامي: ۵/۵۱۶ زكريا)

(۱) (قال علي نذر ولم يزد عليه ولا نية له فعليه كفارة يمين) ولو نوى صياما بلا عدد لزمه ثلاثة أيام ولو صدقة فإطعام عشرة مساكين كالفطرة ،وفي الشامية: (قوله لزمه ثلاثة أيام) لأن إيجاب العبد معتبر بإيجاب الله تعالى، وأدنى ذلك في الصيام ثلاثة أيام في كفارة اليمين بحر عن الولوالجية (قوله ولو صدقة) أي بلا عدد (قوله كالفطرة) أي لكل مسكين نصف صاع بر وكذا لو قال: لله علي إطعام مسكين لزمه نصف صاع بر استحسانا وإن قال: لله علي أن أطعم المساكين على عشرة عند أبي حنيفة فتح۔ (شامی: ۳/۵۲۶، ۵۲۴ زكريا)

(۲) (شامی: ۵/۵۲۴، زکریا)

جگہ میں دیا، یا اس فقیر کے سوا کسی اور فقیر کو دیا، یا وہ معین چیز نہیں دی بلکہ اس کے برابر روپے یا کوئی اور چیز دی تو یہ جائز ہے اس کی نذر پوری ہو جائے گی کیونکہ نذر میں ان چیزوں کی تعیین کا اعتبار نہیں، یعنی ناذر پر وہ تعیین لازم نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر نذر مانی کے فلاں مہینے میں روزہ رکھوں گا اور اس نے اس سے پہلے روزہ رکھ لیا یا نذر مانی کہ فلاں سال حج کروں گا اور اس سے پہلے حج کر لیا تو نذر پوری ہو جائے گی۔

البتہ نذر معلق میں شرط کے وجود سے پہلے منذور کا ادا کرنا صحیح نہیں مثلاً کہا میں اس بیماری سے شفایاب ہو گیا تو فلاں سال حج کروں گا تو شفایاب ہونے سے پہلے حج کرنا صحیح نہیں کیونکہ معلق بالشرط شرط کے وجود سے پہلے نہ ہونے کے برابر ہے پس اس میں شرط کے بعد کا زمانہ ایفاء نذر کے لئے متعین ہے البتہ شرط کے بعد تاخیر میں کوئی حرج نہیں۔ اس کے علاوہ باقی اشیاء یعنی مکان، شی ٔ منذور اور فقیر کی عدم تعیین میں نذر مطلق اور معین میں کوئی فرق نہیں ہے۔ (۱)

---

(۱) والنذر ....لا يختص بزمان ومكان ودرهم وفقير فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم على فلان فخالف جاز وكذا لو عجل قبله فلو عين شهرا للاعتكاف أو للصوم فعجل قبله عنه صح، وكذا لو نذر أن يحج سنة كذا فحج سنة قبلها صح أو صلاة في يوم كذا فصلاها قبله لأنه تعجيل بعد وجود السبب، وهو النذر فيلغو التعيين بخلاف النذر المعلق، فإنه لا يجوز تعجيله قبل وجود الشرط اهـ قلت: وقدمنا هناك الفرق وهو أن المعلق على شرط لا ينعقد سببا للحال كما تقرر في الأصول بل عند وجود شرطه، فلو جاز تعجيله لزم وقوعه قبل سببه فلا يصح، ويظهر من هذا أن المعلق يتعين فيه الزمان بالنظر إلى التعجيل، أما تأخيره فالظاهر أنه جائز إذ لا محذور فيه، وكذا يظهر منه أنه لا يتعين فيه المكان والدرهم والفقير لأن التعليق إنما أثر في انعقاد السببية فقط، ←

استدراک: یہاں ایک اشکال پیدا ہوسکتا ہے کہ نذر میں جب زمان، مکان اور شیء منذور وغیرہ کی تعیین معتبر نہیں تو پھر قربانی میں فقیر جب کوئی جانور خرید تا ہے تو بحکم نذر ہو کر وہ جانور اس پر متعین کیوں ہوجاتا ہے کہ وہ بدلنا چاہے تو بدل نہیں سکتا؟ تو احسن الفتاویٰ میں اس کے جواب میں یہ منقول ہے کہ: ''وجہ الفرق یہ معلوم ہوتی ہے کہ نذر تضحیہ میں فعل منذور یعنی ذبح کا اثر حسّی حیوان میں پایا جاتا ہے اور نذر تصدق میں مسمی میں فعل منذور یعنی تصدق کا کوئی اثر حسّی نہیں پایا جاتا'' اھ [1]

۵۴۱- **ضابطہ**: نذر مطلق اور نذر تردد میں منذور بہ کا بعینہ ادا کرنا ضروری ہے کفارہ کافی نہ ہوگا جبکہ نذر لجاج میں کفارہ بھی کافی ہے۔

تشریح: جاننا چاہئے کہ نذر کی اولاً دو قسمیں ہیں: نذر مطلق، اور نذر معلق۔

نذر مطلق وہ نذر ہے: جو کسی شرط پر معلق نہ ہو جیسے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کے واسطہ ایک سال کے روزے واجب ہیں یا ہزار رکعتیں نوافل واجب ہیں اور اس کو کسی شرط پر معلق نہیں کیا اس کو نذر منجز اور نذر مرسل بھی کہا جاتا ہے۔

اور نذر معلق وہ نذر ہے: جو کسی شرط پر معلق ہو اس کی پھر دو قسمیں ہیں: ایک یہ ہے کہ ایسی شرط پر معلق ہو کہ ناذر اس شرط کے وجود کی امید و تمنا کرتا ہے یعنی جلب منفعت یا دفع مضرت کے قبیل سے کوئی شرط ہو مثلاً کہا اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دی یا میرے غائب کو لوٹا دیا، یا میرے دشمن کو مار دیا تو میں ایک سال کا روزہ رکھوں گا یا حج

← فلذا امتنع فیه التعجیل، وتعین فیه الوقت أما المکان والدرهم والفقیر فهي باقیة علی الأصل من عدم التعیین (شامی: ۵/ ۵۲۴، زکریا) وقال فی الدر المختار: (نذر أن یتصدق بعشرة دراهم من الخبز فتصدق بغیره جاز إن ساوی العشرة) کتصدقه بثمنه. (الدر علی الرد: ۵/ ۵۲۵، التاتارخانیة: ۳/ ۶۳ ۳ زکریا، حاشیة الطحطاوی: ۱/ ۲۶۴)

---

(۱) (احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۸۳)

کروں گا اس نذر کو ''نذر تردد'' کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ: ایسی شرط ہو کہ ناذر اس کے وقوع کو نہیں چاہتا ہے مثلاً اس نے غصہ میں کہہ دیا کہ ''اگر میں فلاں سے بات کروں تو مجھ پر دس ہزار روپیہ صدقہ'' حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے، اس نذر کو ''نذر لجاج'' کہا جاتا ہے۔

ان میں پہلی دو قسموں میں یعنی نذر مطلق اور نذر تردد میں منذور بہ (یعنی جس کی نذر مانی ہو مثلاً روزہ وغیرہ) کا بعینہ ادا کرنا ضروری ہے اس میں کوئی کفارہ کافی نہ ہوگا، اور آخری قسم یعنی نذر لجاج میں ناذر کو اختیار ہے کہ وجود شرط کے بعد خواہ منذور بہ کو ادا کرے یا قسم کا کفارہ دے۔[۱]

---

(۱) فاذا الرجل علی نفسه حجة أو عمرة أو ماأشبهه ذالک مماهو طاعة لله عزوجل وکان النذر مرسلا یلزمه الوفاء بماسمی ولاتنفعه الکفارة بلاخلاف۔ وإن کان النذر معلقاً بالشرط إن کان شرطاًیرجی وجوده کجلب منفعة أودفع مضرة بأن قال ''إن شفی الله مریضی ،أورد الله غائبی، أومات عدوی فعلی صوم سنة ''فوجد الشرط لزمه الوفاء بماسمی ولایخرج عن العهدة بالکفارة بلاخلاف أیضاً...وإن کان النذر بشرط لایرید کونه فعلیه الوفاء بماسمی فی ظاهر الروایة عن أصحابنا وروی عن أبی حنیفة أنه رجع عن هذا القول وقال: فهو بالخیار إن شاء خرج عنه بعین ماسمی وإن شاء خرج عنه بالکفارة وهکذا روی عن محمد ومشائخ بلخ کانو ایفتون بهذا۔ (تاتارخانیہ: ۳/ ۲٦۷،زکریا) وهو علی نوعین منجز....ومعلق بشرط ثم المعلق بالشرط ان کان الشرط مرضیا کان قال ان شفی الله مریضی او قدم غائبی فعلّی ان أصوم یسمی نذر تردد وان کان الشرط مکروها کانّ قال ان کلمت زیدا فعلی ان أحج یسمی نذر لجاج.... واما نذر التردد فلایجزیه الا فعل عین المنذور به لانه إذا أراد وجود الشرط أراد وجود النذر فکان المعلق في معنی المنجز فیندرج في حکمه وهو وجوب الإیفاء وعدم جواز العدول عنه الی الکفارة فصار محمل مایقتضی الإیفاء ←

۵۴۲- **ضابطہ**: نذر معلق میں صیغۂ التزام ضروری نہیں، برخلاف نذر مطلق کے۔[1]

تشریح: جو نذر شرط پر معلق ہو اس میں صیغۂ التزام: مثلاً مجھ پر یہ عبادت لازم ہے یا نذر مانتا ہوں، یا اپنے اوپر فرض یا واجب کرتا ہوں وغیرہ کہنا ضروری نہیں، اگر صرف اتنا کہا کہ میرا یہ کام ہو گیا تو ایک سال کے روزے رکھوں گا تو یہ نذر ہو گئی اگر چہ اس میں التزام کا صیغہ نہ ہو کیونکہ تعلیق میں دلالتاً التزام موجود ہوتا ہے یہ استحسان ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

برخلاف نذر مطلق کے کہ اس میں جب تک صیغۂ التزام نہ ہو محض اتنا کہنے سے کہ میں روزہ رکھوں گا یا حج کروں گا نذر منعقد نہ ہو گی بلکہ یہ ایک وعدہ ہو گا۔ اس میں انعقاد نذر کے لئے التزام کا صیغہ جیسے میں اس عبادت کی نذر مانتا ہوں یا اپنے ذمہ اس عبادت کو لازم کرتا ہوں وغیرہ صیغۂ التزام کے ساتھ کہنا ضروری ہے۔[2]

استدراک: لیکن اگر سوال ہو کہ مثلاً کوئی یوں کہے: ''اگر حکومت اجازت دے گی تو میں حج کو جاؤں گا'' یا ''میرا لڑکا سفر سے آجائے گا تو حج کو جاؤں گا'' وغیرہ تو مسئلہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے نذر نہیں ہوتی ہے حالاں کہ ان میں بھی تعلیق موجود ہے جس کا تقاضہ یہ ہے کہ صیغۂ التزام کے بغیر بھی نذر ہو جانی چاہئے، تو جواب یہ ہے کہ عرفاً ہر تعلیق سے نذر مراد نہیں ہوتی ہے بلکہ شفاء امراض و دفع بلیات و حصول مقاصد وغیرہ کے ساتھ تعلیق ہو اور شکرانہ کے طور پر کوئی عبادت مقرر کی جائے تو اس سے نذر مراد

← المنجز ونذر التردد ومحمل ما يقتضي اجزاء الكفار نذر اللجاج.
(تفسیر مظهری: ۶/ ۲۸۴، سورة الحج، الاية ۲۹ المكتبة الشاملة)

(۱) (الأشباه و النظائر)

(۲) أما الصيغة فلله وعلى نذرت لله و انا افعل ان كان معلقا كانا احج ان دخلت الدار بخلاف انا احج منجزا (الاشباه و النظائر، البزازية على الهنديه: ۴/ ۳۱۴)

ہوتی ہے اور پیش کردہ مثالوں میں ایسی تعلیق نہیں ہے لہٰذا نذر منعقد نہ ہوگی۔ [1]

۵۴۳- **ضابطہ**: نذر میں ضروری ہے کہ جس کی نذر مانی جائے شرعاً اس کا وجود فی نفسہ ممکن ہو۔ [2]

تفریع: پس اگر کسی شخص نے رات میں روزہ رکھنے کی نذر مانی، یا کسی عورت نے زمانہ حیض میں روزہ کی نذر مانی تو یہ نذر منعقد نہ ہوگی، کیونکہ رات میں اور حیض کی حالت میں شرعاً روزہ فی نفسہ ممکن نہیں۔ کیونکہ رات روزے کا محل نہیں اور حیض ونفاس سے پاک ہونا صوم شرعی کے وجود کی شرط ہے۔ [3]

برخلاف عید الفطر کے دن یا ایام تشریق میں روزہ کی نذر مانی تو یہ نذر معتبر ہوگی کیونکہ اس میں ممانعت فی نفسہ نہیں بلکہ لغیرہ ہے، اور وہ "غیر" اللہ تعالیٰ کی ضیافت ہے، کہ روزہ رکھنے میں اس ضیافت سے اعراض لازم آتا ہے۔ البتہ اس پر واجب ہے کہ وہ اس دن روزہ نہ رکھے اور دوسرے دنوں میں اس کی قضاء کرلے۔

۵۴۴- **ضابطہ**: حرام اور ممنوع چیز کی نذر صحیح نہیں۔ [4]

تفریعات:

(۱) پس مروج قرآن خوانی کی نذر صحیح نہیں، کیونکہ وہ رسم اور بدعت ہے۔ [5]

---

(۱) (مستفاد: احسن الفتاویٰ: ۵/ ۴۸۷) (۲) (بدائع الصنائع: ۵/ ۸۲، شاملة)

(۳) (منها) أن يكون متصور الوجود في نفسه شرعا، فلا يصح النذر بما لا يتصور وجوده شرعا كمن قال: لله - تعالى - علي أن أصوم ليلا أو نهارا أكل فيه، وكالمرأة إذا قالت: لله علي أن أصوم أيام حيضي؛ لأن الليل ليس محل الصوم، والأكل مناف للصوم حقيقة والحيض مناف له شرعا؛ إذ الطهارة عن الحيض والنفاس شرط وجود الصوم الشرعي (بدائع الصنائع: ۵/ ۸۲)

(۴) (والنذر بالمعاصي لا يصح لما بينا (بدائع: ۵/ ۸۳)

(۵) (احسن الفتاویٰ: ۳/ ۴۸۰)

(۲) قبروں پر چادر، پھول یا ناریل چڑھانے وغیرہ کی نذر بھی درست نہیں کہ یہ بدعت اور ممنوع ہے۔

(۳) اسی طرح مروج مولود کی نذر بھی باطل ہے کہ شرعاً یہ بدعت، بے اصل اور ناجائز ہے۔(۱)

البتہ ان صورتوں میں نذر ماننے والے کو کفارۂ قسم ادا کرنا پڑے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: معصیت میں نذر کا اعتبار نہیں اور اس کا کفارہ کفارۂ یمین ہے، لا نذر فی معصیۃ اللہ و کفارتہ کفارۃ یمین۔(۲)

استثناء: لیکن اگر اپنے بیٹے یا کسی انسان کی قربانی کی نذر مانی تو یہ اگرچہ حرام و ممنوع ہے، مگر طرفین (امام ابوحنیفہ وامام محمدؒ) کے نزدیک استحساناً یہ نذر معتبر ہے اور اس صورت میں بجائے لڑکے کے کسی جانور کی قربانی اس پر واجب ہوگی، اونٹ کی قربانی افضل ہے ورنہ گائے کی پھر بکری کی۔(۳)

۵۴۵- **ضابطہ**: نذر زکوۃ کے وجوب کو مانع نہیں اور زکوۃ کا وجوب مال میں

(۱) (فتاویٰ محمودیہ: ۱۴/۱۱۶، أقبح منه النذر بقرأة المولود۔ شامی: ۲/۴۴۰ کتاب الصوم، مکتبہ سعید)

(۲) قال الحنفية والحنابلة :يجب على ناذر المعصية كفارة يمين ،لافعل المعصية بدليل حديث عمران بن الحصين وحديث أبي هريرة الثابت عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: :لانذر في معصية الله و كفارته كفارة يمين۔ (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۴۸۲، مكتبه الهدى ديوبند)

(۳) ولو قال: لله تعالى علي أن أنحر ولدي أو أذبح ولدي يصح نذره ويلزمه الهدي وهو نحر البدنة أو ذبح الشاة، والأفضل هو الإبل ثم البقر ثم الشاة... وهذا استحسان وهو قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله و القياس أن لا يصح نذره (بدائع: ۵/۸۵ شاملة)

صدقہ کو مانع نہیں۔ (۴)

تشریح: پس اگر کسی نے یہ منت مانی کہ اگر میرا یہ کام ہو گیا تو پچاس ہزار صدقہ ہے، اس کا کام ہو گیا، پھر پچاس ہزار پر سال گذر گیا اس کے بعد صدقہ کیا تو ان پچاس ہزار کی زکوۃ واجب ہوگی، کیونکہ منت زکوۃ کے وجوب کو مانع نہیں۔

اسی طرح اگر کسی پر زکوۃ واجب ہوئی اس نے بجائے زکوۃ ادا کرنے کے ایسے ہی صدقہ کر دیا تو یہ صدقہ درست ہے، زکوۃ کا وجوب اس صدقہ کو مانع نہ ہوگا اور زکوۃ بدستور ذمہ میں باقی رہے گی (البتہ اگر سارے مال کا صدقہ کر دے تو پھر زکوۃ ساقط ہو جاتی ہے) (۲)

کتاب اللقطة

تمہید: لقطہ کے معنی ہیں کسی چیز کو اٹھانا اور لینا، اصطلاح میں لقطہ کہتے ہیں کسی کا کھویا ہوا مال جسے دوسرا شخص اٹھا لے، خواہ وہ روپے پیسے ہو یا سونا چاندی یا کوئی اور سامان بلکہ لقطہ حیوان بھی ہوسکتا ہے جیسے گمشدہ اونٹنی، گائے، بکری وغیرہ۔ لقطہ کا حکم یہ ہے کہ اگر ضائع ہونے کا اندیشہ بلکہ غالب گمان ہے یعنی نہیں اٹھائے گا تو ضائع ہو جائے گا تو اس کا اٹھانا اور اصل مالک تک پہنچانا واجب ہے، اور اگر ضائع ہونے کا اندیشہ نہیں ہے اور اپنے آپ پر اطمینان بھی ہے کہ کما حقہ اس کی تشہیر کر سکے گا تو اٹھانا مستحب ہے اور اگر خود پر اطمینان نہیں ہے تو پھر اس کا ترک یعنی نہ اٹھانا اولیٰ ہے۔ (۳)

---

(۴) النذر لایمنع وجوب الزکوۃ و وجوب الزکاۃ لایمنع التصدق فی المال۔

(تاتارخانیة: ۳/ ۲۶۳ م: ۵۱ ۴۳۱، زکریا)

(۲) (مراقی الفلاح مع الطحطاوی: ۷۱۳، دار الکتاب دیوبند)

(۳) (ندب رفعها لصاحبها) إن أمن على نفسه تعريفها وإلا فالترك أولى...

(وواجب) أي فرض فتح وغيره (عند خوف ضياعها) (الدرالمختار) ←

۵۴۶-**ضابطہ**: لقطہ کو اپنے لئے اٹھانا بحکم غصب ہے اور مالک کے لئے اٹھانا بحکم امانت ہے۔[۱]

تفریع: پس اگر اپنے لئے اٹھایا اور ضائع ہوگیا یا اس میں کچھ نقصان آگیا تو اس قدر ضمان اس پر واجب ہوگا۔

اور اگر مالک کو پہنچانے کی غرض سے اٹھایا اور بغیر کسی کوتاہی اور تعدی کے ہلاک ہوگیا تو اس پر ضمان واجب نہ ہوگا لیکن اگر ہلاکت میں اس کی کوتاہی کا دخل ہو تو ضامن ہوگا جیسا کہ امانت کا حکم ہے۔

اور اس بات کی پہچان کہ اس نے اپنے لئے اٹھایا ہے یا مالک کے لئے تو وہ دو طرح سے ہوسکتی ہے ایک یہ کہ: مالک خود اس کی تصدیق کرے کہ اس نے نیک نیتی سے اٹھایا تھا نہ کہ بد نیتی سے، دوسرے یہ کہ: اٹھانے والا لوگوں میں یہ اعلان کردے کہ میں نے لقطہ اٹھایا ہے یا میرے پاس لقطہ کی یہ چیز ہے جو شخص اس کا متلاشی ہو اس کو میرے پاس بھیج دیا جائے فقہ کی اصطلاح میں اس کو "اشہاد" کہا جاتا ہے اور اس کے قائل امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں جبکہ صاحبینؒ فرماتے ہیں لقطہ اٹھانے والا قسم کھا کر کہہ

← وفي الشامية:(قوله: فتح وغيره) أي كالخلاصة والمجتبى، لكن في البدائع أن الشافعي قال: إنه واجب وهو غير سديد، لأن الترك ليس تضييعا بل امتناع عن حفظ غير ملتزم كالامتناع عن قبول الوديعة اهـ وأشار في الهداية إلى التبري من الوجوب بقوله وهو واجب إذا خاف الضياع على ما قالوا بحر ملخصا، وجزم في النهر بأن ما في البدائع شاذ وأن ما في الخلاصة جرى عليه في المحيط والتتارخانية والاختيار وغيرها. اهـ. قلت: وكذا في شرح الوهبانية تبعا للذخيرة (قوله: عند خوف ضياعها) المراد بالخوف غلبة الظن كما نقلناه (شامي: ۲۷۶/۴)

---

(۱) (بدائع: ۲۰۱/۶، شاملہ)

دے کہ میں نے یہ لقطہ بدنیتی سے نہیں اٹھایا تو کافی ہے اور غصب کے الزام سے وہ بری ہوجائے گا۔ (۱)

۵۴۷-**ضابطہ**: لقطہ کو اٹھا کر اس کی جگہ رکھ دینے سے ذمہ ساقط ہوجاتا ہے خواہ اٹھا کر وہیں رکھدیا ہو یا دوسری جگہ لے جا کر پھر واپس لایا ہو اور خواہ پھر رکھنے میں اس کی ہلاکت کا اندیشہ ہو یا نہ ہو۔ (۲)

تشریح: یہ ظاہر الروایت ہے اور یہی راجح ہے جبکہ بعض مشائخ کا قول یہ ہے کہ اگر دوسری جگہ لے جا کر پھر لوٹا یا تو ضامن ہوگا اور بعض نے تو مطلقاً ضمان کا کہا ہے۔

اور خانیہ میں ہے کہ ظاہر الروایت کا یہ حکم اس وقت ہے کہ اس نے تشہیر کی نیت سے اٹھایا ہو اگر خود کے استعمال کی نیت سے اٹھایا تو پھر مالک تک پہنچانا ضروری ہوجائے گا اب لوٹانے سے بری نہ ہوگا۔ (۳)

(۱)أما حالة الأمانة: فهي أن يأخذها لصاحبها لأنه أخذها على سبيل الأمانة فكانت يده يد أمانة كيد المودع وأما حالة الضمان: فهي أن يأخذها لنفسه لأن المأخوذ لنفسه مغصوب وهذا لا خلاف فيه وإنما الخلاف في شيء آخر وهو أن جهة الأمانة إنما تعرف من جهة الضمان إما بالتصديق أو بالإشهاد عند أبي حنيفة وعندهما بالتصديق أو باليمين حتى لو هلكت فجاء صاحبها وصدقه في الأخذ له لا يجب عليه الضمان بالإجماع، وإن لم يشهد؛ لأن جهة الأمانة قد ثبتت بتصديقه وإن كذبه في ذلك فكذا عند أبي يوسف ومحمد أشهد أو لم يشهد ويكون القول قول الملتقط مع يمينه، وأما عند أبي حنيفة فإن أشهد فلا ضمان عليه؛ لأنه بالإشهاد ظهر أن الأخذ كان لصاحبه فظهر أن يده يد أمانة وإن لم يشهد يجب عليه الضمان ولو أقر الملتقط أنه أخذها لنفسه يجب عليه الضمان؛ لأنه أقر بالغصب والمغصوب مضمون على الغاصب. (بدائع:۶/۲۰۱ شاملہ)

(۲)(بدائع:۶/۲۰۱ شاملۃ، شامی: ۴/۲۷۷، شاملہ)

(۳)ولو أخذ اللقطة ثم ردها إلى مكانها الذي أخذها منه لا ضمان عليه في ←

۵۴۸-**ضابطہ**: لقطہ میں اعلان کی کوئی تحدید نہیں بلکہ ملتقط کی رائی پر موقوف ہے جب تک اس کو امید مالک کے آنے کی ہو اعلان کرتا رہے اور جب یہ ظن غالب ہو جائے کہ اب اس کا مالک نہیں آئے گا صدقہ کردے۔[1]

تشریح: اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ لقطہ کی قدر و قیمت کے اعتبار سے اعلان کی مدت میں کمی بیشی ہوگی اگر سو درہم سے زیادہ کا لقطہ ہو تو ایک سال اعلان کرے اور دس درہم کی مالیت کا ہو تو ایک ماہ تک اور تین دراہم کے بقدر ہو تو ایک ہفتہ تک اعلان کرے، مگر یہ کہ کوئی چیز خراب ہونے والی ہو تو اس مدت کا انتظار نہ کرے خراب ہونے سے پہلے ہی صدقہ کردے۔ جبکہ امام محمد نے مبسوط میں قلیل اور کثیر کی کوئی تفصیل نہیں کی ہے اور لقطہ میں مطلقاً ایک سال کی حد بیان کی ہے۔
لیکن صحیح یہ ہے کہ اس میں مدت کی کوئی تحدید نہیں بلکہ اٹھانے والے کی رائی پر

← ظاهر الرواية وكذا نص عليه محمد في الموطأ، وبعض مشايخنا - رحمهم الله - قالوا: هذا الجواب فيما إذا رفعها ولم يبرح عن ذلك المكان حتى وضعها في موضعها فأما إذا ذهب بها عن ذلك المكان ثم ردها إلى مكانها يضمن وجواب ظاهر الرواية مطلق عن هذا التفصيل مستغن عن هذا التأويل. (بدائع: ۲۰۱/۶، شاملة) (قوله: لم يضمن في ظاهر الرواية) هذا إذا أخذها ليعرفها فلو ليأكلها لا يبرأ ما لم يردها إلى ربها كما في [نور العين] عن الخانية، وقدمناه عن كافي الحاكم، وأطلقه فشمل ما إذا ردها قبل أن يذهب بها أو بعده. قال في الفتح: وقيده بعض المشايخ بما إذا لم يذهب بها، فلو بعده ضمن، وبعضهم ضمنه مطلقا، والوجه ظاهر المذهب اهـ وشمل أيضا ما لو خاف بإعادتها الهلاك، وهو مؤيد لما استظهره في النهر (شامی: ۲۷۷/۴، شاملة)

(۱) وقيل إن هذه المقادير كلها ليست بلازمة، وإنما يعرفها مدة يقع بها التعريف وعليه الفتوى (الجوهرة النيرة: ۳۵۶/۱، شاملة)

موقوف ہے جب تک مالک کے آنے کی اس کو توقع ہو اعلان کرتا رہے، اور جب غالب گمان یہ ہو جائے کہ اس کا مالک اب نہ آئے گا اس کو صدقہ کر دے خواہ وہ چیز قیمتی ہو یا سستی ہو اور اگر چہ یہ غالب گمان اس کو ایک ہفتہ میں حاصل ہو یا ایک ماہ میں یا اس سے زائد مدت میں، یہ غیر ظاہر الراویت ہے اور شمش الائمہ سرخسی نے اسی روایت کو اختیار کیا ہے، ہدایہ میں اسی کو صحیح کہا ہے اور ینابیع اور جوہرہ وغیرہ میں ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔(۱)

اور اعلان سے مراد یہ ہے کہ بازار یا مساجد کے دروازوں پر یا جہاں لوگوں کی گذرگاہ ہو وہاں اعلان کرے، آج کل اخبار، ریڈیو، ٹی وی وغیرہ بھی تشہیر کے ذرائع ہیں لقطہ کی اہمیت و قیمت کے لحاظ سے ان کا بھی انتخاب کیا جا سکتا ہے۔ لیکن مسجد کے اندر اعلان نہ کرے کہ یہ مسجد کے آداب کے خلاف ہے، آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ

---

(۱) (فإن كانت) اللقطة (أقل من عشرة دراهم عرفها) : أي نادى عليها حيث وجدها، وفي المجامع (أياما) على حسب رأى الملتقط، بحيث يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعدها (وإن كانت عشرة فصاعداً عرفها حولا) قال في الهداية: وهذه رواية عن أبي حنيفة، وقدر محمد في الأصل بالحول من غير تفصيل بين القليل والكثير، ثم قال: وقيل: الصحيح أن شيئا من هذه المقادير ليس بلازم، ويفوض إلى رأى الملتقط، يعرفها إلى أن يغلب على ظنه أن صاحبها لا يطلبها بعد ذلك، اهـ. ومثله في شرح الأقطع قائلا: وهذا اختيار شمس الأئمة، وفي الينابيع: وعليه الفتوى، ومثله في الجواهر (اللباب في شرح الكتاب: ۲/ ۲۰۸) ولم يجعل للتعريف مدة اتباعا لشمس الأئمة السرخسي فإنه بنى الحكم على غالب الرأي فيعرف القليل والكثير إلى أن يغلب على رأيه أن صاحبه لا يطلبه بعد ذلك وصححه في الهداية وقال في البزازية والجوهرة وعليه الفتوى وهو خلاف ظاهر الرواية (البحر الرائق: ۵/ ۱۶۴، شاملة)

جس کسی کو سنو کہ وہ مسجد میں اپنی گمشدہ چیز کا اعلان کرتا ہے تو کہہ دو "لاَ رَدَّھَا اللہ عَلَیْکَ" اللہ تعالیٰ تیری چیز واپس نہ کریں![1] اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ لقطہ اٹھانے والے کو حکم دیتے تھے کہ مسجد کے دروازہ پر اعلان کرے۔[2]

البتہ جو چیز مسجد کے اندر ہی میں گم ہو یا جو لقطہ وہاں سے ملے اس کا اعلان مسجد میں جائز ہے، لیکن ضروری ہے کہ مسجد کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے شور و شغب سے مکمل اجتناب ہو۔[3]

فائدہ (۱): پھر اعلان و تشہیر کے بعد لقطہ کا مالک آجائے اور گواہ پیش کردے تو اس کو وہ لقطہ حوالہ کرنا واجب ہے اور اگر گواہ پیش نہ کرسکے لیکن اس کی علامات بتلادے تو حوالہ کرنا جائز ہے تاہم واجب نہیں واجب اس وقت ہے جب وہ گواہ پیش کردے اس لئے لقطہ اٹھانے والے کو یہ حق ہے کہ جب تک مدعی گواہ پیش نہ کردے وہ لقطہ اس کے حوالہ نہ کرے۔[4]

---

(۱)(مسلم شریف : ۱/ ۳۹۷، حدیث ۵۶۸، باب النهی عن نشد الضالة فی المسجد، شاملة) (۲)(المغنی:۶/ ۵)

(۳) و أما إنشاد الضالة فله صورتان : إحداهما: وهی أقبح و أشنع بأن یضل شیء خارج المسجد ثم ینشده فی المسجد لأجل اجتماع الناس فیه ۔ و الثانیة: أن یضل فی المسجد نفسه فینشده فیه وهذا یجوز إذا كان من غیر لغط و شغب ۔ (معارف السنن، ابواب الصلوة، باب ماجاء فی كراهیة البیع و الشراء وإنشاد الضالة فی المسجد: ۳/ ۳۱۳، مكتبه سعید ؛هكذا فی العرف الشذی : ۱/ ۸۰، مكتبه سعید)

(۴)(وإذا حضر رجل فادعی أن اللقطة له لم تدفع إلیه) بمجرد دعواه (حتی یقیم البینة) اعتبارا بسائر الدعاوی (فإن أعطی علامتها حل للملتقط أن یدفعها إلیه) لأن الظاهر أنها له (ولا یجبر علی ذلك فی القضاء) لأن غیر المالك قد یعرف وصفها (اللباب فی شرح الكتاب: ۲/ ۲۱۱، شاملة)

اور واپس کرتے وقت ملتقط کا مالک سے کوئی معاوضہ طلب کرنا جائز نہیں، تاہم مالک انعاماً اس کو کچھ دیدے تو وہ اس کے حسن اخلاق میں سے ہوگا، البتہ اگر مالک نے یہ اعلان کیا ہو کہ جو شخص میری گمشدہ چیز لا کر دے گا میں اس کو اتنا اتنا انعام دوں گا تو تاتارخانیہ میں ہے اس صورت میں اٹھانے والا اجرت مثل کا مستحق ہوگا کیونکہ یہ اجارہ فاسدہ ہے اور اجارۂ فاسدہ میں مستاجر اجرت مثل کا مستحق ہوتا ہے (لیکن اگر مالک اپنی خوشی سے وہ مقررہ انعام دیتا ہے تو ملتقط کے لئے لینے میں کوئی حرج نہیں، مگر مطالبہ جائز نہیں)[1]

اور اگر مالک کے آنے کی توقع نہ ہو یا اس چیز کے بگڑنے کا اندیشہ ہو تو غریب مستحق کو صدقہ کردے اگر خود غریب ہو تو خود بھی کام میں لے سکتا ہے، مگر مالک آکر ملتقط سے یا جس فقیر کو صدقہ کیا گیا ہے اس سے مانگ سکتا ہے وہ چیز موجود نہ ہو تو اس کی قیمت لے سکتا ہے۔ پھر مالک جس کسی سے بھی وصول کرے ملتقط سے یا فقیر سے اب وہ دوسرے سے رجوع نہیں کرے گا یعنی اگر اس نے ملتقط سے وصول کیا ہے تو وہ فقیر سے رجوع نہیں کرے گا اور فقیر سے لیا ہے تو وہ ملتقط سے رجوع نہیں کرے گا کیونکہ ان دونوں میں سے ہر ایک مالک کا ضامن تھا ملتقط تو بلا اجازت مالک صدقہ کرنے سے اور فقیر بلا اجازت مالک قبول کرنے سے۔[2]

(۱) وفي المنح: ولو التقط لقطة أو وجد ضالة فرده على أهله لم يكن له جعل وإن عوضه شيئا فحسن ولو قال من وجده فله كذا فأتى به إنسان يستحق أجرة مثله كما في التتارخانية (مجمع الانہر: ۱/۷۰۶)

(۲) (فإن جاء ربها بعده) أي بعد التصدق بعد التعريف مدته (أجازه) أي التصدق ربها (إن شاء) ولو بعد هلاكها لأن التصدق وإن حصل بإذن الشرع لكن لم يحصل بإذنه فيتوقف على إجازته وإنما قيدنا ولو بعد هلاكها لئلا يتوهم اشتراط قيامها للإجازة وليس ذلك بشرط (وأجره له) أي ثواب التصدق ←

فائدہ (۲): گھڑی ساز کے یہاں لوگ گھڑی ٹھیک کرنے اسی طرح کاریگر کے پاس اپنی مشینیں صحیح کرنے دیتے ہیں اور کبھی ان میں کوئی ایسا مالک ہوتا ہے کہ وہ اپنی چیز واپس لینے نہیں آتا ہے اور نہ اس کے متعلق کچھ علم ہوتا ہے کہ وہ کون تھا اور کہاں رہتا ہے، اسی طرح اخبار ورسائل کی پیشگی قیمت دینے کے بعد بعض مرتبہ اس مشتری کا کوئی اتا پتہ نہیں ہوتا ہے اور نہ اس کا کوئی وارث معلوم ہوتا ہے، اسی طرح سیلاب کے پانی میں بہہ کر آنے والی چیز کا مالک بھی نامعلوم ہوتا ہے تو یہ تمام چیزیں لقطہ کے حکم میں ہیں ان سب میں وہی حکم جاری ہوگا جو اوپر بیان ہوا۔

۵۴۹- **ضابطہ:** ہر وہ چیز جس میں فساد جلدی طاری نہیں ہوتا ہے اور اس کو پھینکنے کی لوگوں میں عادت بھی نہیں ہے تو اگر قابل قیمت چیز ہے تو مالک تک پہنچانا ضروری ہے، ورنہ ضروری نہیں۔

تفریع: جیسے ایندھن کی لکڑیاں اخروٹ وغیرہ اگر زیادہ مقدار میں ہیں اور قابل قیمت ہیں تو لقطہ ہے مالک تک پہنچانا ضروری ہے، اگر چہ وہ چیز منتشر ہو اور ایک ایک جمع کر کے قابل قیمت ہوئی ہو۔ اور اگر قابل قیمت نہ ہو تو وہ لقطہ نہیں ہے پس اس میں اعلان ضروری نہیں خود کام میں لاسکتا ہے تاہم مالک آکر مانگے تو دینا ضروری ہے۔

برخلاف سیب، امرود وغیرہ اشیائے خوردنی جو پانی میں بہہ کر جارہی ہوں تو ان کو

← له (أو ضمن الملتقط) لأنه سلم ماله إلى غيره بغير إذنه ولو بأمر القاضي وهو الصحيح لأن أمره لا يكون أعلى من فعله والقاضي لو تصدق بها كان له أن يضمنه (أو) ضمن (الفقير لو) كانت (هالكة) قيد لهما جميعا لأنه قبض ماله بغير إذنه (وأيهما ضمن لا يرجع على الآخر) لأن كلا منهما ضامن بفعل الملتقط بالتسليم بغير إذن صاحبها والفقير بالتسليم بدون إذنه (ويأخذها) أي المالك اللقطة (منه) أي من الفقير (إن) كانت (باقية) لأنه وجد عين ماله. (مجمع الانهر: ۱/ ۲۰۶، شاملة)

نکال کر کھا سکتے ہیں کہ ان میں فساد طاری ہوجاتا ہے اور نہ نکالیں گے تو بگڑ کر یوں ہی برباد ہوجائیں گی۔

اور برخلاف کھجور، آم وغیرہ کی گٹھلیاں اور پانی اور کولڈ رینک وغیرہ کی بوتلیں جنہیں لوگ عادتاً پھینک دیتے ہیں تو وہ لقطہ نہیں اگرچہ کافی مقدار میں جمع کرنے کے بعد قابل قیمت ہوگئی ہوں پس ان کو استعمال کر سکتا ہے۔ (۱)

کتاب اللقیط

تمہید: لقیط اسم مفعول ملقوط کے معنی میں ہیں یعنی اٹھایا ہوا بچہ، اصطلاح میں وہ لاوارث پڑا ہوا بچہ ہے جس کو عموماً فقر و محتاجی یا تہمت زنا کی جہ سے یوں ہی پھینک دیا جاتا ہے اور اس کے والدین کا کوئی اتا پتہ نہیں ہوتا ہے۔ ایسے بچہ کو اٹھالینا فرض کفایہ ہے اگر کسی نے نہیں اٹھایا اور اس کی جان چلی گئی تو اس علاقہ کے تمام لوگ جن کو علم ہوگا سب گنہگار ہوں گے اور جو کوئی اٹھائے گا وہ ایک انسانی زندگی بچانے کی وجہ سے مستحق ثواب ہوگا اور دوسرے لوگ بھی گناہ سے محفوظ ہوجائیں گے۔ (۲)

---

(۱) ذكر في شرح الوهبانية ضابطا، وهو أن ما لا يسرع إليه الفساد ولا يعتاد رميه كحطب وخشب فهو لقطة إن كانت له قيمة ولو جمعه من أماكن متفرقة في الصحيح كما لو وجد جوزة ثم أخرى وهكذا حتى بلغ ماله قيمة، بخلاف تفاح أو كمثرى في نهر جار فإنه يجوز أخذه وإن كثر؛ لأنه مما يفسد لو ترك، وبخلاف النوى إذا وجد متفرقا وله قيمة فيجوز أخذه؛ لأنه مما يرمى عادة فيصير بمنزلة المباح ولا كذلك الجوز، حتى لو تركه صاحبه تحت الأشجار فهو بمنزلته (شامی: ۴/ ۲۸۴، شاملہ)

(۲) (هو) لغة ما يلقط فعيل بمعنى مفعول ثم غلب على الولد المنبوذ باعتبار المآل وشرعا (اسم لحي مولود طرحه أهله خوفا من العيلة أو فرارا من تهمة ←

۵۵۰-ضابطہ: جس صورت میں لقیط کا مسلمان ہونا ممکن ہو خواہ علامات سے یا مسلمانوں کے علاقہ میں ملنے سے یا اٹھانے والے کے مسلمان ہونے سے اس کو مسلمان ہی تصور کیا جائے گا۔

تشریح: لقیط کے مسلمان یا کافر شمار کرنے میں روایات مختلف ہیں ظاہر الراوایت یہ ہے کہ اس میں جگہ کا اعتبار ہوگا یعنی مسلمانوں کی بستی یا محلہ میں پایا گیا تو وہ مسلمان ہے اور کفار کے علاقہ میں پایا گیا تو وہ کافر ہے، جبکہ ابن سماعہ کی روایت میں جو امام محمدؒ سے منقول ہے یہ ہے کہ اٹھانے والا کا اعتبار ہوگا یعنی اگر اٹھانے والا مسلمان ہے تو لقیط مسلمان ہے اور اگر کافر ہے تو وہ کافر ہے خواہ مسلمانوں کے علاقہ سے اس نے اٹھایا ہو یا کفار کے علاقہ سے۔

اور فتح القدیر میں ہے کہ جس صورت میں بھی لقیط کا مسلمان ہونا ممکن ہو خواہ علامات سے یا مسلمانوں کے علاقہ میں ملنے سے یا اٹھانے والے کے مسلمان ہونے سے اس کو مسلمان ہی شمار کریں گے اور رعایتاً اس کے اسلام سے عدول نہیں کیا جائے گا پس ایک ہی صورت میں وہ کافر ہوگا وہ کہ اٹھانے والا کافر ہو اور لقیط کفار کے علاقہ میں پایا گیا ہو اور اسلام کی کوئی علامت بھی اس پر نہ ہو، اس کے علاوہ باقی تمام صورتوں میں وہ مسلمان شمار ہوگا، علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کنز وغیرہ کا ظاہر یہی ہے اور بحر میں بھی یہی ہے کہ حتی الامکان اس کو مسلمان تسلیم کرنے سے عدول نہیں کیا جائے گا۔ (۱)

← الريبة) مضيعه آثم محرزه غانم (التقاطه فرض كفاية إن غلب على ظنه هلاكه لو لم يرفعه) ولو لم يعلم به غيره ففرض عين (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۲۶۹/۴، شاملة)

(۱) اختلفت الرواية ففي كتاب اللقيط العبرة للمكان لسبقه ولأن المسلم لا يضع ولده في البيعة ولا الكافر في المساجد وفي رواية ابن سماعة عن محمد العبرة للواجد لقوة اليد (كنز الدقائق على هامش تبيين الحقائق: ←

پھر جب اس کا مسلمان ہونا ثابت ہوگا تو اس کی موت پر نماز جنازہ پڑھی جائے گی اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا اور دیگر احکام اسلام اس کے لئے ثابت ہوں گے۔

۵۵۱- **ضابطہ:** لقیط کا نسب ہر اس شخص سے ثابت ہو جائے گا جو اس کا دعویٰ کرے خواہ وہ مدعی مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ اس کے پاس گواہ موجود ہوں یا نہ ہوں بشرطیکہ تکذیب کی کوئی وجہ نہ ہو۔

تشریح: لقیط کے اثبات نسب میں وسعت ہے یہاں تک کہ جو کوئی بھی دعویٰ کرے اس سے نسب ثابت ہو جاتا ہے خواہ وہ مدعی مسلم ہو یا غیر مسلم اور خواہ اس کے پاس گواہ اور ثبوت ہو یا نہ ہو لیکن بظاہر اس کی تکذیب کی کوئی وجہ بھی نہ ہو کیونکہ اس میں لقیط کا فائدہ ہے کہ وہ مجہول النسب نہ رہے گا، اور شرافت نسب بھی حاصل ہوگی، اور خود مدعی کا بھی فائدہ ہے کہ اسے اس لقیط سے تقویت حاصل ہوگی اور قاعدہ ہے کہ جس دعویٰ میں مدعی کا فائدہ ہو اور دوسرے کا نقصان نہ ہو تو اسے بلا ثبوت بھی قبول کیا جاتا ہے۔[1]

← ۲۹۹/۳، شاملة) (قوله فظاهر الرواية اعتبار المكان) أي في الصورتين وفي بعض نسخ المبسوط اعتبر الواجد، وفي بعضها اعتبر الإسلام أي ما يصير به الولد مسلما نظرا له، ولا ينبغي أن يعدل عن ذلك. وقيل يعتبر بالسيما والزي فتح. وعلى ما رجحه في الفتح يصير مسلما في ثلاث صور، وذميا في صورة واحدة وهي ما لو وجده ذمي في مكانهم وهو ظاهر الكنز وغيره. وقال في البحر أيضا: ولا يعدل عنه (شامي: ۲۷۳/۴، شاملة)

(۱) وجه الاستحسان: أنه عامل أخبر بأمر محتمل الثبوت وكل من أخبر عن أمر والمخبر به محتمل الثبوت يجب تصديقه تحسينا للظن بالمخبر، هو الأصل إلا إذا كان في تصديقه ضرر بالغير وههنا في التصديق وإثبات النسب نظر من ←

چنانچہ اگر مسلمانوں کے علاقہ میں پایا جائے اور کوئی کافر اس کے نسب کا دعویٰ کرے تو استحساناً اس کافر سے بھی نسب ثابت ہو جائے گا اگرچہ قیاس کا تقاضہ یہ ہے کہ یہاں کافر سے نسب ثابت نہیں ہونا چاہئے کیونکہ اس میں لقیط کے اس اسلام کی نفی ہوتی ہے جو مسلمانوں کے علاقہ میں پائے جانے سے ثابت ہوا تھا، استحسان کی وجہ یہ ہے کہ کافر کا دعویٰ دو چیزوں کو متضمن ہے ایک نسب جس میں لقیط کا فائدہ ہے دوسرے اسلام کی نفی جس میں لقیط کا نقصان ہے لیکن کافر سے ثبوت نسب میں صغیر کا کافر ہونا لازم نہیں آتا ہے یہ بھی ممکن ہے کہ صغیر مسلمان ہو اور اس کا باپ کافر ہو جیسا کہ کسی بچہ کی ماں تنہا مسلمان ہو جائے تو ماں کی تبعیت میں وہ بچہ مسلمان شمار ہوتا ہے جبکہ اس کا باپ کافر ہوتا ہے، پس مذکور صورت میں ہم کافر کے اس دعویٰ کی تصدیق کریں گے جس میں لقیط کا فائدہ ہے اور وہ دعویٰ نسب ہے، اور اس دعویٰ کی نفی کریں گے جس میں لقیط کا نقصان ہے اور وہ دعویٰ کفر ہے۔[1]

← الجانبين جانب اللقيط بشرف النسب والتربية والصيانة عن أسباب الهلاك وغير ذلك، وجانب المدعي بولد يستعين به على مصالحه الدينية والدنيوية، وتصديق المدعي في دعوى ماينتفع به ولا يتضرر به غيره بل ينتفع به لا يقف على البينة، وسواء كان المدعي مسلما أو ذميا أو عبدا حتى لو ادعى نسبه ذمي تصح دعوته (بدائع الصنائع: ۱۹۹/۶)

(۱) (و) يثبت نسبه (من ذمي و) لكن (هو مسلم) استحسانا (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: استحسانا) والقياس أن لا يثبت نسبه؛ لأن فيه نفي إسلامه الثابت بالدار. وجه الاستحسان أن دعواه تضمنت شيئين: النسب وهو نفع للصغير ونفي الإسلام الثابت بالدار وهو ضرر به، وليس من ضرورة ثبوت النسب من الكافر الكفر لجواز مسلم هو ابن كافر، بأن أسلمت أمه فصححنا دعواه فيما ينفعه دون ما يضره فتح (شامي: ۲۷۳/۴، شامله) (بدائع الصنائع: ۱۹۹/۶، شامله)

اگر دو تین افراد نسب کا دعویٰ کریں اور ہر ایک کے پاس ثبوت شرعی ہو، اور قرائن وغیرہ سے ترجیح کی کوئی صورت نہ ہو تو ان سب سے نسب ثابت مانا جائے گا اور نسب کے احکام جاری ہوں گے۔ (۱)

البتہ کوئی عورت دعویٰ کرے تو اس سے ثبوت نسب میں ضروری ہے کہ اس کا شوہر اس کی تصدیق کرے یا دائی اس کی شہادت دے یا خود عورت دو گواہوں کو پیش کردے، پس ان تین میں سے کوئی ایک صورت پائی گئی تو لقیط کا نسب اس عورت سے ثابت ہوگا ورنہ ثابت نہ ہوگا، اور عورت کے دعویٰ میں یہ ثبوت اس لئے ضروری ہے کہ عورت کا یہ دعویٰ نسب صرف اس کی ذات تک محدود نہیں رہتا ہے بلکہ وہ اگر کسی کو اپنا بیٹا قرار دیتی ہے تو گویا وہ اپنے شوہر کو بھی اس کا باپ قرار دیتی ہے۔ (۲)

۵۵۲- ضابطہ: لقیط اور لقطہ پر خرچ کرنے میں ملتقط متبرع ہوگا۔

تفریع: پس کسی حیوان کو یا انسانی بچہ کو اٹھانے والے کے لئے حق نہ ہوگا کہ اس نے جو کچھ اس لقطہ اور لقیط پر خرچ کیا ہے وہ جانور کے مالک سے یا بچہ کے والد سے یا اس کے ولی سے یا خود اس بچہ سے [اس کے بالغ ہونے کے بعد] اس خرچ کا مطالبہ کرے، کیونکہ وہ اس خرچ میں متبرع (احسان کرنے والا) ہوتا ہے اس کا یہ نفقہ قابل ضمان نہیں ہے۔ مگر یہ کہ قاضی کی اجازت سے اس نے خرچ کیا ہو تو پھر اس کے لئے مذکور خرچ کا مذکور لوگوں سے مطالبہ کا حق ہوگا کیونکہ قاضی کی اجازت کے بعد یہ نفقہ قابل ضمان ہوجاتا ہے۔ (۳)

(۱) لو ادعی أكثر من رجلين لم يثبت منه عند أبي يوسف وأما عند محمد فيثبت من الثلاث لا الأكثر وعن الإمام يثبت من الأكثر. (مجمع الانہر: ۱/ ۷۰۳، شاملہ)

(۲) فإن كانت امرأة فادعته أنه ابنها فإن صدقها زوجها أو شهدت لها القابلة أو قامت البينة صحت دعوتها وإلا فلا؛ لأن فيه حمل نسب الغير على الغير وإنه لا يجوز (بدائع الصنائع: ۶/ ۲۰۰، شاملہ) ←

فائدہ: اگر ملتقط پر جانور کے چارہ پانی کی استطاعت نہ ہو یا اندیشہ ہو کہ خرچ جانور کی قیمت کو مستغرق ہو جائے گا تو قاضی کی اجازت سے اس کو بیچ کر اس کی قیمت مالک کے لئے محفوظ کر لے۔

اسی طرح لقیط (اٹھائے ہوئے بچے) کا نفقہ بھی ملتقط خود ادا کرتا ہے تو احسان کرنے والا ہوگا ورنہ دراصل اس کا نفقہ بیت المال کے ذمہ ہے۔[1] اور جہاں بیت المال کا نظام نہ ہو اور سرکار بھی اس کی ذمہ دار نہ ہو تو اگر اس لقیط کو ضابطہ: ۵۵۰؍ میں بیان کے موافق مسلمان تصور کیا گیا ہے تو اس کا نفقہ اصول کے لحاظ سے علمۃ المسلمین پر آنا چاہئے، ورنہ علمۃ الناس پر۔ (مؤلف)

← (۳)(وهو في الإنفاق على اللقيط واللقطة متبرع) لقصور ولايته (إلا إذا قال له قاض أنفق لترجع) فلو لم يذكر الرجوع لم يكن دينا في الأصح (أو يصدقه اللقيط بعد بلوغه) كذا في المجمع أي يصدقه على أن القاضي قال له ذلك لا ما زعمه ابن الملك نهر، والمديون رب اللقطة وأبو اللقيط أو سيده أو هو بعد بلوغه (الدر المختار: ۴/ ۲۸۱، شاملة)

(۱)(مستفاد: بدائع: ۶/ ۲۰۳، شاملہ)

کتاب الوقف

۵۵۳-ضابطہ: صحت وقف کے لئے وہ سب شرائط لازم ہیں جو تمام تبرعات میں لازم ہیں۔[1]

تشریح: پس ہدیہ، قرض، عاریت وغیرہ اقسام تبرعات میں جو شرائط: مثلاً متبرع کا عاقل، بالغ، آزاد وغیرہ ہونا لازم ہیں وقف میں بھی یہ سب شرائط لازم ہوں گی، کیونکہ وقف بھی ایک گونہ تبرع ہے۔

پس نابالغ، مجنون، غلام، مکرہ یعنی جس پر زبردستی کی گئی ہو اسی طرح بیہوش اور سونے والے کا وقف معتبر نہ ہوگا، ان کی ملکیت اس شیء موقوف پر سے ختم نہ ہوگی، کیونکہ ان میں تبرع کی اہلیت نہیں ہے۔

اور کافر کا وقف صحیح ہے کیونکہ تبرع کی صحت کے لئے اسلام شرط نہیں۔[2]

استدراک: تاہم کافر کے وقف کے سلسلہ میں کتب فقہ وفتاویٰ میں اختلاف ہے وجہ اس کی یہ ہے کہ وقف میں ایک جہت قربت کی بھی ہے یعنی کار ثواب کی نیت سے وقف کرنا اور مسجد وغیرہ کے وقف کا کار ثواب ہونا کافر کے مذہب میں نہیں ہے البتہ خود اس کی ذاتی رائے واعتقاد میں کار ثواب ہوسکتا ہے پس جن حضرات نے پہلی

---

(۱)(وشرطه شرط سائر التبرعات) كحرية وتكليف الخ (الدر المختار: ۳۴۰/۴، شاملة)وشرائطه أهلية الواقف للتبرع من كونه عاقلا بالغاًالخ (البحر: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۲) أما الاسلام فليس من شرطه فيصح وقف الذمي بشرط كونه قربة الخ (البحر الرائق: ۳۱۶/۵، رشيديه)

بات کا اعتبار کیا ان کے نزدیک کافر کا وقف صحیح نہیں اور جنھوں نے دوسری بات یعنی کافر کی ذاتی رائے کا اعتبار کیا ان کے نزدیک اگر کافر بنیت قربت مسلمانوں کے لئے مسجد وغیرہ کا وقف کرتا ہے تو یہ صحیح ہے، اردو فتاویٰ میں: فتاویٰ رشیدیہ، کفایت المفتی، فتاویٰ محمودیہ وغیرہ میں کافر کے وقف کی صحت کا فتویٰ دیا گیا ہے، جبکہ فتاویٰ دار العلوم، امداد الفتاویٰ وغیرہ میں عدم صحت کا فتویٰ مذکور ہے۔

حضرت الاستاذ مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری دامت برکاتہم نے فتاویٰ دار العلوم: ۱۴؍۴۳ پر کافر کے وقف کے سلسلہ میں ایک چشم کشا حاشیہ تحریر فرمایا ہے جس میں مذکور اختلاف کو بیان کرتے ہوئے دلائل کی روشنی میں صحت کے فتویٰ کو راجح قرار دیا ہے، تفصیل کے لئے وہ حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

۵۵۴- **ضابطہ**: وقف کردہ چیز واقف کی ملکیت سے نکل کر براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں آجاتی ہے۔

تشریح: یوں تو ہر چیز کے مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں لیکن انہوں نے انسان کو کچھ چیزوں کا نیابتاً مالک بنایا ہے اور اس پر احکام بھی مرتب فرمائے ہیں تو اگر کوئی انسان اپنی ان نیابتی املاک میں سے کوئی چیز وقف کرتا ہے تو اس پر سے اس کی نیابت بالکل ختم ہوجاتی ہے اور وہ چیز براہ راست اللہ تعالیٰ کی ملک میں آجاتی ہے، یہ صاحبین رحمہما اللہ کا مسلک ہے اور اسی پر فتویٰ ہے، پس اس پر یہ مسائل متفرع ہوں گے:(۱)

تفریعات:

(۱) کسی نے زمین وغیرہ کوئی چیز وقف کی تو اس کی بیع، ہبہ، رہن وغیرہ جائز نہیں خود واقف کے لئے بھی اس کی اجازت نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) وعندهما حبس العين على حكم ملك الله تعالى .... إن الفتوى على قولهما (ہندیہ: ۲؍۳۵۰، شاملہ) (۲) (فيزول ملك الواقف عنه إلى الله تعالى فيلزم ولا يباع ولا يرهن ولا يورث الخ (الجوهرة النيرة: ۱؍۳۳۳، شاملة)

(۲) وقف کے بعد واقف یا اس کی اولاد اس وقف کو باطل کرنا چاہے اور رجوع کرنا چاہے تو ان کو یہ اختیار نہیں اور نہ اب اس میں میراث جاری ہوگی۔ (۱)

(۳) اس وقف کردہ چیز کا استبدال جائز نہیں یعنی مثلاً مسجد یا مدرسہ کی کوئی زمین ہے تو اس کو دوسری زمین سے بدلنا یا اس کو بیچ کر دوسری جگہ زمین خریدنا جائز نہیں۔

لیکن اگر واقف نے اپنے لئے یا کسی اور کے لئے حق استبدال کی شرط لگائی ہو تو پھر استبدال جائز ہے کیونکہ اس کی یہ شرط معتبر ہے اسی طرح وقف کردہ چیز اس حال میں ہوگئی ہو کہ استبدال کے بغیر اس سے انتفاع بالکل ممکن نہ ہو تو دیانت دار قاضی کی اجازت سے استبدال جائز ہے۔ ان دوصورتوں کے علاوہ کسی صورت میں استبدال جائز نہیں، یہاں تک کہ وقف شدہ چیز کو زیادہ نفع بخش بنانے کے خاطر بھی جائز نہیں، فتویٰ اسی پر ہے۔ (۲)

(۳) مسجد کے زائد قرآن یا چٹائی یا اس قسم کا سامان جس کا بناء مسجد میں دخل نہیں ہے بیچنا یا ہدیہ کرنا یا دوسری جگہ منتقل کرنا جائز نہیں۔

لیکن بوقت استغناء یعنی جب اس مسجد میں اس کی ضرورت نہ ہو تو دوسری قریب

---

(۱) فلایجوز له إبطاله ولا یورث عنه وعلیه الفتوی (الدر المختار علی هامش رد المحتار: ۴/ ۳۳۹، شاملة)

(۲) وکذا شرط الواقف الاستبدال بأرض أخرى إذا شاء عند أبي یوسف - رحمه الله تعالى - استحسانا كذا في الخلاصة وعليه الفتوى (ہندیہ: ۲/ ۳۵۲، شاملہ) ولو شرط الواقف في الوقف الاستبدال لكل من ولي هذا الوقف صح ذلك (ہندیہ: ۲/ ۴۰۰، شاملہ) ولو صارت الأرض بحال لا ينتفع بها والمعتمد أنه يجوز للقاضي بشرط أن يخرج عن الانتفاع بالكلية ... وشرط في الإسعاف أن يكون المستبدل قاضي الجنة المفسر بذي العلم والعمل كذا في النهر الفائق (ہندیہ: ۲/ ۴۰۱، شاملہ)

کی ضرورت مند مسجد میں واقف کی اجازت سے منتقل کرنا جائز ہے۔ واقف کی اجازت اس لئے کہ استغناء کی صورت میں یہ چیزیں ملک واقف میں عود کر آتی ہیں پس اس کی اجازت ضروری ہے [اگر واقف مرگیا ہوتو اس کے ورثاء کی اجازت ضروری ہے مگر یہ کہ واقف کی طرف سے بوقت وقف صراحتاً یا عرفاً استبدال کی اجازت ہوتو پھر اجازت کی ضرورت نہیں]

اور جس سامان کا تعلق بناء مسجد کے ساتھ ہے جیسے اینٹیں، دروازے وغیرہ جسے ''انقاض المسجد'' کہا جاتا ہے انہیں منتقل کرنا مطلقاً جائز نہیں یعنی نہ واقف کی اجازت سے اور نہ بغیر اجازت کے بلکہ ان کو بعینہ یا بیچ کر ان کی قیمت اسی مسجد میں یا وہ مسجد نہ رہے تو دوسری قریب کی حاجت مند مسجد میں صرف کرنا ضروری ہے، کیونکہ مسجد ہمیشہ کے لئے ہوتی ہے لہٰذا جس سامان کا تعلق اس کی بناء سے ہوگا اس میں بھی ہمیشگی آئے گی ایسا سامان استغناء کی صورت میں بھی واقف کی ملکیت میں عود نہیں کرتا ہے فتوی اسی پر ہے۔ (۱)

(۱) ولو خرب المسجد، وما حوله وتفرق الناس عنه لا يعود إلى ملك الواقف عند أبي يوسف فيباع نقضه بإذن القاضي ويصرف ثمنه إلى بعض المساجد اهـ (قوله: ومثله حشيش المسجد إلخ) أي الحشيش الذي يفرش بدل الحصر، كما يفعل في بعض البلاد كبلاد الصعيد كما أخبرني به بعضهم قال الزيلعي: وعلى هذا حصير المسجد وحشيشه إذا استغنى عنهما يرجع إلى مالكه عند محمد وعند أبي يوسف ينقل إلى مسجد آخر، وعلى هذا الخلاف الرباط والبئر إذا لم ينتفع بها اهـ وصرح في الخانية بأن الفتوى على قول محمد قال في البحر: وبه علم أن الفتوى على قول محمد في آلات المسجد وعلى قول أبي يوسف في تأبيد المسجد اهـ والمراد بآلات المسجد نحو القنديل والحصير، بخلاف أنقاضه لما قدمنا عنه قريبا من أن الفتوى على أن المسجد لا يعود ميراثا ولا ←

۵۵۵-ضابطہ: وقف کے منافع سے خرید کردہ اشیاء بحکم وقف نہیں ہیں۔

تفریع: پس جیسے اصل وقف شدہ چیز کا حکم ہے کہ جب تک اس سے انتفاع متعذر نہ ہو اس کی بیع، استبدال وغیرہ جائز نہیں؛ وقف کے منافع سے خرید کردہ اشیاء کا یہ حکم نہ ہوگا بلکہ متولی یا ناظر کے لئے مطلقاً بغیر کسی شرط کے (یعنی خواہ ان اشیاء سے انتفاع ممکن ہو یا نہ ہو) کسی مصلحت سے ان کو بیچنے وغیرہ کا اختیار ہوگا، یہی مختار ہے۔[1]

۵۵۶-ضابطہ: واقف کی شرط وجوب عمل اور مفہوم ودلالت میں نص شارع کی طرح ہے۔[2]

تشریح: یعنی نص کی توضیح وتفہیم میں جن اصول وقواعد کی رعایت کی جاتی ہیں واقف کی شرط کو سمجھنے میں بھی انہیں اصول وقواعد کا لحاظ کیا جائے گا، چنانچہ اگر واقف کی شرط محکم وظاہر ہے اس میں کسی تاویل وتخصیص کا احتمال نہیں ہے تو بلا تردد اس پر عمل کیا جائے گا اسی طرح اگر محتمل ہے اور اس پر کوئی قرینہ بھی ہے تو اس پر عمل لازم ہوگا اور اگر مجمل ہے اور واقف زندہ ہے تو اس کے بیان کی طرف رجوع کیا جائے گا، ورنہ اس پر

← يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر (شامي: ۳۵۹/۴ فرع بناء بيتا للامام فوق المسجد، شاملة)

(۱) ويزاد ما في الفتح حيث قال: واعلم أن عدم جواز بيعه إلا إذا تعذر الانتفاع به إنما هو فيما إذا ورد عليه وقف الواقف أما إذا اشتراه المتولي من مستغلات الوقف فإنه يجوز بيعه بلا هذا الشرط لأن في صيرورته وقفا خلافا والمختار أنه لا يكون وقفا فللقيم أن يبيعه متى شاء لمصلحة عرضت. اهـ. (شامي: ۳۷۷/۴، مطلب في الوقف اذا خرب ولم يمكن عمارته، شاملة)

(۲) شرط الواقف كنص الشارع في وجوب العمل به وفي المفهوم والدلالة۔ (قواعد الفقہ: ۸۵، قاعدہ: ۱۵۳)

عمل ممکن نہ ہوگا۔ [۱]

اسی طرح عمل کے سلسلہ میں جس طرح نص پر عمل واجب ہے، واقف کی شرط پر بھی عمل واجب ہے، بشرطیکہ وہ شرط شریعت اور وقف کے مفاد کے خلاف نہ ہو، چنانچہ:

(۱) اگر اس نے شرط لگائی کہ: اس وقف کی آمدنی فلاں مصرف میں خرچ کی جائے تو اسی مصرف میں خرچ کرنا واجب ہے یہاں تک کہ اگر کہا فلاں مدرسہ یا مسجد میں صرف کی جائے تو اسی مسجد و مدرسہ میں خرچ کرنا ضروری ہے، اس سے تجاوز جائز نہیں۔ [۲]

(۲) اسی طرح اگر اس نے شرط لگائی کہ: میرے لئے یا متولی کے لئے اس وقف کے تبادلہ کا اختیار رہے گا، تو اس کی یہ شرط معتبر ہوگی۔ [۳]

(۳) اسی طرح اگر شرط لگائی کہ: میں خود ہی اس کا منتظم رہوں گا اور اس وقف کے تحت معلمین وائمہ کی تقرری یا معزولی وتبدیلی کا مجھے مکمل اختیار ہوگا اور میرے بعد

---

(۱) قال العلامة قاسم قلت: وإذا كان المعنى ما ذكر فما كان من عبارة الواقف من قبيل المفسر لا يحتمل تخصيصا ولا تأويلا يعمل به وما كان من قبيل الظاهر كذلك وما احتمل وفيه قرينة حمل عليها وما كان مشتركا لا يعمل به لأنه لا عموم له عندنا ولم يقع فيه نظر المجتهد لترجح أحد مدلوليه وكذلك ما كان من قبيل المجمل إذا مات الواقف وإن كان حيا يرجع إلى بيانه هذا معنى ما أفاده. اهـ. (البحر الرائق: ۵/ ۲۶۵، شاملہ)

(۲) قال في الفتح: ... وله أن يخص صنفا من الفقراء ولو كان الوضع في كلهم قربة، ولا شك أن التصدق على أهل الذمة قربة حتى جاز أن يدفع إليهم صدقة الفطر والكفارات عندنا فكيف لا يعتبر شرطه في صنف دون صنف من الفقراء؟ (شامی: ۴/ ۳۴۳، مطلب في وقف المرتد والكافر، شاملة)

(۳) ولو قال: أرضي هذه صدقة موقوفة أبدا على أن لي أن أستبدل بها أخرى يكون الوقف جائزا استحسانا.... ولو شرط الواقف في الوقف الاستبدال لكل من ولي هذا الوقف صح ذلك (هندیه: ۲/ ۴۰۰، شاملة)

میری اولاد کو بھی یہ اختیار رہے گا تو اس کی یہ شرط بھی (جب تک کہ اس کے ایفاء میں شریعت کی مخالفت نہ کی جائے) معتبر ہوگی۔[۱]

(۴) اسی طرح اگر اس نے یہ شرط لگائی کہ: میں جس پر چاہوں گا اس کی آمدنی صرف کروں گا تو اس کو اختیار ہوگا کہ اس کی آمدنی کو کسی بھی خیراتی مقصد پر خرچ کرے کسی کو مخالفت کا حق نہیں۔[۲]

(۵) اسی طرح اگر شرط لگائی کی اس وقف کی آمدنی سے تاحیات یا ایک مقررہ وقت تک میں خود یا میری اولاد یا فلاں شخص متمتع ہوتا رہے گا پھر میری وفات کے بعد یا اس مقررہ وقت کے بعد اس کی آمدنی مدرسہ وغیرہ میں صرف کی جائے تو اس کی اس شرط کی رعایت بھی ضروری ہوگی۔[۳]

البتہ وہ شرط جو شریعت کے خلاف ہو مثلاً کہا اس کی آمدنی فلاں جگہ صرف ہوگی جبکہ وہ جگہ معصیت یا شرک کی ہے، یا کہا اس مسجد کا امام فلاں شخص ہی رہے گا حالانکہ اس امام کے عقائد مشرکانہ یا خلاف اہل سنت ہے یا کہا اس مسجد میں قوالی وغیرہ کی محفلیں قائم ہوں گی تو اس قسم کی شرائط بوجہ خلاف شرع ہونے کے باطل ہیں، قابل عمل نہ ہوں گی۔[۴]

---

(۱) وفي فتاوى محمد بن الفضل سئل عمن شرط في أصل الوقف الولاية لنفسه ولأولاده، قال: يجوز بالإجماع، كذا في التتارخانية (هنديه: ۲/۴۰۸)

(۲) إذا وقف أرضه على أن يعطي غلتها من شاء جاز الوقف وله المشيئة في صرف الغلة إلى من شاء (هنديه: ۲/۴۰۳، شاملة)

(۳) (وجاز جعل غلة الوقف) أو الولاية (لنفسه عند الثاني) وعليه الفتوى (الدر المختار: ۴/۳۸۴، شاملة) وقف وقفا على الفقراء وشرط فيه أن له أن يأكل ويؤكل مادام حيا فإذا مات كان لولده وكذلك لولد ولده أبدا ما تناسلوا جاز الوقف على هذا الشرط۔ (هنديه: ۲/۳۹۸، شاملة)

(۴) قال في الفتح: ... فإن شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع ←

اسی طرح واقف کی وہ شرط جو وقف کے مفاد کے خلاف ہوتو بہ تقاضۂ ضرورت اس پر عمل لازم نہ ہوگا۔علامہ ابن نجیمؒ نے اشباہ میں لکھا ہے کہ ایسے سات مسائل ہیں جن میں واقف کی شرائط واجب العمل نہیں۔

(۱)واقف نے شرط لگائی کہ قاضی اس کے متولی کو معزول نہیں کرسکتا ہے،لیکن متولی غیر اہل ہوتو قاضی معزول کرسکتا ہے۔(۱)

(۲)واقف نے شرط لگائی کہ موقوفہ زمین یا مکان ایک سال سے زیادہ مدت کے لئے کرایہ پر دینے کی اجازت نہیں،لیکن لوگ اتنی مختصر مدت کے لئے اجارہ پر آمادہ نہ ہوں یا زیادہ مدت تک دینے میں فقراء کا فائدہ ہوتو قاضی اس شرط کی مخالفت کرسکتا ہے،مگر اس میں متولی کو مخالفت کا حق نہ ہوگا۔(۲)

(۳)واقف نے شرط لگائی کہ اس وقف کی آمدنی سے اس کی قبر پر قرآن مجید پڑھا جائے تو خاص قبر کی تعیین باطل ہوگی۔(۳)

(۴)واقف نے شرط لگائی کہ اس وقف کی فاضل آمدنی خاص فلاں مسجد میں مانگنے والوں ہی کو دی جائے تو متولی کو اختیار ہوگا مسجد سے باہر مانگنے والوں کو یا کسی اور مسجد کے مانگنے والوں کو یا جو بھی حاجت مند سائل ہو اس کو دے سکتا ہے۔(۴)

← وهو مالك، فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية (شامي: ۴/ ۳۴۳، مطلب في وقف المرتد والكافر، شاملة)

(۱)الأولى: شرط أن القاضي لا يعزل الناظر فله عزل غير الأهل.(الأشباه والنظائر: ۱۶۳، دار الكتاب العلمية، بيروت لبنان)

(۲)الثانية: شرط أن لا يؤجر وقفه أكثر من سنة والناس لا يرغبون في استجارة سنة أو كان في الزيادة نفع للفقراء، فللقاضي المخالفة دون الناظر (حوالہ سابق)

(۳)الثالثة: لو شرط أن يقرأ على قبره فالتعيين باطل. (حوالہ سابق)

(۴)الرابعة: شرط أن يتصدق بفاضل الغلة على من يسأل في مسجد كذا كل يوم لم يراع شرطه، فللقيم التصدق على سائل غير ذلك المسجد أو خارج ←

(۵)واقف نے شرط لگائی کہ ہر روز مستحقین کو روٹی، گوشت دیا جائے تو متولی کو اختیار ہوگا کہ وہی کھانا دے یا اس کی قیمت تقسیم کرے۔(۱)

(۶)واقف نے امام کی مخصوص تنخواہ طے کی ہو لیکن وہ تنخواہ امام کو کفایت نہ کرتی ہو تو قاضی کو جبکہ وہ امام عالم متقی ہو اس تنخواہ میں اضافہ کا حق ہوگا۔(۲)

(۷)واقف نے شرط لگائی کہ اس موقوفہ زمین یا مکان کا کسی اور زمین سے یا مکان وغیرہ سے تبادلہ نہ کیا جائے لیکن تبادلہ وقف کے مفاد میں ہو تو قاضی اس کا تبادلہ کرسکتا ہے۔(۳)

۵۵۷-**ضابطہ**:(لزوم میں)وقف اعتاق کے مثل ہے، نہ کہ مثل صدقہ کے۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے اور یہی مفتی بہ ہے [جبکہ امام محمدؒ کے نزدیک وقف مثل صدقہ کے ہے](۴) پس اس پر یہ مسائل متفرع ہوں گے:

تفریعات:

(۱)شیءِ موقوفہ کو حاکم یا متولی کو سپرد کرنا ضروری نہیں، اور نہ رجسٹرڈ کرانا ضروری

← المسجد، أو علی من لا یسأل. (حوالۂ سابق)

(۱)الخامسة لو شرط للمستحقين خبزا أو لحما معينا كل يوم فللقيم أن يدفع القيمة من النقد، وفي موضع آخر لهم طلب العين وأخذ القيمة. (حوالۂ سابق)

(۲)السادسة: تجوز الزيادة من القاضي على معلوم الإمام إذا كان لا يكفيه وكان عالما تقيا۔ (حوالۂ سابق)

(۳)السابعة: شرط الواقف عدم الاستبدال، فللقاضي الاستبدال إذا كان أصلح۔ (حوالۂ سابق)

(۴)هذا بيان شرائطه الخاصة على قول محمد لأنه كالصدقة، واختلف الترجيح، والأخذ بقول الثاني أحوط وأسهل بحر وفي الدرر وصدر الشريعة وبه يفتى وأقره المصنف. (الدر المختار) وفی الشامية: لكن في الفتح أن قول أبي يوسف أوجه عند المحققين. (شامي: ۴/۳۵۱، شاملة)

ہے، صرف اتنا کہہ دیا کہ مثلاً یہ زمین میں نے مسجد یا مدرسہ کے لئے وقف کردی تو وقف صحیح ہوگیا، پس جس طرح عتق اور جمیع اسقاطات محض قول سے صحیح ہوجاتے ہیں وقف بھی صحیح ہوجائے گا۔ اور سپرد نہ کرنے کی صورت میں واقف خود ہی اس کا متولی سمجھا جائے گا۔(۱)

(۲) وقف مشاع جائز ہے، یعنی مشترک جائداد میں سے تقسیم کئے بغیر اپنے حصہ کا وقف کیا تو جائز ہے پھر اپنا حصہ غیر کے حصے سے علاحدہ کردیا تو شرعاً وہ وقف تام بھی ہوگیا متاخرین نے اسی پر فتویٰ دیا ہے۔

اور یہ مسئلہ درحقیقت اول مسئلہ پر متفرع ہے چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں: کہ مشاع کے سلسلہ میں صاحبین کا اختلاف تسلیم اور عدم تسلیم پر مبنی ہے کیونکہ تسلیم اس کے اتمام میں سے ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک چونکہ تسلیم (یعنی متولی کو سپرد کرنا) شرط نہیں اس لئے مشاع کا وقف جائز ہے اور امام محمدؒ نے تسلیم کو شرط قرار دیا ہے اس لئے ان کے نزدیک مشاع کا وقف جائز نہیں اھ [فتویٰ دونوں قولوں پر ہے لیکن فتاویٰ ہندیہ میں ہے کہ: متاخرین نے امام ابو یوسف کا قول فتویٰ کے لئے اختیار کیا ہے](۲)

---

(۱) (قوله: وجعله أبو يوسف كالإعتاق) فلذلك لم يشترط القبض والإفراز. اهـ ح: أي فيلزم عنده بمجرد القول كالإعتاق بجامع إسقاط الملك۔ وفي القهستاني: أن التسليم ليس بشرط إذا جعل الواقف نفسه قيما۔ (شامي: ۳۴۸/۴، ۳۴۹، شاملة) رجل وقف وقفا ولم يذكر الولاية لأحد قيل: الولاية للواقف، وهذا على قول أبي يوسف - رحمه الله تعالى -؛ لأن عنده التسليم ليس بشرط (هندية: ۴۰۸/۲)

(۲) والخلاف في وقف المشاع مبني على اشتراط التسليم وعدمه لأن القسمة من تمامه فأبو يوسف أجازه لأنه لم يشترط التسليم ومحمد لم يجزه ←

واضح رہے کہ یہ اختلاف مسجد اور قبرستان کے علاوہ وقف میں ہے، مسجد اور قبرستان کے وقف میں بالاتفاق وقف مشاع جائز نہیں ہے، کیونکہ ان کا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہونا ضروری ہے اور شرکت کا بقاء اس خلوص کو مانع ہے۔

نیز یہ اختلاف قابل تقسیم شیء میں ہے جو چیز نا قابل تقسیم ہو جیسے چھوٹا مکان، کنواں وغیرہ تو چونکہ اس میں تقسیم ممکن نہیں اس لئے اس میں بالاتفاق مشاع کا وقف جائز ہے۔ اور اس صورت میں اس موقوفہ شیء کی آمدنی میں سے واقف کے حصے کی آمدنی وقف شمار ہوگی۔ (۱)

۵۵۸-ضابطہ: وقف کا فی الفور ہونا ضروری ہے کسی شرط پر تعلیق صحیح نہیں۔ (۲)

تفریع: پس اگر مستقبل کی کسی شرط پر وقف کو معلق کیا مثلاً کہا میں فلاں سے بات کرلوں یا فلاں شخص آجائے تو یہ زمین وقف ہے یا جب آئندہ کل آجائے یا فلاں تاریخ آجائے تو وقف ہے، یا میرے لڑکے کے یہاں اولاد ہو تو یہ زمین اس کی ہے

← لاشتراطه التسليم (شامی: ۳۶۲/۴، مطلب في قف المشاع المقضی به، شاملة) وقف المشاع المحتمل للقسمة لايجوز عند محمد به أخذ مشائخ بخارىٰ وعليه الفتوىٰ، والمتأخرون أفتوابقول أبي يوسف أنه يجوز وهو المختار كذا في خزانة المفتيين (الهنديه: ۲۶۵/۲، فصل في وقف المشاع)

(۱) والخلاف فيما يقبل القسمة، أما ما لا يقبلها كالحمام والبئر والرحى فيجوز اتفاقا إلا في المسجد والمقبرة لأن بقاء الشركة يمنع الخلوص لله تعالى نهر وفتح (شامی: ۳۴۸/۴ شاملة)

(۲) (وأن يكون) قربة في ذاته معلوما (منجزا) لا معلقا. الخ (الدر المختار: ۳۴۱/۴، شاملة)

ورنہ فلاں مسجد یا مدرسہ کو وقف ہے تو اس طرح وقف نافذ نہ ہوگا کیونکہ وقف بھی مثل ہبہ کے تعلیق بالخطر کا احتمال نہیں رکھتا ہے اس کا منجز اور فی الفور ہونا ضروری ہے۔ (۱)

استدراک: لیکن وقف معلق بالموت صحیح ہے یعنی اگر کہا کہ میرے مرنے کے بعد یہ زمین یا یہ مکان وقف ہے تو یہ وقف درست ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ درحقیقت وقف نہیں ہے بلکہ وصیت بالوقف ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسا وقف صرف میت کے تہائی مال سے نافذ کیا جاتا ہے اور ایسے وقف کو واقف رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے رجوع سے وہ وقف باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ وصیت کا حکم ہے۔ (۲)

۵۵۹- **ضابطہ**: اشیاء منقولہ کا وقف صحیح نہیں، مگر یہ کہ غیر منقول کی تبعیت وضمن میں ہو یا ان کا وقف مروج ہو۔ (۳)

تشریح: تبعیت کی مثال یہ ہے کہ: کھیت کو وقف کیا تو اس کے ضمن میں کھیتی کے آلات بھی وقف کیے تو ضمناً ان آلات کا وقف جائز ہے۔

اور مروج کی مثال: قبر کھودنے کے آلات کا وقف؛ جنازہ اٹھانے کے تابوت کا وقف؛ مسجد میں قرآن مجید، چٹائیاں، فانوس وغیرہ کا وقف؛ مدرسہ میں کتابوں وغیرہ

---

(۱) (قوله: لا معلقا) كقوله: إذا جاء غد أو إذا جاء رأس الشهر أو إذا كلمت فلانا فأرضي هذه صدقة موقوفة أو إن شئت أو أحببت يكون الوقف: باطلا لأن الوقف لا يحتمل التعليق بالخطر لكونه مما لا يحلف به كما لا يصح تعليق الهبة (شامي: ۳۴۱/۴ مطلب قد يثبت الوقف بالضرورة، شاملة)

(۲) (أو بالموت إذا علق به) أي بموته كإذا مت قد وقفت داري على كذا فالصحيح أنه كوصية تلزم من الثلث بالموت لا قبله. (الدر المختار) وفي الشامية: وله أن يرجع قبل موته كسائر الوصايا، وإنما يلزم بعد موته بحر، ومثله في الفتح. (شامي: ۳۴۴/۴، شاملة)

(۳) (الدر المختار: ۳۶۱/۴)؛ البحر الرائق: ۲۱۸/۵)

کا وقف؛ کہ ان چیزوں کا وقف مروج ومعروف ہے اس لئے جائز ہے۔ (۱)

۵۶۰- **ضابطہ**: وہ چیز جس کا انتفاع اس کے عین کے بقاء کے ساتھ ممکن نہیں اس کا وقف درست نہیں۔ (۲)

تفریع: پس دراہم دنانیر، روپے پیسے، کھانے پینے کی اشیاء اور دواؤں وغیرہ کا وقف صحیح نہیں کیونکہ ان کے عین کے بقاء کے ساتھ انتفاع ممکن نہیں۔ (۳)

۵۶۱- **ضابطہ**: اصل وقف پر شہادت بالتسامع جائز ہے، شرائط ومصارف وقف پر شہادت بالتسامع جائز نہیں۔ (۴)

تشریح: پس اگر کوئی پرانا وقف ہو جس کے واقف کا کچھ علم نہ ہو اور اس پر کوئی شخص دعویٰ کر دے تو اس صورت میں اثبات وقف کے لئے شہادت بالتسامع والشہرۃ مقبول ہے، بلکہ اثبات وقف میں تو یہاں تک گنجائش ہے کہ عند القاضی شہادت

---

(۱)(ولو وقف العقار ببقره وأكرته) بفتحتين عبيده الحراثون (صح) استحسانا تبعا للعقار (الدر المختار: ۴/ ۳۶۱، مطلب في وقف المنقول تبعاً للعقار، شاملة) وعن محمد جواز وقف ما جرى فيه التعامل كالفأس والقدوم والمنشار والقدور والجنازة والمصاحف والكتب، بخلاف ما لا تعامل فيه والفتوى على قول محمد (الاختيار لتعليل المختار: ۳/ ۴۳ شاملة، تاتار خانية، جديد: ۸/ ۲۷، ۲۸، م: زكريا ديوبند) (۲) (ہندیہ: ۲/ ۳۶۲)

(۳) وأما وقف ما لا ينتفع به إلا بالإتلاف كالذهب والفضة والمأكول والمشروب فغير جائز في قول عامة الفقهاء، والمراد بالذهب والفضة الدراهم والدنانير وما ليس بحلي كذا في فتح القدير۔ (هنديه: ۲/ ۳۶۲، شاملة)

(۴) وفي الوقف أنها تقبل بالتسامع على أصله لا على شرائطه وهو الصحيح (مجمع الانهر: ۲/ ۱۹۳، شاملة) و في الإسعاف والخانية لا يجوز الشهادة على الشرائط والجهات بالتسامع اهـ ولا يخفى أن الجهات هي بيان المصارف (شامي: ۴/ ۴۱۴، شاملة)

بالتسامع کی صراحت بھی صحیح ہے یعنی دو شخص قاضی کے پاس جا کر کہے کہ ہم دونوں لوگوں سے سن کر اور شہرت کی بنا پر شہادت دیتے ہیں کہ یہ زمین یا یہ مکان وقف کا ہے تو باوجود اس تصریح کے شہادت جائز ہے جبکہ دیگر وہ مسائل جن میں شہادت بالتسامع جائز ہے جیسے نسب، نکاح، موت وغیرہ ان میں شرط ہے کہ عند القاضی اس کی تصریح نہ کرے کہ یہ شہادت محض تسامع سے ہے۔

پس حاصل یہ کہ وقف میں جب واقف کا علم نہ ہو اور کوئی شخص اس وقف پر ملکیت کا دعویٰ کردے تو اس کے خلاف شہادت بالتسامع جائز ہے مگر موقوف علیہ (یعنی یہ کس پر وقف کیا گیا ہے) کا علم ضروری ہے، یہ حکم اصل وقف میں ہے۔ شرائط ومصارف وقف پر شہادت بالتسامع جائز نہیں۔ (۱)

اور شرائط سے مراد واقف کی بیان کردہ شرائط ہیں جیسے وقف کی آمدنی سے اتنا فلاں مدرسہ کے لیے ہوگا اور اتنا عام فقراء کیلئے ہوگا یا اس کا متولی فلاں شخص ہوگا یا اس مسجد کا امام فلاں خاندان سے رہے گا وغیرہ جو کچھ واقف نے صراحت کیا ہو یا وقف نامہ میں لکھا ہو، نہ کہ وہ شرائط جن پر صحت وقف موقوف ہیں مثلاً واقف کا عاقل، بالغ ہونا، شیء موقوفہ کا اس کی ملکیت میں ہونا وغیرہ کیونکہ وہ تو اصل وقف میں داخل ہیں، چنانچہ فقہاء نے یہاں اصل وقف اور شرائط کی تمیز میں اصول بیان کیا ہے کہ: ”وقف سے متعلق ہر وہ چیز جو صحت وقف سے متعلق ہو اور صحت وقف اس پر موقوف ہو وہ اصل

(۱) وفي الشامية معزيا الى الخيرية: وقف قديم مشهور لا يعرف واقفه استولى عليه ظالم فادعى المتولي أنه وقف على كذا مشهور وشهدا بذلك فالمختار أنه يجوز (شامی: ۴/۴۱۱، شاملہ) وهذا بخلاف ما تجوز فيه الشهادة بالتسامع فإنها إذا صرحا به لا نقبل اهـ أي بخلاف غير الوقف من الخمسة المارة فإنه لا يتيقن فيها بأن الشهادة بالتسامع فيفرق فيها بين السكوت والإفصاح والحاصل: أن المشايخ رجحوا استثناء الوقف منها للضرورة: وهي حفظ الأوقاف القديمة عن الضياع ولأن التصريح بالتسامع فيه لا يزيد على الإفصاح به (شامی: ۴/۴۱۲، شاملہ)

وقف میں سے ہے اور جس پر صحت وقف موقوف نہ ہو وہ شرائط میں سے ہے"۔ اور ظاہر ہے کہ صحت وقف کی شرائط تو وقف کے لئے موقوف علیہ ہیں، لہٰذا وہ اصل وقف میں داخل ہیں اور ان میں شہادت بالتسماع جائز ہے۔

مستثنیٰ دراصل واقف کی شرائط ہیں جو نہ صحت وقف سے متعلق ہیں اور نہ ان پر صحت وقف موقوف ہیں پس ان میں شہادت بالتسماع جائز نہیں یہی اصح ہے اور ہندیہ میں سراجیہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ فتویٰ اسی پر ہے۔ (۱)

ہاں لیکن جہاں شرائط واقف کے متعلق التباس واشتباہ ہوجائے اور ثبوت کسی جہت میں قطعی نہ ہو تو سابقہ زمانہ میں اس سلسلہ میں جو عمل چلا آرہا ہو اسی پر حکم کو مبنی کیا جائے گا اور اس کے مطابق فیصلہ ہوگا مثلاً وقف نامہ میں لکھا ہو کہ اس وقف کی آمدنی "مسجد دارالسلام" میں صرف کی جائے اور اس نام کی دو مسجدیں ہوں ایک واقف کی بستی سے بہت دور ہو اور دوسری مسجد قریب ہو، تو جو قریب ہے اس کی قربت کا تقاضہ ہے کہ وہی مراد ہوگی لیکن وقف نامہ میں اس کی تعیین نہیں اور نہ اس پر کوئی گواہ ہے بلکہ لوگوں کا عمل اس کے خلاف ہے یعنی اب تک دور والی مسجد میں اس کی آمدنی صرف کرتے چلے آرہے ہیں تو اسی سابقہ عمل کو ہی برقرار رکھا جائے گا، کیونکہ مسلمانوں کے احوال سے یہی ظن غالب ہے کہ واقف کی شرائط پر وہ صحیح کاربند ہوں گے۔ (۲)

---

(۱) و كل ما يتعلق بصحة الوقف وتتوقف عليه فهو من أصله وما لا تتوقف عليه الصحة فهو من الشرائط (مجمع الانہر: ۲/۱۹۳، شاملہ) فالمراد من الشرائط ما يشترطه الواقف في كتاب وقفه لا الشرائط التي يتوقف عليها صحة الوقف كالملك والإفراز والتسليم عند القائل به ونحو ذلك مما مر أول الباب (شامی: ۴/۴۱۲) (لا) تقبل بالشهرة (ل) لإثبات (شرائطه في الأصح) (الدر المختار) وفي الشامية: (قوله: في الأصح) وعليه الفتوى هندية عن السراجية ط (شامی: ۴/۴۱۲، شاملہ)

(۲) وأيضا قولهم المجهولة شرائطه ومصارفه يفهم منه أن ما لم يجهل منها يعمل بما علم منها، وذلك العلم قد لا يكون بمشاهدة الواقف بل بالتصرف ←

۵۶۲-**ضابطہ:** علماء کے اختلاف کی صورت میں جب ترجیح ممکن نہ ہوتو ہر اس قول پر فتویٰ دیا جائے گا جس میں وقف کا نفع وفائدہ زیادہ ہو۔(۱)

جیسے وقف کو ایک مدت تک کے لئے کرایہ پر دیا پھر مدت اجارہ میں بازار میں اس جیسی چیز کا عام کرایہ مقدار فحش کے ساتھ بڑھ گیا تو اجارہ کے فسخ کا فتویٰ دیا جائے گا کہ اس میں وقف کا نفع اور فائدہ ہے۔(۲)

← القديم، وبه صرح في الذخيرة حيث قال سئل شيخ الإسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر ما يصرف إلى مستحقيه قال: ينظر إلى المعهود من حاله فيم سبق من الزمان من أن قوامه كيف يعملون فيه وإلى من يصرفونه، فيبنى على ذلك لأن الظاهر أنهمكانوا يفعلون ذلك على موافقة شرط الواقف وهو المظنون بحال المسلمين فيعمل على ذلك اهـ فهذا عين الثبوت بالتسامع وفي الخيرية إن كان للوقف كتاب في ديوان القضاة المسمى في عرفنا بالسجل، وهو في أيديهم اتبع ما فيه استحسانا إذا تنازع أهله فيه وإلا ينظر إلى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان من أن قوامه كيف كانوا يعملون (شامی: ۴/۴۱۲، شاملہ)

(۱) الفتوى إذا اختلفت كان الترجيح لظاهر الرواية، وفيه من باب المصرف: إذا اختلف التصحيح وجب الفحص عن ظاهر الرواية والرجوع إليها، وكذا لو كان أحدهما أنفع للوقف لما سيأتي في الوقف والإجارات أنه يفتي بكل ما هو أنفع للوقف فيما اختلف العلماء فيه (شامي: ۱/ ۷۲، مقدمه، شاملة)

(۲) وكذا يفتى بكل ما هو أنفع للوقف) فيما اختلف فيه العلماء حتى نقضوا الإجارة عند الزيادة الفاحشة نظرا للوقف وصيانة لحق الله تعالى حاوي القدسي. (الدر المختار: ۶/ ۲۱، شروط الاجارة، شاملة) يفتى بكل ما هو أنفع للوقف مما اختلف العلماء فيه وبنوا عليه تصحيح القول بفسخ الإجارة لزيادة أجر المثل في المدة كما مر (شامي: ۶/ ۳۲، شاملة)

الخرائط الثمينة فی المسائل الفقهية المهمة

یعنی

اہم فقہی مسائل کے قیمتی شجرات

شجرہ (۱): خبر کی اقسام

خبر

دیانات[1] میں

جیسے یہ پانی ناپاک ہے یا یہ ذبیحہ حرام ہے وغیرہ

ان میں ایک شخص کی خبر کافی ہے لیکن اس مخبر کا مسلمان اور عادل ہونا ضروری ہے فاسق یا کافر کی خبر ان میں معتبر نہیں؛ اگر مخبر مستور الحال ہو یعنی اس کا عادل یا غیر عادل ہونا معلوم نہ ہو تو تحری کر کے غالب گمان پر عمل کیا جائے گا

معاملات میں

امور ملزمہ میں

یعنی جن میں کسی پر کوئی چیز لازم کرنا یا اس کی ملکیت زائل کرنا ہو مثلاً اس پر فلاں کا اتنا دین ہے یا اس کا نسب بجائے اس کے فلاں سے ثابت ہے یا کوئی عورت کہے ان زجین کو میں نے دودھ پلایا ہے لہذا ان کا نکاح صحیح نہیں ہوا وغیرہ امور جن میں خصومات جاری ہوتی ہیں

ان میں شہادت اپنی تمام شرائط کے ساتھ ضروری ہے محض خبر کافی نہ ہوگی

آگے صفحہ پر

پیچھے صفحہ کا

ان امور میں جو من وجہ ملزم اور من وجہ غیر ملزم ہیں

امور غیر ملزمہ میں

جیسے وکیل کو معزول کرنا یا عبد ماذون کو مجور کرنا (پس وکیل کو معزول کرنے اور ماذون کو تجارت سے منع کرنے کے اعتبار سے الزام کا معنی ہے اور اس اعتبار سے کہ مالک خالص اپنے حق میں تصرف کررہا ہے کوئی الزام نہیں)

یعنی جن میں کوئی الزام نہ ہو جیسے وکالت یا ارسال ہدیہ وغیرہ کی خبر دینا مثلاً میں فلاں کا بیع میں وکیل ہوں یا کوئی چیز دے کر کہنا فلاں نے آپ کو یہ چیز ہدیہ کی ہے یا عاریت پر دی ہے وغیرہ

اس میں عدد یا عدالت دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروری نہیں مخبر یا عادل شخص ہو یا عادل نہ ہو تو خبر دینے والے کم از کم دو افراد ہوں

ان میں شہادت ضروری نہیں صرف ایک باتمیز شخص کی خبر کافی ہے خواہ وہ مخبر عادل ہو یا غیر عادل مسلمان ہو یا کافر بالغ ہو یا نابالغ سمجھدار بچہ

(ا) دیانات سے مراد دیانات محضہ ہے یعنی جس میں خبر سے کسی کی ملکیت زائل کرنا یا کسی پر کوئی الزام نہ ہو پس خبر رضاعت سے احتراز ہوگیا کہ اس میں ملک متعہ کا زوال ہے اس لئے اس میں دو عادل شخصوں کا ہونا ضروری ہے و التفصیل فی الشامیة ۹/۴۹۸

نوٹ: حوالجات کتاب میں ''باب الاخبار'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۲): اقرار کا بیان

شجرہ (۴): مضاربت کا بیان

مضاربت

مطلقہ

جس میں مقام، خاص عمل، وقت وغیرہ کی قید کے بغیر مال دیا جائے اس میں تصرفات کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ:

تصرفات مضارب[1]

توابع مضاربت سے ہوں

مثلاً وکیل بنانا، مال رہن یا امانت پر رکھنا، کرایہ پر لگانا، مزدور رکھنا وغیرہ

مضارب ان کا نفس عقد سے مالک ہوتا ہے باقاعدہ اجازت کی ضرورت نہیں

توابع میں سے نہ ہوں

جن میں نقصان یقینی ہوں

جیسے قرض دینا، قرض لینا ہبہ کرنا، صدقہ کرنا وغیرہ

یہ بلا صراحت جائز نہیں

جن میں دونوں پہلوں ہوں

جیسے کسی کو مضاربت پر وہ مال دینا یا کسی کے ساتھ شرکت کا معاملہ کرنا وغیرہ

مضارب ان تصرفات کا اس وقت مالک ہوگا جب صراحتاً اجازت ہو یا کہا جائے تم جو بھی مناسب سمجھو کرو "اذا قیل اعمل بر أیک"

مقیدہ

جس میں مقام، خاص عمل وقت وغیرہ کی قید رکھی جائے

آگے صفحہ پر

شرائط مضاربت[۲]
للصحة
للبقاء
عاقدین میں وکیل بنانے یا خود وکیل بننے کی صلاحیت ہو پس نابالغ سے یہ عقد جائز نہیں اور غیر مسلم سے جائز ہے
سرمایہ کرنسی کی صورت میں ہو (مگر بوقت ضرورت سامان میں بھی گنجائش ہے تفصیل کتاب میں)
مال مضاربہ متعین و معلوم ہوں
مال نقد ہو نہ کہ دین یعنی یہ نہ کہا کہ تمہارے ذمہ جو دین ہے اس میں عقد کرو
سرمایہ پر مضارب کا مکمل قبضہ ہو
نفع کا تناسب متعین کیا گیا ہو مثلاً نصف، ثلث وغیرہ، لگی بندھی رقم متعین نہ کی گئی ہو
فریقین میں سے ہر ایک کا اس عقد کو برقرار رکھنا کیونکہ یہ عقد غیر لازم ہے کوئی بھی ایک فسخ کر سکتا ہے
فریقین میں سے کسی کی موت واقع نہ ہونا۔ کہ موت سے عقد ختم ہو جاتا ہے
کسی کا دماغی توازن متاثر نہ ہونا
سامان خریدنے سے قبل اصل سرمایہ کا ضائع نہ ہونا ورنہ عقد باطل ہو جاتا ہے
مسلم ملک میں سرمایہ کار کا اسلام سے مرتد نہ ہونا۔
آگے صفحہ پر

پچھلے صفحہ کا
حقوق مضارب (۲)
مضاربت صحیحہ میں
مضاربت فاسدہ میں
اس میں مضارب صرف اجرت مثل کا مستحق ہوگا اور کوئی حق ثابت نہ ہوگا
حق نفع
حق نفقہ
ظاہر ہے نفع میں وہ شریک ہوگا لیکن معاملہ ختم ہونے کے بعد اس کا مستحق ہوگا اس سے قبل تقسیم عمل میں آئی تو نقصان ہونے پر تقسیم شدہ نفع سے بھرپائی کی جائے گی
دوا علاج
کھانا وغیرہ
وہ جائز نہیں، یعنی اس کا خرچ وہ مال مضاربہ میں سے نہیں لے سکتا
سفر میں
حضر میں
سفر میں مضارب کرایہ، کھانے، کپڑے کی دھلائی وغیرہ کے نفقہ کا مستحق ہے لیکن اولاً یہ خرچ مشترک نفع میں محسوب ہوگا اس کے بعد راُس المال میں
حضر کے نفقہ کا وہ مستحق نہیں (کسی شہر میں اس کے بیوی بچے موجود ہوں اور سفر کر کے وہاں جائے تو اس میں قیام بھی حکماً حضر ہوگا)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

شرکت

شجرہ (۴): شرکت کا بیان

شرکت اموال

دو یا تین افراد کا سرمایہ ہو اور کاروبار کرکے باہم مال طے شدہ یا مال کے تناسب سے نفع تقسیم کریں

شرکت اعمال

دو مل کر کسی کام میں معاہدہ کریں کہ ہم کپڑا سییں گے یا دھوئیں گے یا ایک دھوئے گا اور دوسرا سیے گا اور جو نفع ہو وہ مقررہ تناسب سے تقسیم ہوگا

شرکت وجوہ

ایک دوسرے کی شخصی وجاہت اور معاملاتی ساکھ سے استفادہ کریں اور طے ہو کہ ادھار خرید کر نقد بیچیں گے اور نفع میں شریک رہیں گے

شرکت مفاوضہ

دو شخص اس طرح شریک ہوں کہ دونوں کا سرمایہ مساوی ہو اور تصرف کا حق بھی مساوی ہو اور نقصان وتجارتی واجبات میں دونوں ایک دوسرے کے ذمہ دار بھی ہوں، گویا حقوق کے تصرف میں دونوں ایک دوسرے کے وکیل اور ضمان وذمہ میں ایک دوسرے کے کفیل ہوں (۱)

شرکت عنان

دو شخص کا مشترک سرمایہ ہو خواہ مساوی ہو یا کم وبیش، اور معاہدہ ہو کہ تجارت کرکے مقررہ تناسب سے مابین نفع تقسیم کریں گے۔ اس میں سرمایہ نیز حق تصرفات میں مساوات ضروری نہیں، اور نہ ایک کی ذمہ داری دوسرے پر عائد ہوتی ہے۔ یہ قسم بالاتفاق جائز ہے اور اس کا وقوع بکثرت ہے برخلاف مفاوضہ کے۔ (۲)

آگے صفحہ پر

پچھلے صفحہ کا

شرائط(۳)

۱-شرکاء میں وکیل بننے کی صلاحیت ہو (پس مجنون اور ناسمجھ بچہ کو شریک بنانا درست نہیں اور غیر مسلم کو بنانا درست ہے)

۲-عمومی مباحات مثلاً شکار جنگل کے غیر مملوکہ پودے وغیرہ میں شرکت نہ ہو۔ کیونکہ ان میں توکیل درست نہیں جبکہ شرکت کی بنیاد توکیل پر ہے۔

۳-سرمایہ متعین وموجود ہو (کہ دین اور غیر موجود میں مال میں شرکت درست نہیں)

۴-نفع فیصداً متعین ہو مثلاً تہائی چوتھائی وغیرہ، معین رقم نہ ہو

۵-غیر عامل شریک کا نفع اس کے مال کے تناسب سے زیادہ نہ ہو یعنی اس کا مال نصف ہو تو نفع میں بھی شرکت نصف سے زائد نہ ہو

تصرفات(۴)

۱-شریک عامل سرمایہ امانت پر رکھ سکتا ہے۔

۲-عاریت پر بھی رکھ سکتا ہے

۳-سرمایہ بضاعت پر لگا سکتا ہے (بضاعت کہتے ہیں: کسی سے اس طرح معاملہ کرنا کہ عامل کچھ نہ لے اور پورا نفع صاحب سرمایہ کو دیدے)

آگے صفحہ پر

پیچھے صفحہ کا

۴- کسی کو سرمایہ مضاربت پر بھی دے سکتا ہے، البتہ شرکت پر نہیں دے سکتا (وجہ کتاب میں ضابطہ نمبر ۵۲۲ میں ہے)

۵- نقد اور ادھار دونوں طرح فروخت کرسکتا ہے (مگر یہ کہ معاہدہ ادھار فروخت نہ کرنے پر ہوا ہو)

۶- تجارتی مقاصد کے تحت قرض بھی لے سکتا ہے

۷- البتہ بلا اجازت شریک قرض نہیں دے سکتا ہے، اسی طرح نہ رہن رکھ سکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے

۸- تجارت کو فروغ دینے کیلئے جو امور معروف ہو وہ کرسکتا ہے مثلاً گاہکوں کو مائل کرنے کیلئے کسی قدر چائے ٹھنڈے کی پیش کش یا جائز اور معروف حد تک پروڈکٹ کی تشہیر میں کچھ خرچ کرنا وغیرہ تو یہ کرسکتا ہے

نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

شجرہ (۵): مزارعت کا بیان
ارکان مزارعت
زمین
بیج
آلۂ کاشت
عمل
اقسام واحکام(۱)
۱-زمین، بیج، آلۂ کاشت مالک کی طرف سے ہو؛ عمل مزارع کی طرف سے
۲- زمین مالک کی طرف سے ہو؛ بیج، آلۂ کاشت، عمل مزارع کی طرف سے
۳-زمین، بیج مالک کی طرف سے ہو؛ عمل، آلۂ کاشت مزارع کی طرف سے
حکم
جائز ہے
۴-زمین، آلۂ کاشت مالک کی طرف سے ہو؛ بیج، عمل مزارع کی طرف سے ہو
۵-زمین، عمل مالک کی طرف سے ہو؛ بیج، آلۂ کاشت مزارع کی طرف سے ہو
۶- زمین، عمل، آلۂ کاشت مالک کی طرف سے ہو؛ بیج مزارع کی طرف سے
حکم
ظاہر الروایت میں جائز نہیں، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے
فائدہ: بیج میں مالک زمین اور مزارع کی شرکت جائز نہیں، مکمل بیج مالک یا مزارع کی جانب سے ہونا ضروری ہے (اگر مزارع کو کل بیج کی استطاعت نہ ہو اور وہ شرکت ہی چاہتا ہو تو جواز عقد کیلئے مالک اس کو نصف بیج قرض یا ہدیہ یا کم قیمت میں دیدے)(۲)
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

یمین
شجرہ (۶): اقسام یمین باعتبار زمان
مستقبل سے متعلق ہو
ماضی وحال سے متعلق ہو
آئندہ کسی فعل کے کرنے یا نہ کرنے کے متعلق قسم کھانا
اپنی دانست میں خود کو سچ جانتے ہوئے ماضی یا حال کی کسی بات پر قسم کھانا حالانکہ وہ اس میں جھوٹا ہو
ماضی یا حال سے متعلق کسی واقعہ کے ہونے یا نہ ہونے کی عمداً جھوٹی قسم کھانا
اس کو یمین لغو کہا جاتا ہے
حکم
ممکنات میں سے نہ ہو
وہ فعل ممکنات میں سے ہو
جیسے قسم بخدا میں نہیں مروں گا، یا آج سورج غروب نہ ہوگا، یا تمہارے لئے فلاں ستارہ یا چاند توڑ کر لاؤں گا وغیرہ
جیسے میں فلاں کھانا نہیں کھاؤں گا یا فلاں سے بات نہیں کروں گا وغیرہ
اس میں گناہ لازم نہیں اور نہ کوئی کفارہ واجب ہے (۱)
اس کو یمین منعقدہ کہا جاتا ہے
حکم
اس میں حانث ہونے پر استغفار کے ساتھ قسم کا کفارہ بھی واجب ہے (۲)
اس کو یمین غموس کہا جاتا ہے
حکم
نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں
اس میں توبہ استغفار واجب ہے کفارہ کچھ لازم نہیں (۳)

شجرہ (۷): اقسام یمین باعتبار اطلاق وتقیید

یمین

مطلق

جس میں کسی وقت یا مدت کی صراحتاً یا دلالتاً کوئی قید نہ لگائی گئی ہو

- **مثبت ہو**
  - جیسے بخدا میں یہ روٹی ضرور کھاؤں گا
  - جب تک حالف اور محلوف علیہ (روٹی) موجود ہو حانث نہیں ہوگا اگر حالف فوت ہوجائے یا محلوف علیہ ضائع ہوجائے تو حانث ہوجائے گا اور کفارہ لازم ہوگا(۱)
- **منفی ہو**
  - جیسے بخدا میں یہ روٹی نہیں کھاؤں گا
  - اس میں حالف یا محلوف علیہ (روٹی) دونوں میں سے کوئی ایک ہلاک وضائع ہوجائے تو یمین ختم ہوجائے گی اور حانث نہ ہوگا(۲)

مقید

جس میں وقت یا زمانہ کی قید موجود ہو

- **صرحتاً قید ہو**
  - جیسے میں آج یہ روٹی کھا کر رہوں گا
  - اس میں حالف، محلوف علیہ اور مقررہ وقت باقی ہو تو حانث نہ ہوگا؛ اگر وقت ختم ہوجائے اور یہ دونوں باقی ہوں تو بالاتفاق حانث ہوجائے گا؛ اگر وقت موجود ہو اور حالف بھی باقی ہو لیکن محلوف علیہ نہ رہے تو یہ قسم باطل وکالعدم ہوگی البتہ امام ابویوسف کے نزدیک باقی رہے گی وقت گزرنے پر حانث ہوجائے گا(۳)
- **دلالتاً قید ہو**
  - جیسے بیوی گھر سے باہر نکل رہی تھی شوہر نے غصے میں کہا اگر باہر قدم رکھا تو تین طلاق
  - پس گویہ مطلق یمین ہے لیکن اس میں دلالت حال سے فوری وقت مراد ہوگا پس فوراً نکلی تو طلاق واقع ہوگی اور اگر کچھ دیر بیٹھ گئی پھر نکلی تو واقع نہ ہوگی اس کو **یمین فور** کہتے ہیں(۴)

نوٹ: حوالجات کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۸): نذر کا بیان

نذر

مطلق

جو کسی شرط پر معلق نہ ہو

جیسے کہا مجھ پر اللہ تعالیٰ کے واسطہ ایک سال کے روزے واجب ہیں اور ان کو کسی شرط پر معلق نہیں کیا اس کو نذر منجز اور نذر مرسل بھی کہا جاتا ہے

حکم

اس میں منذور بہ یعنی جس کی نذر مانی ہو مثلاً روزہ وغیرہ کا بعینہ ادا کرنا ضروری ہے اس میں کوئی کفارہ کافی نہ ہوگا

مقید

جو کسی شرط پر معلق ہو

ایسی شرط پر معلق ہو کہ ناذر اس شرط کے وجود کی امید و تمنی کرتا ہے یعنی جلب منفعت یا دفع مضرت کے قبیل سے کوئی شرط ہو

مثلاً کہا اگر اللہ نے میرے مریض کو شفاء دی یا میرے غائب کو لوٹا دیا تو میں ایک سال کا روزہ رکھوں گا یا حج کروں گا اس نذر کو "نذر تردد" کہتے ہیں

حکم (مذکورہ بالا)

ایسی شرط ہو کہ ناذر اس کے وقوع کو نہیں چاہتا ہے

مثلاً غصہ میں کہہ دیا کہ اگر میں فلاں سے بات کروں تو مجھ پر دس ہزار روپیہ صدقہ حالانکہ وہ چاہتا ہے کہ اس سے بات کرے اس نذر کو "نذر لجاج" کہا جاتا ہے

حکم

اس میں ناذر کو اختیار ہے کہ وجود شرط کے بعد خواہ منذور بہ کو ادا کرے یا قسم کا کفارہ دے

نوٹ: حوالجات کتاب میں "کتاب النذر" میں ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۹): لقطہ کا بیان

لقطہ

جس میں جلد فساد طاری ہو جاتا ہو

جیسے سیب، امرود وغیرہ اشیائے خوردنی جو پانی میں بہہ کر جا رہی ہوں

حکم: ان کو نکال کر کھا سکتے ہیں کیونکہ ان میں فساد طاری ہو جاتا ہے اور نہ نکالیں گے تو بگڑ کر یوں ہی برباد ہو جائیں گی

جس میں جلد فساد طاری نہ ہوتا ہو

جسے لوگ عادتاً پھینکتے نہ ہوں

- **قابل قیمت ہو**
  حکم: یہ لقطہ ہے مالک تک پہنچانا ضروری ہے اگرچہ وہ چیز منتشر ہو اور ایک ایک جمع کر کے قابل قیمت ہوئی ہو۔
- **قابل قیمت نہ ہو**
  حکم: اس میں اعلان ضروری نہیں خود کام میں لا سکتا ہے تاہم مالک آکر مانگے تو دینا ضروری ہے

جسے لوگ عادتاً پھینک دیتے ہوں

جیسے کھجور، آم وغیرہ کی گٹھلیاں، پانی کولڈ رینک وغیرہ کی بوتلیں اور سبزی مارکیٹ میں گری پڑی سبزیاں وغیرہ جنہیں لوگ عادتاً پھینک دیتے ہیں

حکم: یہ لقطہ نہیں اگرچہ کافی مقدار میں جمع کرنے کے بعد یہ چیزیں قابل قیمت ہو گئی ہوں پس انہیں استعمال کر سکتا ہے

نوٹ: حوالجات کتاب میں ''کتاب اللقطہ'' میں ملاحظہ فرمائیں

شجرہ (۱۰): وقف کا بیان

شرائط وقف

للواقف

۱- واقف عاقل ہو، فاتر العقل کا وقف صحیح نہیں

۲- بالغ ہو، نابالغ کا وقف صحیح نہیں

۳- آزاد ہو، غلام کا وقف صحیح نہیں

۴- بعض علماء کے نزدیک مسلمان ہو، لیکن صحیح یہ ہے کہ کافر کا وقف بھی صحیح ہے (تفصیل کتاب میں ہے)

للموقوف علیہ

اس میں وقف کا مصرف بننے کی صلاحیت ہو یعنی شرعاً وہ قربت اور ثواب کا مقام ہو خواہ فرد واحد پر وقف ہو جیسے زید، عمر، بکر یا جماعت پر ہو جیسے علماء، فقہاء، فقراء یا غیر ذی روح پر ہو جیسے مسجد، مدرسہ وغیرہ۔ پس مندر، گرجا گر وغیرہ معصیت کی چیزوں کیلئے وقف درست نہیں

لتعبیر الوقف

۱- وقف منجز ہو، کسی شرط پر معلق نہ ہو مثلاً فلاں کی اجازت ہو تو وقف ہے ورنہ نہیں اس طرح وقف صحیح نہیں

۲- وقف ہمیشہ کیلئے ہو محدود مدت سال دو سال کیلئے وقف صحیح نہیں

۴- میں جب چاہوں گا اس کو بیچ دوں گا یا کسی کو ہدیہ کر دوں گا وغیرہ کوئی ایسی شرط اس میں نہ ہو جس سے وقف کا مقصد فوت ہو جائے

۵- اس میں خیار شرط نہ ہو یعنی جب چاہوں گا رجوع کر لوں گا یہ اختیار نہ رکھا ہو

للشیء الموقف

آگے صفحہ پر

پیچھے صفحہ کا

۱-شیء موقوفہ مال متقوم ہو، پس جو چیز غیر متقوم ہو یا شرعاً جو مال نہ ہو اس کا وقف صحیح نہیں

۲-غیر منقولہ: زمین عمارت وغیرہ ہو۔ منقول اشیاء کا وقف صحیح نہیں، مگر یہ کہ غیر منقول کے ضمن میں ہو یا اس کا وقف مروج ہو

۳- وہ شیء معلوم و متعین ہو، پس مطلق یہ کہنا کہ میں زمین وقف کرتا ہوں کافی نہیں اس کے مقام اور حدود کی تعیین لازم ہے مگر یہ کہ مشہور جگہ ہو اور حدود معین ہوں

۵-ایسی چیز ہو کہ اس کا انتفاع اس کے عین کے بقاء کے ساتھ ممکن ہو۔ پس دراہم، دنانیر، کھانے پینے کی اشیاء اور دواؤں وغیرہ کا وقف صحیح نہیں

۶-امام محمدؒ کے نزدیک قابل تقسیم شیء ہو تو علاحدہ ہو مشترک نہ ہو، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک مشترک (مشاع) میں سے اپنے حصے کا وقف بھی صحیح ہے فتویٰ اسی پر ہے لیکن مسجد اور قبرستان کیلئے بالاتفاق وقف مشاع جائز نہیں (تفصیل کتاب میں ہے)

مستفاد: شامی، بدائع، بحر، ھندیہ وغیرھا من الکتب المستندة

حوالجات شجرات

حوالجات شجره (۳): مضاربت کا بیان

(۱) انظر تخريجه تحت ضابطة: ۵۱۴

(۲) (أما) الذي يرجع إلى العاقدين وهما رب المال والمضارب، فأهلية التوكيل والوكالة؛ (بدائع: ۸۱/۶، شاملة) (وشرطها) أمور سبعة (كون رأس المال من الأثمان) (الدر المختار: ۶۴۷/۵) (وكونه عينا لا دينا).... (وكون رأس المال معلوما) لئلا يقعا في المنازعة.... (وتسليمه إلى المضارب) حتى لا يبقى لرب المال فيه يد... (و) الخامس (كون نصيب المضارب من الربح معلوما عنده) أي عند العقد لأن الربح هو المعقود عليه وجهالته توجب فساد العقد (و) السادس (شيوع الربح بينهما بحيث لا يستحق أحدهما دراهم مسماة) لقطعه الشركة في الربح لاحتمال أن لا يحصل من الربح إلا قدر ما شرط له (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۳۱۱/۲، شاملة) فعقد المضاربة يبطل بالفسخ، وبالنهي عن التصرف... وتبطل بموت أحدهما؛ لأن المضاربة تشتمل على الوكالة، والوكالة تبطل بموت الموكل والوكيل ...وتبطل بجنون أحدهما إذا كان مطبقا... وتبطل بهلاك مال المضاربة في يد المضارب قبل أن يشتري به شيئا في قول أصحابنا (بدائع: ۱۱۲/۶) (تبطل) أي المضاربة (بموت أحدهما)... (ولحوق المالك) بدار الحرب (مرتدا) وحكم القاضي به لأنه كالموت (درر الحكام شرح غرر الأحكام: ۳۱۱/۲)

(۳) انظر تخريجه تحت ضابطة: ۵۱۵

حوالجات شجره (۴): شرکت کا بیان

(۱) شركة مفاوضة وهي أن يشترك متساويان تصرفا ودينا ومالا وربحا وتتضمن الوكالة والكفالة (ملتقى الأبحر: ۱/۵۴۷، شاملة)

(۲) وأما شركة العنان فتنعقد على الوكالة دون الكفالة، ويصح التفاضل في المال، ويصح أن يتساويا في المال ويتفاضلا في الربح، ويجوز أن يعقدها كل واحد منهما ببعض ماله دون بعض. (قدری علی هامش اللباب: ۲/۱۲۵)

(۳) (منها) أهلية الوكالة؛ لأن الوكالة لازمة في الكل وهي أن يصير كل واحد (بدائع: ۶/۶۲، شاملہ) (لا تصح شركة في احتطاب واحتشاش واصطياد واستقاء وسائر مباحات) كاجتناء ثمار من جبال وطلب معدن من كنز وطبخ آجر من طين مباح۔ (الدر المختار على هامش رد المحتار: ۴/۳۲۵، شاملة) (ومنها): أن يكون الربح جزءا شائعا في الجملة، لا معينا... (ومنها): أن يكون رأس مال الشركة عينا حاضرا لا دينا، ولا مالا غائبا، فإن كان لا تجوز عنانا (بدائع: ۲/۶۰ شاملة) مع التفاصل في المال دون الربح وعكسه [درمختار] وإن شرط الربح للعامل أكثر من رأس ماله جاز (شامي: ۶/۸۴۱، زكريا)

(۴) انظر تخريجه تحت ضابطة: ۵۲۲۔

حوالجات شجره (۵): مزارعت کا بیان

(۱) (منها): أن تكون الأرض والبذر والبقر والآلة من جانب، والعمل من جانب وهذا جائز... (ومنها): أن تكون الأرض من جانب، والباقي كله من جانب، وهذا أيضا جائز... (ومنها): أن تكون الأرض والبذر من جانب والبقر والآلة والعمل من جانب فهذا أيضا جائز (بدائع الصنائع: ۶/۱۷۹، شاملہ)

(۲) (ومنها): أن تكون الأرض والبقر من جانب، والبذر والعمل من

جانب وهذا لا يجوز في ظاهر الرواية، وروي عن أبي يوسف أنه يجوز...
(ومنها): أن يكون البذر والبقر من جانب، والأرض والعمل من جانب، وهذا لا يجوز أيضا؛ لأن صاحب البذر يصير مستأجرا للأرض والعامل جميعا ببعض الخارج، والجمع بينهما يمنع صحة المزارعة. (ومنها): أن يكون البذر من جانب، والباقي كله من جانب، وهذا لا يجوز أيضا؛ لما قلنا وروي عن أبي يوسف في هذين الفصلين أيضا أنه يجوز. (الحوالة السابقة)

(۳) (ومنها): أن يشترط في عقد المزارعة أن يكون بعض البذر من قبل أحدهما، والبعض من قبل الآخر، وهذا لا يجوز؛ لأن كل واحد منهما يصير مستأجرا صاحبه في قدر بذره، فيجتمع استئجار الأرض والعمل من جانب واحد وإنه مفسد. (*بدائع*: ۶/ ۱۸۰، *شاملہ*)

حوالجات شجره (۲): اقسام یمین باعتبار زمان

(۱) واليمين اللغو: أن يحلف على أمر ماض) مثل أن يحلف على شيء أنه فعله أو لم يفعله (وهو يظن أنه كما قال، و) كان (الأمر بخلافه) وقد يقع على الحال مثل أن يحلف أنه زيد وإنما هو عمرو... (فهذه) اليمين (نرجو أن لا يؤاخذ الله بها صاحبها) (اللباب في شرح الكتاب: ۳/ ۳، شاملة)

(۲) (و) ثالثها (منعقدة وهي حلفه على فعل أو ترك في المستقبل وحكمها وجوب الكفارة إن حنث) لقوله تعالى (*مجمع الانہر*: ۱/ ۵۳۹، *شاملہ*)

(۳) (غموس) هو فعول بمعنى فاعل وهو الحلف على إثبات شيء أو نفيه في الماضي أو الحال يتعمد الكذب... (وحكمها) أي اليمين الغموس (الإثم ولا كفارة فيها) أي في اليمين (*مجمع الانہر*: ۱/ ۵۳۹) وفي الشامية: قوله فالفارق إلخ) أقول: هناك فارق آخر، وهو أن الغموس تكون في الأزمنة الثلاثة على ما سيأتي واللغو لا تكون في الاستقبال ح- (*شامی*: ۳/ ۷۰۶، *شاملہ*) وفي

الدر: (و) ثالثها (منعقدة وهي حلفه على) مستقبل (آت) يمكنه فنحو: والله لاأموت ولاتطلع الشمس من الغموس (الدر المختار: ۳/ ۷۰۸ بشامیہ)

حوالجات شجره (۷):

اقسام یمین باعتبار اطلاق وتقیید

(۱-۲-۳-۴) مستفاد من هذه العبارات: فالحلف لا يخلو إما أن يكون مطلقا عن الوقت وإما أن يكون موقتا بوقت وكل ذلك لا يخلو إما أن يكون في الإثبات أو في النفي فإن كان مطلقا في الإثبات بأن قال والله لآكلن هذا الرغيف ... فما دام الحالف والمحلوف عليه قائمين لا يحنث لأن الحنث في اليمين المطلقة يتعلق بفوات البر في جميع البر فما داما قائمين لا يقع اليأس عن تحقيق البر فلا يحنث فإذا هلك أحدهما يحنث لوقوع العجز عن تحقيقه غير أنه إذا هلك المحلوف عليه يحنث وقت هلاكه وإذا هلك الحالف يحنث في آخر جزء من أجزاء حياته لأن الحنث في الحالين بفوات البر. ووقت فوات البر في هلاك المحلوف عليه وقت هلاكه، وفي هلاك الحالف آخر جزء من أجزاء حياته وإن كان في النفي بأن قال والله لا آكل هذا الرغيف أو لا أشرب الماء الذي في هذا الكوز فلم يأكل ولم يشرب الماء حتى هلك أحدهما فقد بر في يمينه لوجود شرط البر وهو عدم الأكل والشرب، وإن كان موقتا بوقت فالوقت نوعان موقت نصا وموقت دلالة أما الموقت نصا فإن كان في الإثبات بأن قال والله لآكلن هذا الرغيف اليوم ...ونحو ذلك فما دام الحالف والمحلوف عليه قائمين والوقت قائما لا يحنث لأن البر في الوقت مرجو فتبقى اليمين وإن كان الحالف والمحلوف عليه قائمين ومضى الوقت يحنث في قولهم جميعا لأن اليمين كانت مؤقتة بوقت فإذا لم يفعل المحلوف عليه حتى مضى الوقت وقع اليأس عن فعله في الوقت ففات البر عن الوقت

فیحنث.وإن هلك الحالف في الوقت والمحلوف عليه قائم فمضى الوقت لا يحنث بالإجماع لأن الحنث في اليمين المؤقتة بوقت يقع في آخر أجزاء الوقت وهو ميت في ذلك الوقت والميت لا يوصف بالحنث وإن هلك المحلوف عليه والحالف قائم والوقت باق فيبطل اليمين في قول أبي حنيفة ومحمد وزفر وعند أبي يوسف لا تبطل ...وإن كانفي النفي فمضى الوقت والحالف والمحلوف عليه قائمان فقد بر في يمينه لوجود شرط البر وكذلك إن هلك الحالف والمحلوف عليه في الوقت لما قلنا وإن فعل المحلوف عليه في الوقت حنث لوجود شرط الحنث وهو الفعل في الوقت والله -عز وجل- أعلم.(وأما) المرقت دلالة فهو المسمى يمين الفور...وهو أن يكون اليمين مطلقا عن الوقت نصا، ودلالة الحال تدل على تقييد الشرط بالفور بأن خرج جوابا لكلام أو بناء على أمر نحو أن يقول لآخر: تعال تغد معي، فقال: والله لا أتغدى فلم يتغد معه ثم رجع إلى منزله فتغدى لا يحنث استحسانا۔ (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۲)وأما يمين الفور ... نحو أن تتهيأ المرأة للخروج فقال: إن خرجت فأنت طالق فقعدت ساعة ثم خرجت لا تطلق الخ.(الجوهرة النيرة: ۱۹۱/۲،شاملہ)

قال المؤلف عفى الله عنه: قد تم المجلد الثالث بحمد الله تعالیٰ وتوفيقه ويتلوه إن شاء الله تعالیٰ المجلد الرابع۔

وصلى الله تعالیٰ علی خير خلقه سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وبارک وسلم تسليماً كثيراً۔

یہ کتاب!

یہ کتاب طلبہ کے لئے تو مفید ہے ہی، اساتذہ کے لئے بھی مفید ہے، اگر اساتذہ اس کا مطالعہ کریں تو ان کی فقہ کی تعلیم میں چار چاند لگ جائیں گے اور ان کے لئے بکھری ہوئی جزئیات کو ایک لڑی میں پروکر پیش کرنا آسان ہوجائے گا۔

(محدث کبیر حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری)

مؤلف کی یہ کاوش 'تالیف برائے تالیف' نہیں ہے، بلکہ ثاقعی اس سے ایک ایسے گوشہ کی تکمیل ہوتی ہے جس پر کام کی ضرورت تھی..... مؤلف عزیز نے صرف نقل ہی پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ استنباط سے بھی کام لیا ہے.....غالباً اردو زبان میں اس طرح کی یہ پہلی کوشش ہے، اس لئے اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کے اساتذہ و طلبہ کے لئے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے.... اگر اساتذہ اس کتاب کو اپنے سامنے رکھیں گے تو انشاء اللہ نفع محسوس کریں گے۔

(فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ صاحب رحمانی)

امید ہے کہ یہ کتاب ''تعریفات جرجانی'' سے بھی برصغیر کے علماء اور طلبہ کے لئے زیادہ مفید ثابت ہوگی۔ (حضرت مفتی شبیر احمد صاحب شاہی مرادآباد)

اس کتاب کے مطالعہ سے بالخصوص فقہ و فتاویٰ میں مشغول طلبہ و اساتذہ کو بھرپور رہنمائی ملے گی، فقہی کتابوں کا سمجھنا آسان ہوگا اور علم میں بصیرت اور جلاء پیدا ہوگی۔

(حضرت مولانا مفتی سلمان صاحب منصور پوری)

MAKTABA HIJAZ

Urdu Bazar, Jama Masjid, Deoband-247554
Distt. Saharanpur (U.P.) India
Mobile : 09358914948 , 09997866990